فتح الله الأحد

بتوضيح

الأدب المفرد

لمحمد بن إسماعيل الإمام البخاريؒ ٢٥٦ھ

از افادات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل

مکتبۂ محمودیہ محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

فتح الله الأحد

بتوضيح

الأدب المفرد

لمحمد بن إسماعيل الإمام البخاري رحؒ ٢٥٦ھ

ازافادات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل

مکتبۂ محمودیہ محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۞	پیش لفظ	۱۱
۱	حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی	۱۳
۲	حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب	۱۳
۳	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جعفی کہنے کی وجہ	۱۳
۴	عقدِ موالات کا مطلب	۱۴
۵	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور دادا	۱۴
۶	امام بخاری رحمۃ اللہ کی پیدائش	۱۵
۷	والدہ کی دعا	۱۵
۸	مکتب ہی میں حدیث کا شوق	۱۶
۹	بچپن میں آپ کے حافظہ کا عالم	۱۶
۱۰	متن اور سند	۱۶
۱۱	بچپن ہی میں فن حدیث میں مہارت	۱۷
۱۲	حجاز مقدس میں قیام	۱۸
۱۳	نوعمری میں آپ کی سب سے پہلی تصنیف	۱۸
۱۴	علم حدیث کی پیاس اور دور دراز ملکوں کا سفر	۱۹
۱۵	عالی سند کے حصول کے لیے آپ کے اسفار	۱۹
۱۶	آپ کے حافظہ کا ایک واقعہ	۲۰

۱۷	طالب علمی کے زمانے میں آپ کا مقام	۲۱
۱۸	تفریح کے بجائے علمی اشتغال	۲۱
۱۹	آپ کے حافظہ کا امتحان	۲۲
۲۰	نماز کے موضوع پر احادیث	۲۴
۲۱	فن اسماء الرجال میں مہارت کا ایک واقعہ	۲۴
۲۲	آپ کے مشائخ واساتذہ	۲۵
۲۳	آپ کے تلامذہ	۲۶
۲۴	آپ کی فہم حدیث کا واقعہ	۲۷
۲۵	امیر المومنین فی الحدیث ہونے کا سب نے اعتراف کیا	۲۸
۲۶	چائے پی کر محدث بنا	۲۹
۲۷	اپنا حق چھوڑ دیا	۲۹
۲۸	کم آمدنی پر گزارہ	۳۰
۲۹	ایک ہی جوڑے پر گزارہ	۳۲
۳۰	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق عبادت	۳۳
۳۱	وراق کی وجہ تسمیہ	۳۴
۳۲	فقیہ کون؟	۳۴
۳۳	قوت حافظہ کے لیے بہترین دوا	۳۵
۳۴	نماز میں انہماک	۳۶
۳۵	آپ کا احتیاط	۳۶
۳۶	آپ کا جود وسخا	۳۷

۳۷	تیر کا غلط نشانہ پر لگنا اور آپ کا تاوان ادا کرنا	۳۸
۳۸	آپ نے ساری عمر کسی کی غیبت نہیں کی	۳۹
۳۹	چھوٹوں سے معافی مانگنا	۴۰
۴۰	عفوودرگزر	۴۰
۴۱	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام	۴۱
۴۲	امیر کی طرف سے آپ پر مظالم	۴۱
۴۳	بخارا سے خرتنگ کی طرف	۴۲
۴۴	آپ کا موت کی تمنا کرنا	۴۲
۴۵	عالم دنیا سے عالم آخرت کی طرف	۴۳
۴۶	مقدمہ	۴۴
۴۷	بَابُ بِرِّ الأُمِّ	۴۶
۴۸	ماں کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت کے بارے میں	۴۶
۴۹	ماں کی نافرمانی کی سزا	۴۸
۵۰	ماں کی دعا کا کرشمہ	۵۰
۵۱	ماں کی خدمت اپنی ڈاڑھی سے	۵۱
۵۲	بَابُ بِرِّ الْأَبِ	۵۳
۵۳	باپ کے ساتھ حسن سلوک کا بیان	۵۳
۵۴	بَابُ بِرِّ وَالِدَيْهِ وَإِنْ ظَلَمَا	۵۴
۵۵	اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اگرچہ وہ ظلم وزیادتی کریں	۵۵
۵۶	بَابُ لَيِّنِ الْكَلَامِ لِوَالِدَيْهِ	۵۶

۵۷	ماں باپ کے سامنے نرمی سے گفتگو کرنا	۵٦
۵۸	بَابُ جَزَاءِ الْوَالِدَيْنِ	۵۹
۵۹	ماں باپ کے احسان کا بدلہ	۵۹
٦۰	بَابُ عُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ	٦٦
٦۱	والدین کی نافرمانی (اور ان کے ساتھ بدسلوکی)	٦٦
٦۲	بَابُ لَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ	۷۰
٦۳	اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو اپنے والدین پر لعنت کرے	۷۰
٦۴	بَابُ يَبَرُّ وَالِدَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ مَعْصِيَةً	۷۲
٦۵	ماں باپ کی فرمانبرداری کرتا رہے بشرطیکہ گناہ نہ ہو	۷۲
٦٦	بَابُ مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ	۷۷
٦۷	اس شخص کا بیان جس نے اپنے والدین کو پایا؛ لیکن ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہیں ہوا	۷۸
٦۸	بَابُ مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ زَادَ اللهُ فِي عُمْرِهِ	۷۸
٦۹	جو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ فرماتا ہے	۷۹
۷۰	بَابُ لَا يَسْتَغْفِرُ لِأَبِيهِ الْمُشْرِكِ	۷۹
۷۱	اپنے مشرک والد کے لیے استغفار نہیں کر سکتے	۷۹
۷۲	بوڑھے والدین کے ساتھ شفقت	۸۱
۷۳	ابوطالب کی آخری گھڑی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری کوشش	۸۲
۷۴	بَابُ بِرِّ الْوَالِدِ الْمُشْرِكِ	۸۳

۷۵	مشرک ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا	۸۴
۷۶	بَابُ لَا يَسُبُّ وَالِدَيْهِ	۹۵
۷۷	اولاد اپنے ماں باپ کو گالی نہ دیں	۹۵
۷۸	بَابُ عُقُوبَةِ عُقُوقِ الْوَالِدَيْن	۹۶
۷۹	ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی سزا	۹۷
۸۰	بَابُ بُكَاءِ الْوَالِدَيْنِ	۹۸
۸۱	والدین کا رونا	۹۸
۸۲	بَابُ دَعْوَةِ الْوَالِدَيْنِ	۹۹
۸۳	ماں باپ کی دعا کا بیان	۹۹
۸۴	جریج کا قصہ	۱۰۲
۸۵	دودھ پیتے بچوں کے بات کرنے اور بولنے کے پانچ واقعات	۱۰۳
۸۶	بَابُ عَرْضِ الْإِسْلَامِ عَلَى الْأُمِّ النَّصْرَانِيَّةِ	۱۱۰
۸۷	نصرانی ماں کے سامنے اسلام پیش کرنا	۱۱۱
۸۸	بَابُ بِرِّ الْوَالِدَيْنِ بَعْدَ مَوْتِهِمَا	۱۱۲
۸۹	ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا	۱۱۲
۹۰	اولاد پر والدین کے انتقال کے بعد چار حقوق	۱۱۳
۹۱	بَابُ بِرِّ مَنْ كَانَ يَصِلُهُ أَبُوهُ	۱۱۸
۹۲	ماں باپ کے تعلق والوں سے محبت کرنا	۱۱۸
۹۳	بَابُ لَا تَقْطَعْ مَنْ كَانَ يَصِلُ أَبَاكَ فَيُطْفَأَ نُورُكَ	۱۲۰

۹۴	تمہارے ابا جن کے ساتھ اچھا تعلق رکھتے تھے ان کے ساتھ قطع تعلق نہ کیجیے- ورنہ تمہارا نور بجھا دیا جائے گا	۱۲۱
۹۵	بَابُ الْوُدُّ يُتَوَارَثُ	۱۲۲
۹۶	محبت بھی وراثت میں چلتی ہے	۱۲۳
۹۷	الْوُدُّ يَتَوَارَثُ وَالْبُغْضُ يَتوَارَثُ	۱۲۳
۹۸	محبت بھی وراثت میں چلتی ہےاور بغض بھی	۱۲۳
۹۹	بَابُ لَا يُسَمِّي الرَّجُلُ أَبَاهُ، وَلَا يَجْلِسُ قَبْلَهُ، وَلَا يَمْشِي أَمَامه	۱۲۳
۱۰۰	کوئی شخص نہ اپنے والد کو نام سے پکارے، نہ ان سے پہلے بیٹھے اور نہ ان کے آگے چلے	۱۲۴
۱۰۱	بَابُ هَلْ يُكَنِّي أَبَاهُ؟	۱۲۴
۱۰۲	کیا اپنے والد کو کنیت سے پکار سکتے ہیں؟	۱۲۴
۱۰۳	بَابُ وُجُوبِ صِلَةِ الرَّحِمِ	۱۲۷
۱۰۴	صلہ رحمی کے وجوب کا بیان	۱۲۸
۱۰۵	بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ	۱۳۱
۱۰۶	صلہ رحمی کے بارے میں	۱۳۱
۱۰۷	بَابُ فَضْلِ صِلَةِ الرَّحِمِ	۱۳۶
۱۰۸	صلہ رحمی کی فضیلت کے بارے میں	۱۳۷
۱۰۹	بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ تَزِيدُ فِي الْعُمْرِ	۱۴۱
۱۱۰	بَابُ مَنْ وَصَلَ رَحِمَهُ أَحَبَّهُ أَهْلُهُ	۱۴۲

۱۱۱	جو آدمی صلہ رحمی کرے گا اس کے خاندان والے اس سے محبت کریں گے	۱۴۲
۱۱۲	بَابُ بِرِّ الْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ	۱۴۲
۱۱۳	حسب مراتب قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا	۱۴۳
۱۱۴	باب لاتنزل الرحمة على قوم فيهم قاطع رحم	۱۴۷
۱۱۵	ایسی قوم پر رحمت نہیں اترتی ہے جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو	۱۴۷
۱۱۶	بَابُ إِثْمِ قَاطِعِ الرَّحِمِ	۱۴۸
۱۱۷	رشتہ داروں کے ساتھ قطع رحمی کے گناہ کے بارے میں	۱۴۸
۱۱۸	بَابُ عُقُوبَةِ قَاطِعِ الرَّحِمِ فِي الدُّنْيَا	۱۵۱
۱۱۹	جو شخص قطع رحمی کرے اس کی دنیا میں سزا	۱۵۱
۱۲۰	بَابُ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ	۱۵۱
۱۲۱	برابری کا بدلہ دینے والا حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا نہیں	۱۵۲
۱۲۲	بَابُ فَضْلِ مَنْ يَصِلُ ذَا الرَّحِمِ الظَّالِمِ	۱۵۳
۱۲۳	اپنے ظالم رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کرنا	۱۵۳
۱۲۴	بَابُ مَنْ وَصَلَ رَحِمَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ثُمَّ أَسْلَمَ	۱۵۴
۱۲۵	جس نے زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی کی ہو پھر وہ شخص مسلمان ہوا	۱۵۵
۱۲۶	بَابُ صِلَةِ ذِي الرَّحِمِ الْمُشْرِكِ وَالْهَدِيَّةِ	۱۵۵
۱۲۷	غیر مسلم رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور اس کو ہدیہ دینا	۱۵۶
۱۲۸	بَابُ تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ	۱۵۸
۱۲۹	اپنے نسبوں کو جانیئے تاکہ تم صلہ رحمی کر سکیں	۱۵۸
۱۳۰	انساب کو جاننے کی چند وجوہات	۱۵۹

۱۳۱	بَابُ: هَلْ يَقُولُ الْمَوْلَى: إِنِّي مِنْ فُلَانٍ؟	۱۶۲
۱۳۲	کیا آزاد کردہ غلام اپنی نسبت آزاد کیے ہوئے خاندان کی طرف کر سکتا ہے؟	۱۶۳
۱۳۳	بَابُ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ	۱۶۴
۱۳۴	آزاد کردہ غلام بھی قوم میں شمار کیا جائے گا	۱۶۴
۱۳۵	بَابُ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ أَوْ وَاحِدَةً	۱۶۶
۱۳۶	اس شخص کی فضیلت کا بیان جس نے ایک یا دو لڑکیوں کی پرورش کی	۱۶۷
۱۳۷	بَابُ مَنْ عَالَ ثَلَاثَ أَخَوَاتٍ	۱۶۹
۱۳۸	تین بہنوں یا بیٹوں کی پرورش کرنے کی فضیلت	۱۶۹
۱۳۹	بَابُ فَضْلِ مَنْ عَالَ ابْنَتَهُ الْمَرْدُودَةَ	۱۷۰
۱۴۰	اس آدمی کی فضیلت جس نے اپنی لوٹی ہوئی بیٹی کی پرورش کی	۱۷۱
۱۴۱	حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف	۱۷۱
۱۴۲	بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَتَمَنَّى مَوْتَ الْبَنَاتِ	۱۷۳
۱۴۳	لڑکیوں کی موت کی تمنا کا ناپسندیدہ ہونا	۱۷۴
۱۴۴	بَابُ الْوَلَدُ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ	۱۷۵
۱۴۵	اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہے	۱۷۵
۱۴۶	بَابُ حَمْلِ الصَّبِيِّ عَلَى الْعَاتِقِ	۱۷۸
۱۴۷	بچے کو کندھے پر اٹھانے کا بیان	۱۷۹
۱۴۸	بَابُ الْوَلَدُ قُرَّةُ الْعَيْنِ	۱۸۰
۱۴۹	اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہے	۱۸۱

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	بَابُ مَنْ دَعَا لِصَاحِبِهِ أَنْ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَه	۱۷
۲	اپنے ساتھی کے لیے مال اور اولاد کی زیادتی کی دعا کرنا	۱۷
۳	بَابُ الْوَالِدَاتُ رَحِيمَاتٌ	۱۸
۴	مائیں شفیق اور مہربان ہوا کرتی ہیں	۱۸
۵	بَابُ قُبْلَةِ الصِّبْيَانِ	۱۹
۶	بچوں کو بوسہ دینا	۲۰
۷	بَابُ أَدَبِ الْوَالِدِ وَبِرِّهِ لِوَلَدِهِ	۲۱
۸	باپ کا اپنے بچوں کو ادب سکھلانا اور ان کے ساتھ بھلائی کرنا	۲۱
۹	اولاد پر تقسیم میں برابری نہ کرنے پر وعید	۲۲
۱۰	بَابُ بِرِّ الْأَبِ لِوَلَدِهِ	۲۵
۱۱	باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرنا	۲۶
۱۲	بَابُ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ	۲۶
۱۳	جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا	۲۶
۱۴	بَابُ الرَّحْمَةُ مِائَةُ جُزْءٍ	۲۹
۱۵	صفت رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو حصوں میں سے ایک حصہ ہے	۲۹
۱۶	بَابُ الْوَصَاةِ بِالْجَارِ	۳۰

۱۷	پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم	۳۰
۱۸	میرا تو اور آگے کا سفر ہے	۳۲
۱۹	اللہ کے یہاں جواب دہی کا احساس اللہ کی نافرمانی سے بچاتا ہے	۳۳
۲۰	پڑوسی کو ادنی درجہ کی تکلیف بھی نہ پہنچے	۳۴
۲۱	پڑوسی کو تکلیف پہنچانے پر بڑی سخت وعید	۳۴
۲۲	پڑوسی کے حقوق کا اتنا زیادہ خیال کرتے تھے	۳۵
۲۳	حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات	۳۶
۲۴	آم کے موسم میں پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت	۳۷
۲۵	مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ	۳۸
۲۶	دستر خوان جھاڑنا بھی آتا ہے؟	۳۹
۲۷	پکے مکان سے ان کو حسرت ہوگی	۳۹
۲۸	امت کی ہمدردی کا ایک عجیب قصہ	۴۰
۲۹	اس کو پہلے کھجور پانی دے دو	۴۱
۳۰	ایسا خیال نہیں لایا کرتے	۴۲
۳۱	بَابُ حَقِّ الْجَارِ	۴۲
۳۲	پڑوسی کا حق	۴۳
۳۳	بَابُ يَبْدَأُ بِالْجَارِ	۴۴
۳۴	بھلائی اور احسان کی ابتداء پڑوسی سے کی جائے	۴۴

۳۵	بَابُ يَهْدِي إِلَى أَقْرَبِهِمْ بَابًا	۴۶
۳۶	قریب دروازے والے پڑوسی کو سب سے پہلے ہدیہ دینا	۴۶
۳۷	بَابُ الْأَدْنَى فَالْأَدْنَى مِنَ الْجِيرَانِ	۴۸
۳۸	جو پڑوسی جتنا قریب ہو اس کا حق بھی اتنا ہی زیادہ ہے	۴۸
۳۹	بَابُ مَنْ أَغْلَقَ الْبَابَ عَلَى الْجَارِ	۴۹
۴۰	وہ شخص جس نے پڑوسی کے لیے دروازہ بند کر دیا	۵۰
۴۱	بَابُ لَا يَشْبَعُ دُونَ جَارِه	۵۰
۴۲	اپنے پڑوسی کو چھوڑ کر اپنا پیٹ بھرنا	۵۱
۴۳	بَابُ يُكْثِرُ مَاءَ الْمَرَقِ فَيَقْسِمُ فِي الْجِيرَانِ	۵۲
۴۴	شوربے کا پانی بڑھادے اور اس کو پڑوسیوں میں تقسیم کرے	۵۲
۴۵	بَابُ خَيْرِ الْجِيرَانِ	۵۵
۴۶	بہترین پڑوسی	۵۵
۴۷	بَابُ الْجَارِ الصَّالِحِ	۵۶
۴۸	نیک پڑوسی	۵۶
۴۹	بَابُ الْجَارِ السُّوءِ	۵۶
۵۰	بُرا پڑوسی	۵۷
۵۱	بَابُ لَا يُؤْذِي جَارَهُ	۵۸
۵۲	اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے	۵۸

۵۳	بَابُ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنُ شَاةٍ	٦۵
۵۴	پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کسی بھی چیز کو معمولی نہ سمجھے چاہے وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو	٦٦
۵۵	بَابُ شِكَايَةِ الْجَارِ	٦۹
۵٦	پڑوسی کی شکایت	٦۹
۵۷	بَابُ مَنْ آذیٰ جَارَهُ حَتَّى يَخْرُجَ	۷۲
۵۸	پڑوسی کی تکلیف پر گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جانا	۷۲
۵۹	بَابُ جَارِ الْيَهُودِيِّ	۷۳
٦۰	یہودی یعنی غیر مسلم پڑوسی کے حقوق کا بیان	۷۳
٦۱	بَابُ الْكَرَمِ	۷۴
٦۲	بزرگی اور شرافت کا بیان	۷۴
٦۳	بَابُ الْإِحْسَانِ إِلَى الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ	۷۷
٦۴	نیک اور بد ہر ایک کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید	۷۷
٦۵	بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا	۷۸
٦٦	جو شخص کسی یتیم کی پرورش کرے اس کی فضیلت کے بارے میں	۷۸
٦۷	بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا لَهُ	۷۹
٦۸	جو آدمی اپنے یتیم کی پرورش کرے اس کی فضیلت کے بارے میں	۷۹
٦۹	بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا مِنْ أَبَوَيْهِ	۸۱

۷۰	والدین میں سے کوئی اپنے یتیم کی پرورش کرے اس کی فضیلت	۸۱
۷۱	بَابُ خَيْرُ بَيْتٍ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ	۸۵
۷۲	بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو	۸۵
۷۳	یتیم کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے	۸۶
۷۴	بَابُ كُنْ لِلْيَتِيمِ كَالْأَبِ الرَّحِيمِ	۸۶
۷۵	یتیم کے حق میں تم مہربان باپ کی طرح ہو جاؤ	۸۷
۷۶	راویٔ حدیث کے مختصر حالات	۸۷
۷۷	یتیم کے واسطے آپ مہربان باپ کی طرح بن جاؤ	۸۸
۷۸	خوش حالی کے بعد فقر بہت بری چیز ہے	۸۸
۷۹	راہ راست کے بعد گمراہی سب سے خطرناک ہے	۸۸
۸۰	راہ راست کے بعد گمراہی کا ایک بہت بڑا سبب	۸۹
۸۱	مال کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ سمجھے	۸۹
۸۲	اپنی دینداری کی وجہ سے اپنے سے کم تر کو حقیر نہ سمجھے	۹۰
۸۳	مرض برا ہے مریض برا نہیں	۹۰
۸۴	کسی کو حقیر سمجھنے کا انجام	۹۱
۸۵	ہدایت اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے	۹۱
۸۶	بَابُ فَضْلِ الْمَرْأَةِ إِذَا تَصَبَّرَتْ عَلَى وَلَدِهَا وَلَمْ تَتَزَوَّجْ	۹۴

۸۷	کسی عورت نے اپنے بچے کی خاطر نکاح نہیں کیا صبر سے زندگی گذاری اس کی فضیلت	۹۵
۸۸	بَابُ أَدَبِ الْيَتِيمِ	۹۵
۸۹	بَابُ فَضْلِ مَنْ مَاتَ لَهُ الْوَلَدُ	۹۶
۹۰	جس کے لڑکے کا انتقال ہوگیا ہو اس کی فضیلت کے بارے میں	۹۷
۹۱	بَابُ مَنْ مَاتَ لَهُ سَقْطٌ	۱۰۳
۹۲	کسی کے یہاں ادھورا، پیٹ والا بچہ انتقال کر گیا اس کی فضیلت	۱۰۳
۹۳	اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان کا مقام	۱۰۴
۹۴	بَابُ حُسْنِ الْمَلَكَةِ	۱۰۷
۹۵	اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنا	۱۰۸
۹۶	زندگی کے آخری لمحہ میں غلاموں کے حقوق کی تاکید	۱۰۹
۹۷	بَابُ سُوءِ الْمَلَكَةِ	۱۱۲
۹۸	غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کی قباحت	۱۱۲
۹۹	بَابُ بَيْعِ الْخَادِمِ مِنَ الْأَعْرَابِ	۱۱۵
۱۰۰	غلام کو بدو کے ہاتھ بیچ دینا	۱۱۶
۱۰۱	بَابُ الْعَفْوِ عَنِ الْخَادِمِ	۱۱۷
۱۰۲	غلام کو معاف کر دینا	۱۱۷
۱۰۳	بَابُ إِذَا سَرَقَ الْعَبْدُ	۱۲۰

۱۰۴	غلام جب چوری کرے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے	۱۲۰
۱۰۵	بَابُ الْخَادِمِ يُذْنِبُ	۱۲۱
۱۰۶	غلام کوئی قصور کرے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے؟	۱۲۲
۱۰۷	بَابُ مَنْ خَتَمَ عَلَى خَادِمِهِ مَخَافَةَ سُوءِ الظَّنِّ	۱۲۳
۱۰۸	بدگمانی سے بچنے کے لیے غلام کی لائی ہوئی چیز پر نشان لگانا	۱۲۳
۱۰۹	گوشت کے ٹکڑے گننے کا اہتمام	۱۲۴
۱۱۰	چیزوں کے حساب سے دونوں کی سلامتی ہے	۱۲۵
۱۱۱	گھر میں چیز رکھنے کے دو طریقے	۱۲۵
۱۱۲	بَابُ مَنْ عَدَّ عَلَى خَادِمِهِ مَخَافَةَ سُوءِ الظَّنِّ	۱۲۶
۱۱۳	بدگمانی سے بچنے کے لیے غلام کی لائی ہوئی چیزوں کو گننا	۱۲۶
۱۱۴	بَابُ أَدَبِ الْخَادِمِ	۱۲۷
۱۱۵	خادم کو ادب سکھانا	۱۲۷
۱۱۶	بَابُ لَا تَقُلْ قَبَّحَ اللهُ وَجْهَهُ	۱۲۹
۱۱۷	اللہ تعالیٰ تمہارا چہرہ خراب کرے ایسا بد دعائیہ جملہ نہ کہا جائے	۱۳۰
۱۱۸	بَابُ لِيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فِي الضَّرْبِ	۱۳۱
۱۱۹	چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے	۱۳۱
۱۲۰	بَابُ مَنْ لَطَمَ عَبْدَهُ فَلْيُعْتِقْهُ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ	۱۳۲
۱۲۱	غلام کو طمانچہ مار دے تو اس کو آزاد کر دینا مستحب ہے	۱۳۲

۱۲۲	ماتحتوں کے ساتھ اپنے قصور کی تلافی کرنے میں دیر نہ کرے	۱۳۳
۱۲۳	بَابُ قِصَاصِ الْعَبْدِ	۱۳۷
۱۲۴	اپنے غلام کے ساتھ زیادتی کرنے والے سے بدلہ لیا جائے گا	۱۳۷
۱۲۵	بَابُ اكْسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ	۱۴۲
۱۲۶	تم جیسا پہنو ایسا ان کو بھی پہناؤ	۱۴۳
۱۲۷	بَابُ سِبَابِ الْعَبِيدِ	۱۴۵
۱۲۸	غلام کو برا بھلا کہنا	۱۴۵
۱۲۹	اپنی زبان کو طعن و تشنیع اور برے الفاظ سے پاک رکھیں	۱۴۶
۱۳۰	بَابُ هَلْ يُعِينُ عَبْدَهُ؟	۱۴۷
۱۳۱	آقا کو چاہیے کہ غلام کا ہاتھ بٹائے	۱۴۸
۱۳۲	بَابُ لَا يُكَلَّفُ الْعَبْدُ مِنَ الْعَمَلِ مَا لَا يُطِيقُ	۱۴۹
۱۳۳	غلام کو اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ سپرد کیا جائے	۱۴۹
۱۳۴	بَابُ نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى عَبْدِهِ وَخَادِمِهِ صَدَقَةٌ	۱۵۱
۱۳۵	آقا کا اپنے غلام اور خادم پر خرچ کرنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے	۱۵۱
۱۳۶	بَابُ إِذَا كَرِهَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَ عَبْدِهِ	۱۵۳
۱۳۷	اگر کوئی آدمی اپنے غلام کے ساتھ کھانا ناپسند کرتا ہے وہ کیا کرے؟	۱۵۴
۱۳۸	بَابُ يُطْعِمُ الْعَبْدَ مِمَّا يَأْكُلُ	۱۵۴
۱۳۹	جو خود کھائے وہی غلام کو کھلائے	۱۵۵

۱۴۰	بَابُ هَلْ يُجْلِسُ خَادِمَهُ مَعَهُ إِذَا أَكَلَ	۱۵۵
۱۴۱	جب خود کھائے تو کیا اپنے خادم کو بھی ساتھ بٹھائے؟	۱۵۵
۱۴۲	بَابُ إِذَا نَصَحَ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهِ	۱۵۷
۱۴۳	غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے	۱۵۷
۱۴۴	بَابُ الْعَبْدُ رَاعٍ	۱۶۲
۱۴۵	غلام بھی ذمہ دار ہے	۱۶۲
۱۴۶	بَابُ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا	۱۶۷
۱۴۷	آزاد شخص غلام ہونا پسند کرے	۱۶۷
۱۴۸	غلام کون ہوتا ہے	۱۶۷
۱۴۹	بَابُ لَا يَقُولُ: عَبْدِي	۱۶۸
۱۵۰	آقا اپنے غلام کو عبدی (میرا غلام) نہ کہے	۱۶۹
۱۵۱	بَابُ هَلْ يَقُولُ: سَيِّدِي؟	۱۷۰
۱۵۲	غلام اپنے آقا کو سیدی کہہ سکتا ہے؟	۱۷۰
۱۵۳	بَابُ الرَّجُلِ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ	۱۷۲
۱۵۴	آدمی اپنے گھر والوں پر نگران ہے	۱۷۲
۱۵۵	بَابُ الْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ	۱۷۴
۱۵۶	عورت اپنے گھر کی نگران ہے	۱۷۴
۱۵۷	بَابُ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَلْيُكَافِئْهُ	۱۷۵

۱۵۸	جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس بھلائی کا بدلہ دے	۱۷۵
۱۵۹	بَابُ مَنْ لَمْ يَجِدِ الْمُكَافَأَةَ فَلْيَدْعُ لَهُ	۱۷۸
۱۶۰	جو آدمی بدلہ دینے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ اس کے لیے دعا کرے	۱۷۸
۱۶۱	بَابُ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ	۱۸۰
۱۶۲	جو لوگوں کا شکرادا نہ کرے	۱۸۰
۱۶۳	بَابُ مَعُونَةِ الرَّجُلِ أَخَاهُ	۱۸۱
۱۶۴	آدمی کا اپنے بھائی کی مدد کرنا	۱۸۱
۱۶۵	بَابُ أَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الدُّنْيَا أَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الْآخِرَةِ	۱۸۴
۱۶۶	جو دنیا میں بھلائی کرنے والے ہیں وہ آخرت میں بھلائی پانے والے ہیں	۱۸۴
۱۶۷	بَابُ إِنَّ كُلَّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ	۱۸۷
۱۶۸	ہر نیکی اپنے اندر صدقہ کا ثواب رکھتی ہے	۱۸۷
۱۶۹	بَابُ إِمَاطَةِ الْأَذَى	۱۹۰
۱۷۰	تکلیف دینے والی چیز کو دور کرنا	۱۹۱
۱۷۱	بَابُ قَوْلِ الْمَعْرُوفِ	۱۹۴
۱۷۲	بھلی بات کہنے کا بیان	۱۹۴
۱۷۳	خُرُوجُ إِلَى الْمَبْقَلَةِ، وَحَمَلِ الشَّيْءِ عَلَى عَاتِقِهِ إِلَى أَهْلِهِ بِالزَّبِيلِ	۱۹۶
۱۷۴	کھیت کی طرف نکلنا اور کسی چیز کو تھیلے میں رکھ کر کندھے پر اٹھا کر اپنے گھر لانا	۱۹۷

۱۷۵	بَابُ الْخُرُوجِ إِلَى الضَّيْعَةِ	۲۰۲
۱۷۶	آدمی کا اپنی جائداد کی طرف نکلنا	۲۰۲
۱۷۷	بَابُ الْمُسْلِمُ مَرْآةُ أَخِيهِ	۲۰۴
۱۷۸	مسلمان اپنے بھائی کا آئینہ ہے	۲۰۴
۱۷۹	بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ اللَّعِبِ وَالْمُزَاحِ	۲۰۸
۱۸۰	کھیل اور دل لگی کی وہ شکلیں جو جائز نہیں ہیں	۲۰۸
۱۸۱	بَابُ الدَّالِّ عَلَى الْخَيْرِ	۲۰۹
۱۸۲	بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا	۲۱۰
۱۸۳	بَابُ الْعَفْوِ وَالصَّفْحِ عَنِ النَّاسِ	۲۱۱
۱۸۴	لوگوں سے درگذر کرنا اور معاف کرنا	۲۱۱
۱۸۵	بَابُ الِانْبِسَاطِ إِلَى النَّاسِ	۲۱۴
۱۸۶	لوگوں کو خندہ پیشانی سے ملنا	۲۱۵
۱۸۷	بَابُ التَّبَسُّمِ	۲۱۸
۱۸۸	تبسم اور مسکرانے کے بارے میں	۲۱۹
۱۸۹	بَابُ الضَّحِكِ	۲۲۲
۱۹۰	آواز کے ساتھ ہنسنا	۲۲۲
۱۹۱	اعمال میں میانہ روی اختیار کرو	۲۲۴
۱۹۲	بَابُ إِذَا أَقْبَلَ أَقْبَلَ جَمِيعًا، وَإِذَا أَدْبَرَ أَدْبَرَ جَمِيعاً	۲۲۵

۱۹۳	جب کسی کی طرف متوجہ ہو تو پوری طرح توجہ کرے اور جب رخ پھیرے تو پوری طرح رخ پھیرے	۲۲۶
۱۹۴	بَابُ الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ	۲۲۷
۱۹۵	جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے	۲۲۷
۱۹۶	راویٔ حدیث حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات	۲۲۹
۱۹۷	حدیث شریف کا مطلب	۲۳۰
۱۹۸	ہماری ایک بری سوچ	۲۳۱
۱۹۹	بَابُ الْمَشُورَةِ	۲۳۱
۲۰۰	یہ باب ہے مشورہ کے بارے میں	۲۳۲
۲۰۱	بَابُ إِثْمِ مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِغَيْرِ رُشْدٍ	۲۳۴
۲۰۲	کسی نے اپنے بھائی کو ناواقفیت کے باوجود مشورہ دیا، اس کا کیا گناہ ہے؟	۲۳۴
۲۰۳	بَابُ التَّحَابِّ بَيْنَ النَّاسِ	۲۳۵
۲۰۴	لوگوں کا آپس میں محبت رکھنا	۲۳۶
۲۰۵	بَابُ الْأُلْفَةِ	۲۳۷
۲۰۶	الفت اور انسیت کے بارے میں	۲۳۷
۲۰۷	بَابُ الْمِزَاحِ	۲۳۹
۲۰۸	مزاح کی چند قسمیں ہیں	۲۴۰
۲۰۹	حدی کی تعریف اور مقصد	۲۴۱

۲۱۰	سوقک بالقواریر کی تشریح	۲۴۲
۲۱۱	آپ ﷺ کی خوش طبعی کی بڑی وجہ	۲۴۳
۲۱۲	بَابُ الْمِزَاحِ مَعَ الصَّبِيِّ	۲۴۷
۲۱۳	بچوں کے ساتھ دل لگی کرنا	۲۴۷
۲۱۴	آپ ﷺ بھی مجمع کے ایک فرد ہیں	۲۴۷
۲۱۵	اے ابوعمیر تمہارا لال کیا ہوا؟	۲۴۸
۲۱۶	بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ	۲۴۹
۲۱۷	اچھے اخلاق کے بارے میں	۲۴۹
۲۱۸	بَابُ سَخَاوَةِ النَّفْسِ	۲۵۶
۲۱۹	دل کا سخی ہونا	۲۵۶
۲۲۰	بَابُ الشُّحِّ	۲۶۱
۲۲۱	بخل کی قباحت کے بارے میں	۲۶۱
۲۲۲	بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ إِذَا فَقِهُوا	۲۶۴
۲۲۳	اچھے اخلاق کو سیکھنے کی فضیلت کے بارے میں	۲۶۵
۲۲۴	بَابُ الْبُخْلِ	۲۷۵
۲۲۵	بخل کی قباحت کے بارے میں	۲۷۶
۲۲۶	بَابُ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ	۲۸۲
۲۲۷	اچھا مال اچھے آدمی کے لیے نعمت ہے	۲۸۲

۲۲۸	بَابُ مَنْ أَصْبَحَ آمِنًا فِي سِرْبِهِ	۲۸۵
۲۲۹	اپنی جان مال میں امن وامان کے ساتھ صبح کرے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے	۲۸۵
۲۳۰	بَابُ طِيبِ النَّفْسِ	۲۸۶
۲۳۱	آدمی کا ہشاش بشاش رہنا	۲۸۶

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	بَابُ مَا يَجِبُ مِنْ عَوْنِ الْمَلْهُوفِ	۱۹
۲	بے سہارا اور پریشان حال کی مدد کا ضروری ہونا	۱۹
۳	بَابُ مَنْ دَعَا اللهَ أَنْ يُحَسِّنَ خُلُقَهُ	۲۲
۴	کوئی آدمی اس دعا کا اہتمام کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے اخلاق کو اچھا بنادے	۲۲
۵	بَابُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ	۲۵
۶	مومن طعن و تشنیع کرنے والا نہیں ہوتا	۲۶
۷	بَابُ اللَّعَّانِ	۳۱
۸	بہت زیادہ لعنت کرنے والا	۳۱
۹	باب من لَعَنَ عَبْدَهُ فَأَعْتَقَهُ	۳۴
۱۰	اپنے غلام پر لعنت بھیجے تو اس کی تلافی یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے	۳۴
۱۱	بَابُ التَّلَاعُنِ بِلَعْنَةِ اللهِ وَبِغَضَبِ اللهِ وَبِالنَّارِ	۳۵
۱۲	اللہ کی لعنت، اللہ کا غضب اور اللہ کی آگ (جہنم میں جانے) کی لعنت بھیجنے کا باب	۳۵
۱۳	بَابُ لَعْنِ الْكَافِرِ	۳۶
۱۴	کافر کے اوپر لعنت	۳۷

۱۵	بَابُ النَّمَّامِ	۳۷
۱۶	چغلی کی قباحت کے بارے میں	۳۷
۱۷	چغلی کسے کہتے ہیں؟	۳۸
۱۸	بَابُ مَنْ سَمِعَ بِفَاحِشَةٍ فَأَفْشَاهَا	۴۰
۱۹	کسی کی سنی ہوئی بے حیائی کی بات کو پھیلانا	۴۰
۲۰	بَابُ الْعَيَّابِ	۴۲
۲۱	لوگوں کے اندر عیب پیدا کرنے والا	۴۲
۲۲	بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّمَادُحِ	۴۸
۲۳	کسی کی تعریف کرنے کے سلسلے میں	۴۸
۲۴	یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں دخل اندازی ہے	۴۹
۲۵	بَابُ مَنْ أَثْنَى عَلَى صَاحِبِهِ إِنْ كَانَ آمِنًا بِهِ	۵۱
۲۶	کسی کی اس کے منہ پر تعریف کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے فتنے میں پڑنے کا ڈر نہ ہو	۵۲
۲۷	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اپنی حیثیت	۵۳
۲۸	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قرآن کے فیصلے کو ترجیح دینا	۵۳
۲۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اپنی حیثیت	۵۵
۳۰	حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کا مقام	۵۸
۳۱	حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس رضی اللہ عنہ کا مقام	۵۸

۳۲	بَابُ يُحْثَى فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ	۶۱
۳۳	کسی کے منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالی جائے	۶۱
۳۴	بَابُ مَنْ مَدَحَ فِي الشِّعْرِ	۶۶
۳۵	شعر میں کسی کی تعریف کرنے کے بارے میں	۶۷
۳۶	بَابُ إِعْطَاءِ الشَّاعِرِ إِذَا خَافَ شَرَّهُ	۶۹
۳۷	شاعر کے شر کے خوف سے بچنے کے لیے اس کو کچھ دینا	۶۹
۳۸	بَابُ لَا تُكْرِمْ صَدِيقَكَ بِمَا يَشُقُّ عَلَيْهِ	۶۹
۳۹	اپنے دوست کا ایسا اکرام نہ کرو جو اس پر دشوار ہو جائے	۷۰
۴۰	بَابُ الزِّيَارَةِ	۷۰
۴۱	کسی دوست کی ملاقات کے لیے جانے کی فضیلت	۷۰
۴۲	ہر حق دار کا حق ادا کرو	۷۲
۴۳	بَابُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَطَعِمَ عِنْدَهُمْ	۷۳
۴۴	جو لوگوں سے ملنے جائے پھر ان کے ہاں کچھ کھائے	۷۴
۴۵	بَابُ فَضْلِ الزِّيَارَةِ	۷۹
۴۶	اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کی فضیلت کے بارے میں	۷۹
۴۷	بَابُ الرَّجُلِ يُحِبُّ قَوْمًا وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ	۸۰
۴۸	ایسے (نیک) حضرات سے محبت کا فائدہ جن کے مرتبے کو ابھی تک نہ پہنچا ہو	۸۰

۴۹	بَابُ فَضْلِ الْكَبِيرِ	۸۳
۵۰	بڑے آدمی کی فضیلت کے بارے میں	۸۳
۵۱	بَابُ إِجْلَالِ الْكَبِيرِ	۸۵
۵۲	بڑے کا اکرام	۸۵
۵۳	بَابُ يَبْدَأُ الْكَبِيرُ بِالْكَلَامِ وَالسُّؤَالِ	۸۶
۵۴	بڑا شخص بات اور سوال کی ابتداء کرے	۸۷
۵۵	فتح خیبر	۸۸
۵۶	یہود کی شرارت	۸۹
۵۷	بڑا بات کی ابتداء کرے	۹۰
۵۸	قسامہ کا طریقہ	۹۱
۵۹	بَابُ إِذَا لَمْ يَتَكَلَّمِ الْكَبِيرُ هَلْ لِلْأَصْغَرِ أَنْ يَتَكَلَّمَ؟	۹۲
۶۰	جب بڑا نہ بولے تو کیا چھوٹا بول سکتا ہے؟	۹۳
۶۱	بَابُ تَسْوِيدِ الْأَكَابِرِ	۹۴
۶۲	بڑوں کو سیادت اور سرداری حوالے کرنا	۹۵
۶۳	بَابُ يُعْطِي الثَّمَرَةَ أَصْغَرَ مَنْ حَضَرَ مِنَ الْوِلْدَانِ	۹۶
۶۴	موسم کا پہلا پھل موجود بچوں میں سے سب سے چھوٹے بچے کو دے	۹۷
۶۵	بَابُ رَحْمَةِ الصَّغِيرِ	۹۷
۶۶	چھوٹے کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ کرنا	۹۷

۶۷	بَابُ مُعَانَقَةِ الصَّبِيِّ	۹۸
۶۸	چھوٹے بچوں کو گلے لگانا (محبت کی وجہ سے)	۹۸
۶۹	بَابُ قُبْلَةِ الرَّجُلِ الْجَارِيَةَ الصَّغِيرَةَ	۹۹
۷۰	چھوٹی بچی کو اس کے ساتھ شفقت اور پیار کی وجہ سے بوسہ دینا	۹۹
۷۱	چھوٹے بچوں کی تربیت کا اہتمام	۹۹
۷۲	بَابُ مَسْحِ رَأْسِ الصَّبِيِّ	۱۰۱
۷۳	محبت اور پیار کی وجہ سے چھوٹے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنا	۱۰۱
۷۴	نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی خوشی	۱۰۲
۷۵	حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کا عجیب واقعہ	۱۰۳
۷۶	یہود کا اعتراف اور پھر انکار	۱۰۴
۷۷	آج کل کی گڑیوں کو رکھنے کی ممانعت	۱۰۶
۷۸	بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلصَّغِيرِ: يَا بُنَيَّ	۱۰۶
۷۹	کسی چھوٹے بچے کو اے بیٹے! کہنا	۱۰۷
۸۰	بیٹے کا لفظ کس کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟	۱۰۸
۸۱	حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے مختصر حالات	۱۰۹
۸۲	حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط	۱۱۰
۸۳	بَابُ ارْحَمْ مَنْ فِي الْأَرْضِ	۱۱۱
۸۴	زمین والوں پر رحم کرو	۱۱۱

۸۵	نواسے کی موت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو	۱۱۴
۸۶	وہ رحمت وشفقت جو شریعت نے بتلائی	۱۱۶
۸۷	بَابُ رَحْمَةِ الْعِيَالِ	۱۱۷
۸۸	اہل وعیال کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرنا	۱۱۷
۸۹	ایک قیدی عورت کا اپنے بچے کے ساتھ مہربانی کا قصہ	۱۱۹
۹۰	حضرت عامر رام رضی اللہ عنہ کا پرندوں کے بچوں کو پکڑنے کا قصہ	۱۲۰
۹۱	بَابُ رَحْمَةِ الْبَهَائِمِ	۱۲۱
۹۲	چوپایوں کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرنا	۱۲۱
۹۳	مکھی کا خیال رکھنے پر مغفرت ہوگئی	۱۲۲
۹۴	بَابُ أَخْذِ الْبَيْضِ مِنَ الْحُمَّرَةِ	۱۲۷
۹۵	چڑیا کے انڈے لینا	۱۲۷
۹۶	بَابُ الطَّيْرِ فِي الْقَفَصِ	۱۲۸
۹۷	پرندے کو پنجرے کے اندر رکھنا	۱۲۸
۹۸	بَابُ يَنْمِي خَيْرًا بَيْنَ النَّاسِ	۱۳۰
۹۹	لوگوں کے درمیان خیر پھیلانے کی فضیلت کے بارے میں	۱۳۰
۱۰۰	عقبہ بن ابی معیط کی شرارت اور اللہ کی پکڑ	۱۳۱
۱۰۱	بَابُ لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ	۱۳۳
۱۰۲	جھوٹ جائز نہیں ہے	۱۳۳

۱۰۳	سچ سارے گناہوں سے نجات دلاتی ہے	۱۳۴
۱۰۴	یہ ایک طریقہ بھی اپنا کر دیکھ لو	۱۳۵
۱۰۵	بَابُ الَّذِي يَصْبِرُ عَلَى أَذَى النَّاسِ	۱۳۶
۱۰۶	جو آدمی لوگوں کی ایذاء رسانیوں پر صبر سے کام لیتا ہے (اس کی بھی بڑی فضیلت ہے)	۱۳۶
۱۰۷	بَابُ الصَّبْرِ عَلَى الْأَذَى	۱۳۸
۱۰۸	ایذاء رسانی کے اوپر صبر	۱۳۸
۱۰۹	اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر تحمل اور صبر کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟	۱۳۹
۱۱۰	صَبُوْرٌ کی تشریح	۱۳۹
۱۱۱	موسیٰ علیہ السلام پر وحی	۱۳۹
۱۱۲	اس کو چغلی نہیں کہیں گے	۱۴۱
۱۱۳	تکلیف دہ بات سن کر دل پر اثر ہونا یہ تقویٰ کے منافی نہیں ہے	۱۴۲
۱۱۴	حدیث شریف کا مطلب	۱۴۳
۱۱۵	بَابُ إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ	۱۴۳
۱۱۶	باہمی تعلقات اور رشتوں کو درست رکھنا	۱۴۴
۱۱۷	باہمی تعلقات کی درستگی کا نماز، روزہ اور صدقہ سے بھی بہتر ہونے کے دو مطلب	۱۴۴
۱۱۸	شکل وصورت کا اختلاف یہ بھی فطری چیز ہے	۱۴۷

۱۱۹	طبیعتوں کا الگ الگ ہونا یہ بھی فطری چیز ہے	۱۴۸
۱۲۰	امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے نظیر محبت تھی	۱۴۹
۱۲۱	بَابُ إِذَا كَذَبْتَ لِرَجُلٍ هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ	۱۵۱
۱۲۲	جب تم کسی آدمی کے سامنے جھوٹ بیان کرو حال یہ کہ وہ تم کو سچا سمجھ رہا ہے	۱۵۱
۱۲۳	بَابُ لَا تَعِدْ أَخَاكَ شَيْئًا فَتُخْلِفَهُ	۱۵۲
۱۲۴	اپنے بھائی سے ایسی چیز کا وعدہ نہ کرو جس کو پورا کرنے کا ارادہ نہ رکھتے ہو	۱۵۲
۱۲۵	بَابُ الطَّعْنِ فِي الْأَنْسَابِ	۱۵۴
۱۲۶	کسی کے نسب میں عیب لگانا	۱۵۴
۱۲۷	نوحہ کرنے کی ممانعت	۱۵۴
۱۲۸	دوسروں کے حسب ونسب پر طعن کرنا	۱۵۵
۱۲۹	بَابُ حُبِّ الرَّجُلِ قَوْمَهُ	۱۵۷
۱۳۰	آدمی کا اپنی قوم اور قبیلہ سے محبت رکھنا	۱۵۸
۱۳۱	بَابُ هِجْرَةِ الرَّجُلِ	۱۵۹
۱۳۲	کسی آدمی سے قطع تعلق کرنا	۱۶۱
۱۳۳	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخاوت کا واقعہ	۱۶۴
۱۳۴	حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی	۱۶۴

۱۳۵	باب کا مقصد	۱۶۵
۱۳۶	بَابُ هِجْرَةِ الْمُسْلِمِ	۱۶۶
۱۳۷	کسی مسلمان کے ساتھ قطع تعلق کرنا	۱۶۶
۱۳۸	دوطرح کی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۱۶۷
۱۳۹	نعمت ملنے اور نہ ملنے دونوں میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں	۱۶۷
۱۴۰	حسد کی عام فہم تعریف	۱۶۸
۱۴۱	حسد کا مہلک پن	۱۶۹
۱۴۲	یہ حسد نہیں ہے	۱۶۹
۱۴۳	قطع تعلق کی حد	۱۷۰
۱۴۴	بَابُ مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً	۱۷۶
۱۴۵	کسی کا اپنے مسلمان بھائی سے سال بھر قطع تعلق کرنا	۱۷۶
۱۴۶	بَابُ الْمُهْتَجِرَيْنِ	۱۷۷
۱۴۷	دو مسلمان بھائیوں کا ایک دوسرے سے قطع تعلق کرنا	۱۷۸
۱۴۸	بَابُ الشَّحْنَاءِ	۱۷۹
۱۴۹	کسی کے متعلق دل میں بیر رکھنا	۱۷۹
۱۵۰	بَابُ إِنَّ السَّلَامَ يُجْزِئُ مِنَ الصَّرْمِ	۱۸۴
۱۵۱	آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنا ٹوٹے ہوئے تعلقات کو جوڑنے کا ذریعہ	۱۸۵

۱۵۲	بَابُ التَّفْرِقَةِ بَيْنَ الْأَحْدَاثِ	۱۸۵
۱۵۳	نوعمروں کے درمیان جدائی کر دینا	۱۸۵
۱۵۴	بڑوں کو اپنے چھوٹوں کی تربیت کرنی چاہیے	۱۸۶
۱۵۵	چھوٹوں کا بڑوں کی نصیحت کو ماننا	۱۸۷
۱۵۶	بَابُ مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَشِرْهُ	۱۸۷
۱۵۷	کسی کو مشورہ دینا اگر چہ اس نے مشورہ طلب نہیں کیا	۱۸۸
۱۵۸	بَابُ مَنْ كَرِهَ أَمْثَالَ السَّوْءِ	۱۸۹
۱۵۹	اپنے لیے کوئی بُرا نمونہ ناپسند کرنا	۱۸۹
۱۶۰	حدیث شریف کا مقصد	۱۸۹
۱۶۱	کتے کی بری عادت	۱۹۰
۱۶۲	کیا ہدیہ واپس لوٹا سکتے ہیں؟	۱۹۰
۱۶۳	بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الْمَكْرِ وَالْخَدِيعَةِ	۱۹۱
۱۶۴	کسی آدمی کا کسی کے ساتھ دھوکے اور فریب کا معاملہ کرنا	۱۹۱
۱۶۵	بھولا پن کا مطلب	۱۹۲
۱۶۶	بَابُ السِّبَابِ	۱۹۲
۱۶۷	گالی گلوچ کرنا	۱۹۳
۱۶۸	یہ بھی پڑھ لیں اس میں حرج کی کیا بات ہے	۱۹۴
۱۶۹	بَابُ سَقْيِ الْمَاءِ	۱۹۶

۱۷۰	پانی پلانا	۱۹۶
۱۷۱	چھوٹے چھوٹے کاموں کا مقام	۱۹۷
۱۷۲	بَابُ الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْأَوَّلِ	۱۹۸
۱۷۳	دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کریں اس کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہے	۱۹۸
۱۷۴	حقیقی تواضع	۱۹۹
۱۷۵	بَابُ الْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَهَاتَرَانِ وَيَتَكَاذَبَانِ	۲۰۰
۱۷۶	آپس میں گالی گلوچ کرنے والے دو آدمی شیطان ہیں جو بہتان تراشی اور جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں	۲۰۰
۱۷۷	صبر وتحمل سے کام لیں	۲۰۰
۱۷۸	غیر مسلم کے ہدیہ قبول کرنے کے سلسلے میں ایک اہم اصول	۲۰۲
۱۷۹	بَابُ سِبَابِ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ	۲۰۲
۱۸۰	مسلمان کو گالی دینا فسق وفجور کی بات ہے	۲۰۳
۱۸۱	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر کوئی قبیح بات آتی ہی نہیں تھی	۲۰۳
۱۸۲	کسی کو کافر کہنے کی مثال	۲۰۵
۱۸۳	منہ بولے بیٹے کو اپنی طرف منسوب کرنے کی ممانعت	۲۰۶
۱۸۴	کسی غیر کافر کو کافر کہنے سے اپنے آپ کو بچائیں	۲۰۸
۱۸۵	غصہ بہت بری چیز ہے	۲۰۹
۱۸۶	بَابُ مَنْ لَمْ يُوَاجِهِ النَّاسَ بِكَلَامِهِ	۲۱۱

۱۸۷	غلطی کرنے والے کے منہ پر ٹوکنے سے پرہیز کرنا	۲۱۱
۱۸۸	باب کا مقصد	۲۱۲
۱۸۹	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخصت پر عمل اور امت کو بھی اس کی تاکید	۲۱۲
۱۹۰	ہر کام میں آدمی اپنی عقل کی پیروی نہ کرے شریعت کی پیروی کرے	۲۱۴
۱۹۱	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر کام افراط وتفریط سے پاک تھا	۲۱۵
۱۹۲	بڑے ہونے کا یہ مطلب نہیں	۲۱۵
۱۹۳	یہ میرا طریقہ نہیں ہے	۲۱۶
۱۹۴	صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حال	۲۱۷
۱۹۵	ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا اپنا مکان ڈھادینے کا واقعہ	۲۱۸
۱۹۶	بَابُ مَنْ قَالَ لِآخَرَ: يَا مُنَافِقُ، فِي تَأْوِيلٍ تَأَوَّلَهُ	۲۲۰
۱۹۷	کوئی آدمی کسی کو اپنی سمجھ کے مطابق منافق کہے	۲۲۱
۱۹۸	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مختصر تعارف	۲۲۲
۱۹۹	باب کا مقصد	۲۲۲
۲۰۰	حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا تفصیلی واقعہ	۲۲۳
۲۰۱	بَابُ مَنْ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ	۲۲۷
۲۰۲	کسی کا اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہنا	۲۲۷
۲۰۳	بَابُ شَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ	۲۲۹
۲۰۴	دشمن کے خوشی منانے سے پناہ	۲۳۰

۲۰۵	بَابُ السَّرَفِ فِي الْمَالِ	۲۳۱
۲۰۶	مال کے اندر فضول خرچی	۲۳۱
۲۰۷	اسراف اور تبذیر میں فرق	۲۳۳
۲۰۸	بَابُ الْمُبَذِّرِينَ	۲۳۵
۲۰۹	فضول خرچی کرنے کی ممانعت	۲۳۵
۲۱۰	بَابُ إِصْلَاحِ الْمَنَازِلِ	۲۳۶
۲۱۱	اپنے مکانات کو درست کرنا	۲۳۶
۲۱۲	گھر میں نکلنے والے سانپوں کو مارنے کا طریقہ	۲۳۷
۲۱۳	بَابُ النَّفَقَةِ فِي الْبِنَاءِ	۲۳۸
۲۱۴	تعمیرات میں خرچ کی جانے والی رقم کے بارے میں شریعت کا حکم	۲۳۸
۲۱۵	بَابُ عَمَلِ الرَّجُلِ مَعَ عُمَّالِهِ	۲۳۹
۲۱۶	آدمی کا اپنے کارندوں کے ساتھ کام کرنا	۲۳۹
۲۱۷	بَابُ التَّطَاوُلِ فِي الْبُنْيَانِ	۲۴۱
۲۱۸	تعمیرات کے اندر آپس میں مقابلہ کرنا	۲۴۱
۲۱۹	اس زمانے کے لحاظ سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک ملفوظ	۲۴۱
۲۲۰	بَابُ مَنْ بَنَى	۲۴۴
۲۲۱	اپنی ضرورت کے لیے عمارت بنانا	۲۴۵
۲۲۲	تین چیزیں	۲۴۷

۲۲۳	بَابُ الْمَسْكَنِ الْوَاسِعِ	۲۴۸
۲۲۴	کشادہ مکان کی فضیلت	۲۴۹
۲۲۵	تین چیزیں خوش بختی کی علامت ہیں	۲۴۹
۲۲۶	بَابُ مَنِ اتَّخَذَ الْغُرَفَ	۲۵۰
۲۲۷	بالاخانہ بنانے کی اجازت	۲۵۰
۲۲۸	بَابُ نَقْشِ الْبُنْيَانِ	۲۵۱
۲۲۹	عمارتوں پر نقش ونگار کرنا	۲۵۲
۲۳۰	نشاط کے اوقات میں اعمال کا اہتمام کریں	۲۵۵
۲۳۱	بَابُ الرِّفْقِ	۲۵۶
۲۳۲	نرمی کا بیان	۲۵۷
۲۳۳	قبیلۂ بنومخزوم کی عورت کا واقعہ	۲۶۱
۲۳۴	حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب فیصلہ	۲۶۲
۲۳۵	بَابُ الرِّفْقِ فِي الْمَعِيشَةِ	۲۶۶
۲۳۶	گذر بسر میں آدمی اپنے لیے سہولت کا راستہ اختیار کرے	۲۶۶
۲۳۷	بَابُ مَا يُعْطَى الْعَبْدُ عَلَى الرِّفْقِ	۲۶۸
۲۳۸	نرم خو بندے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی	۲۶۸
۲۳۹	بَابُ التَّسْكِينِ	۲۶۸
۲۴۰	لوگوں کو سکون اور اطمینان دلانا	۲۶۹

۲۴۱	بَابُ الْخُرْقِ	۲۷۰
۲۴۲	مزاج کی سختی	۲۷۰
۲۴۳	حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختصر حالات	۲۷۲
۲۴۴	ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے	۲۷۵
۲۴۵	بَابُ اصْطِنَاعِ الْمَالِ	۲۷۷
۲۴۶	مال کی حفاظت کرنا	۲۷۷
۲۴۷	اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس کا صحیح استعمال کریں	۲۷۸
۲۴۸	پانی اور کاغذ وغیرہ کو معمولی نہ سمجھیں	۲۷۸
۲۴۹	بَابُ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ	۲۸۱
۲۵۰	مظلوم کی بددعا کے بارے میں	۲۸۱
۲۵۱	بَابُ سُؤَالِ الْعَبْدِ الرِّزْقَ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لِقَوْلِهِ : ارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ	۲۸۲
۲۵۲	بندہ کا اللہ تبارک وتعالیٰ سے رزق طلب کرنا	۲۸۳
۲۵۳	صاع اور مد کی تشریح	۲۸۳
۲۵۴	دنیا ہمیشہ کسی ایک ہاتھ میں نہیں رہتی	۲۸۴
۲۵۵	روزی مانگنا بھی سنت ہے	۲۸۴
۲۵۶	بَابُ الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ	۲۸۵
۲۵۷	ظلم قیامت کے روز تاریکیوں کی شکل اختیار کرے گا	۲۸۵

۲۵۸	عام عذاب سے حفاظت کا وعدہ	۲۸۶
۲۵۹	پل صراط کا مختصر تذکرہ	۲۸۸
۲۶۰	جنت میں داخلہ سے پہلے ایک اور پل	۲۸۹
۲۶۱	نافرمانی سے بچنے کی خود کوشش کرو اللہ تعالیٰ راستہ نکالے گا	۲۹۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حامدًا وّمصلیاً وّمسلماً

مرشد العلماء سیدی وسندی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کی بروز ہفتہ بمقام سورت مجالس کا سلسلہ اکابرین کے ایماء پر پچھلے کئی سالوں سے جاری ہے، اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی ''ریاض الصالحین'' کی مجالس کل پندرہ جلدوں پر مشتمل بنام ''حدیث کے اصلاحی مضامین'' طبع ہوکر خواص وعوام میں بے پناہ مقبول ہوچکی ہیں۔

اسی سلسلہ کی دوسری کڑی امام بخاری علیہ الرحمۃ کی ''الادب المفرد'' ہے جس کی ترتیب وتبویب کی سعادت راقم السطور کو حاصل ہوئی، وللہ الحمد۔

حضرت دامت برکاتہم کا -مثالوں، اکابرین کے اقوال وواقعات کے ذریعہ سے- مؤثر طریقۂ افہام وتفہیم ہر اُس شخص کو بخوبی معلوم ہے جس نے آپ کی تقریر ووعظ کو سنا ہے، اور آپ کی تحریر پڑھی ہے، اور وہ بلا شبہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا واقعی مصداق ہے۔

مجالس الادب المفرد کا حصۂ اوّل حضرت دامت برکاتہم کے متوسلین ومعتقدین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت وتوفیق پر اوّلاً اللہ رب العزت کا شکر ادا کررہے ہیں، اور ثانیاً ان تمام معاونین کا جنھوں نے اس کی ترتیب میں جس قدر بھی حصہ لیا ہو، فجزاهم الله أحسن الجزاء في الدارين .

قارئین اگر اس کتاب میں کوئی فروگذاشت پائیں تو اس کا ذمہ دار یہ ناتجربہ کار راقم الحروف ہے، لہٰذا اس پر تنبیہ کرنے کی صورت میں حق واضح ہو جانے کے بعد بلا پس و پیش بعد کے ایڈیشن میں اصلاح کر لی جائے گی۔

جمع و ترتیب: ابراہیم بن یوسف اِٹالوی
مدرس اسلامی دعوہ اکیڈمی لیسٹر، برطانیہ
۲۳ر رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ
مطابق ۲۹ر جون ۲۰۱۶ء بروز چہار شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لیے نصیحت ہے، آپ کے حالات پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں؛ سِيَرِ أَعْلَامِ النُّبَلاءِ سے آپ کے حالات کے کچھ اقتباسات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب

آپ کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ اور لقب امیر المؤمنین فی الحدیث ہے، آپ کے والد کا نام اسماعیل، دادا کا نام ابراہیم، پردادا کا نام مغیرہ، اور مغیرہ کے والد کا نام بَرْدِزْبَہْ ہے، بردزبہ فارسی زبان میں کاشت کار کو کہتے ہیں، ان کا پیشہ کاشت کاری کا تھا، اس وجہ سے ان کو بردزبہ کہتے ہیں اور بردزبہ مسلکاً مجوس یعنی آتش پرست تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جعفی کہنے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے بردزبہ کے بیٹے مغیرہ کو ایمان کی دولت نصیب فرمائی اور وہ یمان الجعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، یمان بخارا کے ایک صاحب منصب آدمی تھے، قبیلۂ جعفی سے تعلق رکھتے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا مغیرہ اور یمان کے درمیان عقد موالات قائم ہوا۔

عقدِ موالات کا مطلب

اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر اس حال میں اسلام قبول کرتا ہے کہ اس کا پورا خاندان کافر ہے، اور وہی اکیلا مسلمان ہے، یہ شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اس کے ساتھ یہ عقد کر لیتا ہے کہ اگر مجھ سے کوئی جنایت یا کوئی قصور یا کوئی ایسا جرم ہو جائے جس کی وجہ سے مجھے تاوان یا دیت دینی پڑے، مثلاً غلطی سے مجھ سے کسی کا ہاتھ کٹ جائے، یا کسی کو جانی نقصان پہنچ جائے تو آپ دیت ادا کرنے میں میری مدد کریں گے، اور اس کے بدلے میں جب میرا انتقال ہو جائے آپ میرے مال کے وارث ہوں گے، اس معاملہ کو عقد موالات کہتے ہیں۔

مسئلہ: مسلمان کافر کے مال کا اور کافر مسلمان کے مال کا وارث نہیں ہوتا، مثلاً بیٹا مسلمان اور باپ کافر ہے یا بیٹا کافر اور باپ مسلمان ہے، اور دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو دونوں ایک دوسرے کے مال کے وارث نہیں ہوتے، اس لیے کہ شریعت کا حکم ہے کہ دو مختلف مذہب کے لوگ آپس میں وارث نہیں ہوتے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی کو جانی یا مالی نقصان پہنچائے تو اس نقصان کا ضمان یعنی دیت، یا تاوان اس کے خاندان پر لازم ہوگا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور دادا

مغیرہ کے بیٹے ابراہیم یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کے حالات مؤرخین نے ذکر نہیں کیے ہیں، ہاں ابراہیم کے بیٹے اسماعیل یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے حالات مؤرخین نے ذکر کیے ہیں اور ان کو معتبر محدثین میں شمار کیا ہے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ کی ایک بہت مشہور کتاب ہے ''الثقات'' اس میں انہوں نے صرف ثقہ راویوں کے حالات جمع کیے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد اسماعیل کا حضرت حماد بن زید اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما سے روایت لینے کا ذکر کیا ہے۔ اور امام ابن حبان کا اپنی کتاب الثقات میں کسی راوی کا تذکرہ کر دینا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ راوی ان کے نزدیک قابل اعتبار اور ثقہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے والد ثقہ محدثین میں سے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا ہے کہ میرے والد نے حماد بن زید اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما سے روایت لی ہے اور عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ کی پیدائش

آپ کی پیدائش شبِ جمعہ ۱۳ رشوال ۱۹۴ رھ میں ہوئی، اور پیدائش کے کچھ ہی دنوں بعد آپ کے والد کی وفات ہوگئی، اس لیے آپ کو اپنے والد کے علوم سے استفادہ کا موقع نہیں ملا۔ آپ نے اپنی والدہ کی آغوش میں پرورش پائی۔

والدہ کی دعا

بچپن میں آپ کی بینائی چلی گئی تھی، آپ کی والدہ آپ کی بینائی کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری سے دعائیں کیا کرتی تھیں۔ ایک رات آپ کی والدہ نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی والدہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا سن لی ہے اور تمہارے بیٹے

کی بینائی لوٹا دی ہے، صبح جب اٹھیں تو دیکھتی ہیں کہ آپ کے بیٹے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بینا ہیں۔

مکتب ہی میں حدیث کا شوق

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب والدہ محترمہ نے مجھے قرآن مجید حفظ کرنے کے لیے مکتب میں بٹھایا اس وقت اللہ تبارک وتعالی نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ میں حدیثیں یاد کروں۔

آپ نے مکتب کی تعلیم سے فراغت پاتے ہی بخارا کے مشہور محدث امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیثیں پڑھنی شروع کردیں اور بچپن ہی میں متنِ حدیث میں مہارت کے ساتھ ساتھ سندِ حدیث پر بھی مہارت حاصل کرلی تھی۔

بچپن میں آپ کے حافظہ کا عالم

بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محیر العقول حافظہ دیا تھا، ابھی تو آپ بچے تھے کہ اس زمانہ میں آپ کے استاذ نے یہ شہادت دی تھی کہ اس بچے کو ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ یعنی ستر ہزار حدیثیں متن اور سند دونوں کے ساتھ یاد تھیں۔

متن اور سند

متنِ حدیث سے پہلے راوی اپنے استاذ سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک جن راویوں کا ذکر کرتا ہے اس کو محدثین کی اصطلاح میں سند کہتے ہیں۔ اس کے بعد راوی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد نقل کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یوں فرمایا، اس کو متن کہتے ہیں۔

بچپن ہی میں فن حدیث میں مہارت

متنِ حدیث اور سند حدیث میں مہارت کا اپنا ایک واقعہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میرے استاذ محدث داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک حدیث کی سند یوں بیان فرمائی: عن سفيان عن أبي الزبير عن إبراهيم، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابو الزبیر ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔

چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بچے تھے بچے، اور استاذ پختہ تجربہ کار محدث تھے، اس لیے انہوں نے آپ کو جھڑک دیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ باادب عرض کیا کہ جس کاپی میں آپ نے یہ سند لکھی ہے اس کاپی کو دوبارہ دیکھ لیں۔ امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ اندر تشریف لے گئے اور کاپی دیکھ کر واپس باہر تشریف لائے اور آپ سے سوال کیا کہ تم ہی بتلاؤ صحیح کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ هُوَ الزُّبَيْرُ بنُ عَدِيٍّ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ۔ امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے قلم لیا اور فرمایا مجھ سے غلطی ہوئی آپ کی بات صحیح ہے، سفیان نے ابو الزبیر سے اس حدیث کو نقل نہیں کیا ہے بلکہ زبیر بن عدی سے نقل کیا ہے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ اُس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ آپ نے فرمایا گیارہ سال! صرف گیارہ سال کی عمر، پھر بھی اللہ تعالی نے متنِ حدیث اور سندِ حدیث کا ایسا علم اور استحضار عطا فرمایا تھا کہ اپنے استاذ کی ایک فروگذاشت پر ان کو متوجہ کیا۔

سولہ سال کی عمر تک امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ علم حدیث حاصل کرتے رہے، اس عرصے میں آپ نے حضرت عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع رحمۃ اللہ علیہما

کی کتابیں حفظاً یاد کر لی تھیں۔

حجاز مقدس میں قیام

آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کے بڑے بھائی احمد کے ساتھ حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو والدہ نے آپ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ حج سے فراغت کے بعد والدہ محترمہ نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تو آپ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں مزید یہاں رہنا چاہتا ہوں، اس لیے کہ حجاز علم حدیث کا مرکز ہے اور بڑے بڑے محدثین اور مشائخ یہاں موجود ہیں میں ان سے بھی علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ کی والدہ محترمہ اپنے وطن بخارا لوٹ آئیں اور آپ وہاں رک گئے اور وہاں کے مشائخ سے علم حدیث حاصل کیا۔

نوعمری میں آپ کی سب سے پہلی تصنیف

ابھی آپ کی عمر اٹھارہ سال ہی کی تھی کہ سب سے پہلی کتاب آپ نے قضایا الصحابۃ والتابعین لکھی۔ یہ آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے اس کے بعد آپ نے دوسری کتاب اسماء الرجال پر التاریخ الکبیر کے نام سے مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس بیٹھ کر لکھی۔ اس میں آپ نے ہزاروں راویوں کا ذکر کیا ہے اور راویوں کی چھان بین کی ہے کہ یہ راوی معتبر ہے یا نہیں؟ ثقہ ہے، یا غیر ثقہ، ثقہ ہے تو کس درجہ کا ہے؟

آپ فرماتے ہیں کہ تاریخ کبیر کے اکثر راویوں کا کوئی نہ کوئی واقعہ مجھے یاد ہے، لیکن میں نے ان واقعات کا طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی سے اپنے دین کا کام لینا چاہتا ہے تو بچپن ہی سے ایسی فہم نصیب کرتا ہے کہ عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

علم حدیث کی پیاس اور دور دراز ملکوں کا سفر

اس کے بعد تو آپ نے علم حدیث کی طلب میں شام، مصر، الجزیرہ، بصرہ، کوفہ، بغداد وغیرہ دور دراز ملکوں کا سفر کیا جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مراکز سمجھے جاتے تھے، خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے علم حدیث کو حاصل کرنے کے لیے شام، مصر اور الجزیرہ کے دو سفر کیے، بصرہ چار مرتبہ گیا، کوفہ اور بغداد تو اتنی مرتبہ گیا کہ مجھے اس کی گنتی یاد نہیں، جب بھی کسی شیخ کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ کوفہ یا بغداد میں ہیں ان کی خاطر کوفہ اور بغداد پہنچ جاتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس زمانے کے بڑے بڑے مشائخ سے علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

عالی سند کے حصول کے لیے آپ کے اسفار

آپ نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے مشائخ سے حدیث کا علم حاصل کیا اس کے لیے آپ نے دور دراز ملکوں کا سفر کیا، اور صرف حدیث کے حصول کے لیے ہی سفر نہیں کیا، بلکہ محض سند کے واسطوں کو کم کرنے کے لیے بھی آپ نے سفر کیا ہے، آپ کو معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ جو محدث رہتے ہیں ان کے پاس جو حدیث ہے وہ کم واسطوں والی ہے، اور آپ کے پاس وہی حدیث ہے مگر واسطے زیادہ ہیں تو محض واسطوں کو کم کر کے اپنی سند کو عالی کرنے کے لیے اس جگہ کا سفر کرتے۔

مصنف ابن عبدالرزاق کے مؤلف عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ

یمنی ہیں، اور بڑے محدثین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ جب آپ کو ان کی سند عالی ہونے کا پتہ چلا تو آپ نے یمن جانے کا ارادہ کیا، لیکن آپ کو کسی نے یہ غلط خبر دی کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو چکا ہے، اس وجہ سے آپ نے یمن کا سفر ملتوی کیا، کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ محدث عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ حیات ہیں، انتقال کی خبر غلط تھی، لیکن بعد میں یمن کے سفر کا موقع نہ مل سکا اس پر آپ افسوس کرتے تھے کہ ایک موقع تھا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہونے کے باوجود ان سے براہ راست حدیثیں روایت نہیں کرتے۔

آپ کے حافظہ کا ایک واقعہ

آپ کے ایک ساتھی حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ جب ہم بصرہ گئے اس وقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب استاذ حدیث بیان کرتے تو ہم سب طلبہ حدیث کو لکھ لیتے تھے، لیکن آپ نہیں لکھتے تھے۔ ہم آپ سے کہتے رہے کہ تم بھی عجیب آدمی ہو، سب طلبہ تو حدیثیں لکھ رہے ہیں اور تم نہیں لکھتے، تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو، اس لیے کہ جب آپ حدیثیں نہیں لکھیں گے تو یاد کیسے رہیں گی؟ ہم لوگ اس طرح سولہ دن تک مسلسل حدیثیں لکھنے پر آپ کو اصرار کرتے رہے، جب ہماری طرف سے اصرار بہت بڑھا تو آپ نے فرمایا تم نے ان دنوں میں جو کچھ لکھا وہ ذرا بتلاؤ؟ یہ کل پندرہ ہزار حدیثیں تھیں۔ آپ نے یہ ساریں حدیثیں زبانی سنانی شروع کر دیں، اور بالکل صحیح اور ٹھیک سنائیں، یہاں تک کہ ہم نے آپ سے سن کر اپنی کاپیوں میں لکھی ہوئی حدیثوں کی اصلاح کرنی شروع کی۔ پھر آپ نے فرمایا کیا

اب بھی تم سمجھتے ہو کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں، اس دن ہم سب سمجھ گئے کہ آپ سے کوئی آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بچپن ہی سے غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا اور صرف اتنا ہی نہیں کہ حدیثیں یاد تھیں، بلکہ حدیثوں کے ساتھ صحیح اور سقیم سند کی علل پر بھی گہری نگاہ عطا فرمائی تھی، اس میدان میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

طالب علمی کے زمانے میں آپ کا مقام

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جب آپ بصرہ میں علم طلب کر رہے تھے، اس وقت طلبہ اور علماء آپ کے پیچھے پیچھے دوڑتے اور آپ کی منت سماجت کرتے کہ آپ ان کو حدیثیں سنائیں، کبھی کبھی ہزار تک کا مجمع ہو جاتا۔ اور عجیب بات یہ کہ اس وقت آپ بالکل جوان تھے اور ابھی پوری داڑھی بھی نہیں نکلی تھی۔

تفریح کے بجائے علمی اشتغال

آپ کے ایک ہم درس اور ہم عمر ساتھی ہانی بن نضر کہتے ہیں کہ جب ہم ملک شام میں طالب علم تھے تو درس سے فراغت پر ہم تفریح کے لیے نکلتے تھے، لیکن آپ ہمارے ساتھ تفریح کے لیے نہیں آتے اور برابر اپنے علمی کاموں میں مشغول رہتے۔

آپ بیہودہ باتوں سے بہت پرہیز کرتے تھے، لوگوں سے لالچ نہیں رکھتے تھے اور لوگوں کی باتوں میں پڑنے سے بچتے تھے اور آپ کا پورا وقت علم میں گزرتا تھا۔

آپ کے حافظہ کا امتحان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات میں سے یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب آپ بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء نے آپ کا امتحان لینا چاہا، اس لیے کہ بغداد کے علماء نے آپ کے حافظہ کی شہرت سن رکھی تھی، آپ کا امتحان لینے کے لیے بغداد کے دس بڑے علماء جو فنِ حدیث میں ماہر تھے آپس میں بیٹھے اور یہ طے کیا کہ ہر آدمی دس دس حدیثیں منتخب کرے اور ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث کی سند کے ساتھ ملا دے، اور دوسری حدیث کے متن کو پہلی حدیث کی سند کے ساتھ ملا دے، اس طرح دس حدیثیں ہر آدمی تیار کرلے گا تو سو حدیثیں تیار ہو جائیں گی۔

جب آپ بغداد پہنچے تو آس پاس کے لوگ بھی آپ کی زیارت کے لیے پہنچ گئے، اور وہاں بھی علمی مجلس منعقد ہوئی۔ جب مجلس برابر جم گئی تو ان دس حضرات نے کہا کہ ہم آپ کے سامنے کچھ حدیثیں آپ کی توثیق حاصل کرنے کے لیے پیش کرنا چاہتے ہیں، آپ نے قبول کرلیا، ان حضرات نے اپنی تیار کردہ حدیثیں ایک ایک کرکے آپ کے سامنے پڑھنی شروع کیں۔ جب پہلی حدیث آپ کے سامنے پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا لَا اَعْرِفُ میں یہ حدیث نہیں جانتا۔ پھر دوسری پڑھی گئی، تو یہی فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔ پھر تیسری پر بھی وہی جواب فرمایا۔ اور یہ سلسلہ سو حدیثوں تک چلتا رہا اور سب کے جواب میں آپ لَا اَعْرِفُ فرماتے رہے، یعنی جس طرح یہ حدیثیں میرے سامنے پڑھی گئی ہیں اس طرح میں نہیں جانتا۔ وہاں جو علماء حضرات موجود تھے وہ سمجھ گئے کہ آپ کے لَا اَعْرِفُ کا کیا مطلب ہے؛ لیکن عوام یہ سمجھ

رہے تھے کہ اتنے بڑے محدث اور مشہور عالم ہونے کے باوجود ہمارے یہاں کے علماء نے جو سو حدیثیں سنائیں ان میں سے ایک کا بھی علم نہیں رکھتے۔

جب سو کی سو حدیثیں پڑھی جا چکی تھیں، تو اس کے بعد آپ پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آپ نے جو حدیثیں سنائیں ان میں پہلی حدیث یوں سنائی، لیکن یوں نہیں ہے، بلکہ یوں ہے، سند میں فلاں علت ہے اور متن میں فلاں غلطی ہے، اور آپ نے دوسرے نمبر پر جو حدیث سنائی تھی وہ یہ ہے، لیکن وہ اس طرح نہیں بلکہ اس طرح ہے، اس طرح آپ نے ان کی سو کی سو ردوبدل والی حدیثیں بالترتیب ان کو سنا دیں، اور ساتھ ساتھ ان میں جو نقص تھا اس کی طرف بھی نشاندہی فرمائی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری کے مقدمہ میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ان حدیثوں میں جو نقص تھا ان کی نشاندہی کرنا اتنی تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ آپ تو حدیث کے امام تھے اور غلطیوں کی نشاندہی کرنا تو آپ کا مشغلہ تھا، تعجب کی بات تو یہ تھی کہ جس ترتیب سے ردوبدل کے ساتھ انہوں نے وہ سو حدیثیں بیان کی تھیں وہ بھی آپ نے یاد رکھیں اور اسی ترتیب سے از اول تا آخر تمام حدیثوں کو صحیح متن اور صحیح سند کے ساتھ بیان کر دیا۔

آج ہم لوگ یہ دعویٰ تو کر سکتے ہیں کہ ہم رجال ونحن رجالا ور متقدمین محدثین کی طرح کسی حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم ہم بھی لگا سکتے ہیں، لیکن کسی حدیث پر ضعف یا صحت کا حکم لگانا یہ کوئی بڑی بات نہیں، اصل تو یہ کہ ان احادیث کی علل بھی اس طرح بیان کرے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے، اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو نصرت الٰہی حاصل ہو۔

مذکورہ واقعہ بغداد کا ہے اسی قسم کا ایک اور واقعہ خراسان یا نیسا پور میں بھی پیش آیا، وہاں بھی علمائے کرام نے آپ کا امتحان لینے کی کوشش کی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہاں پر بھی سرخرو ہو کر اس مجلس سے نکلے۔

نماز کے موضوع پر احادیث

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے عرض کیا کہ فلاں شخص آپ کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ آپ کو نماز پڑھنا نہیں آتی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ: اگر وہ مجھ سے ایسی کوئی بات کہتا تو میں اس مجلس سے اس وقت تک نہ اٹھتا جب تک کہ اس کو نماز ہی کے بارے میں دس ہزار حدیثیں نہ سنا دیتا۔

فن اسماء الرجال میں مہارت کا ایک واقعہ

یوسف بن موسی المروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا کہ میں نے اعلان سنا کہ اے اصحاب علم! محمد بن اسماعیل البخاری بصرہ تشریف لائے ہیں تو میں بھی اپنے رفقاء کے ساتھ محمد بن اسماعیل کو دیکھنے کے لیے چلا گیا، وہاں ہم نے ایک نوجوان کو ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ نوجوان نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے اور آپ سے درخواست کی کہ ان کے لیے مجلس منعقد کریں آپ نے منظور فرما لیا اور دوسرے دن مجلس منعقد ہوئی۔

جب دوسرے دن مجلس منعقد ہوئی تو کئی ہزار لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ جب مجلس میں تشریف لائے تو فرمایا: میں ابھی نوعمر ہوں، لیکن تم لوگوں نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ حضرات کی خدمت میں حدیثیں بیان کروں تو میں تم کو ایسی

حدیثیں بیان کروں گا جن کا تمہیں پہلے سے علم ہے، لیکن پھر بھی تمہیں نفع ہوگا، پھر آپ نے ایک حدیث منصور کے واسطے سے بیان فرمائی، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ: یہ روایت تمہارے پاس منصور کے واسطے سے نہیں پھر دوسری حدیث روایت کی اور فرمایا یہ حدیث تمہارے پاس شعبہ کے واسطے سے پہنچی ہے؛ لیکن جس سند سے میں نے بیان کیا وہ تمہارے پاس نہیں۔ اس طرح کئی روایتیں بیان کیں۔

خلاصہ یہ کہ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ بصرہ میں آپ ﷺ کی حدیثیں کن کن راویوں کے ذریعہ سے پہنچی ہیں اور کن کن راویوں کے ذریعہ سے نہیں پہنچیں، اور میرے پاس جو روایت بصری راوی کے واسطے سے پہنچی ہے اس میں کونسا راوی ایسا ہے جن سے بصرہ والوں نے روایت نہیں لی، یہ دعوی وہی آدمی کرسکتا ہے جس نے پورے شہر کے تمام راویوں کے حالات کا احاطہ کیا ہو۔

آپ کے مشائخ واساتذہ

مؤرخین نے آپ کے مشائخ واساتذہ کی تعداد متعین کرنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے آپ کے مختلف طبقات کے اساتذہ ومشائخ کی تعداد ایک ہزار اَسّی (۱۰۸۰) بتلائی ہے۔

آپ کی کسی تابعی سے ملاقات ثابت نہیں ہے، سب سے پہلا طبقہ جن سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے وہ تبع تابعین کا طبقہ ہے، تبع تابعین وہ ہیں جنہوں نے تابعین کو دیکھا ہو، تبع تابعین میں آپ کے دو استاذ ہیں، ایک ہیں مکی ابن ابراہیم، آپ کی بیشتر ثلاثیات انہی سے مروی ہیں۔

آپ نے بعض حدیثیں اپنے استاذ سے ایسی نقل کی ہیں جن میں آپ کے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، آپ کے استاذ، آپ کے استاذ کے استاذ اور آپ کے استاذ کے استاذ کے استاذ، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم گرامی آجاتا ہے، ان احادیث کو ثلاثیات کہتے ہیں۔

تبع تابعین میں سے آپ کے دوسرے استاد ابو عاصم النبیل ہیں، یہ آپ کے اونچے اساتذہ میں سے ہیں اور ان کی سند بہت اعلی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ مکی ابن ابراہیم اور ابو عاصم رحمہما اللہ دونوں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔

آپ کے اساتذہ کا دوسرا طبقہ وہ ہے جو تبع تابعین کے زمانہ میں پیدا ہوا اور تبع تابعین سے روایت کی، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

آپ کے تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی بے شمار ہے، آپ کے تلامذہ میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، لیکن ایک اعتبار سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے استاذ بھی ہیں، وہ اس طرح کہ کچھ روایات ایسی ہیں جو آپ نے اپنے شاگرد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع ترمذی میں دو حدیثیں ایسی ذکر کی ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے سنیں، جب وہ حدیثیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں تو فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہذا ما سمع محمد بن اسماعیل منی یہ وہ حدیثیں ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے سنیں۔

امام مسلم، امام نسائی اور محدث ابو زرعہ رحمہم اللہ بھی آپ کے شاگردوں میں ہیں،

محدث ابوزرعہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ایک بچے کی طرح آپ کے سامنے باادب ہو کر حدیثوں کے بارے میں آپ سے پوچھا کرتے تھے۔

آپ کی فہم حدیث کا واقعہ

امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے ایک بہت بڑے محدث ہیں، ایک دن آپ امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، پوری مجلس علماء سے بھری ہوئی تھی، امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث سفیان ثوری کے واسطے سے یوں سنائی (حدثنا سفیان، قال حدثنا أبو العروة عن أبي خطاب عن أبي حمزة رضی الله عنه قال طاف النبی ﷺ علی نسائه بغسل واحد) یہ مشہور حدیث ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے اور اخیر میں ایک ہی غسل فرمایا۔ امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس حدیث کی سند پڑھی تو سب لوگ ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھنے لگے کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ تو ہم نے کبھی نہیں سنی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، اصل میں ابوعروہ یہ کنیت ہے معمر کی، ابوالخطاب یہ کنیت ہے قتادہ کی اور ابوالحمزہ کنیت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی، اور سند یوں ہے حدثنا معمر قال حدثنا قتادة عن أنس بن مالك، سفیان ثوری نے لوگوں سے امتحان لینے کی خاطر راویوں کے نام لینے کے بجائے راویوں کی کنیت ذکر کی جس کی وجہ سے لوگ سمجھ نہ سکے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پہلی ہی نظر میں پہچان گئے۔

دراصل امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عادت کا ذکر کیا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی لوگوں کا امتحان لینے کے لیے سند میں راوی کا مشہور و معروف نام ذکر کرنے کے بجائے ان کی کنیت کا ذکر کرتے ہیں، یہ حدیث بھی انہوں نے اسی طرح بیان کی۔

امیر المومنین فی الحدیث ہونے کا سب نے اعتراف کیا

آپ کے نسب میں چوتھی پشت پر غیر مسلم ہے اور آپ عجمی النسل تھے، اہل عرب غیر عرب کو عجمی یعنی گونگا کہتے ہیں اور عربی النسل کو عجمی النسل پر ترجیح دیتے ہیں، اس لیے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا، سرکار دو عالم ﷺ انہی کے اندر تشریف لے آئے، وہیں تعلیم و تبلیغ فرمائی، اور اسلامی علوم کا اصلی سرچشمہ عرب ہی ہے، اس وجہ سے اہل عرب اہل عجم پر اپنے کو ترجیح دیتے ہیں اور عربی النسل ہونے کو اپنی سعادت اور فخر سمجھتے ہیں اور ان کو اپنے عربی ہونے پر ناز بھی ہے اور اس کی گنجائش بھی ہے، لیکن بسا اوقات یہ ناز حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور کسی عجمی میں سارے اوصاف ترجیح کے موجود ہونے کے باوجود محض عجمی ہونے کی بنیاد پر اس کو ترقی سے روک دیتے ہیں، گویا عجمی ہونا ایک عیب سمجھ لیا گیا، اور اس کے برخلاف کوئی عربی النسل ہے اور اس کا علمی مقام کسی عجمی سے کم ہے لیکن محض عربی النسل ہونے کی بنیاد پر عجمی پر عربی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن اللہ جل جلالہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا مقام بخشا کہ عرب اور عجم دونوں نے آپ کو اپنا امام تسلیم کیا، پورا عالمِ اسلام ان کی جلالت قدر کا نہ صرف معترف ہوا بلکہ ان کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔

چائے پی کر محدث بننا

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لطیفہ ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی چائے پی کر محدث بنا کرتا تو میں امیر المؤمنین فی الحدیث بن جاتا۔علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے زمانے میں بڑے محدث تھے اور حضرت کی پوری زندگی مجاہدہ، محنت، زہد، وتقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی میں گذری، حضرت کا مقصد اس لطیفہ سے یہ ہے کہ علم بہت کچھ قربانی اور محنت ومشقت چاہتا ہے۔

اپنا حق چھوڑ دیا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ انتقال کے وقت کافی مال چھوڑ کر گئے تھے، جن میں سے پچیس ہزار درہم آپ کے حصہ میں آئے، اس زمانہ کے لحاظ سے پچیس ہزار درہم بڑی رقم سمجھی جاتی تھی، آپ نے سوچا کہ اگر میں ازخود اس رقم کو تجارت میں لگاؤں گا تو علمی مشغلہ میں خلل واقع ہوگا، آپ نے کسی کے ہاتھ عقد مضاربت کیا اس شرط پر کہ کچھ نفع وہ آپ کو ہر مہینہ دے دیا کرے، ہوا یہ کہ جس کو مضاربت پر رقم دی تھی وہ رقم لے کر بیٹھا رہا، اس نے نہ نفع دیا اور نہ اصل مال واپس کیا۔

آپ کے شہر کا حاکم آپ کی عزت کیا کرتا تھا کسی نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ حاکم کو خط لکھیے، وہ آپ کی رقم اس سے لے کر آپ کو دلوائے گا! تو امام صاحب نے حاکم کی مدد لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر آج میں اپنا جائز حق وصول کرنے

کے لیے حاکم کی مدد لوں گا تو ہوسکتا ہے کہ کل مجھے اس احسان کا سہارا لے کر کسی ایسے کام پر مجبور کرے جس کی شریعت مجھے اجازت نہیں دیتی تو اس وقت انکار کرنا مشکل ہوگا اس لیے کہ حاکموں کا مزاج یہ ہے کہ وہ کسی پر احسان کرتے ہیں تو اس کا بدلہ بھی وصول کرتے ہیں، اس لیے میں اس کا احسان نہیں لینا چاہتا۔ اس کے بعد آپ نے اس آدمی سے کہا کہ اگر تم ایک ساتھ پوری رقم مجھے نہیں دے سکتے تو کم از کم قسط وار ادا کرتے رہو، اس کے لیے بھی وہ تیار نہیں ہوا، بہت ردوقدح کے بعد وہ اس بات پر راضی ہوا کہ ہر مہینہ دس درہم دے دیا کرے گا، اس پر بھی آپ راضی ہو گئے، حالانکہ پچیس ہزار کے مقابلہ میں ماہانہ دس درہم کی کوئی حیثیت نہیں، کہاں پچیس ہزار درہم اور کہاں مہینہ کے دس درہم جو پورے سال میں ایک سو بیس ہی درہم بنتے ہیں، اگر سو سال تک بھی ادا کرتا رہے تب بھی ادا نہیں ہوگا، لیکن آپ نے جھگڑا پسند نہیں کیا اور مہینے کے دس درہم پر بھی راضی ہو گئے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس نے مہینے کے دس درہم دینا بھی بند کر دیا، اور اس طرح آپ کی پوری رقم ضائع ہو گئی، رقم کا ضائع ہونا پسند کیا لیکن حاکم کا احسان لینا گوارا نہیں کیا تا کہ اپنے استغنا میں کوئی فرق نہ آئے۔

کم آمدنی پر گزارہ

زندگی کا سرمایہ آپ کے پاس یہی پچیس ہزار درہم تھے اس کے سوا آمدنی کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا، اتنی بڑی رقم ضائع ہو جانے کے بعد آپ پر تنگی کے ایام شروع ہو گئے لیکن اس وقت بھی آپ نے اپنے استغنا میں کوئی فرق آنے نہیں دیا، اور انتہائی

کم کھانے کا آپ نے معمول بنالیا اور اپنی ضرورتوں کا کسی کے سامنے اظہار نہیں کیا اور بعض ایام آپ پر ایسے بھی آئے کہ ایک وقت میں کبھی صرف چار بادام پر اکتفاء کیا اور کبھی صرف سوکھی روٹی پر گزارہ کیا۔

آپ کا سوکھی روٹی پر گزارہ کرنے کا راز اس وقت کھلا جب آپ ایک مرتبہ بیمار ہوئے جس کی وجہ سے طبیب کے پاس جانا پڑا طبیب نے بیماری کی تشخیص کے لیے آپ کا قارورہ طلب کیا اور قارورہ جانچنے کے بعد اس نے کہا کہ یہ قارورہ کسی راہب کا معلوم ہوتا ہے، آپ نے طبیب کی بات سن کر بتلایا کہ: چالیس سال سے میں نے صرف سوکھی روٹی کھائی ہے سالن نہیں کھایا۔ طبیب نے کہا کہ آپ کی بیماری کا علاج سالن کھانا ہے۔ دوستوں اور عزیزوں کے اصرار پر اس کے بعد آپ نے تھوڑی سی چینی اور تھوڑا سا سالن کھانا شروع کر دیا۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو بھئی! انسان آمدنی کے اسباب تو اختیار کرسکتا ہے، لیکن آمدنی اپنے اختیار سے حاصل نہیں کرسکتا، مثلاً تجارت آمدنی کا ایک سبب ہے اس میں تو اس کے اختیار کا دخل ہے لیکن تجارت چلے اور آمدنی بھی بڑھے یہ اس کے اختیار میں نہیں، لیکن خرچ ہر شخص کے اختیار میں ہے، جتنا کم کرنا چاہے کرسکتا ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی ضروریات اور اپنی خواہشات کو کم کرے، جس کی ضروریات اور خواہشات جتنی زیادہ کم ہو گی اتنی ہی عافیت اور سہولت رہے گی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ایک ہی جوڑے پر گزارہ

آپ کے ہم درس عمر بن حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کا روزانہ سبق میں حاضری کا معمول تھا، آپ کبھی بھی سبق ناغہ نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ چند دنوں کے لیے سبق سے غیر حاضر رہے۔ اس پر آپ کے رفقاء درس کو بہت تعجب ہوا، سوچا کہ شاید آپ بیمار ہوں؟ تو ہم آپ کی قیامگاہ پر عیادت کرنے گئے، تو معلوم ہوا کہ آپ کے پاس ایک ہی جوڑا کپڑا تھا، جب وہ میلا ہو جاتا تھا تو اسی کو دھو کر پہن لیتے تھے، لیکن دھوتے دھوتے وہ کپڑا اتنا پھٹ گیا کہ اب ستر چھپانے کے لیے بھی کافی نہیں رہا، اس واسطے آپ گھر سے نکلنے سے معذور ہو گئے۔ رفقاء فرماتے ہیں کہ: ہم نے آپ کے لیے کپڑوں کا انتظام کیا، اس کے بعد آپ نے سبق میں دوبارہ آنا شروع کیا۔

آج ہم ان احادیث کو پڑھتے، پڑھاتے ہیں، اور طالبین حدیث میں اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں، مگر جب ہمارے اسلاف کو دیکھتے ہیں تو ہمارے اور ان میں بین فرق نظر آتا ہے کہ انھوں نے کسمپرسی کی حالت میں اس دولت کو حاصل کیا اور ہم تعیش اور تنعم کی حالت میں اس کو حاصل کر رہے ہیں، جب ہم اپنی تعیش اور سہولت و آسانی والی زندگی دیکھتے ہیں اور دوسری طرف ہمارے اسلاف کی سادگی اور مجاہدہ والی زندگی دیکھتے ہیں تو ندامت اور شرمندگی سے ہمارا سر جھک جاتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جو یہ مقام ملا وہ اس لیے کہ آپ نے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دی۔ سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کیا اور علم کے حصول میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، تب جا کر امیر المؤمنین فی الحدیث بنے؛ علم قربانی مانگتا ہے، بغیر قربانی

کے سطحی اور لفظی علم تو حاصل ہو جائے گا مگر وہ علم جو درست راہ دکھائے وہ بغیر قربانی کے حاصل نہیں ہوتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق عبادت

آپ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حصول کے لیے وقف کر دیا تھا، ہر وقت آپ کا مشغلہ قال اللہ قال الرسول تھا، حدیثوں کو پڑھنا، پڑھانا، سننا، سنانا، محفوظ کرنا، تصنیف و تالیف تھا، اس کے لیے آپ نے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا، اپنا گھر بار چھوڑا، دور دراز ملکوں کا سفر کیا، گویا آپ کی زندگی کا ہر لمحہ عبادت ہی عبادت تھا، اس کے باوجود آپ نے صرف ان کاموں کو عبادت سمجھ کر، نوافل، تلاوت وغیرہ کی ادائیگی میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، اللہ تعالی نے آپ کو عبادت کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا، اسی وجہ سے نوافل اور تلاوت قرآن کریم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا اہم مشغلہ تھا گویا آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت ہی عبادت تھا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ رمضان میں آپ ہر دن قرآن مجید کا ایک ختم فرماتے اور اس کے ساتھ ساتھ تراویح کے بعد نوافل پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے اور نوافل میں ہر تیسرے دن ایک قرآن مجید ختم کرنے کا معمول تھا۔

آپ کے ایک شاگرد اور خادم محمد بن ابی حاتم الوراق فرماتے ہیں کہ میں نے سفر میں کئی راتیں آپ کے ساتھ گزاریں، آپ رات کو کئی مرتبہ اٹھتے اور چقماق کے ذریعہ چراغ جلاتے، اپنی کاپی میں کچھ لکھ کر دوبارہ چراغ کو گل کر کے لیٹ جاتے، کبھی ایک ہی رات میں دس دس پندرہ پندرہ مرتبہ اٹھنے اور لکھنے کا معمول میں نے

دیکھا ہے۔

اس قصہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رات کے وقت بھی آپ کا علمی اشتغال جاری رہتا تھا، رات کے وقت جو بات یاد آتی رہتی تھی اس کو اٹھ کر لکھتے رہتے تھے، اور ساتھ ساتھ تہجد کا بھی اہتمام تھا۔

وراق کی وجہ تسمیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خادم محمد بن حاتم کو وراق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وَرَّاقٌ لفظ وَرَق سے مشتق ہے جس کے معنی کاغذ کے ہیں، یہ لفظ پرانے زمانہ میں تین آدمیوں کے لیے استعمال ہوتا تھا، ایک تو کتابوں کو بیچنے والا، دوسرا کباڑی جو پرانی چیزیں فروخت کرتا ہو، خاص طور پر بوسیدہ کتابیں، اور تیسرا وہ آدمی جو کسی مصنف کے لیے کام کرتا ہو کہ مصنف اس کو کچھ لکھوا دیتا ہے اور وہ لکھ کر نسخہ بناتا اور لوگوں میں بیچا کرتا ہے، محمد ابن ابی حاتم آپ کے ورّاق تھے اور صحبت بھی کافی اٹھائی تھی، جس کی وجہ سے وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے حالات سے واقف تھے۔

فقیہ کون؟

ہم ہوتے تو یہ تاویل کرتے کہ رات بھر علمی کاموں میں مشغول رہا ہوں اس لیے تہجد پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ علم میں مشغولی تہجد پڑھنے سے بھی افضل ہے، ہم لوگوں نے اپنے مطلب کی چند حدیثیں یاد کر لی ہیں مثلاً یہ حدیث کہ مُذَاكَرَةُ الْعِلْمِ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ إِحْيَاءِ لَيْلَةٍ علمی کاموں میں ایک گھڑی مشغول ہونا پوری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔ اور یہ حدیث کہ فقيه واحد

أشد علی الشیطان من ألف عابد ایک فقیہ شیطان پر ہزار عبادت کرنے والوں سے زیادہ بھاری ہے۔ یہ حدیثیں اس لیے یاد رہتی ہیں کہ ہم ان کا سہارا لے کر عبادت سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں، یہ سب درحقیقت شیطان کا دھوکہ ہے۔

کوئی شخص اس وقت تک فقیہ نہیں بن سکتا جب تک عبادت کا ذوق نہ ہو، اس حدیث میں جو فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے اس سے وہ عابد مراد ہے جو صبح سے شام تک عبادت ہی میں لگا رہتا ہے اور علم سے بالکل محروم ہوتا ہے، اور حدیث میں جس فقیہ کی فضیلت آئی ہے اس سے وہ فقیہ مراد ہے جو علم میں انہماک کے ساتھ عبادت کا بھی اہتمام کرتا ہے، اگر کوئی فقیہ اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ نہیں کرتا تو وہ اس فضیلت کا مستحق نہیں، ہمارے جتنے بزرگ فقہاء گزرے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو عبادت کے ذوق سے خالی ہو، اور اپنے علمی اشتغال کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو عبادت کا بھی پابند نہ بنایا ہو۔

جب تک طالب علم کو عبادت کا ذوق اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہ ہو اس کو سطحی علم تو حاصل ہو جائے گا مگر عمل کی طرف ابھارنے والا اور فکر آخرت پیدا کرنے والا علم حاصل نہیں ہوگا۔ اگر ظاہری علم ہے مگر عبادت اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں ہے حقیقت میں علم نہیں بلکہ جہل ہی جہل ہے۔

وہ علم جہل ہے جو دکھائے نہ راہ دوست

قوت حافظہ کے لیے بہترین دوا

آپ کے زمانہ میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ آپ کا حافظہ اس لیے بہت زیادہ

بڑھا ہوا ہے کہ آپ کے پاس حافظہ کو بڑھانے کی کوئی خاص دوا ہے جس کا آپ استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کا حافظہ قوی ہو گیا ہے۔ کسی نے آپ کو تنہائی میں پوچھا کہ کیا کوئی ایسی دوا ہے جس سے آدمی کا حافظہ قوی ہو جاتا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کسی دوا کا تو مجھے علم نہیں، البتہ حافظہ کے لیے شوق اور پیہم محنت سے بڑھ کو کوئی دوا نہیں۔

نماز میں انہماک

محمد بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کسی ساتھی نے اپنے باغ میں مدعو کیا آپ نے وہاں ظہر کی نماز ادا کی اور نماز کے بعد آپ نوافل میں مشغول ہو گئے، نمار سے فراغت پر آپ نے اپنی قمیص اٹھائی اور کسی ساتھی سے کہا کہ ذرا دیکھ لو کیا ہے؟ جب ساتھی نے دیکھا تو ایک بھڑ تھی جس نے آپ کے جسم پر کئی مرتبہ ڈنک مارا تھا اور آپ کے جسم پر ورم آ گیا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ دوران نماز آپ کو کاٹنے کا احساس ہوا تھا کہ نہیں؟ کہا کہ احساس تو ہوا تھا، تو کہا کہ اس وقت نماز توڑ دیتے، نفل نماز ہی تو تھی؟ فرمایا کہ: ایک سورت شروع کی تھی اور اس کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

آپ کا احتیاط

آپ کی پوری زندگی علم و عمل تقویٰ طہارت سے آراستہ تھی، آپ کا ہر قول و فعل عبادت تھا، آپ کے ہر عمل میں تقوی، تورع نمایاں طور پر نظر آتا تھا، آپ نے گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کیا تھا کہ کوئی بھی گناہ سرزد نہ ہو، بلکہ آپ کبھی معصیت کے

قریب بھی نہ پھٹکے۔

آپ نے بقدر ضرورت خرید وفروخت بھی کی ہے۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے پاس کچھ لوگ ایک چیز خریدنے کے لیے آئے، انہوں نے اس چیز کے لیے پانچ ہزار درہم کی پیش کش کی، آپ نے فرمایا کہ اچھا بھائی! میں سوچ کر کل جواب دوں گا، اس کے بعد کچھ دوسرے لوگ آپ کے پاس اسی چیز کو خریدنے کے لیے پہنچ گئے اور انہوں نے اس کے لیے دس ہزار درہم کی پیش کش کی، آپ کے رفقا نے مشورہ دیا کہ یہ تو بہترین موقع ہے، دوسری جماعت ہی کو بیچ دینا چاہیے، اس پر آپ نے فرمایا کہ میں تو پہلی جماعت سے سودا کر چکا ہوں، آپ کے رفقا نے کہا کہ آپ نے تو ان سے اتنا کہا تھا کہ کل سوچ کر جواب دوں گا اس سے سودا مکمل نہیں ہوتا، اس پر آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں پہلی جماعت کو دینے کا خیال آ گیا تھا اور میرا دل پانچ ہزار درہم پر آمادہ ہو گیا تھا، اس کے بعد یہ دوسری جماعت آ گئی، لہٰذا مجھے اب اچھا نہیں لگتا کہ میں پانچ ہزار درہم کی خاطر اپنی اس نیت کو خراب کر دوں، لہٰذا آپ نے دوسری جماعت کی زیادہ نفع والی پیش کش رد کر دی اور آپ نے پہلی ہی جماعت کی کم نفع والی پیش کش قبول کر لی۔

آپ کا جود وسخا

آپ کی ایک زمین تھی جو آپ نے کسی کو کرایہ پر دی تھی، اس کو معلوم تھا کہ آپ کو ککڑی بہت پسند ہے، اس لیے وہ آپ کے لیے ککڑیاں لایا کرتا تھا، آپ اس کے بدلہ میں ہر سال اس کو ہزار درہم کا ہدیہ دیتے تھے۔

آپ اہل علم کا بہت خیال رکھتے تھے، ہمیشہ اپنے ساتھ اپنی تھیلی رکھتے تا کہ اگر کسی ضرورت مند کا علم ہو جائے تو اس کا تعاون کر سکیں، کبھی کبھی کسی ضرورت مند طالب علم کو بیس یا تیس درہم اس طرح دے دیتے کہ کسی اور کو پتا تک نہ چلتا، ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو ایک تھیلی دی جس میں تین سو درہم تھے، جب اس نے آپ کو دعا دینے کی کوشش کی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ کسی اور بات میں لگ جا کہ اس کا کسی اور کو علم نہ ہو۔

تیر کا غلط نشانہ پر لگنا اور آپ کا تاوان ادا کرنا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو تیر اندازی کی مشق کا شوق تھا، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے تیر اندازی کی ترغیب دی ہے۔ آپ اس فن میں بڑے ماہر تھے، محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ کئی مرتبہ میں آپ کے ساتھ تیر اندازی کے لیے نکلا، صرف دو مرتبہ کا مجھے یاد ہے کہ آپ کا تیر نشانہ پر نہ لگا۔

ایک دن تیر اندازی کے لیے جنگل میں نکلے، ایک جگہ پر کسی کا گھر تھا، گھر کے سامنے ایک پل تھا، اس کے قریب آپ تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس دن آپ کا نشانہ خطا کر گیا، اور اس پل کی میخ میں تیر جا کر ٹکرایا جس سے میخ ٹوٹ گئی، آپ کو اس پر بہت صدمہ ہوا اور آپ نے تیر اندازی کی مشق چھوڑ دی اور گھر واپس تشریف لے گئے۔ پھر اپنے ساتھی سے کہا کہ بھئی! خدا کے لیے میرا ایک کام کر دو، اس پُل کے مالک کو ڈھونڈھو، اور اس کو میری طرف سے کہو کہ اس پل کی مرمت میں جو خرچ آتا ہو وہ مجھ سے لے لے اور مجھے معاف کر دے۔

ان صاحب نے آپ کا پیغام پل کے مالک کو پہنچایا، مالک نے کہا کہ امام صاحب کو میرا اسلام کہنا اور آپ کو کہنا کہ آپ پر تو میرا سارا مال قربان، مجھے اس پر نہ کوئی شکوہ ہے اور نہ مجھے کوئی تاوان لینا ہے۔اس آدمی نے آپ کو مالک کی بات پہنچائی کہ اس نے تاوان لینے سے انکار کردیا۔آپ نے اس پر مسرت کا اظہار کیا اور اس خوشی میں تین سو درہم صدقہ کردیا۔

آپ نے ساری عمر کسی کی غیبت نہیں کی

آپ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے یہ علم ہوا کہ غیبت کرنا حرام ہے اس وقت سے کسی شخص کی بھی غیبت نہیں کی، کسی نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کی تاریخ کبیر نامی کتاب تو غیبت سے بھری پڑی ہے؟ (تاریخ کبیر میں آپ نے راویوں کے حالات ذکر کیے ہیں اچھے بھی اور برے بھی) اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں نے اس میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، جو کچھ ہے وہ کسی نہ کسی امام کا قول ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ ضرورت کی خاطر کسی کی برائی سے لوگوں کو متنبہ کرنا غیبت میں شمار نہیں اور راویوں کے بارے میں بتلانا کہ مثلاً فلاں راوی کا حافظہ کمزور تھا اور فلاں راوی ایسا تھا وغیرہ یہ ضروری ہے تاکہ لوگ غلط شخص کی روایت لینے سے احتیاط کریں۔

علمائے کرام نے فرمایا کہ آپ کی تاریخ کبیر میں اور دوسرے حضرات کی جرح وتعدیل کی کتابوں میں فرق یہ ہے کہ آپ کے الفاظ دوسروں کے مقابلہ میں بہت ہی محتاط ہیں، اگر کسی راوی کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ ضعیف ہے تو ضعیف کے

بجائے آپ یوں لکھیں گے کہ تکلم فیہ، لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے، جہاں دوسرے علماء دجال کذاب جیسے سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں، وہاں آپ کی کتاب تاریخ کبیر میں اس قسم کے سخت الفاظ نہیں ملتے۔

جو آدمی غیبت سے بچنے کا اتنا اہتمام کرتا ہو وہ دوسرے گناہوں کے ارتکاب سے کتنا بچتا ہوگا۔ کیوں کہ سب گناہوں میں سب سے زیادہ مشکل کام غیبت سے بچنا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان بسا اوقات غیر شعوری طور پر غیبت کر لیتا ہے، یہ بڑا مشکل کام ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

چھوٹوں سے معافی مانگنا

ایک دن آپ نے ایک شخص سے فرمایا کہ مجھے معاف کر دو، اس نے پوچھا کہ کس چیز کے بارے میں آپ معافی مانگ رہے ہیں؟ فرمایا کہ: ایک دن جب میں نے ایک حدیث بیان کی تو تم پر نظر پڑی کہ تم اپنے سر اور ہاتھ کو ہلا رہے تھے، اور مجھے عجیب سا لگا اور میں مسکرایا، اس پر معافی مانگتا ہوں۔

عفو و درگزر

ایک مرتبہ آپ اپنے گھر میں تھے کہ باندی کا وہاں سے گزر ہوا، وہاں ایک دوات تھی، وہ اس پر پھسلی، آپ نے ذرا تیز لہجے سے فرمایا تو دیکھ کر نہیں چلتی! اس نے کہا کہ گھر میں راستہ ہی نہیں تو کیسے بچ سکتی، تو آپ نے ہاتھ جوڑ کر اس سے فرمایا کہ جا! میں نے اللہ کے واسطے تجھے آزاد کر دیا۔ کسی نے بعد میں پوچھا کہ کیا اس باندی نے آپ کو غصہ دلایا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر اس نے غصہ دلایا بھی تو اس کو آزاد کر کے

میں نے اپنے آپ کو تسلی دے دی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام

آپ اپنی آخری ایام میں بخارا میں مقیم ہو گئے تھے۔ایک مرتبہ وہاں کے امیر خالد ذہلی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ آپ میرے گھر آ کر علم حدیث کی تعلیم دیں، آپ نے فرمایا کہ میں سلاطین اور امراء کے گھر جا کر درس دے کر علم حدیث کو ذلیل نہیں کر سکتا، اگر کسی کو پڑھنا ہو تو میرا حلقۂ درس ہر ایک کے لیے کھلا ہے، کسی کے در پر جا کر فرداً فرداً تعلیم دینے میں علم حدیث کی توہین بھی ہے اور کتمان علم بھی کہ ہر ایک شخص مجھ سے حدیث نہیں سن سکے گا۔

آپ نے امیر کو پیغام بھیجا کہ آپ کے کے لیے مخصوص حلقہ قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم مجھے عام طلبہ کے لیے حلقۂ درس قائم کرنے سے منع کر دو، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہوں گا اور میں اپنا حلقۂ درس چھوڑ کر تم ہی کو پڑھاؤں گا۔

امیر کی طرف سے آپ پر مظالم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات امیر کو ناگوار گذری اور اس نے آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور آپ پر بعض غلط الزامات لگائے اور ان الزامات کو بہانہ بنا کر آپ کو اپنے وطن بخارا سے نکال دیا۔اس سے آپ کو سخت اذیت پہنچی، آپ تو ابھی شہر سے نکلے ہی تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ امیر کو معزول کر دیا گیا اور گدھے پر بٹھا کر پورے شہر میں گھما کر بے انتہا ذلیل کیا گیا۔

بخارا سے خرتنگ کی طرف

آپ کو جب بخارا سے نکلنے کا حکم ہوا تو سمرقند کے لوگوں نے آپ کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے آپ بخارا سے سمرقند کی طرف روانہ ہو گئے، لیکن ابھی آپ روانہ ہی ہوئے تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ سمرقند والوں میں اختلاف ہو گیا بعض نے آپ کی تشریف آوری کو قبول کیا اور بعض نے مخالفت کی۔

آپ نے وہیں سے اپنا ارادہ بدلا اور سمرقند کے بجائے خرتنگ نامی ایک چھوٹی سی بستی میں جہاں آپ کے کچھ رشتہ دار تھے جا کر مقیم ہو گئے۔

آپ کا موت کی تمنا کرنا

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس وقت آپ نے یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ ضَاقَتْ عَلَيَّ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ فاقبضني إليك، اے اللہ! مجھ پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی ہے تو مجھے اپنے پاس بلا لے۔

یہاں اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ احادیث میں تو موت کی تمنا سے منع کیا گیا ہے پھر آپ نے موت کی تمنا کیوں کی؟ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ موت کی تمنا کی اس وقت ممانعت ہے جب آدمی دنیوی حالات سے دو چار ہو جائے اور موت کی تمنا کرے، اگر کسی دینی وجہ سے موت کی تمنا کرے تو اس کی اجازت ہے، مثلاً دین کو خطرہ ہے، آپ نے محسوس کیا کہ مجھے اپنے دین کے تحفظ میں دشواری پیش آئے گی، کہیں میں کسی بڑے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں، اس سے یہ بہتر ہے کہ میں اپنے مولیٰ سے جا ملوں۔

عالم دنیا سے عالم آخرت کی طرف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خرتنگ پہنچتے ہی بیمار ہو گئے اور پھر کچھ دنوں بعد طبیعت سنبھل گئی اور ادھر سمرقند والوں میں بھی اختلاف دور ہو گیا، اور آپ کو دوبارہ سمرقند آنے کی دعوت دی گئی، آپ نے سمرقند جانے کے لیے سواری منگوائی اور سفر کا لباس پہن لیا، سواری پر بیٹھتے ہی اللہ کی طرف سے داعی اجل آ گیا، اور اسی وقت آپ کا انتقال ہو گیا، وہیں خرتنگ میں آپ دفن کیے گئے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ جب آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کی قبر کی مٹی سے مشک جیسی خوشبو آنے لگی، اور وہ کچھ دنوں تک رہی تو لوگ آ آ کر مٹی لے جانے لگے یہاں تک کہ قبر کھلنے کا اندیشہ ہو گیا اور ذمہ دار حضرات کچھ قابو نہ کر سکے، بالآخر کچھ لکڑیوں کی سلاخیں گاڑ کر لوگوں کو روکا گیا۔

عبدالواحد بن آدم کہتے ہیں کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ کسی کا انتظار کر رہے ہیں، میں نے خواب میں آپ ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ یہاں کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں محمد بن اسماعیل کا انتظار کر رہا ہوں، چند دنوں بعد مجھے خبر پہنچی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اسی دن اور اسی وقت انتقال ہو گیا تھا جب میں نے خواب دیکھا تھا۔

آپ کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی اور آپ نے تریسٹھ سال کی عمر پائی۔

مقدمہ

محدثین اپنی کتابوں میں آٹھ مختلف عنوانات کے تحت احادیث کو پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک عنوان ہے الأدب ادب کے معنی ہیں پسندیدہ کام یا بات، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ادب تمیز، تہذیب اور شائستگی کی بات کو کہتے ہیں۔ باتمیز آدمی کو بھی باادب کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں، ماں باپ اور عام لوگوں کے ساتھ معاشرت اور رہن سہن کا جو طریقہ بتلایا ہے حضرات محدثین ان کو ''کتاب الادب'' میں ذکر کرتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب ''الأدب المفرد'' میں جن روایتوں کو پیش کیا ہے وہ اسی موضوع کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

بابُ قَوْلِهِ تَعالَى ﴿وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

١ - قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: الْوَلِيدُ بْنُ الْعَيْزَارِ أَخْبَرَنِي قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ يَقُولُ: حَدَّثَنَا صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ، وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: ''الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا''، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ''ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ''، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ''ثُمَّ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ'' قَالَ: حَدَّثَنِي بِهِنَّ، وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي.

ترجمہ: ابوعمرو شیبانی نے (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: اس گھر والے نے مجھ سے بیان فرمایا کہ

میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالی کی نگاہ میں کونسا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل نماز کو اپنے مستحب وقت میں ادا کرنا ہے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل اللہ تعالی کو زیادہ پسندیدہ ہے؟ فرمایا: اس کے بعد سب سے پسندیدہ عمل ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ پھر میں نے تیسری مرتبہ پوچھا اس کے بعد کونسا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ پسندیدہ ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد اللہ تعالی کے راستہ میں جہاد کرنا اللہ تعالی کے یہاں پسندیدہ عمل ہے۔ اگر میں اور زیادہ پوچھتا تو آپ مجھے اور زیادہ جواب عطا فرماتے۔

تشریح: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں تین چیزوں کو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل بتایا ہے۔ سب سے پہلے نماز کا ذکر کیا، گویا عبدیت کا تقاضہ ہے کہ آدمی اپنے فرض منصبی کو ادا کرتے ہوئے نماز کو وقت مستحب میں ادا کرنے کا اہتمام کرے، دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کو بیان کیا ہے۔

حسن سلوک کے لیے عربی زبان میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، ایک لفظ "بِرّ" اور دوسرا لفظ "صِلَةٌ" لفظ بِرٌّ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے بولا جاتا ہے اور لفظ صِلَةٌ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔

۲ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْلَى بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قال قَالَ رسول الله ﷺ: رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کی خوشنودی ماں باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ تعالی کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔

تشریح: ماں باپ خوش ہیں تو اللہ تعالیٰ خوش، ماں باپ ناراض ہیں تو اللہ تعالیٰ ناراض، ماں باپ کی خدمت اوران کی خوشنودی اوران کی دعالینے کو ہماری شریعت نے بہت اونچا مقام عطافرمایا ہے۔

اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہت آسان نسخہ ہمیں ملا ہے کہ ماں باپ کوخوش کرلوتو اللہ تعالی کی خوشی حاصل ہوجائے گی۔

بَابُ بِرِّ الأُمِّ

٣ - عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رضي الله عنه، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: ''أُمَّكَ''، قُلْتُ: مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: ''أُمَّكَ''، قُلْتُ: مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: ''أُمَّكَ''، قُلْتُ: مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: ''أَبَاكَ، ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ''.

ماں کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ پھر میں نے یہی سوال کیا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ تو پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں یہی فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ پھر میں نے تیسری مرتبہ پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ تو تیسری مرتبہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ پھر چوتھی مرتبہ میں نے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ فرمایا کہ اپنے باپ کے ساتھ، اس کے بعد جو جتنا

زیادہ قریب ہو اس کے مطابق اس کے ساتھ بھلائی کا اور حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

تشریح: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں اس سے پہلا باب قائم کیا تھا، اب ماں اور باپ ہر ایک کے لیے الگ الگ باب قائم کر کے ان کی اطاعت وفرمانبرداری کی اور زیادہ اہمیت بتلانا چاہتے ہیں۔

اس حدیث میں نبیٔ کریم ﷺ نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی باپ کے مقابلہ میں زیادہ تاکید فرمائی ہے، اس کی چند وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ بچے کی تربیت میں ماں جتنی مشقت اور تکلیف اٹھاتی ہے، باپ نہیں اٹھاتا، حمل کی تکلیف ماں ہی برداشت کرتی ہے، بچہ جننے کی مشقت ماں ہی برداشت کرتی ہے، دودھ پلانے کی زحمت ماں ہی اٹھاتی ہے، اور جب تک بچہ اس عمر تک نہیں پہنچ جاتا کہ اپنی ضرورتیں خود پوری کر سکے اس وقت تک ماں ہی اس کا پورا خیال رکھتی ہے، اس لیے نبیٔ کریم ﷺ نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید فرمائی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ماں چار دیواری میں رہتی ہے، اس کے ساتھ اولاد کیا معاملہ کر رہی ہے لوگوں کو اس کا پتہ نہیں چلتا۔ اگر اولاد ماں کے ساتھ بدسلوکی کرے گی تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا اور دنیا میں بے عزتی نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ سے اولاد بہت جلدی ماں کے ساتھ بدسلوکی کرتی ہے۔ اس کے برخلاف باپ چار دیواری سے باہر رہتا ہے، اگر اولاد باپ کے ساتھ بدسلوکی کرے گی تو دنیا والوں کو اس کا پتہ چل جائے گا، اس ڈر سے بھی اولاد باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتی ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ باپ کا مزاج عام طور پر سخت ہوتا ہے، اگر اولاد اس کی

نافرمانی کرے گی تو باپ خبر لے گا، اس کی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ، گرفت اور پکڑ دھکڑ ہوگی، اس خوف سے بھی اولاد باپ کے ساتھ تو حسن سلوک کر لیتی ہے، لیکن ماں کے مزاج میں عموماً نرمی ہوتی ہے اس لیے اولاد ماں کی نافرمانی کرے تو ماں اولاد کے ساتھ سختی کا معاملہ نہیں کرتی، اس لیے عام طور پر اولاد ماں کے ساتھ نافرمانی اور بدسلوکی باپ کے مقابلہ میں زیادہ کرتی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ باپ کے مقابلہ میں ماں زیادہ حساس ہوتی ہے، تو جب اولاد ماں کی نافرمانی کرتی ہے تو ماں اپنی نرم طبیعت اور فطری کمزوری کی وجہ سے جلدی متأثر ہوجاتی ہے بہ نسبت باپ کے، جس کے نتیجہ میں ہوسکتا ہے کہ ماں کی زبان سے بددعائیہ کلمات نکل جائیں اور اللہ تعالی کے یہاں قبول ہوجائیں۔

فقہاء اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خدمت، انعام اور داد ودہش میں ماں کو باپ پر ترجیح دی جائے، اور اطاعت، فرماں برداری اور ادب واحترام میں باپ کو ماں کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے۔

آج کل ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کے معاملہ میں بڑی کوتاہیاں ہورہی ہیں، اچھے پڑھے لکھے لوگ بھی اس معاملہ میں بڑی کوتاہیاں کرتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ان کے حقوق کو پہچانا جائے اور ادنیٰ سی گستاخی سے بھی اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کیا جائے۔

ماں کی نافرمانی کی سزا

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک صحابی تھے علقمہ رضی اللہ عنہ، جب ان کی وفات کا

وقت قریب آیا تو زبان پر کلمہ جاری نہیں ہورہا تھا، ان کی بیوی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پیغام بھیجا کہ آپ کے صحابی علقمہ رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب ہے اور زبان پر کلمہ جاری نہیں ہورہا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ ان کے والدین ہیں؟ تو کہا کہ ماں ہے، والد نہیں ہے، اور ماں ناراض ہے۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی ماں پر پیغام بھیجا کہ مجھے تجھ سے کچھ بات کرنی ہے، تو یہاں آتی ہے، یا میں تیرے پاس آؤں؟ تو اس کے جواب میں اس نے کہا بھیجا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں آپ کو کیوں زحمت دوں، میں خود حاضر ہوتی ہوں، چنانچہ وہ بڑھیا آئی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بیٹے کے متعلق پوچھا، تو کہا کہ میرا بیٹا بڑا نیک ہے، نمازی ہے، روزہ رکھتا ہے، تہجد کا پابند ہے، لیکن اپنی بیوی کے مقابلہ میں میری نافرمانی کرتا ہے، اس لیے میں اس سے ناراض ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس کا قصور معاف کردے اور اس سے راضی ہوجا، تو اس نے کہا میں معاف نہیں کرتی، میں اس سے راضی نہیں ہوتی۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بلال! لکڑیاں جمع کرو، آگ جلاؤ اور علقمہ (رضی اللہ عنہ) کو اس میں ڈالو، لکڑیاں جمع ہونے لگیں تو بڑھیا نے دیکھا کہ واقعتاً میرے بیٹے کو آگ میں ڈالا جائے گا، تو اس نے پوچھا کہ میرے بیٹے کو آگ میں ڈالا جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے عذاب کے مقابلہ میں ہمارا عذاب تو بڑا ہلکا ہے، خدا کی قسم جب تک تم ناراض ہو تب تک نہ اس کی کوئی نماز قبول ہے، نہ اس کا روزہ قبول ہے، نہ اس کی کوئی عبادت قبول ہے، تو اس بڑھیا نے کہا کہ میں آپ کو اور تمام مسلمانوں کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اس کو معاف کردیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کو کہا کہ جاؤ! دیکھو! اس کی زبان

پر کلمہ جاری ہوا کہ نہیں؟ معلوم ہوا کہ کلمہ جاری ہو گیا اور کلمہ پڑھتے ہوئے موت آئی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا کہ ان کو غسل دو، کفن پہناؤ اور آپ خود جنازہ میں شریک ہوئے، جنازہ کی نماز پڑھائی اور فارغ ہونے کے بعد آپ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے مہاجرین وانصار کی جماعت! جس نے اپنی ماں کی نافرمانی کی ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام مسلمانوں کی لعنت اور جب تک کہ ماں ناراض ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہی رہے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی، تم میں سے کسی نے اپنی ماں کو ناراض کیا ہے تو اس کو راضی کر لو۔ (فضائل ذکر ص ۷۲)

بہر حال ماں کے متعلق بڑی تاکید ہے، ماں کی دعا کی وجہ سے آدمی کی زندگی بدل جاتی ہے۔

ماں کی دعا کا کرشمہ

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ! مجھے معلوم ہو جائے کہ جنت میں میرا رفیق کون ہوگا؟ تو باری تعالیٰ کی طرف سے بتلایا گیا فلاں بستی میں، فلاں بازار میں ایک گوشت بیچنے والا ہے، وہ تمہارا جنت میں رفیق ہوگا، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف لے گئے، شام کو مغرب کے قریب پہنچے، دیکھا ایک نوجوان دکان اپنی بند کر رہا تھا، بند کرتے ہوئے اس نے زنبیل میں ایک گوشت کا ٹکڑا ڈالا، دکان بند کی، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پوچھا کہ کسی مسلمان کو، مؤمن

کو اپنے ساتھ کچھ روز مہمان بنا کر رکھنے کے لیے تیار ہو؟ کہا کہ آئیے! جلدی کیجیے۔ گھر پہنچ کر اس نے اس گوشت کو پکایا اور اس کے بعد ایک زنبیل اتاری، اس زنبیل میں سے ایک بالکل کمزور بڑھیا جو کہ کبوتر کے چوزے کی طرح ہوگئی تھی، اس کو نکالا اور اس کو وہ شوربا پلایا، اس کے بعد اس نے اس کے کپڑے لے کر دھوئے اور پھر پہنائے، اور وہ بڑھیا کچھ بول رہی تھی، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے پاس جا کر کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ وہ دعا کر رہی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! میرے بیٹے کو جنت میں حضرت موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رفیق بنا! حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نوجوان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کہا کہ یہ میری ماں ہے، کمزور ہے، میں اس کی خدمت کرتا ہوں، کہا کہ خوش خبری سن لے! تیری ماں کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی ہے، میں موسیٰ ہوں اور تو میرا جنت میں رفیق ہوگا۔

ماں کی خدمت اپنی ڈاڑھی سے

استاذ ابو اسحاق الشیر ازی بڑے عالم گذرے ہیں، ان کی حیات میں کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ان کی ڈاڑھی جواہرات اور موتیوں سے مرصع اور چمک رہی ہے، صبح خواب دیکھنے والے نے حضرت کو بتلایا کہ رات کو میں نے خواب میں یہ دیکھا، تو کہا کہ تم نے صحیح دیکھا، رات کو میں نے اپنی ماں کے پاؤں اپنی ڈاڑھی سے جھاڑرے تھے۔ (نزہۃ المجالس)

٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ

عَبَّاسٍ رضي الله عنه، أَنَّهُ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنِّي خَطَبْتُ امْرَأَةً، فَأَبَتْ أَنْ تَنْكِحَنِي، وَخَطَبَهَا غَيْرِي، فَأَحَبَّتْ أَنْ تَنْكِحَهُ، فَغِرْتُ عَلَيْهَا فَقَتَلْتُهَا، فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ: أُمُّكَ حَيَّةٌ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: تُبْ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَتَقَرَّبْ إِلَيْهِ مَا اسْتَطَعْتَ. فَذَهَبْتُ فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضي الله عنه: لِمَ سَأَلْتَهُ عَنْ حَيَاةِ أُمِّهِ؟ فَقَالَ: إِنِّي لَا أَعْلَمُ عَمَلًا أَقْرَبَ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ بِرِّ الْوَالِدَةِ .

ترجمہ: عطا ابن یسار رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا، لیکن اس نے انکار کر دیا، اور جب دوسرے شخص نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے اس پیغام کو قبول کرلیا، مجھے اس پر بڑی غیرت آئی اور غصے کے مارے میں نے اسے قتل کر دیا، کیا میری توبہ کی قبولیت کی کوئی گنجائش ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ کہا نہیں، پھر آپ نے فرمایا جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کر کے معافی مانگو۔ عطا ابن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے پوچھا کہ آپ نے ماں کے بارے میں کیوں پوچھا کہ زندہ ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میرے علم میں اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والا کوئی بھی عمل ماں کے ساتھ حسن سلوک سے بڑھ کر نہیں ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کے ساتھ حسن سلوک سے بڑھ کر کوئی عمل اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والا نہیں ہے۔ ماں کی خدمت بہت بڑی نیکی ہے، ماں کے ساتھ حسن سلوک کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، اس کے باوجود آج کل سب سے زیادہ بدسلوکی کا معاملہ ماں ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے، ان کی خدمت اور

اطاعت کر کے دعائیں لینے کی بات تو بہت دور، اب تو ان کا دل دکھا کر بد دعا لینے تک کی نوبت پہنچ چکی ہے، ماں ہر وقت اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے ترستی ہے؛ لیکن بیٹے کے پاس ماں کو دیکھنے کے لیے ایک منٹ کی بھی فرصت نہیں۔

بَابُ بِرِّ الْأَبِ

٥ -حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: "أُمَّكَ"، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أُمَّكَ"، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أُمَّكَ"، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أَبَاكَ".

باپ کے ساتھ حسن سلوک کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کسی نے رسول اللہ تعالی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ، پھر دوسری مرتبہ پوچھا کہ پھر کس کے ساتھ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ، پھر اس نے تیسری مرتبہ سوال کیا کہ پھر کس کے ساتھ؟ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی جواب دیا کہ اپنی ماں کے ساتھ، پھر چوتھی بار سوال کیا کہ اس کے بعد کس کے ساتھ؟ تو اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔

تشریح: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو بھی نیکی بتلایا ہے، اگرچہ باپ کی حیثیت ماں کے مقابلہ میں کم ہے، مگر جس طرح ماں کی خدمت سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اسی طرح باپ کی خدمت

سے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

٦ -حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، أَتَى رَجُلٌ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا تَأْمُرُنِي؟ فَقَالَ: "بِرَّ أُمَّكَ"، ثُمَّ عَادَ، فَقَالَ: "بِرَّ أُمَّكَ"، ثُمَّ عَادَ، فَقَالَ: "بِرَّ أُمَّكَ"، ثُمَّ عَادَ الرَّابِعَةَ، فَقَالَ: "بِرَّ أَبَاكَ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبیؐ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا کہ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، پھر اس نے دوسری مرتبہ پوچھا تو آپ نے پھر یہی جواب دیا کہ اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اس نے تیسری مرتبہ پوچھا، تو آپ نے پھر یہی جواب دیا، اس نے چوتھی مرتبہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

تشریح: ماں باپ کا مقام بہت اونچا ہے، ماں باپ کے احسانات اتنے ہیں کہ انسان کسی بھی حالت میں ان کے احسانات کا بدلہ ادا نہیں کرسکتا۔ ماں باپ کی خدمت اور ان کو راحت پہنچانے سے انسان کی آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی بنتی ہے۔

بَابُ بِرِّ وَالِدَيْهِ وَإِنْ ظَلَمَا

٧ -حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ سَلَمَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ الْقَيْسِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ لَهُ وَالِدَانِ مُسْلِمَانِ يُصْبِحُ إِلَيْهِمَا مُحْتَسِبًا، إِلَّا فَتَحَ لَهُ اللهُ بَابَيْنِ

- يَعْنِي: مِنَ الْجَنَّةِ- وَإِنْ كَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدٌ، وَإِنْ أَغْضَبَ أَحَدَهُمَا لَمْ يَرْضَ اللهُ عَنْهُ حَتَّى يَرْضَىٰ عَنْهُ، قِيلَ: وَإِنْ ظَلَمَاهُ؟ قَالَ: "وَإِنْ ظَلَمَاهُ" .

اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اگرچہ وہ ظلم وزیادتی کریں

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس کسی کے ماں باپ مسلمان ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لیے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دیتا ہے، اور اگر ان دونوں میں سے ایک ہو، اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو جنت کا ایک دروازہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی نے ماں باپ میں سے کسی ایک کو بھی کو ناراض کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس وقت تک راضی نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس سے خوش نہ ہوجائے، کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اگر ان کی طرف سے زیادتی ہو؟ فرمایا کہ ماں باپ کی طرف سے زیادتی ہو تب بھی۔

تشریح: اس باب میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ اگر ماں باپ کی طرف سے کسی قسم کی زیادتی ہو تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک میں کوئی کمی نہ کی جائے، اگر ان کی طرف سے زیادتی ہو تب بھی اولاد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کے ساتھ بدسلوکی کرے، اگر اولاد نے بدسلوکی کی اور اس بدسلوکی کی وجہ سے ماں باپ ناراض ہو گئے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہی رہے گا جب تک کہ ماں باپ راضی نہ ہو جائیں، اس لیے ماں باپ کا معاملہ بہت اہم ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اگرچہ یہاں موقوف ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہیں لیکن بیہقی کی روایت مرفوع آئی ہے یعنی اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے۔

بَابُ لَيِّنِ الْكَلَامِ لِوَالِدَيْهِ

٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ مِخْرَاقٍ قَالَ: حَدَّثَنِي طَيْسَلَةُ بْنُ مَيَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّجَدَاتِ، فَأَصَبْتُ ذُنُوبًا لَا أَرَاهَا إِلَّا مِنَ الْكَبَائِرِ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قَالَ: مَا هِيَ؟ قُلْتُ: كَذَا وَكَذَا، قَالَ: لَيْسَتْ هٰذِهِ مِنَ الْكَبَائِرِ، هُنَّ تِسْعٌ: الْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَقَتْلُ نَسَمَةٍ، وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَةِ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَإِلْحَادٌ فِي الْمَسْجِدِ، وَالَّذِي يَسْتَسْخِرُ، وَبُكَاءُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْعُقُوقِ. قَالَ لِي ابْنُ عُمَرَ: أَتَفْرَقُ النَّارَ، وَتُحِبُّ أَنْ تَدْخُلَ الْجَنَّةَ؟ قُلْتُ: إِي وَاللهِ، قَالَ: أَحَيٌّ وَالِدُكَ؟ قُلْتُ: عِنْدِي أُمِّي، قَالَ: فَوَاللهِ لَوْ أَلَنْتَ لَهَا الْكَلَامَ، وَأَطْعَمْتَهَا الطَّعَامَ، لَتَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مَا اجْتَنَبْتَ الْكَبَائِرَ.

ماں باپ کے سامنے نرمی سے گفتگو کرنا

ترجمہ: طیلسہ بن میاس کہتے ہیں کہ میں نجدات کے ساتھ ایک زمانہ تک رہا، اس زمانے میں مجھ سے چند ایسے گناہ سرزد ہوئے کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ سب کبیرہ گناہ ہیں، میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر ان گناہوں کا تذکرہ کیا، آپ نے مجھ سے ان کی تفصیل پوچھی، میں نے کہا کہ: اس طرح اور اس طرح ہوا، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ یہ کبیرہ گناہ نہیں، کبیرہ گناہ تو نو ہیں:

۱) اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا،

۲) کسی کو ناحق قتل کرنا،

۳) دشمن کے مقابلہ میں میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا،

۴) کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا،

۵) سود کھانا،

۶) یتیم کا مال کھانا،

۷) مسجد حرام میں کسی بے دینی کا ارتکاب کرنا،

۸) لوگوں کا ٹھٹھا اڑانا

۹) اولاد کا اپنی نافرمانی سے اپنے والدین کو رلانا،

پھر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا کہ تجھے جہنم کا ڈر لگتا ہے اور تو جنت میں داخل ہونے کو پسند کرتا ہے؟ میں نے کہا خدا کی قسم جی ہاں! پھر آپ نے پوچھا کہ تمہارے والد زندہ ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ماں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کی قسم اگر تم اپنی ماں کے ساتھ نرمی سے بات کرو گے اور ان کو کھانا کھلاؤ گے تو جنت میں ضرور داخل ہو جاؤ گے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے رہو۔

تشریح: نجدات ایک گمراہ فرقہ تھا جو صحابہ کے زمانے میں وجود میں آیا تھا، ان کو نجدات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس جماعت کا بانی نجدہ بن عامر تھا۔

طیسلہ بن میاس پہلے اس جماعت کے ساتھ تھے اور ان کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ بعد میں اس جماعت سے الگ ہو گئے اور ان کو اپنی ان حرکتوں پر ندامت ہوئی، جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے طیسلہ سے گناہوں کی تفصیل پوچھی تو انہوں نے تو تفصیل بتلائی ہو گی، لیکن روای نے ان کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ کسی کا عیب اور گناہ ذکر کرنا از خود گناہ ہے۔ جب طیسلہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ان گناہوں کا ذکر کیا تھا تو ضرورت تھی کہ ان کو مسئلہ معلوم ہو جائے، لیکن راوی کے

لیے دوسروں کو بتلانے میں کوئی ضرورت نہیں تھی اس لیے ان کو ذکر نہیں کیا ہے۔

بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ میدان جنگ سے بھاگنا بھی ہے، لیکن کچھ عوارض کی وجہ سے میدان سے پیچھے ہٹنے کی اجازت ہے۔

۱) اگر دشمن کی تعداد دوگنی سے زیادہ ہو،

۲) پینترا بدلنے کے لیے وہاں سے اس نیت سے ہٹا کہ دوبارہ حملہ کرنا ہے،

۳) دشمن ہتھیار سے مسلح ہیں اور یہ غیر مسلح۔

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلا رہے ہیں کہ والدین کے ساتھ گفتگو میں نرم لہجہ اختیار کرنا چاہیے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ سخت کلامی سے بڑی سختی سے روکا ہے۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ

ماں باپ کو ہوں بھی مت کہو۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر اُف سے کم درجہ کا کوئی لفظ ہوتا جس سے والدین کو تکلیف پہنچائی جاسکتی تھی تو اللہ تعالیٰ اس لفظ کو ضرور ارشاد فرماتے، اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اف سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو، یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو وہ بھی اسی کلمہ اف میں داخل ہے۔

(معارف القرآن ج ۵ صفحہ ۴۶۶)

آگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ لَا تَنْهَرهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا

ان کو جھڑ کو بھی مت اور ان سے بھلائی کی بات کرو،

یہاں نرم گفتگو کرنے کی تاکید آئی ہے، معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ نرم گفتگو کرنا، ان کو کھلانا، ان کی خدمت کرنا یہ بہت بڑی نیکی کے کام ہیں۔

٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾[الإسراء: ٢٤]، قَالَ: لَا تَمْتَنِعْ مِنْ شَيْءٍ أَحَبَّاهُ.

حضرت ہشام اپنے والد عروہ سے وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (اوران کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا) کی تفسیر میں نقل فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ جو چیز والدین کو پسند ہے ان کو دے دے۔

بَابُ جَزَاءِ الْوَالِدَيْنِ

١٠ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدَهُ، إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ".

ماں باپ کے احسان کا بدلہ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی شخص اپنے ماں باپ کے احسان کا بدلہ نہیں ادا کر سکتا، سوائے اس صورت میں کہ وہ ان کو کسی کا غلام پاوے اور اس کو خرید کر آزاد کرے۔

تشریح: اگر کسی کے ماں باپ غلام ہوں تو اس کو خرید کر آزاد کردے، یہی ایک شکل ہے جس میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے ماں باپ کے احسان کا بدلہ چکایا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں۔

بعض محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے والدین میں سے کسی کو خریدے تو وہ خریدتے ہی آزاد ہو جاتے ہیں، ان کو مستقل آزاد کرنے کی ضرورت نہیں، تو اس حدیث میں یہ کہہ رہے ہیں کہ ان کو آزاد کرنا ممکن نہیں کیوں کہ ان کو خریدتے ہی وہ خود آزاد ہو ہی جاتے ہیں، تو ماں باپ کا احسان چکانے کی ایک ہی شکل تھی کہ ان کو خرید کر آزاد کردے، لیکن جب یہ بھی ممکن نہیں، تو ماں باپ کے احسانات چکانے کی کوئی بھی صورت نہیں رہی اور اولاد ہمیشہ اپنے والدین کی احسان مند رہے گی۔

١١ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ، أَنَّهُ شَهِدَ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنه وَرَجُلٌ يَمَانِيٌّ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، حَمَلَ أُمَّهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ، يَقُولُ:

إِنِّي لَهَا بَعِيرُهَا الْمُذَلّ   إِنْ أُذْعِرَتْ رِكَابُهَا لَمْ أُذْعَرِ

ثُمَّ قَالَ: يَا ابْنَ عُمَرَ أَتُرَانِي جَزَيْتُهَا؟ قَالَ: لَا، وَلَا بِزَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ طَافَ ابْنُ عُمَرَ، فَأَتَى الْمَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: يَا ابْنَ أَبِي مُوسَى، إِنَّ كُلَّ رَكْعَتَيْنِ تُكَفِّرَانِ مَا أَمَامَهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو بردہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک یمنی شخص کو دیکھا جو بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا

اور اس نے اپنی ماں کو اپنی پیٹھ پر اٹھا رکھا تھا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا:

إِنِّي لَهَا بَعِيرُهَا الْمُذَلّ إِنْ أُذْعِرَتْ رِكَابُهَا لَمْ أُذْعَرِ

میں تو اپنی ماں کا تابع دار اور فرمانبردار اونٹ ہوں،
سواری تو کبھی بھی بدک سکتی ہے لیکن میں کبھی نہیں بدکوں گا۔

اس کے بعد اس شخص نے پوچھا کہ اے ابن عمر! کیا میں نے اپنی ماں کے احسان کا بدلہ چکا دیا؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، ابھی تو ان کی ایک آہ کا بدلہ بھی ادا نہیں ہوا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے طواف کیا پھر مقام ابراہیم کے پاس آ کر دو رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد فرمایا کہ اے ابو موسیٰ کے بیٹے! یہ دو رکعتیں اس سے پہلے کے سارے گناہوں کو معاف کرا دیتی ہیں۔

تشریح: اس شخص نے اپنی ماں کی خدمت اور اطاعت کا اظہار اس شعر میں کیا کہ میں اپنی ماں کو اس طرح اپنی پیٹھ پر لیے پھر رہا ہوں جس طرح اونٹ اپنے مالک کو اپنے اوپر اٹھا کر چلتا ہے اور اپنے آپ کو مالک کا بالکل تابع بنا دیتا ہے، لیکن میرے اور سواری میں فرق یہ ہے کہ سواری کا حال تو یہ ہے کہ کبھی کبھی وہ بدک جاتی ہے اور اس کی وجہ سے سوار کو زحمت اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، لیکن میں بالکل مطیع اور فرمانبردار ہوں، کبھی نہیں بدکتا، یعنی کبھی بھی اپنی ماں کو ادنی درجے کی بھی تکلیف نہیں دیتا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی اضافہ ہے أَحْمِلُهَا وَمَا حَمَلَتْنِي أَكْثَرُ کہ دوران حمل ماں نے جتنا مجھے پیٹ میں رکھا میں نے اس سے زیادہ ان کو اپنی پیٹھ پر رکھا۔

(البر والصلہ للمروزی)

دیکھیے، اس شخص نے اپنی ماں کی خدمت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، اس کے

باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کو جننے کے وقت ماں نے جو آہیں نکالی تھیں، اس میں سے اب تک ایک آہ کا بھی بدلہ نہیں چکایا ہے۔ اس سے پتا چلا کہ دنیا میں ہر ایک کے احسان کا بدلہ چکایا جا سکتا ہے سوائے ماں باپ کے کہ ان کے احسان کا بدلہ دنیا میں ادا نہیں کر سکتے۔

اس شخص نے تو ماں کی بے مثال خدمت کی، اور اس کے باوجود اس کی کوئی حیثیت نہیں، تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارا اپنے والدین کے ساتھ جو سلوک ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟

۱۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلٍ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه كَانَ يَسْتَخْلِفُهُ مَرْوَانُ، وَكَانَ يَكُونُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، فَكَانَتْ أُمُّهُ فِي بَيْتٍ وَهُوَ فِي آخَرَ. قَالَ: فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ وَقَفَ عَلَى بَابِهَا فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّتَاهُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَتَقُولُ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا بُنَيَّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَيَقُولُ: رَحِمَكِ اللهُ كَمَا رَبَّيْتِنِي صَغِيرًا، فَتَقُولُ: رَحِمَكَ اللهُ كَمَا بَرَرْتَنِي كَبِيرًا، ثُمَّ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ صَنَعَ مِثْلَهُ.

ترجمہ: ابو مرہ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کا گورنر مروان بن حکم جب مدینہ سے باہر جاتا تو کبھی کبھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بناتا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مقام ذوالحلیفہ میں رہتے تھے، ایک کمرے میں آپ رہتے تھے اور دوسرے کمرے میں آپ کی والدہ رہتی تھیں، آپ کی عادت یہ تھی کہ جب آپ کہیں باہر جانا چاہتے تو اپنی ماں کے کمرہ کے

دروازہ پر کھڑے ہو کر عرض کرتے السَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّتَاهُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، تو اس کے جواب میں ان کی والدہ کہتیں وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا بُنَيَّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، پھر آپ عرض کرتے اے امی! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل کرے کہ آپ نے مجھے بچپن میں پالا اور میرے ساتھ مہربانی کا معاملہ کیا۔ اس کے جواب میں آپ کی والدہ کہتیں، جس طرح تم نے بڑے ہو کر میرے ساتھ نیکی اور بھلائی کی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر بھی رحم کرے۔ جب آپ واپس آتے تھے اور اپنے گھر میں داخل ہونا چاہتے تھے تو پھر اسی طرح سلام کرتے تھے۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے، مدینہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن الحکم گورنر تھا، جب مروان کو کہیں باہر جانا ہوتا تھا تو اپنی جگہ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کر کے جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک گھر مقام ذوالحلیفہ میں تھا جس کو آپ نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد صدقہ کر دیا تھا۔ ذوالحلیفہ کو بیر علی بھی کہتے ہیں اور وہ مدینہ والوں کے لیے میقات ہے جہاں سے حج اور عمرہ کرنے والے احرام باندھتے ہیں۔ اس زمانے میں وہ مدینہ منورہ سے باہر تھا، لیکن اب مدینہ منورہ کی آبادی میں شامل ہو گیا ہے۔

اس قصے سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ گھر سے نکلے تو سلام کر کے اور دعا لے کر نکلے، اور گھر میں داخل ہو تو سلام کر کے اور دعا لے کر داخل ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا، آپ اپنی

ماں کی بڑی خدمت کرتے تھے، ماں کی حیات میں کہیں نہیں جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ حج میں بھی نہیں جاتے تھے، آپ کی والدہ کے انتقال کے بعد ہی حج میں جانے لگے۔ (تاریخ دمشق لابن العساکر)

١٣ - وَحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُهُ عَلَى الْهِجْرَةِ، وَتَرَكَ أَبَوَيْهِ يَبْكِيَانِ، فَقَالَ: "ارْجِعْ إِلَيْهِمَا، وَأَضْحِكْهُمَا كَمَا أَبْكَيْتَهُمَا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کی نیت سے حاضر ہوا، جب کہ گھر میں ماں باپ رو رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوبارہ ان کے پاس جاؤ اور جیسے ان کو رلایا ہے اسی طرح ہنساؤ!

تشریح: فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاد جیسی اہم عبادت میں بھی ماں باپ کی اجازت کی ضرورت رہتی ہے، اسی طرح طلب علم وغیرہ کے لیے اگر ماں باپ اجازت نہیں دیتے تو ان کی اجازت کے بغیر جانا درست نہیں۔

ہاں جب جہاد فرض عین ہو جائے اس وقت ان کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

١٤ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شَيْبَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ قَالَ: حَدَّثَنِي مُوسَى، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، أَنَّ أَبَا مُرَّةَ، مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ ابْنَةِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ رَكِبَ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ إِلَى أَرْضِهِ بِالْعَقِيقِ فَإِذَا دَخَلَ أَرْضَهُ صَاحَ بِأَعْلَى صَوْتِهِ: عَلَيْكِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ يَا أُمَّتَاهُ، تَقُولُ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، يَقُولُ: رَحِمَكِ اللهُ كما رَبَّيْتِنِي صَغِيرًا،

فَتَقُولُ: يَا بُنَيَّ، وَأَنْتَ فَجَزَاكَ اللهُ خَيْرًا وَرَضِيَ عَنْكَ كَمَا بَرَرْتَنِي كَبِيرًا
قَالَ مُوسَى: كَانَ اسْمُ أَبِي هُرَيْرَةَ: عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ام ہانی کے غلام ابومرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک زمین وادی عقیق میں تھی، میں وہاں ایک مرتبہ آپ کے ساتھ گیا، جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس میں داخل ہوئے، تو بلند آواز سے اپنی ماں کو خطاب کرتے ہوئے کہا اے امی جان! علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس کے جواب میں آپ کی والدہ نے کہا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پھر بولے کہ اللہ تعالی آپ پر رحم کرے جیسا بچپن میں آپ نے میری پرورش فرمائی۔ اس کے جواب میں آپ کی والدہ نے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے! اللہ تعالیٰ آپ کو بھی بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو جائے کہ تم نے بڑے ہونے پر میرے ساتھ حسن سلوک کیا۔

اس حدیث کے راوی موسی کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اصل نام عبداللہ بن عمرو ہے۔

تشریح: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن اور ابوطالب کی صاحبزادی ہیں، اس حدیث کے راوی ابومرہ ام ہانی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

وادیٔ عقیق مدینہ منورہ کی ایک مشہور وادی ہے، جو ذوالحلیفہ سے گزرتی ہے جس کا ذکر اس سے پہلی روایت میں آچکا ہے۔

ابوہریرہ آپ کی کنیت ہے، لیکن اس کنیت سے آپ اتنے مشہور ہو گئے کہ بعد والوں کو معلوم بھی نہیں کہ اصل نام کیا تھا، اس لیے راوی نے حدیث کے آخر میں اس کو ذکر کر دیا کہ اصل نام عبداللہ بن عمرو ہے۔ لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ اصل نام کیا تھا، بعض کہتے ہیں عبدالرحمن بن صخر اور بعض کہتے ہیں عبد شمس نام تھا۔

اس کنیت کی وجہ یہ تھی کہ ایک دن آپ کے پاس ایک چھوٹی سی بلی تھی جس کو

آپ اپنی آستین میں لیے پھر رہے تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی آستین میں اس بلی کو دیکھا تو از راہ مزاح فرمایا یَا أَبَا هِرٍّ! اس وقت سے یہ کنیت آپ کے ساتھ ایسی لگی کہ اصل نام کا بھی صحیح طور پر پتہ نہ رہا۔

بَابُ عُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ

١٥ -حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟" ثَلَاثًا، قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: "الْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ - وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا - أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ"، مَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْتُ: لَيْتَهُ سَكَتَ .

والدین کی نافرمانی (اوران کے ساتھ بدسلوکی)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کیا میں تم کو کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتلاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی (اوران کے ساتھ بدسلوکی) کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، اس کے بعد آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا سنو (اور) جھوٹی بات کہنا (بھی کبیرہ گناہ ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے یہاں تک میں نے دل ہی دل میں کہا کہ کاش آپ خاموش ہوجائیں۔

تشریح: آپ ﷺ نے اس حدیث میں تین بڑے گناہ ذکر کیے ہیں، اس میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے، لیکن سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جھوٹ بولنے کی قباحت جس انداز میں آپ نے بیان کی اس طرح شرک کی بیان نہیں کی حالانکہ شرک تو سب سے بڑا گناہ ہے اور جھوٹ سے بہت بڑھ کر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گو شرک اکبر الکبائر ہے اور یقیناً جھوٹ سے بڑھ کر ہے، لیکن لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد شرک میں مبتلا کم ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف لوگ جھوٹ میں بہت جلدی مبتلا ہو جاتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ جھوٹ کو اتنا بڑا گناہ نہیں سمجھتے جب کہ ہر مسلمان کا دل کفر و شرک سے نفرت کرتا ہی ہے اور اس سے وہ کوسوں دور رہتا ہے تو اس میں مبتلا ہونے کا اتنا اندیشہ نہیں جتنا جھوٹ میں مبتلا ہونے کا ہے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے خاموش ہونے کی تمنا اس لیے کی کہ ان کو کسی بھی حالت میں یہ گوارہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ آپ ﷺ کو اس جملے کو بار بار دہرانے سے زحمت ہوتی ہے اور جھوٹ بولنے کی قباحت دل میں بیٹھ چکی ہے، لہذا اب اس جملے کو بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں رہی تو آپ پر رحم کے تقاضے سے یہ سوچا کہ اگر آپ خاموش ہو جائیں تو اچھا ہوگا۔

١٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ وَرَّادٍ، كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ: اكْتُبْ إِلَيَّ بِمَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قَالَ وَرَّادٌ: فَأَمْلَى عَلَيَّ وَكَتَبْتُ بِيَدَيَّ: إِنِّي سَمِعْتُهُ يَنْهَى عَنْ كَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَعَنْ قِيلَ وَقَالَ

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب ورّ اد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط بھیجا کہ آپ مجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث لکھ بھیجیں۔حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے لکھوایا اور میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ کثرت سوال سے، مال کو ضائع کرنے سے اور زیادہ قیل وقال سے منع کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے، سب سے پہلے کثرت سوال سے منع کیا گیا۔کثرت سوال کا ایک مطلب یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے کسی سے کوئی چیز نہیں مانگنا چاہیے۔آدمی کو چاہیے کہ جب کبھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کرے، وہی ہر ایک کی ضرورت پوری کرنے والا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ ہر چیز اللہ سے مانگے یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تب بھی سب سے پہلے اللہ سے مانگے۔(الترمذی)

اور خوامخواہ لوگوں سے سوال کرنے پر احادیث میں بڑی وعیدیں آئی ہیں۔ من جملہ وعیدوں میں سے ایک وعید یہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے بغیر ضرورت کے سوال کرتا پھرے گا قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔(سنن ابی داؤد)

کثرت سوال کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت مسائل پوچھتے رہنا، یا بیہودہ سوال کرنا، اس قسم کا ایک واقعہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیش آیا تھا، ایک مرتبہ چند لوگ نبی ﷺ سے بیہودہ سوال کر رہے تھے، ایک شخص نے پوچھا کہ میرے والد کون ہیں، دوسرے نے پوچھا کی میری اونٹنی کہاں ہے۔ اس قسم کے سوال سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کرلیا اور ڈر گئے کہ کہیں اس قسم کی بے ادبی سے اللہ تعالیٰ کا غصہ ہم پر نازل نہ ہوجائے۔ آپ اٹھے اور نبی ﷺ کے قدموں سے چمٹ گئے اور معافی مانگتے رہے یہاں تک کہ نبی ﷺ راضی ہو گئے۔ (الدر المنثور)

دوسری چیز جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ مال کو ضائع کرنا ہے، اس لیے کہ مال بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے، چاہے اپنا مال ہو یا کسی اور کا، اس کو جس طرح استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح استعمال کرنے کی اجازت ہے، اگر پیسے بلاوجہ ضائع کر دیئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں پوچھ ہوسکتی ہے۔

تیسری چیز جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ لوگوں کی ادھر ادھر کی باتیں کرنا ہے، لوگوں کے حالات کی تحقیق کرتے رہنا کہ کیا ہوا کیا نہیں ہوا۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث کو والدین کی نافرمانی کے بیان میں ذکر کیا، حالانکہ اس حدیث میں والدین کی نافرمانی کا کوئی ذکر نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں تین اور مقامات پر بھی ذکر کیا ہے، باب البخل، باب السرف فی المال اور باب النقش فی البنیان میں، دو جگہوں پر عن عقوق الامہات، ووأدِ البنات کا اضافہ ہے یعنی نبی کریم

ﷺ نے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے اور ماؤں کی نافرمانی کرنے سے منع فرمایا، اسی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو یہاں پیش کیا ہے۔

بَابُ لَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ

١٧ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أَبِي بَزَّةَ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ: سُئِلَ عَلِيٌّ: هَلْ خَصَّكُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ يَخُصَّ بِهِ النَّاسَ كَافَّةً؟ قَالَ: مَا خَصَّنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ يَخُصَّ بِهِ النَّاسَ، إِلَّا مَا فِي قِرَابِ سَيْفِي، ثُمَّ أَخْرَجَ صَحِيفَةً، فَإِذَا فِيهَا مَكْتُوبٌ: "لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ، لَعَنَ اللهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ، لَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ، لَعَنَ اللهُ مَنْ آوَى مُحْدِثًا".

اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو اپنے والدین پر لعنت کرے

ترجمہ: حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے آپ لوگوں کو کوئی خاص چیز بتلائی ہے جو دوسروں کو نہیں بتلائی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے ہم کو کوئی ایسی خاص چیز نہیں بتلائی جو دوسروں کو نہ بتلائی ہو، سوائے وہ باتیں جو میری تلوار کے نیام میں ہیں۔ پھر آپ نے اس میں سے ایک پرچہ نکالا، جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالی کی لعنت ہو اس شخص پر جو غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے، اور اللہ تعالی کی لعنت ہو اس شخص پر جو زمین کے نشان کی چوری کرے، اور اللہ تعالی کی لعنت ہو اس شخص پر جو اپنے والدین پر لعنت کرے، اور اللہ تعالی کی لعنت ہو اس شخص پر جو کسی بدعتی کو پناہ دے۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چند حضرات نے یہ غلط بات مشہور کردی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ مخصوص چیزیں ایسی بتلائی ہیں جو اوروں کو نہیں بتلائیں، اسی وجہ سے کسی نے آپ سے یہ سوال کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید فرمائی اور ساتھ میں یہ بتلایا کہ میرے پاس ایک پرچہ ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک بات محفوظ ہے، کہ تین گناہگاروں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لعنت بھیجی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی مخصوص علم یا بھید میرے پاس نہیں۔

پہلا گناہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے۔ اگر غیر اللہ کے نام پر کوئی جانور ذبح ہوا ہو تو اس کو کھانے کی اجازت نہیں۔

دوسرا گناہ زمین کے نشان کو چُرانا ہے یعنی زمین کے نشان کو ادھر ادھر کر دینا، جو آدمی کسی کی زمین پر قبضہ کرنا چاہتا ہے وہ زمین کے نشانات کو ہٹا دیتا ہے، زمین کے نشانات بڑی اہمیت کے حامل ہیں، حکومتیں بھی ان نشانات کا بڑا اہتمام کرتی ہیں، اور جو آدمی اس کو ہٹاتا ہے اس کو مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

تیسرا گناہ جس کا اس حدیث میں ذکر کیا ہے وہ والدین پر لعنت بھیجنا ہے۔ اسی مضمون کو بخاری شریف کی ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ آدمی کس طرح اپنے والدین پر لعنت بھیج سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ایک آدمی دوسرے کے والدین کو گالی دیتا ہے اور وہ اس کے جواب میں پہلے شخص کے والدین کو گالی دیتا ہے، تو وہ پہلا شخص چونکہ سبب بنا، اگر وہ دوسرے کے والدین کو گالی نہ دیتا تو وہ اس کے والدین کو گالی نہ دیتا، تو سبب بننے کی وجہ سے اس کو لعنت کرنے کا گناہ ہوا، گویا اس نے بالواسطہ اپنے

والدین کوگالی دی۔

بَابُ يَبَرُّ وَالِدَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ مَعْصِيَةً

١٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الْخَطَّابِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ الْبَصْرِيُّ - لَقِيتُهُ بِالرَّمْلَةِ - قَالَ: حَدَّثَنِي رَاشِدٌ أَبُو مُحَمَّدٍ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضي الله عنه قَالَ: أَوْصَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتِسْعٍ: لَا تُشْرِكْ بِاللهِ شَيْئًا؛ وَإِنْ قُطِّعْتَ أَوْ حُرِّقْتَ، وَلَا تَتْرُكَنَّ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ مُتَعَمِّدًا، وَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ، وَلَا تَشْرَبَنَّ الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ، وَأَطِعْ وَالِدَيْكَ، وَإِنْ أَمَرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ دُنْيَاكَ فَاخْرُجْ لَهُمَا، وَلَا تُنَازِعَنَّ وُلَاةَ الْأَمْرِ وَإِنْ رَأَيْتَ أَنَّكَ أَنْتَ، وَلَا تَفْرُرْ مِنَ الزَّحْفِ، وَإِنْ هَلَكْتَ وَفَرَّ أَصْحَابُكَ، وَأَنْفِقْ مِنْ طَوْلِكَ عَلَى أَهْلِكَ، وَلَا تَرْفَعْ عَصَاكَ عَلَىٰ أَهْلِكَ، وَأَخِفْهُمْ فِي اللهِ عَزَّ وَجَلَّ .

ماں باپ کی فرمانبرداری کرتا رہے بشرطیکہ گناہ نہ ہو

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام الدرداء رضی اللہ تعالی عنہا اپنے شوہر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نو باتوں کی وصیت فرمائی:

١) اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا جلا دیا جائے۔

٢) فرض نماز جان بوجھ کر مت چھوڑو! اس لیے کہ جو شخص جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑتا ہے

اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے،

۳) شراب نہ پیو، اس لیے کہ وہ ہر برائی کی جڑ ہے،

۴) اپنے ماں باپ کی فرماں برداری اور اطاعت کرو! اگر وہ تم کو حکم دیں کہ تم اپنا سارا مال چھوڑ دو تو تم چھوڑ دو،

۵) حکمرانوں سے جھگڑا مت کرو، چاہے آپ اپنے کو حق پر سمجھتے ہو،

۶) میدان جنگ سے مت بھاگو! چاہے تم ہلاک ہو جاؤ اور تمہارے ساتھی بھاگ جائیں۔

۷) اپنی حیثیت کے مطابق اپنے گھر والوں پر خرچ کرو،

۸) گھر والوں پر لکڑی مت اٹھاؤ،

۹) گھر والوں کو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ڈراتے رہو!

تشریح: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں کو ام الدرداء کہتے ہیں، دونوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے پہلی کو کبری یعنی بڑی کہتے ہیں اور دوسری کو صغری یعنی چھوٹی کہتے ہیں۔ پہلی تو صحابیہ ہیں اور وہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حیات ہی میں انتقال کر گئیں۔ دوسری جن کی یہ روایت ہے وہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بھی حیات تھیں، وہ بڑی فقیہہ تھیں، انہوں نے خود اپنے شوہر سے بہت سی روایتیں نقل کیں اور اس کے علاوہ حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ سے بھی روایت کرتی ہیں، بڑی زاہدہ عابدہ تھیں اور حسن و جمال میں بھی معروف تھیں، انہوں نے بہت لمبی عمر بھی پائی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء)

مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو بڑی قیمتی نصیحتیں فرمائیں، سب سے پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، چاہے اس کے لیے جان قربان کرنی پڑے۔ یہ اعلیٰ درجہ اور عزیمت کی

بات ہے، ورنہ اگر کوئی شخص اپنی جان کی حفاظت کی خاطر دل کے اطمینان کے ساتھ صرف زبان سے شرکیہ الفاظ کہہ دے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

اوامر میں سے سب سے مہتم بالشان عبادت نماز ہے، جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے اللہ تعالی کی طرف سے اس کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ اور نواہی میں سب سے بری چیز شراب پینا ہے جس کو حدیث میں أُمُّ الْخَبَائِثِ سے تعبیر کیا گیا (دارقطنی) اس لیے کہ جب کوئی شراب پیئے گا تو اس کی عقل باقی نہیں رہے گی، جب عقل جو برائیوں سے روکتی ہے وہی چلی گئی، تو وہ گناہ سے کیسے بچے گا؟

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کو ہر حال میں لازم پکڑنا ہے، اگر وہ تم کو دنیا سے نکلنے کو یعنی مال چھوڑنے کو کہیں تب بھی تم اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوئی کمی نہ چھوڑو جب تک کہ وہ کوئی معصیت یا گناہ کا ارتکاب کرنے پر مجبور نہ کریں۔

شریعت نے ماں باپ کی اطاعت کو بجالانے اور نہ بجالانے کے بارے میں تین اصول ذکر کیے ہیں:

۱) اگر ماں باپ کسی ایسے کام کرنے کا حکم کریں جس کو شریعت نے بھی کرنا ضروری قرار دیا ہے اس کو تو ہر حال میں بجالانا ہے۔

۲) ماں باپ ایسا کام کے کرنے کا حکم دیں جس کو شریعت نے مستحب اور مباح بتلایا ہے، اب وہ مباح اور مستحب کام ماں باپ کے حکم کرنے سے ضروری ہو جاتا ہے، اس کو محض مستحب اور مباح سمجھ کر چھوڑ نہیں سکتے۔ مثلاً وہ یہ کہیں کہ اپنے گھر کو چھوڑ دو تو اس کو چھوڑنا ضروری ہو جائے گا۔

۳) اگر ماں باپ ممنوعات شرعیہ میں سے کسی کا حکم دیں تو اس میں ان کی اطاعت اور فرماں برداری نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری تو اللہ تعالی کے حکم کو بجالانے کے لیے کی جاتی ہے نہ کہ اللہ تعالی کی حرام کی ہوئی چیز کو کرنے کے لیے۔

اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ لاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (أحمد) یعنی کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی جب وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دے۔

آج کل یہ عام شکایت ہوتی ہے کہ ہمارے ماں باپ ہم کو ڈاڑھی رکھنے سے منع کرتے ہیں، پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے پر مجبور کرتے ہیں تو ان کی یہ بات ماننا جائز نہیں ہے اور ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح ماں باپ رشتہ کو قطع کرنے کا حکم دیں تو اس میں بھی ان کی بات مانی نہیں جائے گی۔

جس طرح والدین کی اطاعت کرنا ضروری ہے اسی طرح حکمران کی اطاعت کرنا بھی ضروری ہے، اگرچہ تمہاری بات درست ہو تب بھی اپنی بات کو چھوڑ کر ان کی اطاعت کو لازم پکڑو تاکہ فتنے اور جھگڑے سے محفوظ رہو۔

اسی طرح اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے میں بخل نہ کرو، لیکن اس کا بھی خیال کرو کہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر نہ ہو اور فضول خرچی نہ ہو۔

اور آخری نصیحت جو آپ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ وَلَا تَرْفَعْ عَصَاكَ عَلٰى أَهْلِكَ، یعنی اپنے گھر والوں کی پٹائی نہ کرو، اور بعض روایتوں میں عَلٰى أَهْلِكَ کے بجائے عَنْ أَهْلِكَ آیا ہے، یعنی گھر والوں سے لکڑی مت اٹھانا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سخت نگرانی کرنا اور ان کے معاملہ میں چشم پوشی سے کام نہ لینا،

لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ان کی بے دردی سے پٹائی کرے۔ (کشف المشکل لابن الجوزی)

١٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: جِئْتُ أُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ، وَتَرَكْتُ أَبَوَيَّ يَبْكِيَانِ؟ قَالَ: "ارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَأَضْحِكْهُمَا كَمَا أَبْكَيْتَهُمَا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں آپ کے دست مبارک پر ہجرت کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ واپس جاؤ اور ان کو ہنساؤ جیسے ان کو رُلایا ہے۔

تشریح: دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں ہے، دین تو اللہ تعالی اور رسول ﷺ کی بات کو ماننے کا نام ہے۔ دیکھو! اس شخص نے ہجرت کا سفر کیا اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ وہ شخص یمن سے آیا تھا اور یمن مدینہ منورہ سے کافی فاصلے پر ہے۔ اور مستدرک حاکم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جہاد کی نیت کرکے آیا تھا، اور اپنے زعم میں سمجھ رہا تھا کہ میں نے دین کے لیے اتنی بڑی قربانی دی ہے کہ اپنے والدین کے رونے کی بھی پروا نہیں کی؛ لیکن اس کے اس فعل پر آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ آپ کی یہ قربانی اسی وقت قبول ہوگی جب تم اپنے والدین کو ہنسا کر آؤ جس طرح تم نے رونے کی حالت میں چھوڑا ہے۔

ہاں شریعت نے جن احکام کو فرض قرار دیا ہے، مثلاً جہاد جب فرض عین ہو جائے اس وقت ماں باپ کی اجازت ضروری نہیں، اسی طرح علم کی اتنی مقدار سیکھنے کے لیے

سفر کرنا جتنا ہر آدمی پر فرض ہے اس کے لیے ماں باپ کی اجازت کی ضرورت نہیں، ہاں اگر جہاد فرض عین نہ ہو اسی طرح ضرورت سے زائد علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا ہو تو اس وقت ماں باپ منع کریں تو جانا درست نہیں، بلکہ حرام ہے۔

٢٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْعَبَّاسِ الْأَعْمَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ الْجِهَادَ، فَقَالَ: "أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟" فَقَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ: "فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی جہاد کے ارادہ سے حاضر ہوا، حضور ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے والدین زندہ ہیں؟ کہا جی ہاں! کہا کہ انہی میں جہاد کر!

تشریح: جس طرح جہاد کرنا بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے اسی طرح والدین کی خدمت کرنا بھی جہاد ہی کا درجہ رکھتا ہے، اور اس پر بھی وہی ثواب ملے گا جو جہاد پر ملتا ہے، بلکہ اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا ان کی خدمت کرنے والا نہ ہو اور یہ بھی اندیشہ ہو کہ اگر وہ جہاد میں چلا گیا تو والدین کی موت واقع ہو سکتی ہے تو ایسی حالت میں جہاد کی ہرگز اجازت نہیں۔ اگر اس حالت میں والدین کو چھوڑ کر جہاد کے لیے چلا گیا تو عتاب کا مستحق ہوگا۔

بَابُ مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ

٢١ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ:

حَدَّثَنَا سُهَيْلٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "رَغِمَ أَنْفُهُ، رَغِمَ أَنْفُهُ، رَغِمَ أَنْفُهُ"، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ مَنْ؟ قَالَ: "مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبْرِ، أَوْ أَحَدَهُمَا، فَدَخَلَ النَّارَ".

اس شخص کا بیان جس نے اپنے والدین کو پایا؛ لیکن ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہیں ہوا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو (یعنی وہ آدمی رسوا ہو)، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون (کس کی ناک خاک آلود ہو)؟ فرمایا کہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر بھی وہ جہنم میں داخل ہوا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے کسی کو بوڑھے ماں باپ جیسی قیمتی دولت عطا فرمائی ہو، تا کہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل کرے لیکن اس نے اس دولت کی قدر نہیں کی یعنی ان کی خدمت نہیں کی جس کی وجہ سے وہ جنت کا مستحق نہیں ہوا اس سے زیادہ کون بد بخت ہوسکتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا اس کی ناک خاک آلود ہو۔

بَابُ مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ زَادَ اللهُ فِي عُمْرِهِ

۲۲ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ، عَنْ زَبَّانَ بْنِ فَائِدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ طُوبَى لَهُ، زَادَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي عُمْرِهِ".

جو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ فرماتا ہے

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے لیے خوش خبری ہو جو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ فرماتا ہے۔

تشریح: والدین کی خدمت کا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا ایک اور فائدہ بتلا رہے ہیں کہ جو آدمی ماں باپ کی خدمت کرتا ہے، ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا ہے اور ان کو راضی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں اور روزی میں اضافہ فرماتا ہے اور اس کی زندگی بابرکت ہو جاتی ہے۔

بَابُ لَا يَسْتَغْفِرُ لِأَبِيهِ الْمُشْرِكِ

٢٣ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنه، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾[الإسراء: ٢٤]، فَنَسَخَتْهَا الْآيَةُ فِي بَرَاءَةَ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ [التوبة: ١١٣]

اپنے مشرک والد کے لیے استغفار نہیں کر سکتے

ترجمہ: قرآن مجید کی آیت إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا

فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ (اگر وہ تیرے پاس ہوں اور ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر میں پہنچ جائیں اس وقت ان کو کبھی ہوں بھی مت کہنا) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کو سورۂ برأت کی آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں) کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔

تشریح: اولاد کے ذمہ جو حقوق مسلمان ماں باپ کے ہیں وہی سارے حقوق مشرک ماں باپ کے بھی ہیں، مثلاً ان کی خدمت کرنا، ان کو کھلانا پلانا، ان کا لباس وغیرہ کا خیال رکھنا، جو بھی ان کی دنیوی ضروریات ہیں وہ مشرک ہونے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتیں، اگر اس میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو جس طرح مسلمان ماں باپ کے حقوق میں کوتاہی کرنے پر آخرت میں سوال ہوگا اسی طرح مشرک ماں باپ کے حقوق میں کوتاہی کرنے پر بھی سوال ہوگا۔ ہاں، اگر ان کا انتقال ہو جائے تو اب جس طرح مسلمان ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کر سکتے ہیں مشرک ماں باپ کے لیے نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں صراحۃً اس کی ممانعت آئی ہے۔

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ

والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو سوچنے سمجھنے اور برداشت کی صلاحیتیں کم ہو جاتی ہیں، اور ساتھ ساتھ ان کی عقل میں بھی کچھ فتور آ جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے مزاج کے اندر تھوڑا چڑچڑا پن آ جاتا ہے اور کبھی نہ کہنے کی بات بھی کہہ دیتے

ہیں اور نہ کرنے کا کام بھی کر بیٹھتے ہیں، ایسی حالت میں اولاد کی ذمہ داری ہے کہ صبر وضبط سے کام لیں اور جذبات سے مغلوب ہوکر اس وقت شریعت مطہرہ کی تعلیم کو پس پشت نہ ڈالیں اور جس طرح بھی ہو سکے ان کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کرے۔

بوڑھے والدین کے ساتھ شفقت

باپ کی شفقت کو اور بیٹے کی بدتمیزی کو سمجھانے کے لیے ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھا باپ اپنے جوان بیٹے کے ساتھ گھر کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک چڑیا آئی، باپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا کہ چڑیا ہے، باپ تھوڑی دیر بعد پھر بولا یہ کیا ہے؟ بیٹے نے ذرا لہجہ بدل کر کہا کہ چڑیا ہے ابا! چڑیا؛ تھوڑی دیر کے بعد باپ نے پھر پوچھا بیٹا یہ کیا ہے؟ تو اب بیٹے کے تیور بدل گئے اور غصہ سے کہنے لگا کتنی مرتبہ آپ پوچھتے رہیں گے؟ یہ چڑیا ہے نا!! چڑیا!! تو باپ خاموشی کے ساتھ اٹھا اور گھر میں گیا اور وہاں سے ایک کاپی لے آیا، بیٹے سے کہا کہ فلاں صفحہ کھول کر پڑھو، اس میں باپ نے اپنے ہاتھ سے کئی سالوں پہلے کا ایک واقعہ لکھا تھا کہ آج گھر کے صحن میں اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک چڑیا سامنے آکر بیٹھی، بیٹے نے مجھ سے پوچھا کہ ابا یہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ بیٹا یہ تو چڑیا ہے، اس نے پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا کہ ابا یہ کیا ہے؟ تو میں نے اور شفقت سے جواب دیا کہ چڑیا ہے، اور جب بھی پوچھتا تھا مجھے اور بھی لاڈ اور پیار آتا تھا، اس کا پوچھنا اچھا لگتا تھا اور محبت کے ساتھ اس نے مجھے پچیس مرتبہ پوچھا اور میں نے پچیس کے پچیس مرتبہ محبت اور لاڈ پیار کے ساتھ کہا کہ بیٹا! چڑیا ہے۔

ممکن یہ ایک فرضی قصہ ہو، لیکن بہت عبرت سے بھرپور ہے۔ کبھی بوڑھاپے کی وجہ سے ماں باپ میں صبر وضبط کی طاقت نہیں رہتی اور ان سے ایسے کام ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے اولاد کو فطری طور پر چڑ آتی ہے، اسی لیے قرآن مجید میں ایسے بوڑھے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ان کو جھڑکنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات کرنے کی اور ان کے سامنے تواضع سے پیش آنے کی ترغیب دی ہے۔ اور ان کے لیے دعا کرنے کی ترغیب دی ہے کہ اے اللہ! جیسے ماں باپ نے بچپن میں مجھے پالا، پرورش کی تو بھی ان کے ساتھ رحمت اور مہربانی کا معاملہ فرما۔

ابوطالب کی آخری گھڑی اور آپ ﷺ کی آخری کوشش

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

یہ سورۂ برأت کی آیت ہے، اس کے شان نزول کے سلسلے میں بتلایا گیا ہے کہ جب آپ ﷺ کے چچا ابو طالب جنہوں نے حضور ﷺ کی بہت حمایت اور مدد کی تھی، ان کی موت کا وقت قریب آیا تو مکہ میں یہ خبر پھیلی کہ ابوطالب کی آخری گھڑیاں چل رہی ہیں، تو ابوجہل اور امیہ بن خلف وغیرہ پہلے ہی پہنچ گئے کہ کہیں آخری وقت میں بھتیجا ان سے کلمہ نہ پڑھوا لے، اور ابوطالب کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، حضور ﷺ کے تشریف لانے پر ابوجہل نے جلدی سے وہ جگہ روک لی اور وہیں بیٹھ گیا تا کہ آپ ﷺ کو اپنے چچا کے قریب بیٹھنے کی جگہ نہ ملے، حضور ﷺ نے اپنے چچا سے

عرض کیا کہ چچا! آپ کلمہ پڑھ لیجئے تاکہ میں اللہ تعالی کے حضور میں آپ کی سفارش کرسکوں، ادھر ابوجہل نے کہا کہ ابوطالب! اب آخری گھڑی ہے، اس وقت باپ دادا کے دھرم کو چھوڑ دو گے؟ وہ برابر ابوطالب کو اپنے باپ دادا کے دین پر جمے رہنے کی ترغیب دیتا رہا یہاں تک کہ مرنے سے پہلے آخری بات جو ابوطالب کی زبان سے نکلی وہ یہ تھی کہ میں اپنے باپ عبدالمطلب کے مذہب اور دھرم پر جارہا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بڑا صدمہ ہوا، اور آپ نے یہ فرمایا تھا کہ میں تمہارے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ میں روک نہ دیا جاؤں، چنانچہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے منع کردیا گیا خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

بَابُ بِرِّ الْوَالِدِ الْمُشْرِكِ

٢٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ قَالَ حَدَّثَنَا سِمَاكٌ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضي الله عنه قَالَ: نَزَلَتْ فِيَّ أَرْبَعُ آيَاتٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ تَعَالَى كَانَتْ أُمِّي حَلَفَتْ أَنْ لَا تَأْكُلَ وَلَا تَشْرَبَ حَتَّى أُفَارِقَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ [لقمان: ١٥] . وَالثَّانِيَةُ: أَنِّي كُنْتُ أَخَذْتُ سَيْفًا أَعْجَبَنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَبْ لِي هٰذَا، فَنَزَلَتْ: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ﴾ [الأنفال: ١] . وَالثَّالِثَةُ: أَنِّي مَرِضْتُ فَأَتَانِي

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَقْسِمَ مَالِي، أَفَأُوصِي بِالنِّصْفِ؟ فَقَالَ: "لَا"، فَقُلْتُ: الثُّلُثُ؟ فَسَكَتَ، فَكَانَ الثُّلُثُ بَعْدَهُ جَائِزًا. وَالرَّابِعَةُ: إِنِّي شَرِبْتُ الْخَمْرَ مَعَ قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَضَرَبَ رَجُلٌ مِنْهُمْ أَنْفِي بِلَحْيِ جَمَلٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ عَزَّ وَجَلَّ تَحْرِيمَ الْخَمْرِ.

مشرک ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ترجمہ: حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی چار آیتیں میرے حق میں نازل ہوئیں:

(۱) میری والدہ نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ نہ کھائیں گی اور نہ پیئیں گی یہاں تک کہ میں آپ ﷺ کو چھوڑ دوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ آیت نازل فرمائی ﴿ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾.

(۲) مال غنیمت میں سے ایک تلوار مجھے بہت اچھی لگی میں نے اس کو اٹھا لی اور اس کو آپ ﷺ کے پاس لا کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تلوار آپ مجھے عنایت فرما دیجیے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ الخ۔

(۳) ایک مرتبہ میں بیمار ہوا تو نبی کریم ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے مال کی وصیت کرنا چاہتا ہوں، کیا میں آدھے مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ پھر میں نے پوچھا کہ تہائی مال کی؟ اس پر آپ ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے اور اس کے بعد آپ ﷺ نے تہائی مال کی وصیت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

(۴) ایک مرتبہ انصار کے کچھ لوگوں کے ساتھ میں نے (شراب کی حرمت کے نزول سے پہلے) شراب پی (نشہ کی حالت میں) انصار میں سے ایک شخص نے اٹھ کر اونٹ کے نچلے جبڑے کی ہڈی لے کر مجھے مارا، میں حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا (اور پورا واقعہ ذکر کیا) اس پر شراب کی حرمت والی آیت نازل ہوئی۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [سورة المائدة: ۹۰]

تشریح: صحابیٔ رسول حضرت سعد رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں، آپ کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہوتا ہے، آپ قریش کے مشہور قبیلہ بنوزہرہ سے تعلق رکھتے ہیں (بنوزہرہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا خاندان ہے) مستجاب الدعوات تھے، تیر اندازی میں بہت ماہر تھے، راہ خدا میں سب سے پہلے تیر چلانے کی سعادت آپ کو حاصل ہوئی، غزوۂ احد میں جب بعض مسلمان پیچھے ہٹنے لگے تو آپ برابر نبی ﷺ کی حفاظت میں لگے رہے اور اتنی جانبازی سے دفاع فرماتے رہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار آیتیں اپنے کلام پاک میں نازل فرمائیں، سب سے پہلی آیت: ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھیرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا کے معاملات میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا

میری والدہ نے جب میرے اسلام لانے پر ناراضگی کا اظہار کیا اور مجھے اسلام سے ہٹانے کے لیے سارے حربے اختیار کر لیے، لیکن میں اسلام سے نہ ہٹا، تو اخیر میں انہوں نے یہ قسم کھالی کہ جب تک میں اسلام سے نہ ہٹوں کھانا پینا سب بند کر دوں گی۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کی ماں نے یہ بھی کہا کہ تم کو اسلام نے حکم دیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، اور میں تم سے راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ تم اسلام نہ چھوڑو! چنانچہ میری والدہ نے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا جس کے نتیجہ میں وہ بالکل کمزور ہو گئی تو لوگوں نے زبردستی ان کے منھ میں لکڑی ٹھونس کر انہیں کھلایا پلایا، بہر حال وہ اپنی ضد پر اڑی رہی کہ جب تک کہ تم اسلام نہیں چھوڑو گے کھانا نہیں کھاؤں گی۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ تمہارا اس حال میں مر جانا مجھے گوارا ہے، مگر اسلام کو چھوڑنا مجھے کسی حالت میں گوارا نہیں، تمہاری ایک جان تو کیا اگر سو جانیں بھی ہوتیں اور وہ سب اسی طرح چلی جاتیں تب بھی میں اسلام نہ چھوڑتا (تفسیر بن کثیر)

ماں نے چونکہ یہ حوالہ دیا تھا کہ اسلام نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، لہٰذا تم اسلام چھوڑ کر میری بات مانو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسری آیت: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ﴾ الخ ہے۔ یہ آیت غزوۂ بدر کے موقع پر نازل ہوئی، اس غزوہ میں جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا اس کے متعلق اب تک کوئی تفصیلی حکم نازل نہیں ہوا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں ایک تلوار دیکھی جو مجھے بہت اچھی لگی، میں نے اس کو اٹھایا اور لے کر آپ

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تلوار آپ مجھے عنایت فرما دیجیے؟

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اس کو واپس اپنی جگہ رکھ دو اس لیے کہ اِس وقت یہ تلوار نہ میری ہے نہ تیری۔ میں تلوار واپس رکھنے کے لیے جا رہا تھا اور دل دل میں سوچ رہا تھا کہ شاید یہ تلوار ایسے آدمی کو دی جائے گی جس نے لڑائی میں میرے جیسی بہادری نہیں دکھائی ہوگی، یہ سوچ ہی رہا تھا کہ پیچھے سے ایک آواز آئی کہ آپ ﷺ تم کو بلا رہے ہیں، میں نے سوچا کہ شاید میرے اس خیال پر اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو مطلع فرما دیا اور میری سرزنش میں کوئی آیت نازل ہوئی، جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی، لیکن اس وقت وہ نہ میری تھی نہ تیری، لیکن اب اللہ تعالی نے مجھے اس کا مالک بنا دیا ہے، اور اب میں اس کو تم کو دے رہا ہوں، آپ ﷺ نے وہ تلوار مجھے عنایت فرمائی، پھر آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ (ابوداؤد)

تیسری آیت جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ وصیت کے متعلق ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت بیمار ہو گئے اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس بیماری میں آپ کا انتقال ہو جائے گا۔ آپ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، تو انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میری ایک ہی بیٹی ہے، اس لیے میں اپنا کچھ مال اللہ تعالی کے راستہ میں دینا چاہتا ہوں، کیا میں اپنے آدھے مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ بعض روایتوں میں ہے کہ پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دو تہائی مال کی اجازت طلب کی، جب آپ ﷺ نے دو تہائی سے منع فرمایا تو پھر ایک تہائی مال کی وصیت کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، جس

طرح آپ ﷺ کا جواب دینا یہ اجازت ہے اس طرح آپ ﷺ کی خاموشی یہ بھی اجازت ہے، گویا آپ کی خاموشی اجازت تھی۔

اس موقع پر کونسی آیت نازل ہوئی اس کا نہ حدیث میں کوئی ذکر ہے نہ شراح نے اس کی طرف اشارہ کیا؛ البتہ دوسری روایتوں میں اس قصہ کی جگہ پر ایک اور قصہ ذکر کیا جاتا ہے جس میں ایک آیت کے نزول کا بھی ذکر ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خود اس واقعہ کو بیان فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ کچھ چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے، میں، عبداللہ بن مسعود، بلال، ہذیل کا ایک آدمی اور دوسرے دو جن کا نام میں نہیں لیتا، مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے ہٹا دیجیے، ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہم پر جرأت کر بیٹھیں (یعنی یہ تو ہمارے غلام ہیں، اگر ہم آپ کے پاس ان کے ساتھ بیٹھیں گے تو وہ اپنے کو ہمارے برابر سمجھنے لگیں گے) اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾

ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالیں جو صبح وشام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے صرف اللہ تعالی کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں۔

ابن جریر الطبری نے اپنی تفسیر میں اس واقعہ کو مزید تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ قریش کے چند سردار عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، مطعم بن عدی وغیرہ نے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب سے کہا کہ آپ کے بھتیجے کی بات سننے اور ماننے میں ہمارے لیے ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ ان کے اردگرد ہر وقت ہمارے غلام اور حقیر وذلیل لوگ رہتے ہیں، ہم آپ کے بھتیجے کی مجلس میں ان کے ہوتے ہوئے شریک نہیں ہو سکتے،

آپ اپنے بھتیجے سے کہہ دیں کہ اگر ہمارے آنے کے وقت ان لوگوں کو مجلس سے ہٹا دیا کریں تو ہم آپ کے بھتیجے کی بات سنیں گے اور غور کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس پر یہ مشورہ دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کچھ دنوں کے لیے آپ یہ بھی کر دیکھیں، یہ لوگ تو آپ کے بے تکلف محبین ہیں، ان لوگوں کے آنے کے وقت مجلس سے ہٹ جایا کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾

چوتھی آیت: حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ مہاجر اور انصار ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے، میں وہاں سے گذرا تو مجھے بھی بلایا، میں بھی گیا، وہاں اونٹ کا گوشت اور شراب رکھی ہوئی تھی اس لیے کہ اس وقت ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی، ہم سب نے اونٹ کا گوشت کھایا اور شراب پی، شراب پینے کے بعد میں نے مہاجرین کی تعریف کچھ اس طرح کی کہ مہاجرین کو انصار پر ترجیح دی۔ اس پر ایک انصاری جو شراب میں مست تھے اٹھے اور اٹھ کر اونٹ کی شانے کی ہڈی میرے کندھے پر ماری جس سے میں لہولُہان ہو گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جا کر میں نے شکایت کی اس پر یہ آیت ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ الخ نازل ہوئی۔

حدیث کا خلاصہ یہ کہ اگر کسی کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مشرک یا کافر ہو تو مشرک ہونے کے باوجود جو حقوق اولاد پر شریعت نے لازم کیے ہیں وہ ساقط نہیں ہوتے، وہ تو اپنی جگہ باقی رہیں گے۔

٢٥ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ:حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ: أَخْبَرَتْنِي أَسْمَاءُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: أَتَتْنِي أُمِّي رَاغِبَةً، فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَصِلُهَا؟ قَالَ: "نَعَمْ" . قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهَا: ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهم وَتُقْسِطُوا اِلَيْهِمْ﴾ [الممتحنة: ٨]

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد میری ماں مدد کی امید سے میرے پاس آئی، اس وقت وہ مشرکہ تھی، میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی مشرکہ ماں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرسکتی ہوں؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہاں! سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہی کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُم اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

تشریح: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحب زادی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ میں دو شادیاں کی تھیں، پہلی بیوی کا نام قتیلہ تھا، یہ حضرت

اسماء اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ماں ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی تھی، وہ مسلمان ہوئی یا نہیں اس میں اختلاف ہے، دوسری بیوی ام رومان ہیں، یہ حضرت عائشہ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہما کی ماں ہیں، اور یہ مسلمان ہوگئی تھیں۔

ہجرت کے بعد مسلمان مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچے، تو پہنچتے ہی آپس میں جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور مکہ اور مدینہ والوں میں آمدورفت کا سلسلہ بند ہوگیا، حدیبیہ کے موقع پر فریقین میں صلح ہوگئی اور دوبارہ ان کے درمیان آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ مدینہ منورہ اس امید پر آئی کہ میری بیٹی میری کچھ مدد کرے گی، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اس وقت ضرورت مند تھی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تشویش میں پڑ گئیں کہ کیا کروں، ایک طرف تو میری ماں ہیں تو صلہ رحمی کرنا چاہیے، لیکن ساتھ ساتھ ابھی تک مشرکہ ہے؟ آپ نے اپنی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی تشویش کا اظہار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ الخ۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ میں سے اگر کوئی غیر مسلم ہوں تب بھی ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا چاہیے، اسی طرح جن لوگوں کے ساتھ تمہاری جنگ نہیں ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے۔

٢٦ - عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما يَقُولُ: رَأَى عُمَرُ رَضِيَ الله عَنهما حُلَّةَ سِيَرَاءَ تُبَاعُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ابْتَعْ هٰذِهِ، فَالْبَسْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَإِذَا جَاءَكَ الْوُفُودُ، قَالَ: ''إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ''، فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا بِحُلَلٍ، فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ بِحُلَّةٍ، فَقَالَ: كَيْفَ أَلْبَسُهَا وَقَدْ قُلْتَ فِيهَا مَا قُلْتَ؟ قَالَ: ''إِنِّي لَمْ أُعْطِكَهَا لِتَلْبَسَهَا، وَلَكِنْ تَبِيعَهَا أَوْ تَكْسُوهَا''، فَأَرْسَلَ بِهَا عُمَرُ إِلَى أَخٍ لَهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں ایک دھاری دار سفید ریشم کا جوڑا بکتے ہوئے دیکھا، میرے والد نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورۃً عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس کو خرید لیجیے اور جمعہ کے دن اور جب آپ کے پاس وفود آئیں اس وقت آپ اس کو زیب تن فرمائیں، اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لباس تو وہی آدمی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں (کچھ مدت بعد) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اسی قسم کے کچھ جوڑے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس جوڑے کو کیسے پہن سکتا ہوں جب کہ آپ نے اس سے پہلے اس کو پہننے سے مجھے منع کیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں نے اس لیے نہیں دیا تھا کہ تم پہنو، بلکہ اس لیے دیا تھا کہ تم بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ، یا کسی اور کو دو جو پہن سکتا ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جوڑے کو اپنے ایک مشرک بھائی پر بھیجا جو مکہ میں رہتے تھے۔

تشریح: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ قریش کے خلاف بددعا کی جس کے نتیجے میں وہ قحط سالی کی مصیبت میں گرفتار ہو گئے، تو حاجب نامی ایک شخص ملک عرب سے ملک فارس چلا گیا، اور کسریٰ سے وہاں رہنے کی اجازت مانگی، کسریٰ نے کہا کہ تم لوگ تو بہت غدار ہو، حاجب نے کہا کہ میں ضمانت دیتا ہوں کہ کوئی غداری نہیں کروں گا، کسری نے کہا کہ میں تم پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں۔ حاجب نے جواب دیا کہ میں تم کو میری کمان بطور رہن دیتا ہوں؛ چنانچہ کسریٰ نے اجازت دیدی اور وہ وہاں کھلی جگہ پر مقیم ہو گیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قحط دور ہونے کی دعا کی اور قحط دور ہوا اس وقت حاجب کا انتقال ہو گیا تھا، لیکن اس کے بیٹے عطارد نے دوبارہ عربستان آنے کا ارادہ کیا، آنے سے پہلے وہ کسریٰ کے پاس گیا اور اپنے والد کی کمان واپس مانگی، کسریٰ نے کمان واپس دے دی اور اس کو ایک ریشمی جوڑا بھی دیا، عطارد بن حاجب مدینہ منورہ میں اسی جوڑے کو بیچ رہے تھے، اور اسی کو خریدنے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا۔

اس وقت تک ریشم کی حرمت کے سلسلہ میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ یہ بڑا اچھا جوڑا ہے، اگر آپ اس کو اہم اہم موقع پر زیب تن فرمائیں تو اچھا ہو گا۔

مکہ مکرمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بھائی تھے جن کا نام عثمان بن حکیم تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ آپ کے رضاعی بھائی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ علاتی بھائی تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر یہ جوڑا بھیجا اس وقت تک وہ مسلمان نہیں تھے، اس لیے ان کے لیے پہننا جائز تھا۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گئے تھے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی تشریح مروی ہے کہ حضور ﷺ کو تین جوڑے دیئے گئے تھے، ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا جس کا ذکر اوپر گذرا، دوسرا جوڑا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور چونکہ ان کو بھی ریشم کی حرمت کا علم نہیں تھا اس لیے وہ بھی حضور کی مجلس میں اسے پہن کر آ گئے، جب حضور ﷺ نے دیکھا تو ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں نے یہ ریشم کا کپڑا تمہارے پہننے کے لیے نہیں دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً گھر گئے اور اپنے گھر کی عورتوں میں ریشم کے کپڑے کو تقسیم کر دیا۔

ان تین جوڑوں میں سے تیسرا جوڑا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو دیا تھا۔

مذکورہ حدیث سے چند چیزیں معلوم ہوئیں:

اگر کسی کی طرف سے کوئی چیز ہدیہ میں ایسی ملے جس کا استعمال شرعاً اپنے لیے درست نہ ہو تو دوسرے جائز مصرف میں اسے استعمال کر سکتے ہیں۔

بعض نوجوانوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ سونا تو ہمارے لیے حرام ہے؟ تو کہتے ہیں کہ سسرال میں سے ملی ہے، میں ان کو کہتا ہوں مرد کے لیے سونا پہننا ممنوع ہے، یہ انگوٹھی اپنی بیوی کو دے دو اس لیے کہ اس کے لیے پہننا جائز ہے، یا ماں، بہن، یا بیٹی کو دو، یا بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہدیے میں ملی ہوئی چیز کو بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ بعض لوگ اس کو عار سمجھتے ہیں۔

(۳) اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کرنا جائز ہے۔

بَابُ لَا يَسُبُّ وَالِدَيْهِ

٢٧ - عنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ يَشْتِمَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ" فَقَالُوا: كَيْفَ يَشْتِمُ؟ قَالَ: "يَشْتِمُ الرَّجُلَ، فَيَشْتُمُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ".

اولاد اپنے ماں باپ کو گالی نہ دیں

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے یہ کبیرہ گناہ ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کوئی شخص اپنے باپ کو گالی کیسے دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے ماں باپ کو کو گالی دے اور وہ اس کے بدلہ میں اس کے باپ اور ماں کو گالی دے (یہ اپنے ہی ماں باپ کو گالی دینا ہوا)۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخص آپس میں ایک دوسرے کے والدین کو گالی دیں، یا برا بھلا کہیں تو یہ بھی درحقیقت اپنے ماں باپ ہی کو گالی دینا ہوا، مثلاً زید نے عمر کے والدین کو برا بھلا کہا، اپنے والدین کو نہیں، اس کے مقابلہ میں عمر نے زید کے والدین کو برا بھلا کہا، اپنے والدین کو نہیں، مگر وہ دونوں اپنے والدین کو گالی دینے کا سبب بنے تو گویا ان دونوں نے درحقیقت اپنے والدین ہی کو گالی دی۔

اسی طرح اگر کسی مضبوط آدمی نے کسی کمزور آدمی کی پٹائی کی، اب وہ کمزور آدمی تو اس کی پٹائی کرنے سے رہا، لیکن وہ کمزور آدمی اپنی زبان سے برا بھلا کہہ کر پٹائی کرنے والے سے پٹائی کا بدلہ لینے کی کوشش کرتا ہے اور پٹائی کرنے والے کے ماں

باپ کو گالی دیتا ہے، تو یہ پٹائی کرنے والا اپنے والدین کو گالی دینے کا ذریعہ بنا، کام دوسرے نے کیا، مگر ذریعہ ہم بنے تو یہ بھی اپنے والدین کو گالی دینے کے مترادف ہے، اور اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑے گناہوں میں سے شمار فرمایا ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ہماری طرف سے کوئی ایسی حرکت ہو جس کے نتیجے میں کوئی ہمارے ماں باپ کو گالی دے تو گویا ہم کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے۔

کوئی اپنے ماں باپ کو گالی دے یہ بات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذہن میں آ ہی نہیں رہی تھی، اسی لیے سوال کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

لیکن ہمارے زمانہ میں یہ بُعد ختم ہو گیا ہے، اور اب تو بچے سیدھے اپنے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں، ماں باپ کو گالی دینے کا ذریعہ بننا یہ کبیرہ گناہ ہے تو سیدھے ان کو گالی دینا اللہ کی نظر میں کتنا برا کام ہوگا، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں۔

٢٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ سُفْيَانَ يَزْعُمُ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ عِيَاضٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضي الله عنه يَقُولُ: مِنَ الْكَبَائِرِ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى أَنْ يَسْتَسِبَّ الرَّجُلُ لِوَالِدِهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بھی گناہ کبیرہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کی بے عزتی کا سبب بنے۔

بَابُ عُقُوبَةِ عُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ

٢٩ - حدثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا عُيَيْنَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ،

عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضي الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجَّلَ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةُ مَعَ مَا يُدَّخَرُ لَهُ، مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ".

ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی سزا

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی ایسا گناہ نہیں جس کے کرنے والے کو اس کی سزا فوری طور پر ملے (یعنی دنیا میں بھی ملے، آخرت میں جو سزا ملنے والی ہے وہ تو الگ)۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ جو شخص بدسلوکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی سزا آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی دیتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی کبھار عبرت کے لیے کسی گناہ کی سزا دنیا میں بھی دیتا ہے، ان گناہوں میں سے ایک گناہ ماں باپ کی نافرمانی اور رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی ہے۔

۳۰ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا تَقُولُونَ فِي الزِّنَا، وَشُرْبِ الْخَمْرِ، وَالسَّرِقَةِ؟" قُلْنَا: الله وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "هُنَّ الْفَوَاحِشُ، وَفِيهِنَّ الْعُقُوبَةُ، أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ الشِّرْكُ بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ"، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَاحْتَفَزَ قَالَ: "وَالزُّورُ".

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم لوگ چوری، زنا اور شراب خوری کرنے کے متعلق کیا کہتے ہو؟ ہم نے عرض کیا

کہ اللہ تعالی اوراس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔اس پرآپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ: یہ سب گناہ کے کام ہیں اوران پر اللہ تعالی کے ہاں سزابھی ملے گی، لیکن کیاتم کوکبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ نہ بتلاؤں؟ وہ ہے اللہ تبارک وتعالٰی کے ساتھ کسی کوشریک ٹھہرانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا، حضور ﷺ ٹیک لگا کر کے بیٹھے ہوئے تھے، پھرسیدھے بیٹھ گئے اورفرمایا کہ جھوٹ بولنابھی کبیرہ گناہ ہے۔

تشریح: حدیث شریف میں آپ ﷺ نے تین گناہوں کوکبیرہ بتلایا ہے (۱) اللہ تعالٰی کے ساتھ کسی کوشریک ٹھہرانا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا (۳) اور جھوٹ بولنا۔

بعض روایتوں میں جھوٹی قسم کوبھی کبیرہ گناہ بتلایا ہے۔

بَابُ بُكَاءِ الْوَالِدَيْنِ

۳۱ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ مِخْرَاقٍ، عن طَيْسَلَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنه يَقُولُ: بُكَاءُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْعُقُوقِ وَالْكَبَائِرِ.

والدین کارونا

ترجمہ: حضرت طیلسہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سناوہ فرمارہے تھے کہ ماں باپ کا (نافرمان اولاد پر) رونا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

تشریح: اولادکبھی ایسی کوئی حرکت کرتی ہے جس سے ماں باپ کوتکلیف ہوتی ہے اوروہ اس پرروتے ہیں، مثلا بیٹے کاوالدین کے مقابلہ میں بیوی کا زیادہ

خیال کرنا وغیرہ، تو یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔

بَابُ دَعْوَةِ الْوَالِدَيْنِ

۳۲ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَهُنَّ، لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ".

ماں باپ کی دعا کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تین دعائیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور قبول ہوتی ہیں، ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے، ایک مظلوم کی دعا، دوسرے مسافر کی دعا اور تیسرے ماں باپ کی بد دعا اولاد کے حق میں۔

تشریح: جن کی دعاء فوراً قبول ہوتی ہیں، ان میں سے ایک مظلوم ہے۔
ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تھا اس وقت جو نصیحتیں ان کو فرمائی تھیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ " اِياكَ وَدَعْوَةَ المظلوم فانها ليس بينها وبين الله حجابٌ" مظلوم کی بد دعا سے بچنا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان میں کوئی آڑ نہیں، مطلب یہ کہ وہ سیدھی اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ جاتی ہے۔

فارسی کا ایک شعر ہے:

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کردن
اِجابت از درِ حق بہر استِقبال می آید

مظلوموں کی آہ سے بچتے رہنا، اس لیے کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے قبولیت اس کا استقبال کرنے کے لیے آتی ہے، یعنی وہ دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے۔

دوسرا شخص جس کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے وہ مسافر ہے، اور مسافر کی دعا اس لیے فوراً قبول ہوتی ہے کہ مسافر کو دورانِ سفر عام طور پر طبیعت کے خلاف بہت سارے کام کرنے پڑتے ہیں جس کے نتیجہ میں مزاج میں نرمی، انکساری اور تواضع پیدا ہو جاتی ہے اور یہی کیفیت دعا قبول ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔

تیسرے جن کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے وہ ماں باپ ہیں، اس حدیث میں لفظ علیٰ آیا ہے جس کا مطلب بد دعا ہے، یعنی جب وہ اپنی اولاد کے خلاف بد دعا کریں تو وہ بہت جلدی قبول ہوتی ہے، ماں باپ اپنی اولاد کے حق میں ہمیشہ خیر خواہ ہوتے ہیں اور ہمیشہ اولاد کی بھلائی اور خیر ہی کی دعا کرتے ہیں، اور وہ بد دعا اسی وقت کرتے ہیں جب اولاد اپنے والدین کو ستانے میں حد کر دیتی ہیں، اور ایسی تکلیف پہنچاتی ہے کہ ان کے دل سے نہ چاہنے کے باوجود کچھ بد دعائیہ جملے نکل جاتے ہیں وہ جملے اللہ تعالیٰ کے یہاں فوراً قبول ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف کا خلاصہ: بے سہارا شخص پر کوئی ظلم کرتا ہے، اس وقت وہ جو دعا کرتا ہے اس کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے۔

٣٣ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ مُحَمَّدِ

بْنِ شُرَحْبِيلَ، أَخِي بَنِي عَبْدِ الدَّارِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَا تَكَلَّمَ مَوْلُودٌ مِنَ النَّاسِ فِي مَهْدٍ إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَصَاحِبُ جُرَيْجٍ"، قِيلَ: يَانَبِيَّ اللهِ، وَمَا صَاحِبُ جُرَيْجٍ؟ قَالَ: فَإِنَّ جُرَيْجًا كَانَ رَجُلًا رَاهِبًا فِي صَوْمَعَةٍ لَهُ، وَكَانَ رَاعِيَ بَقَرٍ يَأْوِي إِلَى أَسْفَلِ صَوْمَعَتِهِ، وَكَانَتِ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِ الْقَرْيَةِ تَخْتَلِفُ إِلَى الرَّاعِي، فَأَتَتْ أُمُّهُ يَوْمًا فَقَالَتْ: يَا جُرَيْجُ، وَهُوَ يُصَلِّي، فَقَالَ فِي نَفْسِهِ وَهُوَ يُصَلِّي: أُمِّي وَصَلَاتِي؟ فَرَأَى أَنْ يُؤْثِرَ صَلَاتَهُ، ثُمَّ صَرَخَتْ بِهِ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ فِي نَفْسِهِ: أُمِّي وَصَلَاتِي؟ فَرَأَى أَنْ يُؤْثِرَ صَلَاتَهُ، ثُمَّ صَرَخَتْ بِهِ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: أُمِّي وَصَلَاتِي؟ فَرَأَى أَنْ يُؤْثِرَ صَلَاتَهُ، فَلَمَّا لَمْ يُجِبْهَا قَالَتْ: لَا أَمَاتَكَ اللهُ يَا جُرَيْجُ حَتَّى تَنْظُرَ فِي وَجْهِ الْمُومِسَاتِ، ثُمَّ انْصَرَفَتْ. فَأُتِيَ الْمَلِكُ بِتِلْكَ الْمَرْأَةِ وَلَدَتْ، فَقَالَ: مِمَّنْ؟ قَالَتْ: مِنْ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَصَاحِبُ الصَّوْمَعَةِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: اهْدِمُوا صَوْمَعَتَهُ، وَأْتُونِي بِهِ، فَضَرَبُوا صَوْمَعَتَهُ بِالْفُئُوسِ حَتَّى وَقَعَتْ. فَجَعَلُوا يَدَهُ إِلَى عُنُقِهِ بِحَبْلٍ، ثُمَّ انْطُلِقَ بِهِ، فَمَرَّ بِهِ عَلَى الْمُومِسَاتِ، فَرَآهُنَّ فَتَبَسَّمَ، وَهُنَّ يَنْظُرْنَ إِلَيْهِ فِي النَّاسِ، فَقَالَ الْمَلِكُ: مَا تَزْعُمُ هَذِهِ؟ قَالَ: مَا تَزْعُمُ؟ قَالَ: تَزْعُمُ أَنَّ وَلَدَهَا مِنْكَ، قَالَ: أَنْتِ تَزْعُمِينَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: أَيْنَ هَذَا الصَّغِيرُ؟ قَالُوا: هَذا هُوَ فِي حِجْرِهَا، فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَنْ أَبُوكَ؟ قَالَ: رَاعِي الْبَقَرِ. قَالَ الْمَلِكُ: أَنَجْعَلُ صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: مِنْ فِضَّةٍ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَا نَجْعَلُهَا؟ قَالَ: رُدُّوهَا كَمَا كَانَتْ، قَالَ: فَمَا الَّذِي تَبَسَّمْتَ؟ قَالَ: أَمْرًا عَرَفْتُهُ، أَدْرَكَتْنِي دَعْوَةُ أُمِّي، ثُمَّ أَخْبَرَهُمْ.

جریج کا قصہ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: کسی بچے نے گہوارے میں (یعنی دودھ پینے کے زمانہ میں) بات نہیں کی سوائے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صاحبِ جریج کے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ صاحب جریج کون ہیں؟ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جریج ایک عبادت گزار آدمی تھے، جو اپنے صومعہ میں عبادت میں مشغول رہتا تھے) صومعہ اونچے اور پتلے منارے والی عمارت کو کہا جاتا تھا جس میں راہب رہتا ہے، راہب اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں سے الگ تھلگ ہوکر اپنی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ عیسائیوں میں الگ تھلک ہوکر عبادت کرنے کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں جاری ہوا (ایک چرواہا ان کی گرجا کے نیچے آکر کے ٹھہرا کرتا تھا (اپنے جانور چراتا تھا) اور بستی کی ایک عورت اس چرواہے کے پاس آتی جاتی رہتی تھی۔

ایک مرتبہ ہوا یہ کہ جریج (راہب) نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کی ماں ان کے پاس آئیں کسی کام کے واسطے اور صومعہ کے باہر سے ماں نے ان کو پکارا اے جریج! (جریج اس وقت نماز پڑھ رہے تھے) دورانِ نماز سوچا کہ ایک طرف میری ماں ہیں، اور دوسری طرف نماز ہے۔ بالآخر جریج نے فیصلہ کیا کہ اپنی نماز کو ترجیح دے۔

ماں نے پھر دوسری مرتبہ آواز دی، وہ پھر سوچ میں پڑ گئے، ایک طرف میری ماں ہیں اور دوسری طرف نماز ہے، پھر یہی فیصلہ کیا کہ میں اپنی نماز نہیں توڑونگا۔ ماں نے پھر تیسری مرتبہ پکارا، وہ پھر سوچ میں پڑ گئے، ایک طرف میری ماں ہیں اور دوسری طرف نماز ہے، پھر یہی فیصلہ کیا کہ میں اپنی نماز نہیں توڑونگا۔ جب تیسری مرتبہ بھی ماں کو جواب نہیں ملا تو ماں کی زبان سے بددعا نکل گئی کہ اے جریج! اللہ تعالیٰ تجھے موت نہ دے یہاں تک کہ تو بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے، یہ کہہ کر ماں وہاں سے چلی آئی۔

کچھ مدت بعد اس عورت کو بچہ ہوا، اور وہ بادشاہ کے پاس لائی گئی۔ بادشاہ نے پوچھا یہ بچہ کس کا ہے؟ اس نے کہا کہ جریج کا ہے، بادشاہ نے تعجب سے پوچھا کہ وہ جو گرجا میں عبادت میں مشغول رہتا ہے؟ کہا، ہاں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی گرجا کو ڈھا دو، اور اس کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ! لوگوں نے پھاوڑے سے ان کے صومعہ کو ڈھا دیا۔ اور رسی سے جریج کے ہاتھ کو گردن سے باندھ دیا، پھر اس کو بادشاہ کے پاس لے جانے لگے۔ راستہ میں چند بدکار عورتیں ایک جگہ گھڑی تھیں ان کو دیکھ کر جریج مسکرائے، اور عورتیں جریج کو دیکھ رہی تھیں اور وہاں لوگوں کا مجمع بھی تھا۔ جب جریج بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ نے جریج سے پوچھا کہ تجھے معلوم ہے یہ عورت کیا کہہ رہی ہے؟ جریج نے فرمایا کہ آپ ہی بتادیں یہ کیا کہہ رہی ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ یہ دعوی کررہی ہے کہ یہ بچہ تیرا ہے۔ جریج اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ یہ بچہ میرا ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں۔ جریج نے پھر پوچھا کہ وہ بچہ کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ رہا اس کی گود میں، جریج اس بچے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے پوچھا تیرا باپ کون ہے؟ بچے نے جواب دیا کہ میرا باپ چرواہا ہے۔ بادشاہ نے جریج سے پوچھا (جب بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ جریج بے قصور ہیں) کہ کیا ہم آپ کی عبادت گاہ کو دوبارہ سونے سے بنادیں؟ انہوں نے کہا، نہیں، تو پھر بادشاہ نے پوچھا کہ کیا ہم چاندی سے بنادیں؟ کہا، نہیں، بادشاہ نے پوچھا کہ پھر کس چیز سے بنائیں؟ کہا کہ پہلے جیسی عبادت گاہ تھی ویسی ہی بنادو۔ بادشاہ نے پوچھا کہ جب آپ نے راستے میں چند بدکار زانیہ عورتوں کو دیکھا تھا تو ان کو دیکھ کر کیوں ہنسے تھے؟ کہا کہ ایک بات کی طرف میرا ذہن گیا کہ میری ماں کی بددعا مجھے لگی، پھر انہوں نے یہ سارا قصہ ان کو سنایا۔

دودھ پیتے بچوں کے بات کرنے اور بولنے کے پانچ واقعات

تشریح: مذکورہ حدیث شریف میں دودھ پینے کے زمانے میں دو بچوں کے بات کرنے کا ذکر کیا ہے، ایک تو حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام ہیں جن کا واقعہ

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب آپ کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام آپ کو اپنی گود میں لے کر اپنی قوم کے پاس پہنچیں تو قوم ان پر ٹوٹ پڑی کہ یہ بچہ کہاں سے آیا؟ حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ بچے ہی سے پوچھ لو کہ میں بچہ کہاں سے لائی ہوں، قوم نے کہا کہ یہ بچہ تو ابھی گہوارے میں ہے، یہ کیسے بولے گا؟ اللہ تعالی نے آپ کو گویائی عطا فرمائی، آپ گویا ہوئے اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے، میری ماں نے نعوذ باللہ من ذلک کوئی برا کام نہیں کیا۔

دوسرا بچہ جس نے دودھ پینے کے زمانے میں بات کی وہ جریج راہب کے قصے والا بچہ ہے، جریج ایک راہب تھے جو اپنے صومعہ میں رہتے تھے، ایک دن جریج کی ماں جریج کے پاس کسی ضرورت سے آئی، ماں نے صومعہ کے باہر سے پکارا، جریج نے ماں کی آواز سنی تو سوچا کہ اگر ماں کی پکار کا جواب دوں تو نماز ٹوٹے گی، اور اگر نماز جاری رکھوں تو ماں کی نافرمانی ہوگی، بالآخر فیصلہ یہ کیا کہ نماز جاری رکھنا ہے، ماں نے تین مرتبہ پکارا، تینوں مرتبہ یہی فیصلہ کیا کہ نماز جاری رکھنا ہے۔ تینوں مرتبہ ماں کو جواب نہیں ملا تو ماں کے دل کو ایک ٹھیس لگی اور ماں کی زبان حرکت میں آئی، اور یہ جملے نکلے کہ تیری موت نہ آئے یہاں تک کہ تو کسی بدکار عورت کا منھ نہ دیکھ لے۔

ایک عرصہ کے بعد ایک بدکار عورت کو بچہ پیدا ہوا، اس کا کوئی شوہر نہیں تھا اس لیے لوگ اس کو بادشاہ کے پاس لے گئے، اور اس نے بادشاہ کے سامنے اقرار کیا کہ یہ بچہ جریج کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے، جریج کو جب بلایا گیا اور کہا کہ یہ عورت کہہ رہی ہے کہ یہ بچہ تمہارا ہے؟ جریج نے کہا کہ اس بچے کو میرے پاس لاؤ، دوسری

روایتوں میں ہے کہ جب بچے کولایا گیا تو جریج نے وضوکیا، دورکعت نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کے بعد اس بچے کی طرف متوجہ ہوئے کہ بتا تیرا باپ کون ہے؟ پوچھتے ہی بچہ گویا ہوا، اللہ تعالیٰ نے گہوارے میں اس کو بولنے کی طاقت دی، اس نے کہا کہ میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔

اس واقعہ میں جریج نے ماں کی نافرمانی قصداً نہیں کی تھی، بلکہ اجتہادی غلطی ہوئی تھی، اس پر ان کو ایک بہت بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ تو جولوگ ماں باپ کے معاملے میں قصداً زیادتیاں کرتے ہیں اور رات دن ماں باپ کے دل کو دکھاتے رہتے ہیں ان کو سوچ لینا چاہیے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔

سنن بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے اللہ تعالی کی رضا کی خاطر اپنے ماں باپ کی اطاعت کی تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور اگر ماں باپ کو تکلیف پہنچائی اور ان کی نافرمانی کی تو اس کے لیے جہنم کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور اگر والدین میں سے کوئی ایک موجود ہے اور ان کی اطاعت کی تو جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور نافرمانی کی تو جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، تو کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! جب ماں باپ کی طرف سے زیادتی ہو تب بھی یہ وعید ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: وَإِنْ ظَلَمَا، چاہے ماں باپ کی طرف سے زیادتی ہو، تب بھی اس وعید کا مستحق ہوگا۔

مسئلہ: دورانِ نماز اگر والدین میں سے کوئی اپنی اولاد کو پکارے تو کب نماز توڑنی ہے اور کب نہیں توڑنی ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔

اگر فرض نماز ہو اور ان کے پکارنے سے یہ احساس ہو کہ وہ کسی شدید تکلیف میں ہیں تو اسی وقت نماز توڑ کر ان کی مدد کو پہنچنا ضروری ہے۔

اگر فرض نماز ہو اور ان کے پکارنے سے یہ احساس ہو کہ وہ کسی شدید تکلیف میں نہیں ہیں تو ان کی پکار کا جواب نہ دے، چاہے ان کو معلوم ہو کہ وہ نماز میں ہے یا معلوم نہ ہو۔

اگر نفل نماز ہو اور ان کے پکارنے سے یہ احساس ہو کہ وہ کسی شدید تکلیف میں ہیں تو اسی وقت نماز توڑ کر ان کی مدد کو پہنچنا ضروری ہے۔

اور اگر نفل نماز ہو اور ان کے پکارنے سے یہ احساس ہو کہ وہ کسی شدید تکلیف میں نہیں ہے تو اب یہ دیکھنا ہے کہ ان کو نماز میں ہونے کا علم ہے یا نہیں، اگر ان کو نماز میں ہونے کا علم نہیں ہے تو اسی وقت نماز توڑ کر ان کی پکار کا جواب دے، اور اگر ان کو نماز میں ہونے کا علم ہے پھر بھی پکارا تو اب ان کی پکار کا جواب نہ دے، اس لیے کہ انہوں نے علم ہونے کے باوجود پکارا تو گویا انہوں نے اللہ تعالی کے حکم کی نافرمانی کی، اب پکار کا جواب نہ دے اور نماز جاری رکھے۔

مذکورہ روایت میں دو بچوں کا ذکر ہے، البتہ دوسری روایتوں میں پانچ بچوں کا ذکر ہے جنہوں نے دودھ پینے کے زمانے میں بات کی۔

ایک بچے کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں آتا ہے، عزیز مصر کی بیوی جن کا نام زلیخا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئی تھی، اور اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے آپ کو پھسلانے لگی، گھر کے سارے دروازے بند کر دیے اور آپ سے کہنے لگی کہ جلدی آجاؤ (یعنی مجھ سے غلط تعلق قائم کرو) جب حضرت یوسف

علیہ السلام نے دیکھا کہ ہر طرف سے گھرا ہوا ہوں اور بچنے کی کوئی راہ نہیں ہے، تو سب سے پہلے خدا کی پناہ مانگی، اور پھر دروازے کی طرف دوڑے، زلیخا آپ کو پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑی اور پیچھے سے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ پکڑ کر آپ کو باہر جانے سے روکنا چاہا، لیکن آپ نہیں رکے اور آپ دروازے سے باہر آ گئے جس کی وجہ سے کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا۔

جب دونوں باہر پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ عزیز مصر یعنی زلیخا کا شوہر وہاں سامنے کھڑا ہے، زلیخا نے اپنی عزت بچانے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگا دی کہ اسی نے میرے ساتھ برا ارادہ کیا، یوسف علیہ السلام نے تردید فرمائی اور حقیقت کا اظہار کیا کہ زلیخا ہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنا چاہتی تھی۔

گھر کے اندر ایک چھوٹا بچہ گہوارے میں پڑا تھا، اللہ تعالی نے اس کو گویائی عطا فرمائی اور وہ گویا ہوا کہ ان کا کرتہ دیکھو کہ کہاں سے پھٹا ہے؟ اگر آگے سے پھٹا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زلیخا سچی ہے یوسف علیہ السلام جھوٹے ہیں اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو یوسف علیہ السلام سچے ہیں زلیخا جھوٹی ہے۔

تیسرا بچہ جس نے گہوارے میں بات کی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ فرعون کے خزانچی کی بیوی مسلمان تھی، وہ فرعون کی بیٹی کے بال میں کنگھی کرتی تھی، ایک دن جب وہ کنگھی کر رہی تھی تو اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی۔ اس عورت نے بسم اللہ کہتے ہوئے کنگھی اٹھائی، فرعون کی بیٹی چونک اٹھی کہ کیا میرے باپ کے علاوہ کوئی اور معبود ہے!؟ اس نے کہا کہ میرا بھی اور تیرے باپ کا بھی اور ہر چیز کا ایک رب ہے، فرعون کی بیٹی کو غصہ آ گیا اور اس نے اس کو ایک طمانچہ رسید کیا اور فرعون کو سارا واقعہ

بتلا دیا، فرعون نے اس کو بلایا اور بہت غصہ سے پوچھا کہ کیا تو میرے سوا کسی اور کو خدا مانتی ہے؟ کہا: جی ہاں، میرا بھی اور تیرا بھی اور ہر چیز کا رب اللہ ہی ہے، اور اسی کی میں عبادت کرتی ہوں، فرعون نے اس پر ظلم وستم برسانا شروع کیا، اس نے کچھ میخیں زمین میں گاڑ دیں، اور اس عورت کے ہاتھ اور پاؤں ان میخوں کے ساتھ باندھ دیے اور اس پر سانپ چھوڑ دیے، روزانہ اسی طرح اس کو ستاتا اور سزا دیتا؛ بالآخر جب اس نے دیکھا کہ وہ عورت اس سزا سے بھی ایمان چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے تو اس نے دوسری دھمکی دی کہ اگر تو مجھے خدا نہیں مانے گی تو میں تیرے بیٹے کو تیری آنکھوں کے سامنے ذبح کردوں گا، اس نے کہا کہ جو بھی تجھ سے ہوسکے کر گزر، فرعون ایک ایک کرکے اس کے بچوں کو ذبح کرنے لگا، بعض روایتوں میں ہے کہ آگ میں ڈالنے لگا، بہر حال ایک ایک کرکے ان معصوم بچوں کو قتل کر رہا تھا کہ اس عورت کا ایک دودھ پیتا بچہ گویا ہوا، اے امی! جم کر رہنا، اس لیے کہ آپ حق پر ہیں، اس بچے کی بات سن کر فرعون کی بیوی آسیہ کو بھی یقین آگیا کہ فرعون جھوٹا ہے اور اس نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

چوتھا بچہ جس نے گہوارے میں بات کی وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ وہاں سے ایک بہت ہی حسین وجمیل شخص کا بہت شان سے ایک سواری پر گزر ہوا، اس کو دیکھ کر وہ عورت کہنے لگی کہ اللہ! میرے بیٹے کو ایسا ہی بنانا، وہ بچہ دودھ پی رہا تھا، جب ماں کی دعا سنی تو فوراً اس نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور اس سوار کو دیکھنے لگا، پھر کہا اے اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا، یہ کہہ کر دوبارہ دودھ پینے لگا، پھر وہیں سے ایک باندی کا گزر ہوا، عورت نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو

ایسا نہ بنانا، تو بچے نے پھر دودھ پینا چھوڑ دیا اور اس باندی کو دیکھنے لگا اور پھر کہا اے اللہ! مجھے اس باندی جیسا بنانا، عورت نے پوچھا کیوں؟ بچے نے جواب دیا کہ یہ سوار تو بہت متکبر اور ظالم ہے، اور اس باندی کے بارے میں لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس نے زنا بھی کیا اور چوری بھی کی، حالانکہ اس نے کوئی بھی جرم نہیں کیا۔

پانچواں بچہ جس نے گہوارے میں بات کی وہ یہ ہے کہ ایک کافر بادشاہ تھا جس کے پاس ایک کاہن تھا، کاہن نے بادشاہ سے کہا کہ مجھ کو ایک ہوشیار لڑکا دیا جاوے تو میں اس کو اپنا علم سکھا دوں، چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، اس کے راستے میں ایک راہب یعنی عیسائی پادری رہتا تھا اور اس زمانہ میں دین عیسی علیہ السلام ہی دین حق تھا اور یہ راہب اسی پر قائم تھا، وہ لڑکا اس کے پاس آنے جانے لگا اور خفیہ مسلمان ہوگیا، ایک بار اس لڑکے نے دیکھا کہ کسی شیر نے راستہ روک رکھا ہے اور خلق خدا پریشان ہے تو اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جاوے اور اگر کاہن سچا ہے تو نہ مارا جاوے اور یہ کہہ کر وہ پتھر مارا تو شیر کو لگا اور وہ ہلاک ہوگیا، لوگوں میں شور ہوگیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے، کسی اندھے نے سنا تو آ کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی ہو جاویں، لڑکے نے کہا بشرطیکہ تو مسلمان ہو جاوے، چنانچہ اس نے قبول کیا، لڑکے نے دعا کی وہ اچھا ہوگیا اور مسلمان ہوگیا۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو اس راہب کو، لڑکے کو اور اس نابینا تینوں کو گرفتار کر کے بلایا، اس نے راہب اور نابینا کو قتل کر دیا اور لڑکے کے لیے حکم دیا کہ پہاڑ کے اوپر لیجا کر گرا دیا جاوے، مگر جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ خود گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے

سمندر میں غرق کرنے کا حکم دیا وہ اس سے بھی بچ گیا اور جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ سب ڈوب گئے، پھر خود لڑکے نے بادشاہ سے کہا مجھ کو بسم اللہ کہہ کر تیر مارو تو میں مر جاؤں گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور لڑکا مر گیا۔ پس اس واقعہ عجیبہ کو دیکھ کر یک لخت حاضرین کی زبان سے نعرہ بلند ہوا کہ ہم سب اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس ظالم بادشاہ نے ایمان لانے والوں کو عذاب دینے کے لیے خندق کھدوا کر اس کو آگ کے بڑے شعلوں سے لبریز کیا پھر ایمان لانے والوں میں سے ایک ایک کو حاضر کر کے کہا کہ یا ایمان کو چھوڑ دو یا پھر اس خندق میں گر جانا پڑے گا، اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنین کو ایسی استقامت بخشی کہ ان میں سے ایک بھی ایمان چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور انہوں نے آگ میں گر جانا قبول کیا، صرف ایک عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا اس کو آگ میں گرنے سے ذرا جھجک محسوس ہوئی تو اس کا چھوٹا سا بچہ بولا کہ امی جان! صبر کرو کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

بَابُ عَرْضِ الْإِسْلَامِ عَلَى الْأُمِّ النَّصْرَانِيَّةِ

٣٤ - قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو كَثِيرٍ السُّحَيْمِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَقُولُ: مَا سَمِعَ بِي أَحَدٌ، يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ، إِلَّا أَحَبَّنِي، إِنَّ أُمِّي كُنْتُ أُرِيدُهَا عَلَى الْإِسْلَامِ فَتَأْبَى، فَقُلْتُ لَهَا، فَأَبَتْ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: ادْعُ اللهَ لَهَا، فَدَعَا، فَأَتَيْتُهَا - وَقَدْ أَجَافَتْ عَلَيْهَا الْبَابَ فَقَالَتْ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، إِنِّي أَسْلَمْتُ، فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: ادْعُ اللهَ لِي وَلِأُمِّي، فَقَالَ: "اللَّهُمَّ، عَبْدُكَ أَبُو هُرَيْرَةَ

وَأُمُّهُ، أَحِبَّهُمَا إِلَى النَّاسِ".

نصرانی ماں کے سامنے اسلام پیش کرنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بھی میرے بارے میں سنے گا چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی، وہ مجھ سے محبت کرے گا (اس کی وجہ یہ ہے کہ) میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا اور وہ قبول نہیں کرتی تھی۔ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری ماں کے لیے دعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق دے، حضور ﷺ نے دعا فرمائی، حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کر کے اپنی ماں کی خدمت میں پہنچا، تو دیکھا کہ گھر کا دروازہ بند تھا، (میری والدہ نے میرے آنے کو محسوس کیا تو اندر سے) کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، میں دوبارہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور اپنی ماں کے اسلام کے بارے میں آپ ﷺ کو اطلاع دی اور عرض کیا کہ آپ میرے لیے اور میری ماں کے لیے دعا فرما دیجیے۔ تو حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! آپ کا بندہ ابو ہریرہ اور اس کی ماں دونوں کو لوگوں کی نگاہوں میں محبوب بنا دے، لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دے۔

تشریح: مذکورہ حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان نہیں ہے تو محبت کے انداز میں ان کو اسلام کی طرف دعوت دینا چاہیے، اگر مسلمان تو ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی نافرمانی میں مبتلا ہیں تب بھی ان کو محبت سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکنا چاہیے۔ ماں باپ کو اسلام کی دعوت دینا یا ان کو بھلائی کی طرف بلانا ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کے خلاف نہیں ہے۔

اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کا مذہب کیا تھا، لیکن باب میں امام بخاریؒ نے الأم النصرانية کے ذکر سے اس کی طرف اشارہ کیا کہ ان کی ماں نصرانی تھیں۔

بَابُ بِرِّ الْوَالِدَيْنِ بَعْدَ مَوْتِهِمَا

۳۵ - قالَ: أَخْبَرَنِي أُسَيْدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا أُسَيْدٍ رضي الله عنه يُحَدِّثُ الْقَوْمَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ أَبَوَيَّ شَيْءٌ بَعْدَ مَوْتِهِمَا أَبَرُّهُمَا؟ قَالَ: ''نَعَمْ، خِصَالٌ أَرْبَعٌ: الدُّعَاءُ لَهُمَا، وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا، وَإِكْرَامُ صَدِيقِهِمَا، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لَا رَحِمَ لَكَ إِلَّا مِنْ قِبَلِهِمَا''.

ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ترجمہ: حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ کوئی بھلائی باقی رہ گئی ہے جو میں ان کے ساتھ کرسکوں؟ نبی کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں! (ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی) چار حقوق باقی رہتے ہیں۔ نمبر ایک ان کے حق میں دعا کرنا، نمبر دو ان کے لیے استغفار کرنا، نمبر تین ان کا کیا ہوا وعدہ پورا کرنا، نمبر چار ان کے دوستوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرنا۔

تشریح: نبی ﷺ کی خدمت میں جو آدمی حاضر ہوا وہ قبیلۂ بنوسلمہ سے تعلق رکھتا تھا (ابوداؤد) اس نے جو سوال کیا کہ والدین کے انتقال کے بعد ان کا کوئی حق باقی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں ماں باپ کے ساتھ جتنا حسن سلوک ہوسکا وہ تو کیا، مثلاً ان کی خدمت کرنا، ان کو راحت پہنچانا وغیرہ وغیرہ، کیا ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی کوئی حق میرے ذمہ باقی رہتا ہے؟ اس کے جواب میں مذکورہ ارشاد فرمایا۔

اولاد پر والدین کے انتقال کے بعد چار حقوق

والدین کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے اولاد پر والدین کے چند حقوق کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک ان کے لیے دعا کرنا۔

دوسرا حق والدین کے لیے استغفار کرنا۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کرنا الگ چیز ہے اور استغفار الگ چیز ہے، استغفار کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ اللہ! ان کے گناہوں سے درگزر فرما اور دعا کا مطلب عام ہے، یعنی ان کے لیے کوئی بھی خیر اور بھلائی مانگنا، خواہ رفع درجات ہو، خواہ جنت الفردوس ہو۔

تیسرا حق یہ ہے کہ اگر والدین نے اپنی زندگی میں کسی کے ساتھ کوئی عہد و پیمان کیا تھا اور اس کو پورا کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی تو ان کے انتقال کے بعد ان کے کیے ہوئے عہد و پیمان کو کو پورا کرے۔

چوتھا حق یہ ہے کہ ماں باپ سے ملنے والے اور ماں باپ کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، خواہ اس رشتہ داری کے لیے باپ سبب بنا ہو یا ماں، مثلاً دادا یعنی باپ کا باپ، دادی یعنی باپ کی ماں، چچا یعنی باپ کا بھائی، پھوپھی یعنی باپ کی بہن، ان سب کے لیے باپ واسطہ بنا۔ بھائی بہن باپ کی اولاد ہیں، تو ان کے لیے بھی باپ واسطہ بنا۔

دوسری طرف نانی یعنی ماں کی ماں، اسی طرح خالہ ماموں وغیرہ کے لیے ماں واسطہ بنی، گویا ان سارے رشتوں کا سبب ماں باپ بنے۔ لہٰذا ان رشتوں کا حق ادا کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا یہ حقیقت میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک

کرنا ہے، بہت سارے گھروں میں بھائی بہن چچا، ماموں، پھوپھی وغیرہ کے ساتھ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں، حالانکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا یہ بھی ماں باپ کے حقوق میں سے ہے۔

٣٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: تُرْفَعُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَوْتِهِ دَرَجَتُهُ. فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ، أَيُّ شَيْءٍ هَذِهِ؟ فَيُقَالُ: وَلَدُكَ اسْتَغْفَرَ لَكَ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میت کے انتقال کے بعد اس کے درجات بلند کیے جاتے ہیں تو میت اللہ تعالی سے پوچھتی ہے کہ اے اللہ! یہ کیا ہے؟ اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لڑکے نے تیرے لیے استغفار کیا (یہ اس کا بدلہ ہے)۔

تشریح: یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں نبی ﷺ کا نام نہیں لیا کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا، لیکن چونکہ یہ چیز ایسی ہے جو حضور ﷺ سے سن کر ہی بیان کی جاسکتی ہے اس لیے اس حدیث کو آپ ﷺ کے حوالے ہی سے ذکر کیا جاتا ہے۔

انتقال کے بعد میت کوئی عمل نہیں کرسکتا، اس لیے جب اس کا درجہ بلند کیا جائے گا تو اسے تعجب ہوگا کہ اتنا سارا اجر کہاں سے آگیا؟

اولاد کا مغفرت کی دعا کرنا یہ ماں باپ کے درجات کو بلند کرتا ہے۔ اولاد پر ضروری ہے کہ والدین کے انتقال کے بعد بھی صدقہ، خیرات اور نیک اعمال کے ذریعہ سے ان کے لیے ایصال ثواب کا اہتمام کرتی رہے۔

٣٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ، عَنْ غَالِبٍ

قَالَ: قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَيْلَةً، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي هُرَيْرَةَ، وَلِأُمِّي، وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُمَا قَالَ لِي مُحَمَّدٌ: فَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتَّى نَدْخُلَ فِي دَعْوَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ.

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھے، تو حضرت ابو ہریرہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! ابو ہریرہ کی مغفرت فرما اور ابو ہریرہ کی ماں کی بھی مغفرت فرما اور اس شخص کی بھی مغفرت فرما جو ان دونوں کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ محمد ابن سیرین رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں تا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا میں ہمارا حصہ لگ جائے۔

تشریح: مذکورہ حدیث شریف کے راوی محمد بن سیرین رحمہ اللہ ہیں، آپ کا شمار بڑے تابعین میں ہوتا ہے، آپ خواب کی تعبیر کے امام سمجھے جاتے ہیں۔

اس روایت کو یہاں ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی ماں کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا کا اہتمام کرتے تھے۔

٣٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْعَلَاءُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا مَاتَ الْعَبْدُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی انسان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے؛ البتہ

تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب انسان کو ملتا رہتا ہے، ایک صدقۂ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور تیسرے نیک اولاد جو ماں باپ کے حق میں دعائیں کرتی رہتی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین چیزوں کا ذکر کیا جس کا ثواب موت کے بعد بھی چلتا رہتا ہے۔ پہلا صدقۂ جاریہ ہے۔ اس سے مراد وہ نیکی ہے جس کا فائدہ لوگوں کو اس کی موت کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے، مثلاً کہیں مسجد بنادی جس میں لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کہیں مدرسہ بنادیا جہاں تعلیم کا سلسلہ جاری ہے، کہیں مسافر خانہ بنوادیا جس میں لوگ ٹھہرتے ہیں، کہیں کنواں کھدوادیا جس سے لوگ سیراب ہو رہے ہیں، کہیں سڑک بنوادی جس پر لوگ چلتے ہیں۔ اسی طرح کوئی بھی ایسا کام جس کا نفع اس کے دنیا سے جانے کے بعد لوگوں کو پہنچتا رہتا ہے۔

دوسری بات جس کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے وہ علم ہے، مثلاً کسی کو قرآن سکھادیا، اب وہ دوسروں کو سکھا رہا ہے، اور ان سے دوسرے لوگ سیکھ رہے ہیں، اسی طرح سلسلہ چل رہا ہے، اسی طرح کسی کو نماز سکھائی، وہ خود بھی پڑھ رہا ہے اور دوسروں کو بھی سکھا رہا ہے، تو اس کا ثواب بھی ان کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے اور نماز پڑھنے کی وجہ سے ملتا رہے گا۔

تیسری بات جس کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے وہ ہے نیک اولاد جب کہ وہ ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائے خیر کرتی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اولاد کا صالح ہونا ہی ماں باپ کو نفع پہنچنے کے لیے کافی ہے، چاہے اولاد دعا کریں یا نہ کریں۔ یعنی جس طرح اگر کسی نے کنواں کھدوادیا، اس کنویں سے لوگ سیراب ہو رہے ہیں، میت کو اس کنویں کو کھودنے کا ثواب ملتا رہے گا چاہے

لوگ کنویں سے فائدہ اٹھانے کے بعد دعا کریں یا نہ کریں۔ اسی طرح کسی کو قرآن پڑھادیا اور وہ اس پر عمل کر رہا ہے اور دوسروں کو پڑھا رہا ہے تو میت کو اس کا ثواب ملے گا، چاہے وہ الگ سے دعا کرے یا نہ کرے۔ اسی طریقہ سے اولاد اگر صالح ہو، ماں باپ نے ان کو نیک بنانے کی محنت کی اور نیک بنایا تو اس کا فائدہ ماں باپ کو پہنچتا رہے گا، اولاد دعا کرے یا نہ کرے۔

لیکن یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کو ترغیب دی کہ تمہاری نیکی اور صلاح کا تقاضا یہ ہے کہ تم والدین کے لیے مستقل دعا بھی کرو، اگر تم دعا نہ کرو گے تب بھی ان کو تو فائدہ پہنچنے والا ہے ہی، لیکن تم دعا کرو گے تو تمہاری سعادت مندی ہوگی اور ماں باپ کو فائدہ پہنچنے کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی اس کا نفع ہوگا۔

٣٩ - حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ، إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَلَمْ تُوصِ، أَفَيَنْفَعُهَا أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهَا؟ قَالَ: "نَعَمْ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ کوئی وصیت کر کے نہیں گئی ہیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کو فائدہ پہنچے گا؟ تو فرمایا: جی پہنچے گا۔

تشریح: اولاد کو چاہیے کہ ماں باپ کی زندگی میں اور ان کے انتقال کے بعد بھی صدقہ اور نیک کام کر کے ثواب پہنچانے کا اہتمام کرے، چاہے انہوں نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر ماں باپ کے ذمہ حج اور کچھ قضا نمازیں تھیں جن کی

وصیت نہیں کی تھی، تو اولاد پر حج کی ادائیگی کا خرچ اور قضا نمازوں کا فدیہ ضروری نہیں ہے، لیکن اولاد کی سعادت مندی کی بات ہے کہ وہ ماں باپ کی قضا نمازیں، یا روزوں کے فدیہ کی ادائیگی کا اہتمام اپنے مال میں سے کرے۔ اگر ماں باپ نے حج کی وصیت کی تھی تو پھر ورثاء کے لیے ضروری ہے کہ والدین کے تہائی مال میں سے ان کی طرف سے حج کرائے، لیکن اگر ماں باپ نے وصیت نہیں کی تو اب اولاد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ان کی طرف سے حج کرائے، لیکن اولاد کی سعادت مندی کی بات ہے کہ ان کی طرف سے حج اپنے مال سے خود کرے یا کسی سے کرائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ قبول بھی کرے گا۔

بَابُ بِرِّ مَنْ كَانَ يَصِلُهُ أَبُوهُ

٤٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه: مَرَّ أَعْرَابِيٌّ فِي سَفَرٍ، فَكَانَ أَبُو الْأَعْرَابِيِّ صَدِيقًا لِعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ لِلْأَعْرَابِيِّ: أَلَسْتَ ابْنَ فُلَانٍ؟ قَالَ: بَلَى، فَأَمَرَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ بِحِمَارٍ كَانَ يَسْتَعْقِبُ، وَنَزَعَ عِمَامَتَهُ عَنْ رَأْسِهِ فَأَعْطَاهُ. فَقَالَ بَعْضُ مَنْ مَعَهُ: أَمَا يَكْفِيهِ دِرْهَمَانِ؟ فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "احْفَظْ وُدَّ أَبِيكَ، لَا تَقْطَعْهُ فَيُطْفِئَ اللهُ نُورَكَ".

ماں باپ کے تعلق والوں سے محبت کرنا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا

ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی کسی سفر میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گذرا، اس دیہاتی کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوست تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس دیہاتی سے پوچھا کہ کیا تم فلاں کے بیٹے نہیں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ کیوں نہیں، تو آپ نے اس دیہاتی کو وہ گدھا عطا کیا جو آپ کے ساتھ سفر میں رہتا تھا، اور سر سے عمامہ اتارا اور وہ بھی ہدیہ میں دے دیا، آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے پوچھا کہ دو درہم دے دیتے، وہ بھی اس کے لیے بہت تھا، آپ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ سے محبت رکھنے والوں کے ساتھ تعلق کو باقی رکھو، اسے توڑ مت ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارا نور بجھا دے گا۔

تشریح: ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ ماں باپ جن سے محبت کرتے تھے ان کے ساتھ بھلائی، احسان، محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں اونٹ کے ساتھ ایک گدھا بھی ساتھ میں رکھتے تھے کہ اونٹ کی سواری سے تھک جاتے تو طبیعت میں نشاط پیدا کرنے کے لیے گدھے پر سوار ہو جاتے۔

اس حدیث میں بھی والدین کے اہل تعلق سے حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے، اور تعلق نہ رکھنے پر بڑی وعید بھی آئی ہے۔ یوں مت سمجھو کہ باپ کے اہل تعلق کے ساتھ محبت کو باقی رکھیں گے تو فائدہ ہوگا، اور تعلق نہیں رکھیں گے کوئی نقصان نہیں ہوگا، بلکہ اگر نہیں رکھیں گے تو یہ وعید جو نبیٔ کریم ﷺ نے سنائی اس کا مستحق ہو جائے گا۔

اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا نور بجھا دے گا اس سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قلب کے اندر ایمان کا جو نور ہے اس کو ختم کر دے گا۔ بعض شراح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ نور ہے

جو آخرت میں مؤمن کو عطا ہوگا، یعنی قیامت میں اس کا نور بجھا دیا جائے گا۔

اسی باب میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا واقعہ آرہا ہے کہ توریت میں بھی ماں باپ کے اہل تعلق سے محبت رکھنے کی تاکید آئی ہے۔ اس لیے اس کا بڑا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے معاشرہ میں ایسا ہوتا ہے کہ باپ کے انتقال کے بعد باپ کے اہل تعلق کے ساتھ محبت کا جو سلوک کرنا چاہیے وہ نہیں کیا جاتا، اس کا بڑا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ آدمی بہت سی خوبیوں سے محروم ہوجاتا ہے۔

٤١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَيْوَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عُثْمَانَ الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ سے محبت رکھنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

تشریح: ماں باپ کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے اہل تعلق کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے

بَابُ لَا تَقْطَعْ مَنْ كَانَ يَصِلُ أَبَاكَ فَيُطْفَأَ نُورُكَ

٤٢ - أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ لَاحِقٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ الزُّرَقِيُّ، أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا فِي مَسْجِدِ الْمَدِينَةِ مَعَ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ، فَمَرَّ بِنَا عَبْدُ اللهِ

بْنُ سَلَّامٍ مُتَّكِئًا عَلَى ابْنِ أَخِيهِ، فَنَفَذَ عَنِ الْمَجْلِسِ، ثُمَّ عَطَفَ عَلَيْهِ، فَرَجَعَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ: مَا شِئْتَ عَمْرُو بْنَ عُثْمَانَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَوَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ، إِنَّهُ لَفِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، مَرَّتَيْنِ: لَا تَقْطَعْ مَنْ كَانَ يَصِلُ أَبَاكَ فَيُطْفَأَ بِذَلِكَ نُورُكَ .

تمہارے ابا جن کے ساتھ اچھا تعلق رکھتے تھے ان کے ساتھ قطع تعلق نہ کیجیے۔ورنہ تمہارا نور بجھا دیا جائے گا۔

ترجمہ: حضرت عبادہ زرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اسی دوران حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے کا سہارا لیے ہوئے وہاں سے گذرے، اور مجلس سے آگے نکل گئے۔پھر مجلس کی طرف رخ کیا اور اہل مجلس کے پاس آئے اور حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہو کر کے کہنے لگے کہ اے عمرو بن عثمان! جو چاہو کرو (یہ دو تین مرتبہ فرمایا، پھر فرمایا) قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق دے کر بھیجا، یہ بات اللہ تعالی کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ بات اللہ تعالی کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے، کہ تمہارے ابا جس کے ساتھ محبت کا تعلق رکھتے تھے تم ان کے ساتھ تعلق نہ توڑنا ورنہ تمہارا نور بجھا دیا جائے گا۔

تشریح: حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ ہیں، اکابر تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

جب حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مجلس میں آئے تو آپ نے محسوس

کیا کہ حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا جیسا احترام کرنا چاہیے تھا نہیں کیا، اور جب چلتے رہے اور دیکھا کہ حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ توجہ نہیں دے رہے ہیں تو ناراضگی کے ساتھ واپس ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ تم میرے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہو تمہاری مرضی ہے، یعنی تمہارے والد کے ساتھ تعلق ہونے کا لحاظ رکھنا نہ رکھنا تمہاری مرضی، لیکن میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ باپ کے اہل تعلق کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے کیوں کہ کتاب اللہ میں یہ بات آئی ہے کہ باپ کے اہل تعلق سے محبت رکھنا ضروری ہے، ورنہ تمہارا نور بجھا دیا جائے گا۔

یہاں اللہ تعالی کی کتاب سے مراد توریت ہے نہ کہ قرآن مجید۔ نور بجھ جانے کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ عوام الناس میں مقبولیت عامہ نہ رہے گی۔

ماں باپ سے محبت رکھنے والوں کے ساتھ محبت رکھنا یعنی اگر ضرورت مند ہوں تو ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا، اگر بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کرنا، اگر ان کا انتقال ہوجائے تو ان کے جنازے میں شرکت کرنا، اور ماں باپ جو معاملہ ان کے ساتھ کرتے تھے ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا۔ یہ نہ صرف بڑی فضیلت کا کام ہے، بلکہ اس میں کوتاہی کرنے پر بڑی سخت وعید بھی آئی ہے۔

بَابُ الْوُدُّ يُتَوَارَثُ

٤٣ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ فُلَانِ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

كَفَيْتُكَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الْوُدَّ يُتَوَارَثُ".

محبت بھی وراثت میں چلتی ہے

ترجمہ: حضرت ابوبکر بن حزم کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ محبت بھی وراثت میں چلتی ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کی طرف سے اولاد کے اندر بہت سارے اوصاف پیڑھی در پیڑھی (نسل در نسل) منتقل ہوتے رہتے ہیں، محبت بھی اسی قبیل سے ہے کہ ماں باپ کے جن لوگوں کے ساتھ محبت کا تعلق تھا وہ تعلق اولاد میں منتقل ہوتا ہے اور اولاد بھی ان کے ساتھ محبت کا تعلق باقی رکھتی ہے۔

مستدرک الحاکم کی روایت میں یہ ہے:

الْوُدُّ يَتَوَارَثُ وَالْبُغْضُ يَتَوَارَثُ

محبت بھی وراثت میں چلتی ہے اور بغض بھی

یعنی ماں باپ کی جن کے ساتھ بے تعلقی رہی یہی سلسلہ آگے اولاد میں بھی چلتا ہے۔

بَابُ لَا يُسَمِّي الرَّجُلُ أَبَاهُ، وَلَا يَجْلِسُ قَبْلَهُ، وَلَا يَمْشِي أَمَامَهُ

٤٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ زَكَرِيَّا قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَبْصَرَ رَجُلَيْنِ، فَقَالَ لِأَحَدِهِمَا: مَا هَذَا مِنْكَ؟ فَقَالَ: أَبِي، فَقَالَ: لَا تُسَمِّهِ بِاسْمِهِ، وَلَا تَمْشِ أَمَامَهُ، وَلَا تَجْلِسْ قَبْلَهُ.

کوئی شخص نہ اپنے والد کو نام سے پکارے، نہ ان سے پہلے بیٹھے اور نہ ان کے آگے چلے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو دیکھا تو آپ نے ایک سے خطاب کر کے پوچھا کہ یہ تیرے کون ہوتے ہیں؟ کہا کہ یہ میرے ابا ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے تین باتیں ارشاد فرمائیں، پہلی بات اپنے والد کو نام لے کر نہ پکارنا، دوسری بات ان کے آگے نہ چلنا، تیسری بات ان سے پہلے مجلس میں نہ بیٹھنا۔

تشریح: مذکورہ حدیث شریف میں یہ بتلایا ہے کہ والدین کو نام لے کر نہ پکارا جائے، بلکہ جو آداب واحترام کے القاب ہیں مثلاً ابا جان، ابو جی، والد محترم اس طرح کے القاب سے پکارے، اسی طرح اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے میں ان پر سبقت نہ کرے، یہ بھی ان کے آداب اور حقوق میں سے ہے۔

بَابُ هَلْ يُكَنِّي أَبَاهُ؟

٤٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شَيْبَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَحْيَى بْنِ نُبَاتَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه، فَقَالَ لَهُ سَالِمٌ: الصَّلَاةَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ.

کیا اپنے والد کو کنیت سے پکار سکتے ہیں؟

ترجمہ: حضرت شہر بن حوشب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ سالم نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن! نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

تشریح: عرب میں اپنے باپ کو نام کے مقابلے میں کنیت سے پکارنے کو زیادہ ادب سمجھا جاتا ہے۔ تکریم اور احترام کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی آدمی کو نام سے پکارنے کے بجائے اس کو کنیت سے پکارا جائے مثلاً یوں کہے کہ فلانے کے ابا۔

اس حدیث میں سالم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے والد کو نام کے بجائے کنیت سے پکارا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے ایک کا نام عبدالرحمٰن تھا، تو أبو عبد الرحمٰن یعنی ''عبدالرحمٰن کے ابا'' یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

٤٦ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ يَعْنِي: الْبُخَارِيَّ: حَدَّثَنَا أَصْحَابُنَا، عَنْ وَكِيعٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: لَكِنْ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ قَضَى.

یہاں امام بخاری نے ایک دوسری روایت کا ایک ٹکڑا پیش کیا ہے کہ کسی موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی فیصلہ کا تذکرہ کر رہے تھے، تو انہوں نے یوں کہا: لٰكِنْ أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ قَضىٰ ابوحفص عمر نے یہ فیصلہ کیا، گویا انہوں نے بھی اپنے والد کو کنیت سے یاد کیا۔

سالم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، کہتے ہیں عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سب سے زیادہ آپ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے، اور سالم حضرت عبداللہ کی اولاد میں آپ سے بہت مشابہت رکھتے تھے، صورت کے ساتھ ساتھ سیرت میں بھی اپنے والد کے بہت مشابہ تھے، چنانچہ حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ گھر میں سو درہم کے بقدر بھی سامان نہیں، ایک اور مرتبہ گیا تو

دیکھتا ہوں کہ اس سے بھی کم سامان ہے، اور ان کے انتقال کے بعد جب ان کے بیٹے سالم کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بھی زہد میں اپنے والد کے نقش قدم پر ہی ہیں۔

حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور واقعہ ہے ایک مرتبہ وہ کعبہ شریف میں تھے کہ خلیفہ ہشام بھی کعبہ شریف میں داخل ہوا، خلیفہ نے آپ سے کہا کہ مجھ سے کچھ چیز مانگ لو، سالم رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ بیت اللہ میں ہو کر غیر اللہ سے مانگنے میں شرم آتی ہے، جب دونوں باہر آئے تو خلیفہ نے پھر کہا کہ اب مانگو، سالم نے پوچھا کہ کیا مانگوں؟ دنیا کی کوئی ضروت مانگوں یا آخرت کی ضرورت؟ خلیفہ ہشام نے کہا کہ دنیا کی کوئی چیز مانگو، اس پر سالم رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب جواب ارشاد فرمایا کہ دنیا کے مالک (یعنی اللہ تعالیٰ) سے میں نے دنیا کی کوئی چیز نہیں مانگی تو میں کیسے اس شخص سے دنیا مانگوں جو دنیا کا مالک نہیں ہے۔

آپ بہت متواضع تھے، آپ کی عادت تھی کہ ہمیشہ سادہ موٹے کپڑے پہنا کرتے تھے، ایک مرتبہ اسی لباس میں آپ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے گئے، سلیمان نے آپ کی بہت عزت کی اور آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، اس مجلس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ام عاصم ہیں جو عاصم بن عمر رحمہ اللہ کی صاحبزادی ہیں، اس طرح وہ رشتہ میں حضرت سالم کی چچا زاد بہن ہوتی ہیں، تو کسی پرلے درجہ کے آدمی نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو طعنہ دیا کہ کیا تمہارے ماموں کو کوئی اچھا کپڑا ملا ہی نہیں جس کو پہن کر وہ امیر المومنین کے دربار میں حاضر ہوتے؟ اور اس آدمی کے پاس بہت ہی اچھے نفیس کپڑے تھے، عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا کہ میں نہیں دیکھتا کہ میرے ماموں کے کپڑے نے انہیں تیرے درجہ تک پہنچایا، اور یہ بھی نہیں دیکھتا کہ تیرے کپڑے نے تجھے ان کے درجہ تک پہنچا دیا۔

انہی اوصاف کی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان سے بہت محبت کرتے تھے، ان کی محبت اتنی تھی کہ مخفی نہ رہ سکی اور لوگ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو سالم سے اتنی محبت کرنے پر ملامت کرتے تھے، اس پر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

يَلُومونَني في سالِمٍ وأَلُومُهُم ... وجِلْدةُ بين العين والأنْفِ سالمُ

یہ لوگ مجھے سالم سے اتنی محبت کرنے پر ملامت کرتے ہیں، لیکن میں ان کو ملامت کرتا ہوں کہ سالم تو میرا چہیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا نام سالم اس لیے رکھا تھا کہ اولین مسلمانوں میں سالم نامی ایک صحابی تھے جو حافظ قرآن تھے اور جنگ یمامہ جو مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی اس میں شہید ہوئے تھے۔ (سیر أعلام النبلاء)

بَابُ وُجُوبِ صِلَةِ الرَّحِمِ

٤٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا ضَمْضَمُ بْنُ عَمْرٍو الْحَنَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا كُلَيْبُ بْنُ مَنْفَعَةَ قَالَ: قَالَ جَدِّي: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: "أُمَّكَ وَأَبَاكَ، وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ، وَمَوْلَاكَ الَّذِي يَلِي ذَاكَ، حَقٌّ وَاجِبٌ، وَرَحِمٌ مَوْصُولَةٌ".

صلہ رحمی کے وجوب کا بیان

ترجمہ: حضرت کلیب بن منفعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میں کس کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کا معاملہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ، پھر اپنے باپ کے ساتھ، پھر اپنی بہن کے ساتھ، پھر اپنے بھائی کے ساتھ اور پھر اپنے قریبی رشتہ دار کے ساتھ، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے اور ان رشتوں کو جوڑنا بھی ضروری ہے۔

تشریح: حضرت کلیب بن منفعہ رحمہ اللہ اپنے دادا کا واقعہ نقل کر رہے ہیں کہ میرے دادا نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہتا ہوں سب سے پہلے کس کو مقدم کروں؟ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا أمك وأباك الخ، شراح نے لکھا ہے کہ أمك وأباك میں واو عطف کے معنی میں نہیں ہے کہ ماں اور باپ میں سے جس کسی کو مقدم کرنا چاہے اس کی اجازت ہے، بلکہ واو یہاں ثم کے معنیٰ میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں اور باپ کے حقوق ادا کرنے میں ترتیب ہے کہ پہلے ماں کا حق ہے پھر باپ کا پھر دوسرے رشتہ دار بہن، بھائی وغیرہ کا۔

رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی کا کم سے کم درجہ یہ ہے آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرے، خیر خیریت پوچھے اور خوشی کے موقع پر ان کی خوشی میں اور غمی کے موقع پر ان کے غم میں شریک رہے، مدد کی ضرورت ہو تو ان کی امداد کرے، خلاصہ یہ کہ حتی الامکان ان کے حقوق کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔

علماء نے لکھا ہے اگر کوئی رشتہ دار دور رہتا ہو تو خط کے ذریعہ ان کی خیریت معلوم کرنا یہ بھی ان کے حقوق میں سے ہے، آج کل فون کے ذریعہ بھی ان کو سلام کلام کیا جا سکتا ہے اور ان کی خیر خیریت معلوم کی جا سکتی ہے۔

٤٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ٢١٤] قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَى: "يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ. يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ. يَا بَنِي هَاشِمٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ. يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ. يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ﴾ نازل ہوئی "اے نبی! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالی کے عذاب سے ڈرائیے" اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر اپنے قبیلے والوں کا نام لے کر پکارا، اے کعب بن لوی کی اولاد! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے عبد مناف کی اولاد! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، اے بنو ہاشم! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ، اے عبد المطلب کی اولاد! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے فاطمہ بنت محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ، میں اللہ تعالی کے مقابلے میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، البتہ تمہاری میرے ساتھ جو رشتہ داری ہے میں پانی سے اس کی سینچائی کر دوں گا۔

تشریح: حضرت کعب بن لوئی کی اولاد قریش کہلاتی ہے، جب آپ ﷺ نے اپنے خاندان والوں کو اللہ کی طرف بلایا اس وقت آپ صفا پہاڑی پر کھڑے تھے اور اپنے قبیلہ والوں کے نام لے کر پکار رہے تھے کہ اے قریش! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ، یعنی اپنے آپ کو شرک اور کفر سے بچا کر جہنم کے عذاب سے اپنے آپ کو محفوظ کرلو!

عبد مناف حضور اکرم ﷺ کے اجداد میں سے ہیں اور وہ عبد المطلب کے دادا ہوتے ہیں۔

یہاں پر سوال ہوسکتا ہے کہ بہت سی احادیث میں نبی ﷺ کی شفاعت کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کی سفارش کی وجہ سے لوگ جہنم سے بچا لیے جائیں گے، تو اس جملہ کا کیا مطلب رہا کہ لَا أملك لك من الله شيئًا کل قیامت کے دن میں تجھ کو کچھ بھی نفع نہیں پہونچا سکوں گا؟ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی شفاعت برحق ہے، مگر اس شفاعت کے لیے یہ شرط ہے کہ آدمی اہل کلمہ میں سے ہو، اگر ایمان نہیں لایا اور مسلمان نہیں تو نبی ﷺ کی شفاعت اسے نصیب نہیں ہوگی۔

سَأَبُلُّهُمَا بِبِلَالِهَا اس جملہ کا مطلب: بَلَّ يَبُلُّ کے معنی ہیں تر کرنا، اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پانی سے زمین کو سیراب کرنے کی وجہ سے وہ سرسبز وشاداب ہوجاتی ہے، اور سیراب نہ کرنے کی وجہ سے وہ خشک ہوکر معطل ہوجاتی ہے، اسی طرح رشتہ داری کا حال ہے کہ اس کے حقوق کو ادا کریں گے تو وہ تروتازہ رہے گی اور اس سے فائدہ پہونچے گا، اور اگر اس کے حقوق ادا نہیں کریں گے، تو یہ تعلق زمین کی طرح خشک ہوکر ختم ہوجائے گا۔

بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ

٤٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُوسَى بْنَ طَلْحَةَ يَذْكُرُ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه، أَنَّ أَعْرَابِيًّا عَرَضَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيرِهِ، فَقَالَ: أَخْبِرْنِي مَا يُقَرِّبُنِي مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: "تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ".

صلہ رحمی کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے سامنے آکر نبئ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ایسا کام بتلائیے جو مجھے جنت کے قریب کردے اور جہنم سے دور کردے، نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، اور رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔

تشریح: نبی ﷺ نے جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والے چار کام بتلائے ہیں۔ اس حدیث کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی تاکید کرنا ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا نفع بہت زیادہ ہے، سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ اس کی ادائیگی پر جنت جیسی قیمتی جگہ کے ملنے اور جہنم جیسی بھیانک جگہ سے خلاصی کا وعدہ ہے۔

٥٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ،

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي مُزَرِّدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الْخَلْقَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ، فَقَالَ: مَهْ، قَالَتْ: هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ، قَالَ: أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلَى يَا رَبِّ، قَالَ: فَذَلِكَ لَكِ" ثُمَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: اقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ [محمد: ۲۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، اور جب اللہ تعالیٰ اس سے فارغ ہوئے تو رشتہ داری کھڑی ہوئی، تو باری تعالیٰ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیوں کھڑی ہوئی؟ تو اس نے کہا کہ یہ اس شخص کا کھڑا ہونا ہے جو آپ سے اپنے حقوق کے ضائع ہونے کے بارے میں پناہ چاہتا ہے۔ اس پر باری تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھے جوڑے میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھے کاٹے میں اس کو کاٹوں گا، اس پر رشتہ داری نے کہا کہ اے میرے پروردگار! کیوں نہیں! تو باری تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا کہ جا! تجھ کو یہ ضمانت ہے کہ جو تجھے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا، اور جو تجھے کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾

پھر کیا یہ توقع ہے کہ اگر تم کو اقتدار حاصل ہو جائے تو تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کردو۔

تشریح: مذکورہ حدیث شریف سے رشتہ داری کے کھڑے ہونے کا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے کا پتہ چلتا ہے، تو اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ رشتہ داری تو کوئی نظر آنے والی چیز نہیں ہے، یہ تو عرض ہے، اس کا تو کوئی جسم نہیں ہے، وہ تو ایک معنوی چیز

ہے،تو پھر یہ کیسے کھڑی ہوئی؟

علماء نے اس کے چند جوابات دیے ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ رشتہ داری کی طرف سے کوئی فرشتہ کھڑا ہوا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اُس عالم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان معنوی چیزوں کو بھی ان کے مناسب جسم اور بدن عطا کیا گیا ہو، اور رشتہ داری نے اسی جسم میں متشکل اور نمودار ہوکر اپنی بات اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش کی ہو۔

اس درخواست کا خلاصہ یہ ہے کہ اے باری تعالیٰ! تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھے پیدا کر کے میرے حقوق آپ نے متعین کیے ہیں، لیکن لوگ میرے حقوق ادا کریں گے اس کی کوئی ضمانت ملنی چاہیے کہ اگر کسی نے میرے حقوق کو ادا نہیں کیا اس کو کیا سزا ملے گی؟ اور جس نے میرے حقوق کو ادا کیا اس کو کیا انعام ملے گا؟ باری تعالیٰ کی طرف سے یہ ضمانت دی گئی کہ جو تیرے حقوق کو ادا کرے گا اس کو میں اپنے سے جوڑوں گا، اور جو تیرے حقوق کو ضائع کرے گا میں اس کو اپنے سے کاٹوں گا، اس ضمانت پر تو خوش ہے یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی اور چیز چاہیے؟ اس نے کہہ دیا کہ میں اس پر راضی ہوں۔ تو باری تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا کہ جاؤ تم کو یہ ضمانت ہے۔

رشتہ داری ایک تعلق ہے جو انسانوں کے درمیان قائم کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی ساری رشتہ داریاں اس کے ساتھ جڑ جاتی ہیں، باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں یہ سارے رشتے پیدا ہوتے ہی بچے کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رشتہ داری کو پیدا کیا تو اس کے حقوق بھی اللہ تعالیٰ نے متعین کردیے، بیٹے کو حکم دیا کہ باپ کے حقوق ادا

کرے، باپ کو حکم دیا کہ بیٹے کے حقوق ادا کرے، بھائی کو حکم دیا کہ دوسرے بھائیوں کے حقوق میں کوتاہی نہ کرے۔ اسی طرح سارے رشتہ داروں کو حکم دیا کہ جو حقوق متعین ہیں ان میں کوتاہی نہ کرے۔

عام طور پر انہی رشتوں کو نبھانے میں کوتاہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی قطع رحمی کی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ اپنے خاندان والوں سے، بھائیوں سے اور دوسرے رشتہ داروں سے جھگڑے شروع ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی ان کو سمجھاتا ہے تو وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

بہر حال ایسے لوگوں کے لیے بہت سخت وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

٥١ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي سَعْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ. . .﴾ [الإسراء: ٢٦]، قَالَ: بَدَأَ فَأَمَرَهُ بِأَوْجَبِ الْحُقُوقِ، وَدَلَّهُ عَلَى أَفْضَلِ الْأَعْمَالِ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَقَالَ: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾ [الإسراء: ٢٦]، وَعَلَّمَهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ شَيْءٌ كَيْفَ يَقُولُ، فَقَالَ: ﴿وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا﴾ [الإسراء: ٢٨] عِدَةً حَسَنَةً كَأَنَّهُ قَدْ كَانَ، وَلَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ إِنْ شَاءَ اللهُ، ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ﴾ [الإسراء: ٢٩] لَا تُعْطِي شَيْئًا، ﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ [الإسراء: ٢٩]

تُعْطِي مَا عِنْدَكَ، ﴿فَتَقْعُدَ مَلُومًا﴾[الإسراء: ٢٩] يَلُومُكَ مَنْ يَأْتِيكَ بَعْدُ، وَلَا يَجِدُ عِنْدَكَ شَيْئًا ﴿مَحْسُورًا﴾ [الإسراء: ٢٩]، قَالَ: قَدْ حَسَّرَكَ مَنْ قَدْ أَعْطَيْتَهُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿وَآتِ ذَاالْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾ (رشتہ داروں، اور مسکین، اور مسافر کو ان کا حق دیجیے) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس آیت سے پہلے والی آیت ﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (اور حکم دیا اللہ تعالی نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو) میں سب سے زیادہ اہم اور لازم حق سے ابتدا فرمائی، پھر اللہ تعالی نے سب سے افضل عمل کی طرف رہنمائی فرمائی کہ رشتہ داروں، اور مسکین، اور مسافر کو ان کا حق دیجیے۔ یہ تو اس وقت ہے جب مال ہو۔ اور اگر دینے کے واسطے کچھ نہیں تو اللہ تعالی نے اس کی بھی تعلیم دی کہ کس طرح غرباء کو جواب دیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ

﴿وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا﴾

اگر کسی وقت تمہارے پاس ان لوگوں کو دینے کے لیے مال نہ ہو اور اس لیے تم کو اس رزق کے انتظار میں جس کی اپنے پروردگار سے توقع ہو اس کے نہ آنے تک ان سے پہلو تہی کرنا پڑے تو اتنا خیال رکھنا کہ ان سے نرمی کی بات کہہ دینا یعنی دلجوئی کے ساتھ ان سے وعدہ کر لینا کہ ان شاء اللہ تعالی کہیں سے آئے گا تو دیں گے۔ دل آزار جواب مت دینا۔

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ﴾

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لو کہ انتہائی بخل سے بالکل ہاتھ کو خرچ کرنے سے روک لو۔

﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾

اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہیے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کر کے اسراف کیا جائے۔

﴿فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾

ورنہ الزام خوردہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔

تشریح: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن پاک کی آیت ﴿وآت ذی القربیٰ﴾ الخ کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں کہ تمہارے رشتہ دار اپنی ضرورت کو لے کر تمہارے پاس آئیں اور تمہارے پاس مال موجود ہے تو تمہارے ذمہ واجب ہے کہ ان کی مدد کریں، اور اگر تمہارے پاس ان کو دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے تو ان کو بھلی بات کہیں۔ بھلی بات کا مطلب یہ ہے کہ اچھے انداز میں جھڑکے بغیر اچھا وعدہ کرے، وعدہ کے لیے بھی محبت والی زبان استعمال کرے جیسے یہ کہے کہ بھائی! امید ہے ان شاء اللہ تعالیٰ کچھ آ جائے گا، فلاں جگہ سے کچھ آنے والا ہے، جب آ جائے گا تو آپ کا خیال کریں گے، اس طرح کہہ کر ان کو تسلی دے۔

اس کے بعد آگے اللہ تعالیٰ مال خرچ کرنے کا طریقہ بتلا رہے ہیں کہ مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا پسندیدہ عمل ہے، مگر اس میں بھی اعتدال کو لازم پکڑے، ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ پیسے جمع کر کے بیٹھا رہے اور کسی کو کچھ نہ دے کہ لوگ طعن وتشنیع کرنے لگیں اور ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بغیر سوچے سمجھے سارا ہی مال خرچ کر بیٹھے جس کے نتیجہ میں کچھ دن بعد آدمی زیادہ خرچ کرنے پر نادم اور پشیمان ہو جائے، شریعت مطہرہ نے اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے اور اسی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بَابُ فَضْلِ صِلَةِ الرَّحِمِ

٥٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ،

عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي قَرَابَةً أَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُونَ، وَأُحْسِنُ إِلَيْهِمْ وَيُسِيئُونَ إِلَيَّ، وَيَجْهَلُونَ عَلَيَّ وَأَحْلُمُ عَنْهُمْ، قَالَ: "لَئِنْ كَانَ كَمَا تَقُولُ كَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ، وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلَى ذَلِكَ".

صلہ رحمی کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے کچھ ایسے رشتہ دار ہیں جن کا میں تو حق ادا کرتا ہوں مگر وہ میرا حق ادا نہیں کرتے، میں ان کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی سے پیش آتا ہوں، مگر وہ میرے ساتھ برائی اور جہالت کا معاملہ کرتے ہیں اور میں بردباری اور تحمل سے کام لیتا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: اگر تمہاری یہ بات صحیح ہے تو پھر گویا تم ان کو گرم راکھ کھلا رہے ہو، اور جب تک تم بردباری اور تحمل سے کام لیتے رہو گے تو اللہ تعالی کی مدد تمہارے ساتھ برابر باقی رہے گی۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا اچھا معاملہ کرنے کے باوجود کوئی تمہارے ساتھ برا معاملہ کرے تو کچھ پچھتانے کی ضرورت نہیں ہے، تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اسی کو لازم پکڑو، ان شاء اللہ خدا کی مدد تمہارے ساتھ رہے گی، اور اگر اس طریقہ کو تم چھوڑ دو گے تو اللہ تعالی کی مدد تم سے ہٹ جائے گی۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دنوں تک آدمی اپنے ساتھ برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے، اور پھر تھک کر بھلائی کرنا چھوڑ دیتا ہے اور لوگ بھی اس کو

کہتے ہیں کہ جو تمہارے ساتھ برائی کر رہا ہے اس کے ساتھ تم کب تک بھلائی کرتے رہو گے؟ تم ایک مدت سے اس کے حقوق ادا کر رہے ہو پھر بھی وہ تمہارے حقوق ضائع کر رہا ہے، ایسا کب تک چلے گا؟

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم یہی ہے کہ جو کوئی ہمارے ساتھ برائی سے پیش آئے ہم اس کے ساتھ اچھائی سے پیش آئیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ، وَأَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ، وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ

جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرو، اور جو شخص تم کو نہ دے پھر بھی تم اس کو دو اور جو تم پر ظلم و زیادتی کرے تو اس کو معاف کر دو (مسند احمد)

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک جگہ تشریف فرما تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے کہ ایک آدمی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خاموشی سے سنتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ منظر دیکھ کر مسکراتے رہے۔ جب بات بڑھ گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی جواب دینا شروع کیا، اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پیچھے تشریف لائے اور آپ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! جب وہ شخص گالی گلوچ کر رہا تھا اور میں بالکل خاموش بیٹھا رہا اس وقت تک آپ برابر میری طرف متوجہ تھے، لیکن جیسے ہی میں نے اس کو جواب دینا شروع کر دیا آپ اٹھ کر تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک آپ خاموش تھے تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اس کا جواب دیتا رہا، لیکن جب آپ نے بولنا شروع کر دیا تو شیطان مجلس

میں آ گیا اور میں ایسی مجلس میں نہیں بیٹھتا جس میں شیطان ہوتا ہے(مسند بزار)

٥٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا الرَّدَّادِ اللَّيْثِيَّ أَخْبَرَهُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رضي الله عنه، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا الرَّحْمَنُ، وَأَنَا خَلَقْتُ الرَّحِمَ، وَاشْتَقَقْتُ لَهَا مِنَ اسْمِي، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ ".

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میں رحمٰن ہوں اور میں نے رحم یعنی رشتہ داری کو پیدا کیا، میں نے اپنے نام میں سے اسکا نام بنایا، جو رشتہ داری کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے نام رحمٰن کے اندر بنیادی حروف ر، ح، م ہیں۔ ان بنیادی حروف کو عربی زبان میں مادۂ اصلیہ کہتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے رَحِم (رشتہ داری کا نام) اپنے نام سے بنایا، عربی زبان میں رشتہ داری کے لیے لفظ رحم بولا جاتا ہے اور لفظ رحم اصل میں بچہ دانی کو کہتے ہیں، اور رشتہ داری کو رحم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بچہ دانی اصل میں ساری رشتہ داریوں کی جڑ ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ ہماری طرف سے صلہ رحمی کا اہتمام ہونا چاہیے۔

٥٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ أَبِي الْعَنْبَسِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

رضي الله عنه فِي الْوَهْطِ - يَعْنِي أَرْضًا لَهُ بِالطَّائِفِ - فَقَالَ: عَطَفَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِصْبَعَهُ فَقَالَ: "الرَّحِمُ شجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ، مَنْ يَصِلْهَا يَصِلْهُ، وَمَنْ يَقْطَعْهَا يَقْطَعْهُ، لَهَا لِسَانٌ طَلْقٌ ذَلْقٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

ترجمہ: حضرت ابی عنبس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایک زمین شہر طائف کے مقام وھط میں تھی، میں وہاں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے سامنے اپنی انگلی یوں موڑی اور فرمایا کہ رحم رحمٰن ہی کا ایک حصہ ہے، جو شخص رشتہ داری کو جوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو جوڑے گا اور جو رشتہ داری کو کاٹے گا اللہ تعالیٰ اس کو کاٹے گا۔ اور قیامت کے روز اس رشتہ داری کو بڑی شیریں اور فصیح و بلیغ زبان عطا کی جائے گی (اور وہ اپنی اس فصیح زبان کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں اپنی بات پیش کرے گی)

تشریح: حدیث شریف میں لفظ شجنۃ آیا ہے، عربی زبان میں شجنۃ درخت کی الجھی ہوئی شاخوں کو کہتے ہیں، الرَّحِمُ شجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ رحم اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام رحمٰن ہی کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رشتہ داری کا خصوصی تعلق میرے ساتھ ہونے کی وجہ سے جو شخص رشتہ داری کو جوڑے گا میں اس کو جوڑں گا اور جو شخص رشتہ داری کو کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا۔

٥٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي مُزَرِّدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ الله عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ اللهِ، مَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ الله، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ الله".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

کہ رحم یعنی رشتہ داری اللہ تعالیٰ کے اثر اور نشانی میں سے ہے جس نے اس کو جوڑا اس کو اللہ تعالیٰ جوڑے گا اور جس نے اس کو کاٹا اللہ تعالیٰ بھی اس کو کاٹے گا۔

بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ تَزِيدُ فِي الْعُمْرِ

٥٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَقِيلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی روزی میں کشادگی ہو، اور اس کے نقوش پا دیر تک رہیں یعنی عمر میں زیادتی ہو، تو اس کو چاہیے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے روزی میں کشادگی اور عمر میں اضافے کا ایک بہترین علاج بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ رشتہ داری کا حق ادا کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

آج کل بہت سے لوگ روزی کی کشادگی کے لیے وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں، لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے جو وظیفہ بتلایا ہے اس کو اپنانے کے لیے تیار نہیں۔

٥٧ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْنٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی روزی میں برکت اور کشادگی ہو اور اس کی عمر میں اضافہ ہو تو اس کو چاہیے کہ رشتہ داری کا حق ادا کرے۔

بَابُ مَنْ وَصَلَ رَحِمَهُ أَحَبَّهُ أَهْلُهُ

٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مَغْرَاءَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: مَنِ اتَّقَى رَبَّهُ، وَوَصَلَ رَحِمَهُ، نُسِّئَ فِي أَجَلِهِ، وَثَرَى مَالُهُ، وَأَحَبَّهُ أَهْلُهُ .

جو آدمی صلہ رحمی کرے گا اس کے خاندان والے اس سے محبت کریں گے

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالی سے ڈرے اور رشتہ داری کا حق ادا کرے اس کی عمر میں اضافہ ہوگا، اس کے مال میں زیادتی ہوگی اور اس کے خاندان والے اس سے محبت کریں گے۔

٥٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي مَغْرَاءُ أَبُو مُخَارِقٍ هُوَ الْعَبْدِيُّ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَنِ اتَّقَى رَبَّهُ، وَوَصَلَ رَحِمَهُ، أُنْسِئَ لَهُ فِي عُمْرِهِ، وَثَرَى مَالُهُ، وَأَحَبَّهُ أَهْلُهُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالی سے ڈرے اور رشتہ داری کا حق ادا کرے اس کی عمر میں اضافہ ہوگا، اس کے مال میں زیادتی ہوگی اور اس کے خاندان والے اس سے محبت کریں گے۔

بَابُ بِرِّ الْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ

٦٠ - حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، عَنْ بَحِيرٍ، عَنْ

خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ رضي الله عنه، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ اللهَ يُوصِيكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ، ثُمَّ يُوصِيكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ، ثُمَّ يُوصِيكُمْ بِآبَائِكُمْ، ثُمَّ يُوصِيكُمْ بِالْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ".

حسب مراتب قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ترجمہ: حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشادفرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ تم کواپنی ماؤں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ تم کواپنی ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ تم کوتمہارے باپوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے، اس کے بعد جورشتہ داری جتنی قریب ہواسی کے مناسب اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

تشریح: رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی میں بھی جس کا رشتہ جتنا زیادہ قریب ہےاس کا حق بھی اتناہی زیادہ ہوگا دوروالے رشتہ دار کے مقابلے میں۔

٦١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْخَزْرَجُ بْنُ عُثْمَانَ أَبُو الْخَطَّابِ السَّعْدِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو أَيُّوبَ سُلَيْمَانُ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ: جَاءَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَشِيَّةَ الْخَمِيسِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: أُحَرِّجُ عَلَى كُلِّ قَاطِعِ رَحِمٍ لَمَا قَامَ مِنْ عِنْدِنَا، فَلَمْ يَقُمْ أَحَدٌ حَتَّى قَالَ ثَلَاثًا، فَأَتَى فَتًى عَمَّةً لَهُ قَدْ صَرَمَهَا مُنْذُ سَنَتَيْنِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا، فَقَالَتْ لَهُ: يَا ابْنَ أَخِي، مَا جَاءَ بِكَ؟ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَقُولُ كَذَا وَكَذَا، قَالَتِ: ارْجِعْ إِلَيْهِ فَسَلْهُ: لِمَ قَالَ ذَاكَ؟ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ تُعْرَضُ عَلَى اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَشِيَّةَ كُلِّ خَمِيسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَلَا يَقْبَلُ عَمَلَ قَاطِعِ رَحِمٍ".

ترجمہ: حضرت ابوایوب سلیمان رحمہ اللہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جمعرات کی شام ہمارے پاس تشریف لائے، لوگ بیٹھے ہوئے تھے، آکر فرمانے لگے کہ ہر وہ آدمی جس نے رشتہ داری کا حق ادا نہ کیا ہو میں اس کو قسم دیتا ہوں کہ وہ ہماری مجلس سے اٹھ جاوے، کوئی اٹھا نہیں، تو آپ نے تین مرتبہ یہ بات کہی کہ جس شخص نے بھی اپنی رشتہ داری کا حق ادا نہیں کیا وہ یہاں سے اٹھ جائے، وہاں سے اٹھنے کے لیے کہا اور ہٹانا چاہا، تین مرتبہ جب کہا تو فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان اٹھا اور اپنی پھوپھی کے پاس گیا، دو سال سے اس نے اپنی پھوپھی کے ساتھ قطع تعلق کر رکھا تھا، جا کر معافی مانگی، پھوپھی نے پوچھا کہ بھتیجا! کونسی بات پیش آئی جس کی وجہ سے تم معافی مانگ رہے ہو، دو سال تک تو تم آئے نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آج ہماری مجلس میں آئے اور انہوں نے یہ بات کہی کہ جس نے بھی قطع رحمی کی ہو وہ اس مجلس سے اٹھ جاوے، تین مرتبہ کہا، تو پھر پھوپھی نے کہا کہ جاؤ تم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان سے پوچھو کہ تم نے ایسا کیوں کہا؟ چنانچہ وہ نوجوان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا تو جواب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ انسانوں کے اعمال ہر جمعرات کی شام کو، یعنی جمعہ کی شب میں اللہ تعالی کے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں، جس شخص نے رشتہ داری کا حق ادا نہ کیا ہو، قطع رحمی کی ہو تو اس کے اعمال اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔

٦٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ جَابِرٍ الْحَنَفِيُّ، عَنْ آدَمَ بْنِ عَلِيٍّ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه: مَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى نَفْسِهِ وَأَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا إِلَّا آجَرَهُ اللهُ تَعَالَى فِيهَا، وَابْدَأْ بِمَنْ

تَعُولُ، فَإِنْ كَانَ فَضْلًا فَالْأَقْرَبَ الْأَقْرَبَ، وَإِنْ كَانَ فَضْلًا فَنَاوِلْ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ آدمی جو کچھ بھی اپنی ذات اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثواب کی امید رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں بھی ثواب عطا فرماتا ہے، اور خرچ کرنے میں ابتدا اس سے کرو جس کی ذمہ داری تم پر ہے، اس کے بعد بھی بچ جائے تو جو رشتہ دار جتنا زیادہ قریب ہو اسی حساب سے اس پر خرچ کرو، اس کے بعد بھی بچ جائے تو اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرو۔

تشریح: مذکورہ حدیث سے چند چیزیں معلوم ہوئیں:

آدمی اپنی ذات پر، اسی طرح اپنی بیوی بچوں پر جو کچھ خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔

جن کے حقوق مقدم ہیں سب سے پہلے ان کے نان ونفقہ کو ادا کرے، مثلاً سب سے پہلے اپنی بیوی بچوں کے حقوق ادا کرے، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد اگر مال بچ جائے تو اس سے دوسروں کے حقوق کو ادا کیا جائے، اس کے بعد بھی مال بچ جائے تو پھر دوسرے نیکی کے کاموں میں خرچ کرے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے دوسرے امور میں بھی سب سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کرے اور پھر اپنے گھر والوں کی اور پھر عام لوگوں کی۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمارا معاملہ الٹا ہے کہ پہلے ہم دوسروں کی بہت فکر کرتے ہیں، اور خود کو اور اپنے گھر والوں کو بھول جاتے ہیں۔ ہم دوسروں کے بارے میں تو ہر وقت فتوی پوچھتے رہتے ہیں مثلاً فلاں شخص ہر سال رمضان میں عمرہ کے لیے جاتا ہے حالانکہ اس کے رشتہ دار بہت زیادہ ضرورت مند ہیں تو اس کا عمرہ صحیح ہوگا کہ نہیں، اس کو کونسا کام مقدم

کرنا چاہیے۔ ایسے فتوی پوچھنے والوں سے میں کہتا ہوں کہ اس کام میں مت پڑو، اس لیے کہ عمرہ میں جاکر اس نے کوئی گناہ کا کام تو نہیں کیا ہے۔ اور اس پر مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی پوچھنے والا شخص کبھی اپنے یہاں شادی وغیرہ میں جو فضول خرچی ہوتی ہے اس کے بارے میں ہرگز نہیں پوچھتا کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔

ہاں، جو لوگ عمرہ وغیرہ کے لیے جاتے ہیں، اسی طرح جو لوگ بہت زیادہ خیرات کرتے ہیں ان کو پہلے معلوم کرنا چاہیے کہ میرے لیے کس کام میں زیادہ ثواب ہے۔ میرے کچھ رشتہ دار محتاج بھی ہیں، تو میرے لیے بہتر کیا ہے: عمرہ کرنا، خیرات کرنا یا اپنے ان ضرورت مند رشتہ داروں کی ضرورت پوری کرنا۔

ہر کام سے پہلے استحضار ہو اور استحضار کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے چھوٹے بڑے، دنیوی اخروی، ہر کام خالص اللہ تعالی کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہوں۔

استحضار لانے کا طریقہ: ہر کام کرنے سے پہلے تھوڑی دیر سوچے کہ میں یہ کام کیوں کر رہا ہوں اور پھر اپنے دل سے کہے کہ یہ کام میں محض اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لیے کر رہا ہوں، چند مرتبہ اس طرح مشق کرنے سے ہمارا ہر کام خالص اللہ کے لیے ہو جائے گا، ہمارے جتنے بڑے گزرے ہیں انہوں نے اپنا ہر کام اللہ کے لیے ہو اس کی ایک مدت تک مشق کی ہے، ان میں سے ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک مدت تک اس کی مشق کی کہ میرا ہر کام اللہ تعالی کے لیے ہو جائے، مثلاً جب بھی گھر میں آتا اور کھانے کے لیے بیٹھتا تو بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ کھانے کی طرف بڑھانے سے پہلے اپنے آپ سے یہ سوال کرتا کہ میں کھانا

کیوں کھا رہا ہوں؟ اور پھر اپنے آپ کو سمجھاتا کہ میں اس وجہ سے کھا رہا ہوں کہ بھوک لگی ہے، اور بھوک کے وقت شریعت نے کھانے کا حکم دیا ہے۔ اور چند دنوں تک اس کی مشق کی تو دھیرے دھیرے ہر وقت یہ سوچ جم گئی کہ میں یہ کھانا اللہ کے لیے کھا رہا ہوں، اسی طرح گھر میں جب پہنچتا تو گھر کے بچے سامنے آتے اور جی چاہتا کہ فوراً بچوں کو اٹھا کر پیار کروں لیکن بچوں کو اٹھانے سے پہلے سوچتا کہ میں ان کو کیوں پیار کر رہا ہوں؟ اور پھر اپنے جی میں کہتا کہ میں اس لیے پیار کر رہا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی بچوں کو پیار کرتے تھے، میں آپ ﷺ کی اتباع میں ان کو پیار کر رہا ہوں۔

باب لا تنزل الرحمة على قوم فيهم قاطع رحم

٦٣ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ أَبُو إِدَامٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى يَقُولُ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الرَّحْمَةَ لَا تَنْزِلُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ".

ایسی قوم پر رحمت نہیں اترتی ہے جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی قوم پر اللہ تعالی کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں ایک بھی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔

تشریح: پوری قوم میں اگر ایک بھی شخص قطع رحمی کرنے والا موجود ہو تو اس کی وجہ سے پوری قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی۔ میں کہا کرتا ہوں کہ آج کل تو گھر گھر میں قطع رحمی کرنے والے موجود ہیں تو پھر اللہ کی رحمت کیسے نازل ہوگی، آپ

حسن سلوک کا اہتمام کیجیے چاہے دوسرے لوگ آپ کا حق ادا کریں یا نہ کریں، آپ اپنی طرف سے جتنا ہو سکے اپنی ذمہ داری ادا کرتے رہیں اور اس کی فکر نہ کریں کہ میرے رشتہ دار میرے حقوق ادا کر رہے ہیں یا نہیں، اس لیے کہ اس حسن سلوک پر کبھی بھی پشیمانی نہیں ہوگی، ہاں اس شخص کو فکر ہونی چاہیے جو اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر رہا ہے۔

بَابُ إِثْمِ قَاطِعِ الرَّحِمِ

٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَقِيلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، أَنَّ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ رضي الله عنه أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ".

رشتہ داروں کے ساتھ قطع رحمی کے گناہ کے بارے میں

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح: جو آدمی رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرتا ہو اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک نہ کرتا ہو تو جب تک کہ وہ اپنے گناہ کی سزا جہنم میں نہ بھگتے اور اس گناہ سے پاک صاف نہ ہو جائے وہاں تک جنت میں نہیں جائے گا، اس سے اندازہ لگاؤ کہ یہ کتنا سنگین گناہ ہے جو آدمی کو جنت میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔

٦٥ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ كَعْبٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يُحَدِّثُ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الرَّحِمَ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ، تَقُولُ: يَا رَبِّ، إِنِّي ظُلِمْتُ، يَا رَبِّ، إِنِّي قُطِعْتُ، يَارَبِّ، إِنِّي إِنِّي، يَارَبِّ، يَارَبِّ. فَيُجِيبُهَا: أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ، وَأَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ؟".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم یعنی رشتہ داری اللہ تعالیٰ کے نام رحمن کے آثار میں سے ہے، یہ رشتہ داری کہے گی اے میرے رب! مجھ پر ظلم کیا گیا، اے میرے رب مجھے توڑا گیا، تو اس کو اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے توڑے گا اس کو میں توڑوں گا اور جو تجھے جوڑے گا اس کو میں جوڑوں گا۔

تشریح: شجنۃ اصل میں کہتے ہیں درخت کی وہ شاخیں جو آپس میں الجھی ہوئی ہوں، گویا اس حدیث سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رشتہ داری لفظ رحم سے بنا ہے اور رحم ہی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسم مبارک رحمٰن بنا ہے۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوگا کہ قیامت کے دن رشتہ داری اس شخص کے بارے میں شکایت کرے گی جس نے اس کے حقوق ضائع کردیئے۔

پچھلی روایت میں آچکا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بڑی شیریں اور فصیح زبان عطا فرمائے گا اور وہ اپنی اس زبان سے اللہ تعالیٰ کے حضور ان لوگوں کی شکایت کرے گی جنہوں نے اس کے حقوق کو ضائع کردیا اور ان لوگوں کے بارے میں سفارش کرے گی جنہوں نے اس کے حقوق کو ادا کیا۔

یہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ رشتہ داری تو معنوی چیز ہے اس کا تو کوئی جسم نہیں ہے تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں کس طرح شکایت کرے گی؟ اس لیے کہ شکایت کے لیے تو زبان ہونا ضروری ہے اور اس کے پاس تو زبان ہے نہیں، تو شارحین نے اس اشکال کے چند جوابات دیئے ہیں۔

ان میں سے ایک جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی طرف سے کسی فرشتے کو مقرر کرے گا جو اس کی شکایت اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرے گا، اور دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ رشتہ داری کو اس عالم کے مناسب کوئی جسم دیا جائے گا اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے حضور شکایت کرے گی۔

٦٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سَمْعَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَتَعَوَّذُ مِنْ إِمَارَةِ الصِّبْيَانِ وَالسُّفَهَاءِ. فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ سَمْعَانَ رحمه الله تعالى: فَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَسَنَةَ الْجُهَنِيُّ رحمه الله أَنَّهُ قَالَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه: مَا آيَةُ ذَلِكَ؟ قَالَ: أَنْ تُقْطَعَ الْأَرْحَامُ، وَيُطَاعَ الْمُغْوِي، وَيُعْصَى الْمُرْشِدُ.

ترجمہ: حضرت سعید ابن سمعان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ نوعمروں اور کم عقلوں کی سرداری سے پناہ چاہتے تھے۔ حضرت سعید ابن سمعانؒ کہتے ہیں کہ ابن حسنہ الجھنی نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نوعمروں اور کم عقلوں کے اقتدار کی علامت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ (اس کی نشانی یہ ہے کہ) رشتہ داری کو توڑا جائے اور گمراہ کرنیوالے کی اطاعت کی جائے اور راہ راست بتلانے والے کی نافرمانی کی جائے۔

تشریح: نوعمروں اور کم عقلوں کی سرداری سے پناہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ وقت نہ آئے جس میں حکومت اور اقتدار نوعمروں اور ناواقف لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے، اور وہ لوگ انصاف کے بجائے ظلم اور بے انصافی کا معاملہ کرنے لگیں

بَابُ عُقُوبَةِ قَاطِعِ الرَّحِمِ فِي الدُّنْيَا

٦٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عُيَيْنَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ ذَنْبٍ أَحْرَى أَنْ يُعَجِّلَ اللهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ، مِنْ قَطِيعَةِ الرَّحِمِ وَالْبَغْيِ".

جو شخص قطع رحمی کرے اس کی دنیا میں سزا

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو گناہ ایسے ہیں جس کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی، ایک تو قطع رحمی اور دوسرا سرکشی اور ظلم۔

تشریح: قطع رحمی اور ظلم یہ دونوں ایسے گناہ ہیں کہ ان کے کرنے والوں پر آخرت کی سزا تو اپنی جگہ طے ہے ہی، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے محفوظ نہیں ہے۔

بَابُ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ

٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ،

وَالْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو، وَفِطْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه - قَالَ سُفْيَانُ لَمْ يَرْفَعْهُ الْأَعْمَشُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَفَعَهُ الْحَسَنُ وَفِطْرٌ - عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا".

برابری کا بدلہ دینے والا حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا نہیں

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص برابری کا معاملہ کرنے والا ہے وہ درحقیقت رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرنے والا نہیں، حقیقت میں رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے والا وہ شخص ہے جو اس کے ساتھ قطع رحمی کرے اس کے ساتھ بھی وہ صلہ رحمی کا معاملہ کرے۔

تشریح: آج کل ہمارا یہ مزاج بن گیا ہے کہ جو ہمارے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہے ہم اسی کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے، یہ نبوی تعلیمات کے خلاف ہے، نبوی تعلیم تو یہ ہے کہ جو ہمارے حقوق ضائع کرے اس کے باوجود بھی ہم ان کے حقوق ادا کریں، اور اگر ہمارے ساتھ کوئی احسان کا معاملہ کرتا ہے، تو ہی اس کے ساتھ ہم بھی احسان کا معاملہ کریں تو گویا ہم اپنے احسان کا بدلہ دنیا میں دے رہے ہیں، مؤمن کا مقصد تو آخرت ہونا چاہیے، وہ جو بھی کام کرتا ہے آخرت کے لیے کرتا ہے اور آخرت کے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہے، اس لیے کہ دنیا والے تو ایک حساب سے دیں گے، اللہ تعالی کی ذات ایسی ہے جو بے حساب دیتی ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

بَابُ فَضْلِ مَنْ يَصِلُ ذَا الرَّحِمِ الظَّالِمِ

٦٩ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْسَجَةَ، عَنِ الْبَرَاءِ رضى الله عنه قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، عَلِّمْنِي عَمَلًا يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، قَالَ: "لَئِنْ كُنْتَ أَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ لَقَدْ أَعْرَضْتَ الْمَسْأَلَةَ، أَعْتِقِ النَّسَمَةَ، وَفُكَّ الرَّقَبَةَ" فَقَالَ: أَوَ لَيْسَتَا وَاحِدًا؟ قَالَ: "لَا، عِتْقُ النَّسَمَةِ أَنْ تَعْتِقَ النَّسَمَةَ، وَفَكُّ الرَّقَبَةِ أَنْ تُعِينَ عَلَى الرَّقَبَةِ، وَالْمَنِيحَةُ الرَّغُوبُ، وَالْفَيْءُ عَلَى ذِي الرَّحِمِ، فَإِنْ لَمْ تُطِقْ ذَلِكَ، فَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ، وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، فَإِنْ لَمْ تُطِقْ ذَلِكَ، فَكُفَّ لِسَانَكَ إِلَّا مِنْ خَيْرٍ".

اپنے ظالم رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ترجمہ: حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ دیہات کا رہنے والا ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ایسا عمل بتلا دیجیے جس پر عمل کر کے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ اگر چہ بات تو نے بڑی مختصر کی ہے لیکن اس کا مضمون بڑا لمبا چوڑا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا غلام کو آزاد کر اور گردن کو چھڑا، اس دیہاتی نے پوچھا یہ دونوں عمل جو آپ نے ارشاد فرمائے یہ دونوں ایک نہیں ہیں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، غلام کو آزاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم پورا غلام خرید کر آزاد کرو، اور گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام کی آزادی میں صرف حصہ لو (آگے تیسری بات ارشاد فرمائی کہ) بہت دودھ دینے والے جانور کو عاریت پر دے، اور رشتہ دار کو مال غنیمت میں سے حصہ دے۔ اگر تیرے اندر اس کی طاقت نہیں ہے تو

بھلی بات کا حکم کر اور بری بات سے روک، اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو اپنی زبان کو بری بات سے محفوظ رکھ اور اچھی بات کہہ۔

تشریح: اگر کوئی رشتہ دار ظلم اور زیادتی کرتا ہے پھر بھی آدمی اس کے حقوق کو ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہے تو یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے، اسی کو اس حدیث میں بتلایا ہے۔

گردن چھڑانے میں حصہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام نے اپنے آقا کے ساتھ عقد کتابت کیا ہے کہ وہ اتنی رقم ادا کردے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا، اب اس رقم کی ادائیگی میں اور لوگ بھی مدد کرتے ہیں، تو یہ بھی گردن چھڑانے میں شامل ہوگا۔

عربی زبان میں دودھ کے لیے بطور عاریت جو جانور دیا جاتا ہے اس کو "الْمَنِيحَةُ" کہتے ہیں، اور الرَّغُوبُ کے معنی ہیں بہت زیادہ دودھ دینے والا جانور، یہ عمل بھی ان اعمال میں سے ہے جو آدمی کو جنت میں لے جائے گا۔

اس حدیث میں ظالم رشتہ دار کا لفظ نہیں آیا ہے، لیکن یہ روایت دوسری کتب حدیث میں بھی مروی ہے، ان میں لفظ ظالم آیا ہے۔

بَابُ مَنْ وَصَلَ رَحِمَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ثُمَّ أَسْلَمَ

٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ رضى الله عنه أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، مِنْ صِلَةٍ، وَعَتَاقَةٍ، وَصَدَقَةٍ، فَهَلْ لِي فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ حَكِيمٌ: قَالَ رَسُولُ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَتْ مِنْ خَيْرٍ".

جس نے زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی کی ہو پھر وہ شخص مسلمان ہوا

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں آپ نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! زمانۂ کفر میں جو میں نیکی کے کام کرتا تھا، صلہ رحمی کرنا، غلاموں کو آزاد کرنا اور اللہ تعالی کے راستے میں صدقہ کرنا وغیرہ وغیرہ، مجھے ان نیک کاموں پر ثواب ملے گا؟ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا انہی اعمال کی برکت سے تم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔

تشریح: مذکورہ حدیث کے تین مطلب بیان کیے ہیں:

۱) زمانۂ جاہلیت میں جو نیک کام آدمی کرتا ہے مثلاً اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، غلام کو آزاد کرنا، صدقہ کرنا وغیرہ اس کے بعد وہ اسلام لاتا ہے تو انہی اعمال کی برکت سے اسلام قبول کرنے کی توفیق ملتی ہے۔

۲) اسلام لانے سے پہلے جو نیک کام کیے تھے اسلام لانے کے بعد اللہ تعالی ان اعمال کا بھی اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

۳) ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کی توفیق ملنا یہ پہلی نیکی کے قبول ہونے کی علامت ہے۔

بَابُ صِلَةِ ذِي الرَّحِمِ الْمُشْرِكِ وَالْهَدِيَّةِ

۷۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنه، رَأَى عُمَرُ رضی الله عنه حُلَّةً

سِيَرَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَوِ اشْتَرَيْتَ هَذِهِ، فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَلِلْوُفُودِ إِذَا أَتَوْكَ، فَقَالَ: "يَا عُمَرُ، إِنَّمَا يَلْبَسُ هَذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ"، ثُمَّ أُهْدِيَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا حُلَلٌ، فَأَهْدَى إِلَى عُمَرَ مِنْهَا حُلَّةً، فَجَاءَ عُمَرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، بَعَثْتَ إِلَيَّ هَذِهِ، وَقَدْ سَمِعْتُكَ قُلْتَ فِيهَا مَا قُلْتَ، قَالَ: "إِنِّي لَمْ أُهْدِهَا لَكَ لِتَلْبَسَهَا، إِنَّمَا أَهْدَيْتُهَا إِلَيْكَ لِتَبِيعَهَا أَوْ لِتَكْسُوَهَا"، فَأَهْدَاهَا عُمَرُ لِأَخٍ لَهُ مِنْ أُمِّهِ مُشْرِكٍ.

غیر مسلم رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور اس کو ہدیہ دینا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں سفید ریشم کا ایک دھاری دار جوڑا بکتے ہوئے دیکھا، اس کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ یہ جوڑا خرید لیں اور آپ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے جب تشریف لائیں، یا جب باہر کے وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ اسے زیب تن فرمالیں (تو اچھا ہوگا)؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر! اس لباس کو تو وہی شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، ایک مدت کے بعد اسی طرح کے کچھ کپڑے (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور مشورہ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہننے کے لیے عرض کیا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ آئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان جوڑوں میں سے ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدیہ میں دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ جوڑا آپ مجھے ہدیہ میں دے رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے اسی طرح کے جوڑے کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہی شخص اس قسم کا کپڑا پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں؟ اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ اے عمر! یہ جوڑا میں نے تجھے اس لیے نہیں دیا کہ تو اس کو پہنے، بلکہ میں نے تو یہ جوڑا اس لیے ہدیے میں دیا کہ تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت استعمال میں لائے، یا کسی ایسی شخص کو دے جس کے لیے پہننا جائز ہے (مثلاً تمہارے گھر کی عورتیں، بیوی، بہن ماں وغیرہ) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا اپنے ایک اخیافی بھائی جو مکہ میں رہتا تھا اور مشرک تھا اسے ہدیتاً دے دیا۔

تشریح: مذکورہ حدیث شریف سے چند چیزیں معلوم ہوئیں۔

جمعہ، عیدین اور لوگوں سے ملاقات کے وقت اچھے صاف ستھرے اور عمدہ کپڑے پہننے چاہئیں۔

حدیث شریف میں نفی عمدہ کپڑے کی نہیں، اس کپڑے کی نفی ہے جو ریشمی ہے، اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں اسی حدیث سے جمعہ، عیدین اور وفود سے ملتے وقت عمدہ کپڑے پہننے کا ثبوت پیش کیا ہے۔

اگر کوئی شخص ہدیہ میں کسی کو ایسی چیز دے جس کا استعمال اس کے لیے ممنوع ہے، تو اس ہدیہ کو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً اگر اپنے داماد کو ساس سونے کی انگوٹھی ہدیہ میں دے تو وہ خود تو نہیں پہن سکتا مگر اس ہدیہ کو قبول کر کے دوسرے لوگوں کو دے سکتا ہے۔

۱) حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیے میں دی گئی چیز کو آدمی بیچ بھی سکتا ہے، خود حضور فرما رہے ہیں کہ میرا دیا ہوا ہدیہ بیچ دے یا کسی اور کو دے دے، ادھر ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم نے کسی کو کوئی چیز ہدیہ میں دی اور اس نے اس کو بیچ دیا تو ہم ناگواری کا اظہار کرتے ہیں، جب حضور کا دیا ہوا ہدیہ خود حضور بیچنے کی اجازت دیتے ہیں تو اس کے سامنے ہمارے ہدیہ کی کیا حیثیت ہے؟ ہمارے معاشرے میں

اس طرح کے جو غلط خیالات ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے اس کی نفی ہوتی ہے۔

بَابُ تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ

٧٢ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَتَّابُ بْنُ بَشِيرٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ رَاشِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، أَنَّ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: "تَعَلَّمُوا من أَنْسَابِكُمْ، ثُمَّ صِلُوا أَرْحَامَكُمْ، وَاللهِ إِنَّهُ لَيَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ أَخِيهِ الشَّيْءُ، وَلَوْ يَعْلَمُ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ مِنْ دَاخِلَةِ الرَّحِمِ، لَأَوْزَعَهُ ذَلِكَ عَنِ انْتِهَاكِهِ".

اپنے نسبوں کو جانیے تا کہ تم صلہ رحمی کر سکیں

ترجمہ: حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ممبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا (تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ ثُمَّ صِلُوْا اَرْحَامَكُمْ) کہ اپنے نسبوں کو جانو پھر صلہ رحمی کرتے رہو، اللہ تعالی کی قسم، بسا اوقات دو آدمیوں کے درمیان دشمنی ہوتی ہے، اگر ان کو معلوم ہوتا کہ میرے اور اس کے درمیان کیا رشتہ داری ہے، تو یہ علم اس کو اس کے حقوق میں کوتاہی کرنے سے یا اس کی بے عزتی کرنے سے باز رکھتا۔

تشریح: باب کا جو عنوان ہے وہ بعینہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں جو ''ترمذی شریف'' کی روایت میں ہے کہ '' تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْن به اَرْحَامَكُمْ فَاِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحبة فی الْاَهل وَمَثْرَاتٌ فِي الْمَالِ وَمَنْسأة فی الْاَثَرِ'' کہ اپنے نسبوں کو معلوم کرو تا کہ اس کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں

کے حقوق ادا کر سکو، اس لیے کہ رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا آپس میں محبت کو بڑھانے، مال میں زیادتی لانے اور عمر میں اضافہ ہونے کا سبب ہے۔

انساب کو جاننے کی چند وجوہات

(۱) پہلی وجہ: یہ کہ انسان جب انساب کو جانے گا تو اس کی وجہ سے اس کو معلوم ہوگا کہ کونسے رشتہ ایسے ہیں کہ ان سے نکاح جائز ہے اور کونسے رشتے ایسے ہیں جن سے نکاح جائز نہیں، اور یہ جاننا فرض ہے اس لیے کہ اس کے جانے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے سے بچ نہیں سکتا، مثلاً یہ کہ یہ میرا بھائی ہے، یہ میری بہن ہے، یہ میری بھتیجی ہے، یہ بھانجی ہے وغیرہ وغیرہ

(۲) دوسری وجہ: بہت سے احکام شرعیہ کی بنیاد ہی یہ رشتے ہیں اگر ان رشتوں کو نہیں جانے گا تو ان احکام کو کیسے ادا کرے گا۔

(۳) تیسری وجہ: بہت سی مرتبہ آدمی اپنے رشتہ داروں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق کو ضائع کرتا ہے، اگر پتہ چلتا کہ ان کے ساتھ تو ہماری یہ رشتہ داری ہے تو کبھی ایسی حرکت نہ کرتا۔

(۴) چوتھی وجہ: رشتہ داری کے جاننے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے شریعت نے رشتہ داروں کے حقوق کے جو درجات متعین کیے ہیں وہ جان سکے گا اور اس کے مطابق ایک دوسرے کے حقوق جو شریعت نے اس پر لازم کیے ہیں وہ ادا کر سکے گا، جب معلوم ہوگا کہ یہ باپ ہے، یہ ماں ہے، یہ دادا ہیں، یہ دادی ہیں، یہ نانی ہیں، یہ نانا ہیں، یہ ماموں ہیں، یہ خالہ ہیں، یہ چچا ہیں، یہ پھوپھی ہیں، یہ ان کی

اولادیں ہیں، ان رشتوں کا علم ہوگا تب ہی حقوق ادا کرے گا، رشتوں کا علم ہی نہیں تو ان کے حقوق کو کیسے ادا کرے گا؟ اس لیے رشتوں کا جاننا ضروری قرار دیا گیا۔

قدیم زمانہ میں اس کا بڑا اہتمام ہوتا تھا، ہمارے زمانے میں اس کا اہتمام دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے، اور ہماری نئی نسل تو جو بالکل قریب کے رشتے ہیں ان کو بھی نہیں جانتی، مثلاً بہت سے تو ایسے ہیں جن کو دادا تک کا نام معلوم نہیں۔ اگر دادا حیات ہیں تب تو ٹھیک، ورنہ بہت سارے بچے یہ بھی نہیں جانتے کہ دادا کس کو کہتے ہیں؟ کہ باپ کے باپ کو دادا کہتے ہیں، دور کے دوسرے رشتے کا تو پوچھنا ہی کیا؟

میں برطانیہ گیا تھا، وہاں میں نے لوگوں سے کہا کہ دیکھو! حدیث میں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشتوں کو جاننے کا حکم دیا ہے، انگریزی زبان ایسی ہے کہ اس میں رشتہ داروں کی پہچان کرانے کے لیے الفاظ بہت محدود ہیں، مثلا ہمارے یہاں اردو گجراتی میں باپ کے باپ کو دادا اور ماں کے باپ کو نانا کہتے ہیں، لیکن انگریزی میں دونوں کے لیے ایک ہی لفظ ہے، grandfather اسی طرح باپ کی ماں کو ہم دادی اور ماں کی ماں کو نانی کہتے ہیں، لیکن ان کے ہاں ایک ہی لفظ ہے grandmother ہم باپ کے بھائی کو چچا اور ماں کے بھائی کو ماموں کہتے ہیں، لیکن انگریزی میں دونوں کو uncle کہیں گے، اسی طرح باپ کی بہن کو پھوپھی اور ماں کی بہن کو خالہ کہتے ہیں، لیکن ان کے ہاں دونوں کے لیے auntie کا لفظ بولا جاتا ہے، پھر ہماری زبان میں ہر ایک کی اولاد کے لیے الگ الگ نام ہیں، مثلا ماموں زاد بھائی، خالہ زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی وغیرہ، لیکن ان کے ہاں سب ہی کے لیے ایک ہی لفظ ہے cousin، کوئی تفصیل نہیں۔ تو میں نے کہا کہ ان لوگوں کو رشتہ داری کے حقوق تو ادا

کرنے نہیں ہیں تو ان کو ان ناموں کی تفصیل کی کیا ضرورت ہے؟ (لیکن ہمیں تو یہ تفصیلات اپنے بچوں کو بتلانی چاہیے تاکہ وہ رشتہ داری کا حق ادا کرسکیں)۔

حدیث شریف کا خلاصہ یہ کہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم کچھ وقت نکال کر اپنے بچوں کو ان رشتوں سے واقف کرائیں، ویسے بھی بچوں کو ایسی چیزوں میں دل چسپی ہوتی ہے کہ فلاں سے کیا تعلق ہے اور کس طرح کا تعلق ہے؟

٧٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يُحَدِّثُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنه، أَنَّهُ قَالَ: احْفَظُوا أَنْسَابَكُمْ، تَصِلُوا أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّهُ لَا بُعْدَ بِالرَّحِمِ إِذَا قَرُبَتْ، وَإِنْ كَانَتْ بَعِيدَةً، وَلَا قُرْبَ بِهَا إِذَا بَعُدَتْ، وَإِنْ كَانَتْ قَرِيبَةً، وَكُلُّ رَحِمٍ آتِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمَامَ صَاحِبِهَا، تَشْهَدُ لَهُ بِصِلَةٍ إِنْ كَانَ وَصَلَهَا، وَعَلَيْهِ بِقَطِيعَةٍ إِنْ كَانَ قَطَعَهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اپنے نسبوں اور رشتوں کو یاد رکھو تاکہ اس کی وجہ سے رشتہ داری کے حقوق تم ادا کرسکو، رشتہ داری کا حق جب ادا کیا جاتا ہے تو پھر کوئی دوری نہیں رہتی، چاہے وہ رشتہ داری کتنی ہی دور کی کیوں نہ ہو، اور اگر رشتہ داری کا حق ادا نہ کیا جائے تو پھر قریب کے رشتے بھی قریب کے نہیں رہتے، اور ہر رشتہ داری قیامت کے روز اس کے پاس آئے گی، اگر اس نے اس کا حق ادا کیا تھا تو یہ رشتہ داری اس کے حق میں گواہی دے گی، اور اگر اس نے رشتہ داری کے حقوق کو ادا نہیں کیا تھا تو یہی رشتہ داری اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کے یہاں گواہی دے گی۔

تشریح: (احْفَظُوا أَنْسَابَكُمْ، تَصِلُوا أَرْحَامَكُمْ) والی حدیث شریف کے دو مطلب ذکر کیے ہیں:

(۱) پہلا مطلب، رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے سے وہ قائم رہتی ہے اور ہری بھری رہتی ہے، جیسے پودے کی حفاظت کرتے ہیں اوراس کو پانی پلاتے ہیں تو وہ قائم رہتا ہے اور ہرا بھرا رہتا ہے، اسی طرح ان تعلقات کے حقوق کو ادا کریں گے تو یہ تعلقات تازہ اور باقی رہیں گے اور آپس میں محبتیں قائم رہیں گی، چاہے کتنی ہی دور کی رشتہ داری کیوں نہ ہو، اور اگر ان کے حقوق ادا نہیں کریں گے، نہ سلام کلام کا تعلق رکھا، نہ آپس میں اٹھنے بیٹھنے کا معاملہ رکھا تو وہ رشتہ دار اگرچہ سگا بھائی بھی کیوں نہ ہو اس کے باوجود ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا وہ بہت دور کا رشتہ دار ہے۔

(۲) دوسرا مطلب: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز رشتہ داری کو بڑی شیریں اور بڑی فصیح وبلیغ زبان عطا کرے گا اور وہ اپنی اس زبان سے اس شخص کے حق میں گواہی دے گی جس نے اس کا حق ادا کیا ہوگا، اور اس شخص کے خلاف گواہی دے گی جس نے اس کا حق ادا نہیں کیا ہوگا، ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ دنیا میں جو کچھ کیا جارہا ہے اس کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوگا، وہاں قیامت میں اس کا نتیجہ ضرور ظاہر ہوکر رہے گا۔

بَابُ: هَلْ يَقُولُ الْمَوْلَى: إِنِّي مِنْ فُلَانٍ؟

٧٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَائِلُ بْنُ دَاوُدَ اللَّيْثِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ قَالَ: قَالَ لِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رضى الله عنه: "مِمَّنْ أَنْتَ؟" قُلْتُ: مِنْ تَيْمِ تَمِيمٍ، قَالَ: مِنْ أَنْفُسِهِمْ أَوْ مِنْ مَوَالِيهِمْ؟ قُلْتُ: مِنْ مَوَالِيهِمْ، قَالَ: فَهَلَّا قُلْتَ: مِنْ مَوَالِيهِمْ إِذًا؟

کیا آزاد کردہ غلام اپنی نسبت آزاد کیے ہوئے خاندان کی طرف کرسکتا ہے؟

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی حبیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ تمہارا تعلق کن لوگوں سے ہیں؟ تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ کہا کہ خاندان بنوتمیم کی ایک شاخ ہے تیم (اور بھی تیم ہیں تیم الرباب، اسی طرح تیم التمیم، تمیم ایک بڑا خاندان ہے اس کی ایک شاخ بنوالتیم ہے) کہا کہ میں تیم التمیم سے تعلق رکھتا ہوں کہا کہ خاص اسی خاندان کے فرد ہو؟ یا ان کے آزاد کردہ غلام ہو؟ کہا کہ میں ان کا آزاد کردہ غلام ہوں، تو کہا کہ یہ کیوں نہیں کہا کہ میں اس خاندان کے غلاموں میں سے ہوں؟ صرف اتنا کیوں بولے کہ اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں؟ تفسیر کرنی چاہیے تھی تا کہ سننے والے کو غلط فہمی نہ ہو۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب: کسی خاندان کی نسبت کے دو طریقے ہیں: پہلا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص جس خاندان میں پیدا ہوا اس خاندان کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے اس کو نسباً تعلق کہا جاتا ہے، جیسے اگر کوئی شخص ہاشمی خاندان میں پیدا ہوا ہو تو وہ اپنے کو آپ کو ہاشمی کہتا ہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی شخص کا آزاد کردہ غلام ہو تو وہ بھی اپنی نسبت اس خاندان کی طرف کرتا ہے، مثلاً اگر بنو ہاشم کے کسی شخص نے کسی غلام کو آزاد کیا تو اس غلام کو بھی ہاشمی مولاً بولتے ہیں یعنی یہ شخص ولاء کے اعتبار سے ہاشمی ہے، دونوں ہاشمی ہیں لیکن ایک حقیقتاً ہاشمی ہے اور دوسرا مجازاً ہاشمی۔ دونوں کے احکام بھی الگ ہیں، اس لیے حدیث میں کہا گیا کہ صرف ہاشمی نہ کہو، بلکہ یہ بھی بتلاؤ کہ نسباً ہاشمی ہے یا مولاً۔

بَابُ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ

٧٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ: أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ عُبَيْدٍ، عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رضي الله عنه، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "اجْمَعْ لِي قَوْمَكَ"، فَجَمَعَهُمْ، فَلَمَّا حَضَرُوا بَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهِ عُمَرُ رضى الله عنه فَقَالَ: قَدْ جَمَعْتُ لَكَ قَوْمِي، فَسَمِعَ ذَلِكَ الْأَنْصَارُ فَقَالُوا: قَدْ نَزَلَ فِي قُرَيْشٍ الْوَحْيُ، فَجَاءَ الْمُسْتَمِعُ وَالنَّاظِرُ مَا يُقَالُ لَهُمْ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ فَقَالَ: "هَلْ فِيكُمْ مِنْ غَيْرِكُمْ؟" قَالُوا: نَعَمْ، فِينَا حَلِيفُنَا وَابْنُ أُخْتِنَا وَمَوَالِينَا، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "حَلِيفُنَا مِنَّا، وَابْنُ أُخْتِنَا مِنَّا، وَمَوَالِينَا مِنَّا، وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ: إِنَّ أَوْلِيَائِي مِنْكُمُ الْمُتَّقُونَ، فَإِنْ كُنْتُمْ أُولَئِكَ فَذَاكَ، وَإِلَّا فَانْظُرُوا، لَا يَأْتِي النَّاسُ بِالْأَعْمَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَتَأْتُونَ بِالْأَثْقَالِ، فَيُعْرَضَ عَنْكُمْ"، ثُمَّ نَادَى فَقَالَ: "يَاأَيُّهَا النَّاسُ - وَرَفَعَ يَدَيْهِ يَضَعُهُمَا عَلَى رُءُوسِ قُرَيْشٍ - أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ قُرَيْشًا أَهْلُ أَمَانَةٍ، مَنْ بَغَى بِهِمْ - قَالَ زُهَيْرٌ: أَظُنُّهُ قَالَ: الْعَوَاثِرَ - كَبَّهُ اللهُ لِمَنْخِرَيْهِ"، يَقُولُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

آزاد کردہ غلام بھی قوم میں شمار کیا جائے گا

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ آپ اپنی قوم کو میرے واسطے جمع کیجیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جمع کیا، جب سب حضور ﷺ کے دروازہ پر آ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے آپ کے لیے اپنی قوم کو جمع کرلیا ہے۔ جب انصار کو پتہ چلا کہ آج تو مہاجرین کو یعنی قریش کو جمع کیا گیا ہے تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ ضرور قریش کے سلسلے میں کوئی وحی حضور ﷺ پر نازل ہوئی ہے اس لیے ان میں سے بھی کچھ لوگ دیکھنے سننے کے لیے پہنچ گئے کہ حضور ﷺ قریش کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ ان کے درمیان تشریف لائے اور کہا کہ کوئی دوسرا اور آدمی تو نہیں ہے؟ کہا کہ ہاں! ہیں، ہمارے بعض حلیف، ہمارے بھانجے، اور ہمارے آزاد کردہ غلام بھی ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے حلیف ہمارے خاندان میں سے ہیں، ہمارے بھانجے ہمارے خاندان میں سے ہیں اور ہمارے آزاد کردہ غلام بھی ہمارے خاندان میں سے ہیں، پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم سنو کہ تم میں میرے دوست اور میرے قریب وہ ہیں جو گناہوں سے بچنے والے ہیں، اب اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو، اگر تم میں یہ صفت ہو تو ٹھیک، ورنہ دیکھ لو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز دوسرے لوگ تو اعمال صالحہ لے کر آویں اور تم گناہ لے کر کے آؤ، اور تمہاری طرف سے مجھے رُخ پھیرنا پڑے، اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور قریش کے سروں پر ہاتھ رکھا اور زور سے فرمایا اے لوگو! اہل قریش اہل امانت ہیں، جو ان کے ساتھ سرکشی کرے گا اور ان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نتھنوں کے بل گرائے گا یعنی اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے گا، یہ بات نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔

تشریح: اس حدیث سے چند چیزیں معلوم ہوئیں: (۱) اگر کوئی شخص کسی خاندان کا آزاد کردہ غلام ہے تو اس کے لیے اپنے آپ کو اس خاندان کی طرف منسوب کرنے کی گنجائش ہے۔

(۲) اسلام سے پہلے یہ ہوتا تھا کہ کسی دوسرے قبیلہ کا کوئی آدمی مکہ میں آکر مقیم ہوتا تھا اور وہاں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا تھا، تو کسی کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرنے کا تعلق قائم کیا جاتا تھا، اس تعلق کو حلف کہتے ہیں اور اس شخص کو حلیف کہتے ہیں۔

(۳) حدیث شریف میں جو فرمایا کہ قریش اہل امانت ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اور اقتدار کی امانت ان کے ہاتھ میں دی گئی ہے جس کو دوسری حدیث میں الأئمة من قريش کہا گیا، یعنی خلافت قریش میں رہے گی۔

(۴) اس حدیث شریف سے یہ بھی پتہ چلا کہ جب کوئی مخصوص جماعت کو جمع کیا جاوے تو اس مخصوص جماعت کے علاوہ دوسروں کو وہاں نہیں جانا چاہیے۔

غزوۂ حنین کے موقع پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حنین میں حاصل شدہ مال غنیمت کو نئے اسلام لائے ہوئے مکہ مکرمہ کے افراد پر تقسیم کر دیا تو بعض انصار کو اس پر ناگواری ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب پتہ چلا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس (یا سعد بن عبادہ) رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انصار کو جمع کرو، ان کو جمع کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سرخ قبے کے اندر تشریف لائے، اور پہلا سوال یہ کیا کہ یہاں انصار کے علاوہ کوئی دوسرا تو نہیں؟

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علماء کو یا تجار کو یا کوئی خاص جماعت کو بلایا جاتا ہے تو انہیں لوگوں کو جانا چاہیے (دوسرے لوگوں کو وہاں نہیں جانا چاہیے)

بَابُ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ أَوْ وَاحِدَةً

٧٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ عِمْرَانَ

أَبُو حَفْصٍ التُّجِيبِيُّ، عَنْ أَبِي عُشَّانَةَ الْمَعَافِرِيِّ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، وَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ، كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ".

اس شخص کی فضیلت کا بیان جس نے ایک یا دو لڑکیوں کی پرورش کی

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس آدمی کی تین بیٹیاں ہوں اوران کی پرورش میں جو تکلیفیں آئیں ان پر صبر کرے اور اپنی حیثیت کے مطابق ان کو کپڑے دے تو یہ لڑکیاں کل قیامت کے دن اس کے لیے آڑ بن جائیں گی۔

تشریح: اپنی اولاد کی پرورش آدمی پر لازم ہے چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، لیکن لڑکیوں کی پرورش کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے خصوصاً تاکید فرمائی، کیوں کہ وہ کمزور صنف ہیں، وہ اپنا انتظام خود نہیں کرسکتی، اس لیے ان کے متعلق خاص وصیت وہدایت دی ہے کہ بھائی! ان کی پرورش کا اہتمام کیا جائے یہاں تک کہ وہ تمہاری خدمت سے مستغنی ہو جائیں، اگر ایسا کیا تو وہ لڑکیاں تمہارے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔

۷۷ - حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فِطْرٌ، عَنْ شُرَحْبِيلَ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُدْرِكُهُ ابْنَتَانِ، فَيُحْسِنُ صُحْبَتَهُمَا، إِلَّا أَدْخَلَتَاهُ الْجَنَّةَ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس مسلمان نے دو بچیوں کو پالا، ان کا حق صحبت اچھی طرح سے

ادا کیا تو یہ لڑکیاں اس کو جنت میں داخل کرائیں گی۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب جس کے یہاں دو لڑکیاں ہیں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، ان کی پرورش کرتا ہے، ان کے حقوق ادا کرتا ہے، ان کو علم واخلاق سے آراستہ کرتا ہے، ان کے کھانے پینے اور پہننے کی ضرورتوں کا پورا انتظام کرتا ہے، یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک میں کوئی کمی نہیں کرتا تو یہ دونوں لڑکیاں اس کو جنت میں داخل کرنے کا سبب بنیں گی۔

بہت سی مرتبہ لڑکیوں کے ساتھ زیادتی کا معاملہ کیا جاتا ہے، ان کا حق صحبت اچھی طرح سے ادا نہیں کیا جاتا ہے، تو اس کے نتیجہ میں یہ لڑکیاں اس کو جہنم میں داخل کرنے کا سبب بنیں گی، اس لیے لڑکیوں کے سلسلے میں اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ گھروں میں لڑکیوں کے ساتھ لڑکوں کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ زیادتی ہوتی ہے، جو سلوک بھلائی کا لڑکے کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ لڑکی کے ساتھ نہیں کیا جاتا، صبح پورا ناشتہ لڑکے کو دیں گے اور لڑکی کو خالی روٹی دیں گے، لڑکے کے ساتھ جتنی محبت کا معاملہ کرتے ہیں لڑکی کے ساتھ اتنی محبت کا معاملہ نہیں کیا جاتا، لڑکا جو فرمائش کرے وہ پوری کی جاتی ہے اور لڑکی کی طرف سے کبھی کوئی فرمائش ہوئی تو کبھی پوری کردی، اور اگر دوسری مرتبہ فرمائش کی تو اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی، اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اس معاملے میں مردوں سے زیادہ عورتیں آگے ہیں، حالانکہ یہ اسی کی صنف سے تعلق رکھتی ہیں۔ خیر بہر حال بچیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کا خاص اہتمام ہونا چاہیے۔

٧٨ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه حَدَّثَهُمْ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، يُؤْوِيهِنَّ، وَيَكْفِيهِنَّ، وَيَرْحَمُهُنَّ، فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ الْبَتَّةَ"، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَعْضِ الْقَوْمِ: وَثِنْتَيْنِ، يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "وَثِنْتَيْنِ".

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کے لیے رہائش کا انتظام کرے اور ان کی کفایت کرے، ان کی ضرورتیں پوری کرے یعنی کھانے پینے، پہننے اور رہنے سہنے کا انتظام کرے اور ان کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کرے تو یقیناً اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ اگر کسی کی دو ہی بیٹیاں ہوں تو اے اللہ کے رسول؟ تو فرمایا کہ دو ہوں تب بھی (اس کے لیے وہی فضیلت ہے)۔

بَابُ مَنْ عَالَ ثَلَاثَ أَخَوَاتٍ

٧٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُكْمِلٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ بَشِيرٍ الْمُعَاوِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، أَوْ ثَلَاثُ أَخوات فَيُحْسِنِ إِلَيْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ".

تین بہنوں یا بیٹوں کی پرورش کرنے کی فضیلت

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے کہ کسی آدمی کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں اور ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہے ان کی ناز برداری کرتا ہے، تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ والد کا انتقال ہوتے ہی گھر کی ساری ذمہ داری بڑے لڑکے پر آجاتی ہے، اور چھوٹی دوسری بہنیں ہیں ان بہنوں کی ساری ذمہ داری بھی بڑے بیٹے پر آجاتی ہے، اگر وہ اپنی اس ذمہ داری کو نبھائے گا اور اپنی بہنوں کا برابر خیال رکھے گا تو اس کے لیے یہ فضیلت ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

احادیث میں بہنوں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی فضیلت آئی ہے، لیکن عام طور پر لوگ اس طرح کی ذمہ داری کو بڑی تکلیف کی چیز سمجھتے ہیں، ان کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بہنوں کی خدمت کا موقع دیا ہے، اور اپنی طاقت اور اپنی حیثیت کے مطابق جتنا ہو سکے اپنی بہنوں کا خیال رکھنے میں کوئی کمی نہ کرے یہاں تک کہ ان کے دل میں یہ خیال بھی نہ آئے کہ بھائی نے ہماری ضرورتوں کی طرف توجہ نہیں دی اور ہمارا خیال نہیں رکھا، ہمارے ابا نہیں اس لیے ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا، ابا کی موجودگی میں ان کی جو ناز برداری ہوتی تھی بھائی کو چاہیے کہ اسی طرح ان کی ناز برداری کرے۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ عَالَ ابْنَتَهُ الْمَرْدُودَةَ

٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِسُرَاقَةَ ابْنِ جُعْشُمٍ رضي الله عنه: "أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَعْظَمِ الصَّدَقَةِ، أَوْ مِنْ أَعْظَمِ الصَّدَقَةِ؟" قَالَ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: "ابْنَتُكَ مَرْدُودَةٌ إِلَيْكَ، لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ".

اس آدمی کی فضیلت جس نے اپنی لوٹی ہوئی بیٹی کی پرورش کی

ترجمہ: حضرت سراقہ ابن جعشم رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو سب سے بڑا صدقہ نہ بتلاؤں؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ضرور بتلایئے، تو فرمایا کہ تمہاری اس بیٹی کی ضرورتوں کا خیال کرنا جو تمہارے پاس واپس آئے، جس کا تمہارے علاوہ کوئی اور کمانے والا اور نگرانی کرنے والا نہ ہو۔

تشریح: ماں باپ بچپن سے اپنی بیٹیوں کی پرورش کرتے ہیں، اور بڑی محبت سے کرتے ہیں، پھر جب وہ بڑی ہو جاتی ہیں اور ان کی شادی ہو جاتی ہے تو ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اب ان سے سبک دوش ہو گئے اور ہماری ذمہ داری پوری ہو گئی، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ داماد کا انتقال ہو گیا اور بیٹی بیوہ ہو کر رہ گئی اور گھر واپس آ گئی، یا خدانخواستہ اس کی طلاق ہو گئی اب بیٹی کی ساری ذمہ داری ماں باپ پر دو بارہ آ گئی، اور ماں باپ کے علاوہ اس بچی کی ضرورت پوری کرنے والا یا کمانے والا اور کوئی نہیں، اب اگر ماں باپ اس بچی پر خرچ کریں گے تو وہ سب سے بڑا صدقہ شمار کیا جائے گا، اس لیے کہ ایک بے سہارا شخص کی مدد کر رہے ہیں، اور ساتھ ساتھ وہ بیٹی ہے تو صلہ رحمی کا اور صدقہ کا ثواب بھی ملے گا۔

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر ہجرت شروع کیا تو پہلے تین دن آپ ایک غار میں چھپے رہے، پھر تین دن کے بعد تلاش اور جستجو کا سلسلہ ختم ہو گیا تو آپ نے آگے سفر شروع کیا، اب

چونکہ مکہ والوں کی طرف سے اعلان ہوا کہ جو شخص آپ کا پتہ لا کر دے گا اس کو سو اونٹوں کا انعام دیا جائے گا، تو یہ سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ اپنا گھوڑا لے کر نبئ کریم ﷺ کی تلاش اور جستجو میں نکلے، راستہ میں انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھ لیا اور آپ کے قریب پہنچ گئے، جب بالکل قریب پہنچے تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی جس کی وجہ سے ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھسنے لگے، انہوں نے عرض کیا کہ آپ میرے لیے دعا کر دیجیے کہ میرے گھوڑے کے پاؤں نکل آئیں، اور میں آپ کا پتہ کسی کو نہیں دونگا، بلکہ جو آئے گا ان کو بھی روک دوں گا۔ چنانچہ آپ نے ان کے لیے دعا کی اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اے سراقہ! تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ملک فارس فتح ہوا اور کسریٰ کا سارا خزانہ اور اس کی ساری دولت مدینہ منورہ لائی گئی، اس میں تاج بھی تھا اور کنگن بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ کنگن ان کے ہاتھ میں پہنائے اور کنگن پہنا کر کہا کہ اللہ تعالی کا شکر اور احسان ہے جس نے کسریٰ سے کنگن کو چھین کر سراقہ کو پہنائے۔

٨١ - حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُوسَى قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ جُعْشُمٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَا سُرَاقَةُ!" مِثْلَهُ .

دوسری سند سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

٨٢ - حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، عَنْ بَحِيرٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ رضي الله عنه، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَا أَطْعَمْتَ وَلَدَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَا أَطْعَمْتَ زَوْجَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَا أَطْعَمْتَ خَادِمَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ".

ترجمہ: حرات مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو تم اپنی ذات کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے، جو اپنی اولاد کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے، جو اپنی بیوی کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے اور جو اپنے خادم کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے۔

تشریح: آدمی اپنی ذات پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ ہے، لیکن ضروری ہے کہ اس وقت دل میں یہ نیت کرے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری ذات کا خیال رکھنے کا بھی حکم دیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کرنے کے لیے خرچ کر رہا ہوں، گویا اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے یہ کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے سارے کام کرنا شروع شروع میں ذرا مشکل ہوگا، لیکن جب بار بار اس کی مشق کرتا رہے گا تو آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی اور پھر دھیرے دھیرے یہ بات ذہن میں بیٹھ جائے گی اور یہ استحضار رکھنا آسان ہو جائے گا اور پھر ہمارے ہر چھوٹے بڑے، دنیوی اخروی سارے کام عبادت شمار ہونے لگیں گے۔

بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَتَمَنَّى مَوْتَ الْبَنَاتِ

٨٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ،

عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْحَارِثِ أَبِي الرَّوَّاعِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما: أَنَّ رَجُلًا كَانَ عِنْدَهُ، وَلَهُ بَنَاتٌ فَتَمَنَّى مَوْتَهُنَّ، فَغَضِبَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما فَقَالَ: أَنْتَ تَرْزُقُهُنَّ؟

لڑکیوں کی موت کی تمنا کا ناپسندیدہ ہونا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، اس آدمی کی چند بیٹیاں تھیں، راوی کہتے ہیں اس نے اپنی بیٹیوں کی موت کی تمنا کی تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو غصہ آیا اور فرمایا کہ تو ان کو روزی دیتا ہے کہ ان کی موت کی تمنا کرتا ہے؟

تشریح: کبھی آدمی جب بہت ہی غریب اور محتاج ہوتا ہے اور آمدنی سے زیادہ اس کا خرچہ ہوتا ہے، اور اولاد کی کثرت بھی ہوتی ہے تو ان کے نان ونفقہ کے بوجھ سے وہ بسا اوقات اپنی اولاد کی ذمہ داری نہ ادا کرسکنے کی فکر میں اولاد کی موت کی تمنا کرنے لگتا ہے، اگر نرینہ اولاد ہے تو ان کا بوجھ بہت دیر تک نہیں رہتا اس لیے کہ کچھ بڑے ہوکر باپ کے کام میں ہاتھ بٹانے لگ جاتے ہیں لیکن بچیوں کا بوجھ دیر تک رہتا ہے، اور پھر شادی کرانا مستقل ایک بوجھ اور ایک ذمہ داری ہے، اس وجہ سے بیٹیوں کی موت کی تمنا بیٹوں کے مقابلہ میں زیادہ کرتا ہے۔

اگر ایسی حالت کسی پر آجائے تو اس کو یہ سوچنا چاہیے کہ میری ذمہ داری تو اتنی ہی ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ان کے حقوق کو ادا کروں، اگر اتنا کرلے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوجائے گا، یہ تمنا کرنا کہ وہ مرجائیں یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

بَابُ الْوَلَدُ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ

٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: كَتَبَ إِلَيَّ هِشَامٌ، عنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ الله عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَوْمًا: وَاللهِ مَا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ رَجُلٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ عُمَرَ رضي الله عنه، فَلَمَّا خَرَجَ رَجَعَ فَقَالَ: كَيْفَ حَلَفْتُ أَيْ بُنَيَّةُ؟ فَقُلْتُ لَهُ، فَقَالَ: أَعَزُّ عَلَيَّ، وَالْوَلَدُ أَلْوَطُ .

اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہے

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کہا ''اللہ تعالی کی قسم روئے زمین پر کوئی آدمی میرے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب نہیں'' (یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کا تذکرہ ہے) اس کے بعد آپ گھر سے باہر تشریف لے گئے، پھر لوٹے اور آ کر فرمایا اے بیٹی! میں نے ابھی کیا قسم کھائی تھی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ روئے زمین پر میرے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب کوئی نہیں، اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا أحب إلي کے بجائے أعز علی، یعنی روئے زمین پر عمر سے زیادہ کوئی عزیز نہیں۔ پھر فرمایا اولاد دل سے زیادہ لگی ہوئی رہتی ہے۔

تشریح: اولاد بخیل اور بزدل بناتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سوچتا ہے کہ میری اولاد کا کیا ہوگا؟ اس خیال سے خرچ کرنے سے رکتا ہے، اسی طرح میدان جہاد میں جہاں جان دینے کا وقت آتا ہے اس موقع

پر بھی آدمی اپنی اولاد ہی کی وجہ سے جھجکتا ہے کہ اگر میں مر گیا تو میری اولاد کا کیا ہوگا؟ یہی چیز اس کو آگے بڑھنے سے روکتی ہے، گویا یہی اولاد آدمی کو بخیل بھی بناتی ہے اور بزدل بھی بناتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بات کہی، پھر اس پر تردد ہوا کہ یہ بات صحیح نہیں تو تبدیلی کی، اس لیے کہ اولاد کی محبت دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ہی ہوتی ہے۔

اللہ والے اپنی زبان سے نکلنے والے ہر ہر لفظ کے بارے میں بار بار سوچتے ہیں کہ میں نے جو کہا وہ ٹھیک کہا یا نہیں۔ حضرت مولانا آفتاب عالم صاحب دامت برکاتہم حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے ہیں، وہ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں، ایک مرتبہ جب وہ ڈابھیل تشریف لائے تھے تو اپنے والد ماجد حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے والد پر کسی آدمی کا خط آیا کہ میری والدہ یا کوئی اور قریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضرت اس خط کا جواب مجھ سے لکھوا رہے تھے کہ آپ کی والدہ کے انتقال کی خبر سن کر بہت رنج ہوا، بہت رنج ہوا یہ جملہ لکھوانے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر گئے، پھر فرمایا کہ ''بہت'' کا لفظ مٹا دو، پھر وجہ بیان فرمائی کہ میں نے کہا کہ ''بہت رنج ہوا''، پھر میں نے اس پر غور کیا کہ کیا واقعتاً ایسا ہے؟ کیا میرے دل میں یہ کیفیت ہے کہ بہت رنج ہوا؟ مجھے تردد ہوا اور یہ کٹوا دیا تاکہ یہ جھوٹ نہ ہو جائے، یہ حضرات اپنی زبان سے نکلنے والی ہر بات کا حساب لیتے تھے کہ کہیں نادانستہ طور پر کوئی جھوٹا جملہ بھی زبان سے نہ نکل جائے۔

٨٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي يَعْقُوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما إِذْ سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوضَةِ؟ فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، فَقَالَ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا، يَسْأَلُنِي عَنْ دَمِ الْبَعُوضَةِ، وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "هُمَا رَيْحَانَيَّ مِنَ الدُّنْيَا".

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ عراق کے رہنے والے ایک شخص نے آ کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مچھر کے خون کے متعلق سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تو کہاں کا ہے؟ کہا کہ عراق کا ہوں، فرمایا کہ دیکھو اس شخص کو! مجھ سے مچھر کے خون کا مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہے اور ان لوگوں نے حضور کے بیٹے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اس کی کوئی فکر نہیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں نواسوں یعنی حضرت حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے متعلق فرماتے ہوئے سنا کہ یہ دونوں میرے پھول ہیں۔

تشریح: اس قصہ کو بیان کرنے والے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم رحمہ اللہ تابعی ہیں، وہ بڑے عبادت گذار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، آپ کے متعلق کہا گیا کہ اگر آپ سے کہا جاتا کہ آج آپ کی زندگی کا آخری دن ہے، شام کو موت کا فرشتہ آپ کی روح قبض کرنے والا ہے، تو بھی روزانہ کے جو معمولات ہیں ان میں کوئی فرق نہ آتا، گویا انہوں نے اپنے لیے جو نظام الاوقات بنایا تھا یہ سمجھ کر ہی بنایا تھا کہ ہر دن میری زندگی کا آخری دن ہے۔

حدیث شریف کا مطلب: سائل نے مچھر کے متعلق جو سوال کیا اس کی ایک

وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ سائل حالت احرام میں ہوگا اور حالت احرام میں مچھر ماردیا ہوگا تو اس کے متعلق مسئلہ پوچھا، یا یہ کہ مچھر ماردیا جس کی وجہ سے جسم یا کپڑے پر خون لگ گیا اور اس کے بارے میں سوال تھا۔ جو بھی صورت ہو اس نے جب مسئلہ پوچھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کہا کہ عراق سے، اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے حضور کے بیٹے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تو شہید کردیا، اس خون کی کوئی فکر نہیں، اور تھوڑا سا مچھر کا خون کپڑے کو لگ گیا اس کی بڑی فکر ہوگئی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کوفہ کے قریب کربلا نامی ایک جگہ پر پیش آئی تھی، عراق والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کو قتل کردیا اس کے متعلق تو پوچھتے نہیں اور یہ شخص مچھر کے خون کا مسئلہ پوچھنے آیا۔ یعنی جو اہم ہے اس کی کوئی فکر نہیں اور غیر اہم کی فکر کررہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نواسوں سے بہت محبت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں، ان کو پھول اس لیے فرمایا کہ جس طرح پھولوں کو سونگھا جاتا ہے اسی طرح بچوں کو بھی ناک رخسار کے ساتھ لگا کر سونگھتے ہیں۔

بَابُ حَمْلِ الصَّبِيِّ عَلَى الْعَاتِقِ

٨٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رضى الله عنه يَقُولُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَالْحَسَنُ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ عَلَى عَاتِقِهِ، وَهُوَ يَقُولُ: "اللَّهُمَّ، إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ".

بچے کو کندھے پر اٹھانے کا بیان

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو ایسی حالت میں دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کندھے پر تھے اور ساتھ میں حضور ﷺ یہ بھی فرما رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما!

تشریح: حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق بخاری شریف کی ایک روایت ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ بازار سے لوٹ رہے تھے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ جب گھر پہنچے تو گھر میں داخل ہوتے ہی دروازہ کے پاس حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ بچہ کہاں ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس وقت چھوٹے تھے اور ابھی ہی چلنے لگے تھے، جب حضور کی آواز سنی تو آگے بڑھنے لگے، جب وہ آگے بڑھنے لگے تو حضور ﷺ نے ہاتھ پھیلا دیئے، حضرت حسن نے بھی اپنا ہاتھ پھیلایا اور آکر حضور کے سینہ سے چمٹ گئے، آپ نے اپنی بانہوں میں ان کو لے لیا اور ساتھ میں آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر، اور جو ان سے محبت کرے ان سے بھی تو محبت کر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی محبوب میری نگاہوں میں نہیں رہا، اس لیے کہ جب ان سے محبت کریں گے تو حضور ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ہم کو حاصل ہوگی۔

اس حدیث شریف سے صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اپنی اولاد کے ساتھ اس

طرح کا محبت کا معاملہ کرنا کہ ان کو اٹھا لینا، ان کو بوسہ دینا، ان کو کندھے پر بٹھانا، سر پر بٹھانا یہ سب اولاد سے محبت کرنے میں شمار ہے۔

بَابُ الْوَلَدُ قُرَّةُ الْعَيْنِ

٨٧ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: جَلَسْنَا إِلَى الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ رضي الله عنه يَوْمًا، فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ فَقَالَ: طُوبَى لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ اللَّتَيْنِ رَأَتَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاللهِ لَوَدِدْنَا أَنَّا رَأَيْنَا مَا رَأَيْتَ، وَشَهِدْنَا مَا شَهِدْتَ. فَاسْتُغْضِبَ، فَجَعَلْتُ أَعْجَبُ، مَا قَالَ إِلَّا خَيْرًا، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ: "مَا يَحْمِلُ الرَّجُلُ عَلَى أَنْ يَتَمَنَّى مُحْضَرًا غَيَّبَهُ اللهُ عَنْهُ؟ لَا يَدْرِي لَوْ شَهِدَهُ كَيْفَ يَكُونُ فِيهِ؟ وَاللهِ، لَقَدْ حَضَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْوَامٌ كَبَّهُمُ اللهُ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ فِي جَهَنَّمَ، لَمْ يُجِيبُوهُ وَلَمْ يُصَدِّقُوهُ، أَوَلَا تَحْمَدُونَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذْ أَخْرَجَكُمْ لَا تَعْرِفُونَ إِلَّا رَبَّكُمْ، فَتُصَدِّقُونَ بِمَا جَاءَ بِهِ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَدْ كُفِيتُمُ الْبَلَاءَ بِغَيْرِكُمْ، وَاللهِ لَقَدْ بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَشَدِّ حَالٍ بُعِثَ عَلَيْهَا نَبِيٌّ قَطُّ، فِي فَتْرَةٍ وَجَاهِلِيَّةٍ، مَا يَرَوْنَ أَنَّ دِينًا أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ، فَجَاءَ بِفُرْقَانٍ فَرَّقَ بِهِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ، وَفَرَّقَ بِهِ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهِ، حَتَّى إِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيَرَى وَالِدَهُ أَوْ وَلَدَهُ أَوْ أَخَاهُ كَافِرًا، وَقَدْ فَتَحَ اللهُ قُفْلَ قَلْبِهِ بِالْإِيمَانِ، وَيَعْلَمُ أَنَّهُ إِنْ هَلَكَ دَخَلَ النَّارَ، فَلَا تَقَرُّ عَيْنُهُ، وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ حَبِيبَهُ فِي النَّارِ"،

وَأَنَّهَا لِلَّتِي قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ [الفرقان:]

اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

ترجمہ: حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی ان کے پاس سے گذرا اور ان کو دیکھ کر کہنے لگا کیسی مبارک ہیں یہ دونوں آنکھیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی، (یعنی جن کو حضور اکرم ﷺ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا) اور پھر کہنے لگا اللہ تعالی کی قسم ہماری دلی خواہش تھی کہ ہم بھی دیکھتے وہ جو تم نے دیکھا اور ان حالات کا مشاہدہ کرتے جن کا تم نے مشاہدہ کیا۔

(یعنی نبی کریم ﷺ کا زمانہ تم نے پایا کاش ہم بھی پاتے تا کہ ہم بھی آپ کے دیدار سے مستفیض ہوتے) اس کی بات سن کر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا، حضرت جبیر ابن نفیر کہتے ہیں کہ ان کے غصہ ہونے کی کیفیت کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ اس آدمی نے تو اچھی بات کہی ہے اس میں غصہ ہونے کے کیا معنی؟ پھر کہتے ہیں کہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالی عنہ اس آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ بھائی! آدمی کو کونسی چیز اس بات پر آمدہ کرتی ہے کہ ایک ایسے زمانہ کی تمنا کرے جس سے اللہ تعالی نے اس کو دور رکھا، جبکہ اس کو معلوم نہیں کہ اگر وہ اس زمانہ کو پاتا تو اس کا کیا حال ہوتا؟

اللہ تعالی کی قسم نبی کریم ﷺ کا زمانہ بہت سے لوگوں نے پایا جن کو اللہ تعالی نے اوندھے منھ جہنم میں ڈالا، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور آپ پر ایمان نہیں لائے، کیا تم لوگ اس بات پر اللہ تعالی کی حمد وثنا نہیں کرتے کہ اللہ تعالی نے تم کو ایسے زمانہ میں پیدا کیا کہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کو تم پہچانتے ہی نہیں اور حضور ﷺ جن چیزوں کو لے کر آئے اسی کی تم تصدیق کرر ہے ہو اور آزمائش کا زمانہ دوسروں نے اٹھایا، اللہ تعالی کی قسم نبی کریم ﷺ

ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے کہ کوئی بھی نبی ایسی سخت حالت میں نہیں بھیجا گیا یعنی جاہلیت اور فترت کا زمانہ تھا (یعنی اس زمانے سے پہلے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا) اور وہ لوگ بت پرستی میں ایسے مبتلا تھے کہ وہ اسی کو سب سے بہتر دین سمجھ رہے تھے۔ پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلم کھلی ایسی دلیل لے کر آئے جس نے حق اور باطل کے درمیان تمیز کردی اور باپ اور بیٹے کے درمیان بھی فرق کردیا۔ اور بسا اوقات آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اس کا باپ، اس کا بیٹا، یا اس کا بھائی کافر ہے جب کہ اللہ نے اس کے دل کو ایمان کے لیے کھول دیا، اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میرا باپ، میرا بھائی، اور میرا بیٹا اگر اسی حالت میں مرا تو جہنم میں جائے گا اور اس کی آنکھیں اس سے ٹھنڈی نہیں ہوں گی اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ تو جہنم میں جائے گا۔

وَأَنَّهَا لِلَّتِي قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ [الفرقان:]

اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ کہ ایمان والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں، ہماری بیوی اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطاء فرما!

تشریح: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے ہیں اور جلیل القدر صحابی ہیں، غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمانوں کا ایک ہی گھوڑا تھا، یہی گھوڑے پر سوار تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ سے مشرکین کا لشکر اپنے تجارتی قافلہ کی حفاظت کی غرض سے نکل چکا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشورہ کے واسطے جمع کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ اس لیے کہ اب حالات بدل گئے تھے اور لشکر سے مقابلے کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ اس سلسلے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے معلوم کریں، تو حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے کہ جب نبیؐ کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اب کیا کیا جائے؟ تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہیں گے جیسا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا کہ ﴿فَاذْهَبْ أَنتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَٰهُنَا قَٰعِدُونَ﴾ آپ اور آپ کے رب جائیے اور لڑیئے اس لیے کہ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم تو آپ کی دائیں طرف سے، آپ کی بائیں طرف سے، آپ کے آگے سے اور آپ کے پیچھے سے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی یہ بات سن کر نبیؐ کریم ﷺ کا چہرا خوشی سے چمکنے لگا اور خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ تمنا کرنے لگے کہ کاش یہ جملہ میری زبان سے نکلا ہوتا تاکہ یہ سعادت مجھے حاصل ہوتی۔

حدیث شریف سے یہ بھی پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس حال میں اور جس زمانہ میں رکھا ہے وہی ہمارے لیے بہتر ہے، آدمی کو اس پر دل سے راضی رہنا چاہیے، بیشک آپ ﷺ کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا، مگر اس زمانہ میں ایمان لانا اور ایمان لانے کے بعد ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا یہ سب کے بس کی بات نہیں تھی، اسی لیے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو فرمایا کہ بھائی یہ ضروری نہیں کہ تم وہ زمانہ پاتے تو تم بھی اسی حالت میں (یعنی مسلمان) ہوتے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایسے ماحول میں پیدا کیا کہ چاروں طرف ایمان والا ماحول ہے، تم سب کو ایمان والا ہی پا رہے ہو، تمہارا باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی اور تمہارا پورا خاندان سب ہی مسلمان ہیں، اس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی ہیں، اس سے خوش ہونا چاہیے،

اس کی کیوں تمنا کرتے ہو کہ اللہ تعالی نے جس زمانے میں تم کو پیدا نہیں کیا اس میں
پیدا ہوتے جب کہ تم کو پتہ نہیں کہ کیا ہوتا؟

بَابُ مَنْ دَعَا لِصَاحِبِهِ أَنْ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَه

٨٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، وَمَا هُوَ إِلَّا أَنَا وَأُمِّي وَأُمُّ حَرَامٍ خَالَتِي، إِذْ دَخَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ لَنَا: "أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ؟" وَذَاكَ فِي غَيْرِ وَقْتِ صَلَاةٍ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: فَأَيْنَ جَعَلَ أَنَسًا مِنْهُ؟ فَقَالَ: جَعَلَهُ عَنْ يَمِينِهِ؟ ثُمَّ صَلَّى بِنَا، ثُمَّ دَعَا لَنَا - أَهْلَ الْبَيْتِ - بِكُلِّ خَيْرٍ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، فَقَالَتْ أُمِّي: يَا رَسُولَ اللهِ، خُوَيْدِمُكَ، ادْعُ اللهَ لَهُ، فَدَعَا لِي بِكُلِّ خَيْرٍ، كَانَ فِي آخِرِ دُعَائِهِ أَنْ قَالَ: "اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ".

اپنے ساتھی کے لیے مال اور اولاد کی زیادتی کی دعا کرنا

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حاضر ہوا اور وہاں میں، میری ماں اور میری خالہ ام حرام رضی اللہ عنہا تھیں، جس وقت ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پہنچے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں موجود نہیں تھے، بس اچانک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ میں تم کو نماز نہ پڑھاؤں؟ حالانکہ یہ کسی فرض نماز کا وقت نہیں تھا، کسی شخص نے اس روایت کے راوی حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نماز کے دوران حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہاں کھڑا کیا تھا؟ تو جواب میں حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنی داہنی جانب کھڑا کیا تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور سب گھر والوں کے لیے دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد میری والدہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!

یہ آپ کا چھوٹا سا خادم انس موجود ہے، آپ اس کے لیے دعا فرما دیجیے (یعنی الگ سے خاص دعا کر دیجیے) چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے بھی دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی کی دعا کی اور آپ کی دعا کے آخر میں یہ جملے بھی تھے کہ اے اللہ! اس کے مال میں اور اولاد میں اضافہ فرما اور اس میں برکت دے۔

تشریح: شراح حدیث نے لکھا ہے کہ جب ہم کسی کے لیے مال اور اولاد کی دعا کریں تو مال اور اولاد میں اضافہ کی دعا کے ساتھ اس میں برکت کی دعا بھی کرنی چاہیے، اس لیے کہ مال اور اولاد میں اضافہ آدمی کے لیے اسی وقت مفید ہوگا جب کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت بھی رکھی جائے گی۔

بَابُ الْوَالِدَاتُ رَحِيمَاتٌ

٨٩ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَأَعْطَتْهَا عَائِشَةُ ثَلَاثَ تَمَرَاتٍ، فَأَعْطَتْ كُلَّ صَبِيٍّ لَهَا تَمْرَةً، وَأَمْسَكَتْ لِنَفْسِهَا تَمْرَةً، فَأَكَلَ الصِّبْيَانُ التَّمْرَتَيْنِ وَنَظَرَا إِلَى أُمِّهِمَا، فَعَمَدَتْ إِلَى التَّمْرَةِ فَشَقَّتْهَا، فَأَعْطَتْ كُلَّ صَبِيٍّ نِصْفَ تَمْرَةٍ، فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ فَقَالَ: "وَمَا يُعْجِبُكَ مِنْ ذَلِكَ؟ لَقَدْ رَحِمَهَا اللهُ بِرَحْمَتِهَا صَبِيَّيْهَا".

مائیں شفیق اور مہربان ہوا کرتی ہیں

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے پاس اس وقت تین ہی کھجوریں تھیں) اس عورت کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے، اس نے اپنے بچوں کو ایک ایک کھجور دی اور اپنے لیے ایک کھجور رہنے دی، ان دونوں بچوں نے اپنی اپنی کھجوریں کھالیں اور للچائی ہوئی نگاہوں سے اپنی ماں کی کھجور کی طرف دیکھنے لگے (ماں نے جب دیکھا کہ بچے میرے ہاتھ والی کھجور کو دیکھ رہے ہیں) تو ماں نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچوں کو دے دیا (اس عورت کا یہ عمل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے بڑا تعجب خیز تھا) جب نبی کریم ﷺ مکان پر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کو وہ واقعہ بیان کیا (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بڑا تعجب اس پر تھا کہ ماں نے اپنے حصہ کی کھجور بھی اپنے دونوں بچوں کو دے دی) اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس پر تعجب کی کیا بات ہے، اس عورت نے اپنے بچوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا معاملہ کیا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی اس عورت پر مہربانی کا معاملہ کریگا۔

تشریح: ماں اپنے بچوں پر بہت مہربان ہوتی ہے، خود بھوکی رہتی ہے اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرتی ہے، خود پیاسی رہتی ہے اور اپنے بچوں کی پیاس دور کرتی ہے، خود جاگتی ہے اور اپنے بچوں کو سلاتی ہے، اپنے بچوں کے لیے وہ طرح طرح کا دکھ سہتی ہے۔

ماں اپنے بچوں کے ساتھ جو بھی محبت کا سلوک کرے گی اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ محبت کا سلوک کریگا اور یہ معاملہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت، رضا اور قرب کا ذریعہ بنے گا۔

بَابُ قُبْلَةِ الصِّبْيَانِ

٩٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى

اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَتُقَبِّلُونَ صِبْيَانَكُمْ؟ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَوَ أَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ؟".

بچوں کو بوسہ دینا

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دیہاتی نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ تم لوگ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو، ہم تو کبھی اپنے بچوں کو بوسہ نہیں دیتے۔ اس پر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے شفقت اور مہربانی نکال دی ہے تو اس کا میرے پاس کیا علاج ہے؟

تشریح: بچوں کو چومنا، بوسہ دینا، پیار کرنا یہ تو عین بچوں کے ساتھ محبت کا اظہار ہے، اگر کوئی آدمی اپنے بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر وہ کیفیت نہیں ہے اور وہ اس سے محروم ہے۔

٩١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَبَّلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيمِيُّ جَالِسٌ، فَقَالَ الْأَقْرَعُ: إِنَّ لِي عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: "مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نواسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا (جس وقت ان کو بوسہ دیا وہ چھوٹے بچے تھے) اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قبیلۂ بنو تمیم کے سردار اقراع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے

ہوئے تھے، یہ منظر دیکھ کر اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے تو دس بچے ہیں آج تک میں نے کسی کو بھی بوسہ نہیں دیا۔ اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ''جو آدمی دوسروں کے ساتھ رحمت اور شفقت کا معاملہ نہیں کرتا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی رحمت اور شفقت کا معاملہ نہیں کیا جاتا''۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کو بوسہ دینا، بچوں سے بوسہ لینا، ان کو سونگھنا، ان کے ساتھ دل لگی کرنا، ان کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کرنا یہ تو عین شریعت کا تقاضہ ہے، یہ تقاضہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے دل میں رکھا ہے، یہ تو ہونا ہی چاہیے۔

اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دینے کے عمل کو اس لیے تعجب کی نگاہ سے دیکھا کہ ممکن ہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ اس طرح بچوں کو بوسہ دینا بڑے آدمی کا کام نہیں ہے، یا انہوں نے اس کو تہذیب وتمدن کے خلاف سمجھ کر اپنی شان کے خلاف سمجھا ہو۔

بَابُ أَدَبِ الْوَالِدِ وَبِرِّهِ لِوَلَدِهِ

۹۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ نُمَيْرِ بْنِ أَوْسٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يَقُولُ: كَانُوا يَقُولُونَ: الصَّلَاحُ مِنَ اللهِ، وَالْأَدَبُ مِنَ الْآبَاءِ .

باپ کا اپنے بچوں کو ادب سکھلانا اور ان کے ساتھ بھلائی کرنا

ترجمہ: نمیر بن اوس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے بڑے یوں کہا کرتے تھے کہ

کسی کی طبیعت اور مزاج میں اگر نیکی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا ہے اور اگر کسی کی زندگی میں ادب ہے تو یہ ماں باپ کی محنت اور توجہ کا نتیجہ ہے۔

تشریح: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بچوں کو ادب سکھلانے کے لیے والدین کو محنت اور کوشش کرنی چاہیے، جب والدین کی طرف سے اپنی اولاد کو ادب سکھلانے کا اہتمام کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے بچوں کو ادب سے نوازیں گے۔

۹۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْقُرَشِيُّ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدَ، عَنْ عَامِرٍ، أَنَّ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ أَبَاهُ انْطَلَقَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُهُ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُشْهِدُكَ أَنِّي قَدْ نَحَلْتُ النُّعْمَانَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ: "أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "فَأَشْهِدْ غَيْرِي"، ثُمَّ قَالَ: "أَلَيْسَ يَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا فِي الْبِرِّ سَوَاءً؟" قَالَ: بَلَى، قَالَ: "فَلَا إِذًا" قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْبُخَارِيُّ: لَيْسَ الشَّهَادَةُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُخْصَةً.

اولاد پر تقسیم میں برابری نہ کرنے پر وعید

ترجمہ: حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد ان کو اپنی گود میں اٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں اس بات پر کہ میں نے اپنے بیٹے نعمان کو یہ یہ چیز ہدیہ میں دی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا باقی سب اولاد کو بھی آپ نے ہدیہ دیا؟ کہا کہ نہیں، سب کو نہیں دیا، صرف اسی کو دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس پر گواہ نہیں بنتا، کسی اور کو گواہ بنالو اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کیا تمہارے لیے یہ بات خوش کن نہیں کہ تمہاری تمام اولاد تمہارے ساتھ حسن سلوک میں یکساں

رہے؟ تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ کیوں نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم ایسا نہ کرو۔

تشریح: حضرت نعمان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، آپ کے والد حضرت بشیر ابن سعد رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں، نبیٔ کریم ﷺ کے انتقال کے بعد مہاجرین و انصار میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے یہی بشیر ابن سعد رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہوا تھا، ان کے بطن سے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔ ان کی اور بھی بیویاں تھیں، ان سے بھی اولاد تھی۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی والدہ عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا کا اصرار تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس کو آپ ہدیہ دیجیے۔ بعض روایتوں میں ہدیہ میں غلام دینے کا ذکر ہے، بعض روایتوں میں باغ کا تذکرہ ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت بشیر ابن سعد رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ اپنا غلام اپنے بیٹے نعمان رضی اللہ عنہ کو ہدیہ میں دیا تھا، پھر واپس لے لیا تھا اور دوسری مرتبہ باغ دینے کی بات کی تھی، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ جو ہدیہ دیا تھا وہ باقی نہیں رکھا تھا اس لیے اب کی مرتبہ آپ کی والدہ کی طرف سے یہ تقاضہ ہوا کہ اس ہدیہ پر حضور ﷺ کو گواہ بناؤ تو میں اعتبار کروں گی، حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے نعمان رضی اللہ عنہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اپنے اس بیٹے کو میرے مال میں سے اتنا اتنا ہدیہ دینا چاہتا ہوں اور اس پر آپ کو گواہ بناتا ہوں۔ اور دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہاری اور بھی اولاد ہے؟ کہا کہ ہاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو

کچھ دیا؟ کہا کہ نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پر گواہ نہیں بنتا۔ اور پھر یہ فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد تمہاری خدمت کرے؟ تو حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیوں نہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تب تو تم اپنی سب ہی اولاد کو برابر دو۔ اس لیے کہ جب وہ سب تمہاری خدمت کر رہے ہیں تو اس کا تقاضہ ہے کہ تم بھی ان سب کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، اب ان میں سے کسی ایک کو ہدیہ دو، بخشش دو، ان کے ساتھ زیادہ پیار اور محبت کرو اور دوسری اولاد سے کم محبت کرو، کم دو، یا بالکل نہ دو، تو تمہارا یہ سلوک ان کے دل و دماغ پر اپنا اثر ڈالے گا اور دھیرے دھیرے ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں تمہارے متعلق کوئی گرہ لگ جائے اور پھر یہی اولاد تمہارے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہ کرے، تمہاری یہ روش غلط ہے اور یہ تمہاری اولاد کو تمہارے ساتھ بدسلوکی پر آمادہ کرنے کا ذریعہ بنے گی۔ اگر باپ اپنے کسی بچے کو کسی شرعی وجہ سے زیادہ دے رہا ہے، مثلاً اولاد میں سے کوئی نیک ہے تو اس کی نیکی کی وجہ سے باپ زیادہ دے رہا ہے، یا کسی بچے کے حسن سلوک اور حسن خدمت کی وجہ سے باپ اس کو زیادہ دے رہا ہے اور دوسرے بچوں میں یہ بات نہیں پائی جا رہی ہے اس لیے ان کو کچھ کم دے رہا ہے، یا اولاد میں سے کوئی کمزور، اپاہج یا بیمار ہے تو اس کے کمزور، اپاہج اور بیمار ہونے کی وجہ سے ضرورت تھی کہ اس کی طرف کچھ زیادہ توجہ کی جائے تو یہ دینا صحیح ہوگا، یا یہ کہ ماں باپ دیکھ رہے ہیں کہ سب اولاد برسرِ روزگار ہے، لیکن ان میں کوئی بچہ مالی اعتبار سے کمزور ہے اور ماں باپ سمجھ رہے ہیں کہ اقتصادی اعتبار سے اس کا معیارِ زندگی بھی ٹھیک ہو جائے اس لیے اس کو کچھ زیادہ دیا جا رہا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ کسی کو کم یا زیادہ دینے کی کوئی شرعی وجہ ہے،

اور کسی اولاد کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں ہے تو اس طرح کی کمی بیشی ہمارے یہاں جائز ہے، اس وقت یہ کمی بیشی گناہ نہیں ہے، ہاں اگر اس کمی بیشی سے کسی بچے کو نقصان پہنچانے کی نیت ہو کہ میں ایک سے ناراض ہوں اس لیے اس کو نہ ملے تو اب یہ کمی بیشی کرنے والا گنہ گار سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: حضرات امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک رحمہم اللہ کے یہاں راجح اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو اپنی حیات میں ہدیہ اور بخشش دینا چاہتا ہے تو سب ہی اولاد کو برابر دے، اگر باپ نے بغیر کسی شرعی وجوہ ترجیح کے اپنی اولاد میں سے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیا تو اس نے یہ اچھا نہیں کیا۔

امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری رحمہما اللہ کے یہاں سب اولاد کو برابر دینا ضروری اور فرض ہے، کمی بیشی کے ساتھ دینا صحیح نہیں ہوگا۔

ہاں! وراثت کا مسئلہ الگ ہے، وراثت کی تقسیم خود اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے کردی ہے، اب اس میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں، وراثت میں لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں دوگنا ملتا ہے، باپ کے انتقال پر باپ کی ملکیت خود بخود ورثاء کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اس میں کسی کے لیے بھی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔

بَابُ بِرِّ الْأَبِ لِوَلَدِهِ

٩٤ - حَدَّثَنَا ابْنُ مَخْلَدٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ، عَنِ الْوَصَّافِيِّ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: إِنَّمَا سَمَّاهُمُ اللهُ أَبْرَارًا، لِأَنَّهُمْ بَرُّوا الْآبَاءَ وَالْأَبْنَاءَ، كَمَا أَنَّ لِوَالِدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، كَذَلِكَ لِوَلَدِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ.

باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ابرار کے لقب سے تعبیر کیا ہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنے باپوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا اور اپنے بیٹوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا۔ جیسا تمہارے والد کا تم پر حق ہے اسی طرح تمہاری اولاد کا بھی تم پر حق ہے

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے والد اور اولاد دونوں موجود ہوں اور وہ شخص اپنے والد کے بھی سارے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنے بچوں کی ذمہ داری کو بھی ادا کرتا ہے ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے ابرار کا لقب دیا ہے۔

''اَبْرَار'' یہ بِرٌّ سے ماخوذ ہے اور بِر کہتے ہیں اس حسن سلوک کو جو اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ کرتی ہے اور ابرار اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا لقب ہے، اللہ تعالیٰ وہ خاص مقام ماں باپ کی خدمت کرنے والی اولاد کو عطا فرماتا ہے اور ماں باپ کے علاوہ رشتہ داروں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا جاتا ہے اس کو لفظ صلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بَابُ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ

٩٥ - حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ فِرَاسٍ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ''.

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ نہیں کرتا اس کے ساتھ بھی مہربانی کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

تشریح: قدرت کی طرف سے جتنے معاملات پیش آتے ہیں اس کا ظاہر میں کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے، جو شخص کسی کے ساتھ جیسا معاملہ کرے گا اس کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا، اگر کوئی شخص کسی پر مہربانی کا معاملہ کرے گا تو دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ مہربانی کریں گے اور اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ مہربانی سے پیش نہیں آئے گا تو لوگ بھی اس کے ساتھ مہربانی سے پیش نہیں آئیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کسی نے کسی بوڑھے شخص کے بڑھاپے کی وجہ سے اس کی تعظیم کی تو جب اس کا بڑھاپا آئے گا تو لوگ بھی اس کی تعظیم کریں گے۔

٩٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، وَأَبِي ظَبْيَانَ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ".

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو لوگوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ نہیں فرماتا۔

٩٧ - وَعَنْ عَبْدَةَ ، عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ ، عَنْ قَيْسٍ ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللهُ".

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ بھی رحم نہیں کرتا۔

٩٨ - وَعَنْ عَبْدَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسٌ مِنَ الْأَعْرَابِ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْهُمْ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَتُقَبِّلُونَ الصِّبْيَانَ، فَوَاللهِ مَا نُقَبِّلُهُمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَوَ أَمْلِكُ إِنْ كَانَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ نَزَعَ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ؟".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کچھ دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ حضور! کیا آپ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہیں؟ اللہ کی قسم ہم تو نہیں دیتے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں سے محبت اور شفقت نکال دی تو میں اس میں کیا کر سکتا ہوں؟

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے محبت کا مادہ نکال دیا تو یہ میرے اختیار میں نہیں کہ تیرے دل میں اس محبت کے مادہ کو بھر دوں وہ تو اللہ ہی تیرے دل میں محبت ڈالے تو تیرے دل میں مہربانی کا مادہ پیدا ہوگا اور پھر تو بھی بچوں کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ کرے گا۔

٩٩ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا، فَقَالَ الْعَامِلُ: إِنَّ لِي كَذَا وَكَذَا مِنَ الْوَلَدِ، مَا قَبَّلْتُ وَاحِدًا مِنْهُمْ، فَزَعَمَ عُمَرُ، أَوْ قَالَ عُمَرُ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَرْحَمُ مِنْ عِبَادِهِ إِلَّا أَبَرَّهُمْ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کسی جگہ کا حاکم بنایا، اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میری اتنی اولاد ہے ان میں سے کسی کو بھی میں نے بوسہ نہیں دیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جو بندہ دوسرے کے حقوق

کو ادا کرنے والا ہے اور اپنی اولاد کے ساتھ بھلائی کرنے والا ہے اسی پر اللہ تعالیٰ رحم کا معاملہ فرماتا ہے اور جو بندہ اپنی اولاد کے ساتھ رحمت کا، شفقت کا معاملہ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں فرماتا۔

بَابُ الرَّحْمَةُ مِائَةُ جُزْءٍ

۱۰۰ - حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "جَعَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ، فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ، وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا، فَمِنْ ذَلِكَ الْجُزْءِ يَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ، حَتَّى تَرْفَعَ الْفَرَسُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا، خَشْيَةَ أَنْ تُصِيبَهُ".

صفت رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو حصوں میں سے ایک حصہ ہے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے صفت رحمت کے سو حصے کیے اور اپنے پاس ننانوے حصے رہنے دیے اور زمین کے اندر ساری مخلوق کے درمیان ایک حصہ اتارا، ساری مخلوق کے لیے زمین میں اتارے ہوئے ایک حصہ کا نتیجہ یہ ہے کہ مخلوق آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت کا، مہربانی کا معاملہ کرتی ہے، یہاں تک کہ گھوڑی اپنا پاؤں اپنے بچے کے اوپر سے اس لیے اٹھائے رکھتی ہے کہ اس کے بچے کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔

تشریح: گھوڑی کو دیکھا ہوگا کہ اس کا بچہ اس کے پاس لیٹا ہوا ہوتا ہے اور گھوڑی رات بھر اپنا پاؤں اونچا رکھتی ہے اس خوف سے کہ کہیں اس کا پیر اس کے

بچے کو نہ لگ جائے۔ایک جانور کے اندر اپنے بچے کے ساتھ جو ہمدردی نظر آرہی ہے یہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی کا جو جذبہ رکھا ہے اس کا اثر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو (۱۰۰) حصوں میں سے ایک حصہ کا ظہور ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کافر کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں اور ایک حصہ کا ظہور دنیا میں ہے، باقی ننانوے حصے آخرت کے لیے رکھے ہیں تو وہ بھی جنت کی امید کرنے لگے۔اور مسلمان کو اللہ کے عذاب کا علم ہو جائے تو وہ بھی جہنم سے ڈرنے لگے اس اندیشہ سے کہ کہیں میں جہنم میں نہ پہنچ جاؤں (بخاری شریف)

ایک مسلمان کے اندر دونوں کیفیات ہونی چاہئیں امید کی بھی اور خوف کی بھی، امید سے جنت کا راستہ ہموار ہوتا ہے اور خوف سے جہنم سے دوری بڑھتی ہے۔

بَابُ الْوَصَاةِ بِالْجَارِ

۱۰۱ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا زَالَ جِبْرِيلُ عليه السلام يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ".

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام پڑوسی کے سلسلے میں مجھے برابر تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ

گمان ہونے لگا کہ کہیں آئندہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم لے کر نہ آجائیں کہ وراثت میں بھی ان کا حصہ ہے۔

تشریح: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی، بھلائی کا معاملہ کرنے کی اور ان کو تکلیف نہ پہنچانے کی مجھے بار بار تاکید فرماتے رہے اور اتنی تاکید کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ کہیں آپ پڑوسی کو وارث قرار نہ دیں؟ یعنی جیسے اہل خاندان میں سے باپ، بیٹا، بھائی، بہن وغیرہ مرنے والے کے مال کے وارث ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ کہیں آئندہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم لے کر کے نہ آجائیں کہ وراثت میں بھی پڑوسی کا حصہ ہے۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پڑوسی کے حقوق کتنے اہم ہیں اور اس کو ادا کرنے کا کتنا اہتمام کرنا چاہیے۔ اور اس میں ادنیٰ درجہ کی کوتاہی سے بھی بچنا چاہیے۔

۱۰۲ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ، رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ".

ترجمہ: حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، جو آدمی

اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے۔

تشریح: حدیث شریف میں ایسے موقع پر عام طور پر اللہ تعالیٰ کے اوپر ایمان لانے کے تذکرے کے ساتھ ساتھ آخرت کے دن پر ایمان کا تذکرہ کیا جاتا ہے، حالاں کہ جن جن چیزوں پر ایمان لانا ہے ان میں اور بھی چیزیں ہیں، مثلاً رسول کی رسالت پر ایمان لانا، فرشتوں پر ایمان لانا، اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ آخرت پر ایمان لانے کا تذکرہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ جس آدمی کے دل میں یہ یقین ہو اور یہ احساس ہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کو حساب دینا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو بجالانے کا اور اللہ کی نافرمانیوں سے اپنے آپ کو بچانے کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام کرے گا۔ یہ آخرت کا استحضار آدمی کو اللہ کی نافرمانی سے خاص طور پر بچاتا ہے، قرآن میں بھی اکثر جگہ پر اس کا تذکرہ ہے ﴿وبالآخرۃ ھم یوقنون﴾ وہ لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

میرا تو اور آگے کا سفر ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور جانے کے لیے ٹرین میں سوار ہو رہے تھے، حضرت کے پاس کچھ وزنی سامان تھا جو کسی نے چلتے وقت بطور ہدیہ دیا تھا۔ دیکھنے سے معلوم ہو رہا تھا کہ ایک ٹکٹ پر جتنا سامان لیجا سکتے ہیں اس سے زیادہ تھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جہاں مسافر اپنا سامان وزن کرواتے ہیں وہاں کھڑے ہو گئے حضرت جس ٹرین سے سفر کرنے والے تھے اس ٹرین کا گارڈ حضرت کو پہچانتا تھا اس نے حضرت کو دیکھ لیا کہ حضرت سامان وزن

کرنے والی لائن میں کھڑے ہیں، تو اس نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ فرمایا کہ یہ سامان وزن کروانا ہے اور اس کا ٹکٹ بنوانا ہے، اس نے کہا کہ آپ جس ٹرین میں سفر کر رہے ہیں میری ڈیوٹی بھی اسی ٹرین میں ہے، سامان وزن کروانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ ایسے ہی سوار ہو جایئے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی کونسے اسٹیشن تک تمہاری ڈیوٹی ہے؟ کہا کہ میں غازی آباد تک جاؤں گا، کہا کہ اس کے بعد؟ تو کہا کہ اس کے بعد میری جگہ پر جو دوسرا گارڈ آئے گا میں اس کو بتادوں گا کہ زائد سامان کی میں نے حضرت کو اجازت دی ہے، حضرت نے پوچھا کہ وہ گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا کہ وہ تو آپ کو جہاں اترنا ہے اس سے آگے تک جائے گا، حضرت نے کہا کہ مجھے تو اور آگے تک یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں جانا ہے، آخرت میں پہنچنا ہے، وہاں بھی وہ شخص معاملہ ٹھیک کروادیتا ہو تو ٹھیک ہے۔

اللہ کے یہاں جواب دہی کا احساس اللہ کی نافرمانی سے بچاتا ہے

زندگی کا اصل مقصد یہی ہے کہ آدمی کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ یہاں کی زندگی کا مجھے اللہ کے یہاں جواب دینا ہے، یہ احساس، یہ یقین اور یہ عقیدہ آدمی کو اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرواتا ہے، چاہے آدمی تنہائی میں ہو، یا لوگوں کے سامنے ہو، دن کے اجالے میں ہو یا رات کے اندھیرے میں ہو، کوئی اسے دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو۔

یہ جو پیری مریدی، شیخ کی صحبت، ذکرواذکار، تلاوت وتسبیحات، شیخ کو اپنے حالات کی اطلاع کرنا اور شیخ جو علاج بتلائے اس کی اتباع کرنا، ان سب کا اصل

مقصد یہی ہے کہ آدمی کے اندر فکر آخرت پیدا ہو جائے، جب یہ چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں تو مشکل سے مشکل کام کرنا آسان ہو جاتا ہے اور بڑے سے بڑے گناہ سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

پڑوسی کو ادنیٰ درجہ کی تکلیف بھی نہ پہنچے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت کو بتلا رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو آدمی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک اور بھلائی کا معاملہ کرے۔ ایک اور روایت ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اس میں یہ عنوان باندھا ہے (فلا یؤذ جارہ) اپنے پروسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ پڑوسیوں کے حقوق کے متعلق ایک روایت ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے پڑوسی کو راحت نہ پہنچا سکتا ہو تو کم از کم کسی بھی حالت میں ادنیٰ درجہ کی بھی تکلیف نہ پہنچائے۔

پڑوسی کو تکلیف پہنچانے پر بڑی سخت وعید

اس بات کا خاص طور پر اہتمام ہونا چاہیے کہ ہمارے پڑوسی کو ہماری ذات سے ادنیٰ درجہ کی بھی تکلیف نہ پہنچے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس کی بڑی تاکید کی ہے، بلکہ ایک روایت میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (واللہ لا یؤمن، واللہ لا یؤمن، واللہ لا یؤمن) اللہ تعالیٰ کی قسم وہ آدمی ایمان والا نہیں، اللہ تعالیٰ

کی قسم وہ آدمی ایمان والا نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم وہ آدمی ایمان والا نہیں۔ اس قسم کے تاکیدی الفاظ نبیٔ کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جب صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سنے تو وہ بے چین ہو گئے اور فوراً انہوں نے پوچھا: من یا رسول اللہ؟ صحابہ نے پوچھا وہ کون اللہ کے پیغمبر ﷺ؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا (من لا یامن جارہ بوائقہ) جس کا پڑوسی اس کی ایذاءرسانی سے مامون نہ ہو، یعنی پڑوسی کو اپنے پڑوسی کے بارے میں اطمینان اور سکون ہونا چاہیے کہ مجھے اس کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، اگر پڑوسی کے دل میں یہ اندیشہ، خطرہ اور ڈر ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی طرف سے مجھے تکلیف پہنچ جائے تو بھی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ بھی پڑوسی کے حقوق میں کمی کرنا ہے، حقیقی تکلیف پہنچانا تو دور کی بات ہے۔

پڑوسی کے حقوق کا اتنا زیادہ خیال کرتے تھے

بہر حال پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں بڑی تاکید آئی ہے، اسی لیے ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا اور دور دور تک کوئی ایسا شائبہ یا اندیشہ ہوتا کہ یہ چیز پڑوسی کے لیے باعث تکلیف بن سکتی ہے تو اس سے بھی اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرتے تھے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک اللہ والے تھے، ان کے یہاں چوہوں کی کثرت ہوگئی جس کی وجہ سے وہ پریشان تھے، ایک مرتبہ اپنی مجلس میں اس کا تذکرہ کیا کہ چوہوں کی وجہ سے بڑی پریشانی ہے، کسی نے مشورہ دیا کہ حضرت بلی پال لیجیے جس کی وجہ سے چوہے ختم ہو جائیں گے، خیر بات آئی گئی ہوگئی، پھر کچھ

دنوں کے بعد دوبارہ انہوں نے اسی کا تذکرہ کیا کہ چوہوں نے بہت پریشان کر رکھا ہے، تو جس صاحب نے پہلی مرتبہ بلی پالنے کا مشورہ دیا تھا وہ پھر کہنے لگے کہ آپ کو کہا تو تھا کہ آپ بلی پال لیجیے، آپ بلی پالتے نہیں اور فریاد کرتے رہتے ہیں، آخر کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ اگر میں بلی پالوں اور وہ چوہوں کا شکار کرلے تو یہ بات تو ٹھیک ہے، لیکن ڈر یہ ہے کہ اگر بلی کے آنے پر چوہے میرا گھر چھوڑ کر پڑوسی کے گھر میں چلے گئے تو میرے پڑوسی کو اس سے تکلیف ہوگی، اور جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ اپنے پڑوسی کے لیے کیسے پسند کروں گا؟ گویا اتنا زیادہ اہتمام ان کے یہاں ہوتا تھا۔

حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ گذرے ہیں، حضرت میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے، بڑے صاحب کشف اور بڑے اہل اللہ میں سے تھے، ان کا مزار راندیر سورت میں ہے، ویسے تو دیو بند کے رہنے والے تھے، لیکن بار بار (گجرات) راندیر آتے تھے، حضرت ایک مرتبہ راندیر آئے تھے کہ اسی زمانہ میں بیمار ہوئے اور اسی بیماری میں راندیر ہی میں انتقال ہوا۔ آپ کا پورا گھرانہ اہل اللہ کا گھرانہ تھا۔ حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانے کو نسبت اویسیہ حاصل ہے، جس وقت دار العلوم دیو بند کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلی اینٹ آپ کے نانا کے ہاتھ سے رکھوائی، آپ کے نانا حضرت منے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور تھے اور فرمایا کہ یہ ایسا شخص ہے کہ کبیرہ گناہ تو کیا ان

کے دل میں کبھی صغیرہ گناہ کا خیال بھی نہیں آیا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۶ ص ۳۴۲)

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے، اور اپنے شاگرد کے ساتھ محبت کا و عنایت کا سلوک کیا کرتے تھے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گذر بسر کے لیے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا، حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ کا بھی کتب خانہ تھا، ایک مرتبہ کچھ پنج سورے غلط چھپ گئے تو وہ سب حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خرید کر کے رکھوا دیے، اور یہ سارا نقصان خود برداشت کرلیا۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں میری بھی شرکت تھی مگر میرا حصہ بھی حضرت نے خرید لیا تاکہ میرا نقصان نہ ہو۔

آم کے موسم میں پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عصر کے بعد میں حضرت میاں اصغر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر حاضر ہوا، آم کا موسم تھا تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مفتی جی آم چوسو گے؟ کہا کہ کیوں نہیں، آم اور وہ بھی آپ کے دستِ مبارک سے یہ تو ہماری سعادت کی بات ہے، ایک بالٹی میں آم پانی میں بھگوئے ہوئے تھے اور دوسری بالٹی چھلکے اور گٹھلیاں ڈالنے کے لیے خالی رکھی تھی، جب ہم آم کھا کر فارغ ہوئے تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اٹھے تاکہ چھلکوں اور گٹھلیوں کو باہر ڈال آئیں، تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں روک دیا اور پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ کہا کہ اسے باہر پھینک کے آتا ہوں، تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ پھینکنا آتا ہے؟ تو

کہا کہ یہ بھی کوئی سیکھنے کی چیز ہے؟ کہا کہ ہاں، یہ بھی سیکھنے کی چیز ہے آؤ! میں بتلاتا ہوں، اس کے بعد حضرت نے چھلکے الگ کیے اور گٹھلیاں الگ کیں اور باہر گئے اور محلے کے اندر کچھ چھلکے ایک جگہ پر اور کچھ چھلکے دوسری جگہ پر ڈالے اور ساری گٹھلیاں ایک جگہ پر ڈال دیں، اس کے بعد فرمانے لگے کہ دیکھو! یہ ہمارا محلہ غریبوں کا محلہ ہے، اور ان لوگوں کو کھانے کے لیے روٹی بھی مشکل سے میسر ہوتی ہے وہ بیچارے آم خرید کر تو اپنے بچوں کو کہاں سے کھلاتے، اگر آپ ان گٹھلیوں اور چھلکوں کو باہر پھینک آتے تو ایک ہی جگہ پر اتنی زیادہ گٹھلیاں اور چھلکے پڑے ہوئے دیکھ کر ان کے دل میں یہ خیال آتا کہ ہمارے پاس پیسے نہ ہوئے جو ہم اپنے بچوں کو آم کھلاتے اور ان کو حسرت نایافت ہوتی اور یہ انکی تکلیف کا باعث بنتا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت کے یہاں جو آم آتے تھے حضرت اکثر و بیشتر مہمانوں کے علاوہ محلے کے بچوں کو بلا کر کھلاتے تھے، خود تو آم کھانے کی بہت کم نوبت آتی تھی۔

مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ

اور آم کے چھلکے حضرت نے دو جگہ ڈالے، اس کی وجہ یہ بتلائی کہ ہمارے محلے کے لوگ غریب ہیں، بکریاں پالتے ہیں، ان کی بکریاں ان جگہوں پر بیٹھتی ہیں، یہ چھلکے بکریاں کھالیں گی اور جہاں گٹھلیاں ڈالی ہیں وہاں ہمارے محلے کے بچے کھیلتے ہیں تو غریبوں کے بچے گٹھلیاں سیک کر کھالیا کرتے ہیں۔

جو چیزیں ہماری نگاہ میں بے کار ہیں ان کی بھی ان حضرات کے یہاں کیسی قدر تھی۔

دسترخوان جھاڑنا بھی آتا ہے؟

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کھانا کھایا، کھانے کے بعد میں دسترخوان اٹھا کر باہر جھاڑنے کے لیے آگے بڑھا تو کہا کہ ٹھہرو! دسترخوان جھاڑنا بھی آتا ہے اور خود حضرت آگے بڑھے اور دسترخوان پر سے پہلے چھوٹے چھوٹے روٹی کے ذرات کو ایک طرف کیا، اس کے بعد روٹی کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو ایک طرف کیا، ہڈیوں کو ایک طرف کیا اور باہر تشریف لے گئے اور جہاں چیونٹیوں کے بِل تھے وہاں چھوٹے چھوٹے ذرات ڈالے اور روٹی کے کچھ بڑے ٹکڑے تھے وہ ایک دیوار کے اوپر رکھے اور ہڈیوں کو محلے کے ایک کونے میں رکھا، اور پھر فرمایا کہ یہاں محلے کے کتے جمع ہوتے رہتے ہیں ہڈیاں ان کو کام آئیں گی اور جہاں روٹی کے بڑے بڑے ٹکڑے رکھے ہیں وہاں پرندے آتے ہیں ان کے کام آجائیں گے اور روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات چیونٹیوں کے بِل کے پاس رکھے اس لیے کہ یہ ذرات چیونٹیوں کی غذا ہیں یہ ان کو کام آجائیں گے۔

دیکھیے ذرا! حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کسی چیز کو ضائع نہیں کیا۔ ہم تو ایسی بے دردی کے ساتھ اللہ کی نعمتوں کو ضائع کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔

پکے مکان سے ان کو حسرت ہوگی

ایک اور قصہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ حضرت مولانا ولی رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا

مکان کچا مٹی کا بنا ہوا تھا، جب بھی بارش کا زمانہ آتا تھا تو کھپریل کو ٹھیک کرنا پڑتا تھا تاکہ پانی نہ ٹپکے اور جو کچی دیواریں تھیں ان کو بھی ٹھیک کرنا پڑتا تھا اور ہر سال بارش کے موسم کے آنے سے پہلے ایسا کرتے تھے اور اس کے لیے گھر کا سامان بھی باہر نکالنا پڑتا تھا، تو ہر سال یہ سلسلہ رہتا تھا، ایک مرتبہ میں نے (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے) عرض کیا کہ حضرت! ہر سال تکلیف اٹھاتے ہیں اور خرچہ بھی ہوتا ہے، پریشانی بھی ہوتی ہے، اگر چند سالوں کا خرچہ ملایا جائے تو نیا مکان بن جائے؟ حضرت نے فرمایا جی! میں تو بوڑھا ہو گیا پھر بھی یہ چیز میری سمجھ میں نہیں آئی اچھا ہوا آپ نے بتلا دیا اور اس کے بعد کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ یہ غریبوں کا محلہ ہے، اس محلے میں سب کے مکانات کچے ہیں، اب اگر میں اپنا مکان پکا بنا لوں تو ظاہر ہے ان کے دل میں حسرت ہوگی کہ ہمارے پاس استطاعت نہ ہوئی کہ ہم اپنا مکان پکا بنا سکیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس محلہ کے لوگوں کی مالی حالت درست کی اور ان سب کے مکانات پکے بن گئے تب حضرت نے اپنا مکان پکا بنوایا۔

امت کی ہمدردی کا ایک عجیب قصہ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادہ حضرت مولانا ولی رازی رحمہ اللہ نے ایک عجیب قصہ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہے کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس محلہ میں رہتے تھے وہاں ایک پختہ بڑے دروازے والا عمدہ مکان تھا،

حضرت شام مغرب کے بعد اس پختہ مکان کے پاس سے گھر کی طرف لوٹتے تھے، یا عشاء کی نماز کے لیے اپنے مکان سے اس مکان کے پاس سے تشریف لیجاتے تھے تو اس پختہ مکان کے آنے سے کچھ پہلے حضرت اپنے جوتے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیتے تھے اور وہاں سے گذر جانے کے بعد پہنتے تھے۔ تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ حضرت ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حضرت سے جب اس کی وجہ دریافت کی گئی تو کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ یہ بڑا مکان وہ ایک طوائف کا ہے، اس کی جوانی کے زمانہ میں اس کا بہت چرچا تھا اور لوگوں کا ہجوم لگا رہتا تھا، اب وہ بوڑھی ہوگئی ہے، وہ روزانہ اپنی عادت کے مطابق بن سنور کر کے بیٹھتی ہے، لیکن اب تو اس کی جوانی ختم ہوگئی اس لیے کوئی آتا نہیں ہے، اس کے دروازہ کے پاس سے کوئی گذرتا ہے تو اس کے جوتوں کی چاپ سن کر کے اس کے دل میں ایک امید پیدا ہوتی ہے کہ کوئی آیا اور جب وہ آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کی امید ختم ہو جاتی ہے اور مایوسی چھا جاتی ہے، تو کہا کہ ہم کیوں جوتے پہن کر کے گذر کر اس کی مایوسی کا ذریعہ بنیں، اور غلط امید کے قائم ہونے کا ذریعہ بنیں۔ اور دوسری وجہ یہ کہ وہ ہماری پڑوسن ہے، ہماری ذات سے اس کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔

اس کو پہلے کھجور پانی دے دو

حضرت مولانا میاں اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ صاحب کشف بزرگ تھے، مجلس خدام الدین سملک کے بانی حضرت مولانا عبد الحق میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ان کے کشف کے بہت قصے سنائے تھے۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت میاں

اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج کر کے واپس تشریف لائے، دار العلوم کے کچھ طلباء ملاقات کے لیے آئے، ایک طالب علم کہنے لگا کہ میاں صاحب حج کر کے آئیں، چلو کھجور پانی کے لیے جاتے ہیں، جب طلباء حضرت کے یہاں پہنچے تو حضرت نے سب کو بیٹھایا، اور اس طالب علم کے بارے میں کہا کہ اس کو پہلے کھجور پانی دے دو اور کہا کہ اب جاؤ۔

ایسا خیال نہیں لایا کرتے

دوسرا ایک واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ میں (حضرت مولانا عبدالحق میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ) حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت بیمار ہیں، تو میرے دل میں خیال آیا کہ شاید اس بیماری میں حضرت کا انتقال ہو جائے گا، حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بعد میں فرمایا کہ ایسا خیال نہیں لایا کرتے۔

بَابُ حَقِّ الْجَارِ

١٠٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا ظَبْيَةَ الْكَلَاعِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ رضي الله عنه وعنهم يَقُولُ: سَأَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ عَنِ الزِّنَا؟ قَالُوا: حَرَامٌ، حَرَّمَهُ اللهُ وَرَسُولُهُ، فَقَالَ: "لِأَنْ يَزْنِيَ الرَّجُلُ بِعَشْرِ نِسْوَةٍ، أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَزْنِيَ بِامْرَأَةِ جَارِهِ"، وَسَأَلَهُمْ عَنِ السَّرِقَةِ؟ قَالُوا: حَرَامٌ، حَرَّمَهَا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولُهُ، فَقَالَ: "لِأَنْ يَسْرِقَ مِنْ عَشَرَةِ أَهْلِ أَبْيَاتٍ، أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَسْرِقَ مِنْ بَيْتِ جَارِهِ".

پڑوسی کا حق

ترجمہ: حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبئ کریم ﷺ نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ زنا کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تو حرام ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کو حرام قرار دیا، اس پر نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی دس عورتوں کے ساتھ زنا کرے یہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اپنے پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کرے اور نبئ کریم ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے چوری کے متعلق پوچھا تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! چوری حرام ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کو حرام قرار دیا، اس پر نبئ کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی دس گھروں سے چوری کرے یہ میرے نزدیک آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اپنے پڑوسی کے گھر سے چوری کرے۔

تشریح: پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کرنا دس عورتوں سے زنا کرنے سے زیادہ خطرناک ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کی عورت کے علاوہ دوسری عورتوں سے زنا کرنا بھی بڑا گناہ ہے، اس پر بہت سخت وعیدیں ہیں، لیکن پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کا تعلق رکھنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے جس میں انہوں نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ بڑے گناہوں میں سے ایک (اَنْ یُزانی حَلِیلۃَ جارِكَ) اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (ان یزانی) یہ باب مفاعلت کا صیغہ ہے یعنی پڑوسی کی بیوی کے ساتھ ایسا تعلق قائم کیا کہ دونوں کا دل ایک دوسرے کی طرف صرف مائل ہو گیا اس کے دل

کو اپنی طرف مائل کر کے اس نے اس کے دل میں اپنی محبت ڈال کر شوہر کی محبت ختم کر دی حالانکہ پڑوسی ہونے کی ناطے وہ آپ سے یہ امید رکھتا تھا کہ کوئی اجنبی آدمی میری عزت پر حملہ کرے تو آپ پڑوسی ہونے کی حیثیت سے میرا دفاع کریں گے چہ جائیکہ آپ ہی اس کی عزت پر ہاتھ ڈالیں یہ تو بڑی خطرناک چیز ہوئی، گویا پڑوسی کو آپ سے جو توقع تھی اور آپ سے یہ امید رکھتا تھا کہ میرا پڑوسی میری جان، مال، عزت اور آبرو کی حفاظت کرے گا اور یہاں پڑوسی ہی پڑوسی کے مال کی چوری کرتا ہے اور پڑوسیوں کے جو حقوق شریعت نے اس پر لازم کیے ہیں ان کی حق تلفی کرتا ہے یہ تو اور زیادہ خطرناک شکل پیدا ہو جائے گی۔

بَابُ يَبْدَأُ بِالْجَارِ

١٠٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله تعالىٰ عنهما وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ“.

بھلائی اور احسان کی ابتداء پڑوسی سے کی جائے

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے سلسلے میں برابر تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ پڑوسی کو وارث قرار نہ دے دیں۔

تشریح: احادیث میں پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کی اتنی زیادہ تاکید کی

گئی ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنے میں کوئی کمی نہ رکھی جائے۔

١٠٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ شَابُورَ، وَأَبِي إِسْمَاعِيلَ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍ، أَنَّهُ ذُبِحَتْ لَهُ شَاةٌ، فَجَعَلَ يَقُولُ لِغُلَامِهِ: أَهْدَيْتَ لِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ؟ أَهْدَيْتَ لِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ".

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ تابعی ہیں، وہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے یہاں بکری ذبح کی گئی، تو وہ اپنے غلام سے پوچھنے لگے کہ بھائی ہمارے یہودی پڑوسی کے یہاں گوشت پہنچا یا کہ نہیں؟ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے غلام سے بار بار پوچھ رہے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے۔

تشریح: احادیث میں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا تقاضہ یہ ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا بہت زیادہ خیال رکھا جائے۔ ہمارا مزاج تو یہ بن گیا ہے کہ ہدیہ وغیرہ دور دور تک بڑے اہتمام سے پہنچاتے ہیں اور اپنے پڑوسی کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا، حالانکہ پڑوسی ہونے کی حیثیت سے اس کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

١٠٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ:

سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ يَقُولُ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ، أَنَّ عَمْرَةَ حَدَّثَتْهُ، أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ لَيُوَرِّثُهُ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس روایت کو نقل کررہی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت جبریل علیہ السلام پڑوسی کے حقوق کے سلسلے میں برابر مجھے تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ آپ پڑوسی کو وارث قرار دے دیں گے۔

تشریح: حتی الامکان پڑوسی کو ہر اعتبار سے راحت پہنچانے کی سعی کرنی چاہیے۔ اور دانستہ اور نادانستہ کوئی بھی ایسا معاملہ نہیں کرنا چاہیے جس سے پڑوسی کو تکلیف پہنچے، اللہ تعالیٰ ہمیں پڑوسی کے حقوق کو کما حقہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

بَابُ يَهْدِي إِلَى أَقْرَبِهِمْ بَابًا

۱۰۷ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو عِمْرَانَ قَالَ: سَمِعْتُ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنه قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي جَارَيْنِ، فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: "إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا".

قریب دروازے والے پڑوسی کو سب سے پہلے ہدیہ دینا

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں ان دونوں میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس پڑوسی کا گھر کا دروازہ تمہارے گھر کے دروازے کے قریب ہو اس کو دو۔

۱۰۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ:

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ - رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ بْنِ مُرَّةَ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي جَارَيْنِ، فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: "إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں ان دونوں میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس پڑوسی کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر کے دروازے کے قریب ہو اس کو دو۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوچھنا کہ ہدیہ دینے میں کس پڑوسی سے ابتداء کی جائے، یہ سوال اسی لیے پیدا ہوا کہ اگر کسی کے پڑوسی ایک سے زائد ہوں اور پڑوسی کو ہدیہ دینے کے لیے جو چیزیں ہیں وہ اتنی نہیں ہیں کہ سب پڑوسیوں کو دی جاسکیں تو اس صورت میں کس پڑوسی کو دیا جائے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب دے کر اس مسئلہ کا حل فرما دیا کہ جس پڑوسی کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر کے دروازے کے قریب ہو اس کو دو، اس لیے کہ دروازہ قریب ہونے کی وجہ سے جو چیزیں آپ کے گھر میں آتی جاتی ہیں، مثلاً پھل وغیرہ اس کی اطلاع بہ نسبت دوسرے پڑوسی کے اس پڑوسی کو زیادہ ہوگی۔ جس پڑوسی کا دروازہ قریب ہو اس سے ابتداء کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رات کے وقت اگر آپ کو مدد کی ضرورت پیش آگئی، آپ کے گھر میں چور آگیا، آپ کے گھر میں کوئی تکلیف ہوگئی، آپ آواز لگائیں گے تو سب سے پہلے وہی پڑوسی دروازہ قریب ہونے کی وجہ سے آپ کے پاس آئے گا اور آپ کی مدد کرے گا۔ بہر حال ان سارے امور کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گویا یہ تعلیم دی کہ جس پڑوسی کا دروازہ قریب ہو اس کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح دو،

اس کو دینے کے بعد بھی آپ کے پاس کوئی چیز بچی ہو تو اس کو دو جس کا گھر قریب ہو، جیسا جیسا گھر قریب ہو گا اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ اگر کسی کے پاس اتنی وسعت ہے کہ وہ سارے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کر سکتا ہے تو وہاں تو ترجیح کا سوال ہوتا ہی نہیں، ہاں اگر کسی کے پاس اتنی چیز نہیں ہے کہ سارے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کر سکے، تو اسی مسئلہ کو اس باب میں حل کیا ہے کہ جس پڑوسی کا دروازہ آپ کے گھر سے قریب ہے اس کو ترجیح دی جائے۔

بَابُ الْأَدْنَى فَالْأَدْنَى مِنَ الْجِيرَانِ

۱۰۹ - حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْجَارِ، فَقَالَ: أَرْبَعِينَ دَارًا أَمَامَهُ، وَأَرْبَعِينَ خَلْفَهُ، وَأَرْبَعِينَ عَنْ يَمِينِهِ، وَأَرْبَعِينَ عَنْ يَسَارِهِ.

جو پڑوسی جتنا قریب ہو اس کا حق بھی اتنا ہی زیادہ ہے

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ پڑوسی کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ چالیس گھر آپ کے گھر کے سامنے، چالیس گھر آپ کے گھر کے پیچھے، چالیس گھر آپ کے گھر کے دائیں طرف اور چالیس گھر آپ کے گھر کے بائیں طرف یہ سب پڑوسی ہیں۔

تشریح: پڑوسیوں میں بھی جو جتنا قریب ہو اسی مناسبت سے اس کا حق بھی بنتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑوسی کی حد بندی کی کہ چالیس گھر آگے، چالیس گھر پیچھے، چالیس گھر دائیں جانب، چالیس گھر بائیں جانب اس حد بندی کو دیکھتے ہوئے اگر کوئی چھوٹا موٹا گاؤں ہو گا تو پورا گاؤں ہی ایک دوسرے کا پڑوسی کہلائے گا۔

١١٠ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ بَجَالَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: وَلَا يَبْدَأُ بِجَارِهِ الْأَقْصَى قَبْلَ الْأَدْنَى، وَلَكِنْ يَبْدَأُ بِالْأَدْنَى قَبْلَ الْأَقْصَى.

ترجمہ: حضرت علقمہ بن بجالہ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اپنے قریب والے پڑوسی کو چھوڑ کر دور والے پڑوسی سے کسی چیز کے دینے کی ابتداء نہ کیجائے، بلکہ پہلے قریب والے کو دیا جائے اس کے بعد دور والے کو۔

تشریح: قریب میں رہنے والے پڑوسی کی ضرورتوں کا لحاظ زیادہ رکھا جائے، یعنی بغیر کسی وجوہ ترجیح کے قریب والے پڑوسی کو چھوڑ کر دور والے پڑوسی سے شروعات نہ کی جائے، مثلاً آپ پڑوسی کو کوئی چیز ہدیہ دینا چاہتے ہیں یا کوئی بھلائی کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ معاملہ پہلے قریب والے پڑوسی کے ساتھ کریں اور پھر دور والے کے ساتھ، ہاں اگر دور والے پڑوسی میں دوسری کوئی وجہ ترجیح بھی موجود ہے مثلاً یہ کہ دور والا پڑوسی رشتہ دار بھی ہے تو اس صورت میں اس میں دو حیثیتیں یعنی رشتہ داری اور پڑوسی دونوں چیزیں جمع ہو گئیں اس صورت میں قریب کو چھوڑ کر بعید سے ابتداء کی جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ أَغْلَقَ الْبَابَ عَلَى الْجَارِ

١١١ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله تعالىٰ عنهما قَالَ: لَقَدْ أَتَى عَلَيْنَا

زَمَانٌ - أَوْ قَالَ: حِينٌ - وَمَا أَحَدٌ أَحَقُّ بِدِينَارِهِ وَدِرْهَمِهِ مِنْ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، ثُمَّ الْآنَ الدِّينَارُ وَالدِّرْهَمُ أَحَبُّ إِلَى أَحَدِنَا مِنْ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "كَمْ مِنْ جَارٍ مُتَعَلِّقٌ بِجَارِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ: يَا رَبِّ، هَذَا أَغْلَقَ بَابَهُ دُونِي، فَمَنَعَ مَعْرُوفَهُ".

وہ شخص جس نے پڑوسی کے لیے دروازہ بند کر دیا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ ہم پر ایسا گذرا ہے کہ ہمارے نزدیک درہم اور دینار کے مقابلے میں اپنا مسلمان بھائی زیادہ قابل عزت ومرتبت تھا، اب آج یہ وقت آیا کہ دینار اور درہم اور روپیہ اور پیسہ مسلمان بھائی کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہو گیا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بہت سے پڑوسی وہ ہوں گے جو قیامت کے دن اپنے پڑوسیوں کا دامن پکڑیں گے اور باری تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اس نے اپنا دروازہ میرے لیے بند کر دیا تھا اور مجھ سے بھلائی اس نے روک لی تھی۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کوئی پڑوسی آپ کے حسن سلوک کا محتاج تھا اور آپ نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہیں کیا، اور اس کی ضرورت پوری نہیں کی تو یہ معاملہ کل قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں آپ کے خلاف شکایت کا ذریعہ بنے گا اور پڑوسی آپ کے خلاف دعویٰ دائر کرے گا کہ اے اللہ! میرے پڑوسی نے میری ضرورت کا خیال نہیں رکھا۔

بَابُ لَا يَشْبَعُ دُونَ جَارِه

۱۱۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ

بْنِ أَبِي بَشِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُسَاوِرِ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يُخْبِرُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ".

اپنے پڑوسی کو چھوڑ کر اپنا پیٹ بھرنا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مساور رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو کہہ رہے تھے کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص مؤمن نہیں جو خود اپنا پیٹ بھر کے کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے یہ طریقہ نبوی تعلیم کے خلاف ہے، نبوی تعلیم تو یہ ہے کہ خود بھوکا رہے اور اپنے پڑوسی بھائی کو پیٹ بھر کے کھلائے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ وصف بیان کیا ہے ﴿يُؤْثِرُونَ عَلٰى اَنفُسِهِم وَلَو كَانَ بِهِم خَصَاصَةٌ﴾ خود بھوکے اور محتاج ہیں اس کے باوجود دوسروں کا پیٹ بھرتے ہیں۔ انسان خود تھوڑا بھوکا رہنے کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی اور اللہ تعالیٰ اس تھوڑے سے کھانے میں برکت پیدا فرما دیگا، بظاہر کھانا اتنا ہے کہ ایک آدمی کا پیٹ بھرے گا اگر دوسرے کو شریک کرے گا تو خود بھوکا رہ جائے گا، بیوی بچے بھوکے رہ جائیں گے لیکن ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اس کھانے میں برکت پیدا فرما دیگا، جیسا کہ حدیث شریف میں مروی ہے (طَعامُ الواحدِ يَكْفِي الاثنين) ایک کا کھانا دو شخص کو کافی

ہوجاتا ہے، اور دو شخص کا کھانا تین شخص کو کافی ہوجاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کو اتنا کھانا میسر ہے جس سے اس کا پیٹ بھر جائے اگر وہ دوسرے کو بھی اس میں شریک کرلے گا تو دونوں کی ضرورت پوری ہوجائے گی۔ اور دونوں کی جان بچ جائے گی۔

بہر حال پڑوسی کا خیال رکھنا عین ایمان کا تقاضہ ہے اور جو آدمی خود پیٹ بھر کے کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو یہ کمال ایمان کے منافی ہے۔

بَابُ يُكْثِرُ مَاءَ الْمَرَقِ فَيَقْسِمُ فِي الْجِيرَانِ

١١٣ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: أَوْصَانِي خَلِيلِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثٍ: أَسْمَعُ وَأُطِيعُ وَلَوْ لِعَبْدٍ مُجَدَّعِ الْأَطْرَافِ، وَإِذَا صَنَعْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا، ثُمَّ انْظُرْ أَهْلَ بَيْتٍ مِنْ جِيرَانِكَ، فَأَصِبْهُمْ مِنْهُ بِمَعْرُوفٍ، وَصَلِّ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، فَإِنْ وَجَدْتَ الْإِمَامَ قَدْ صَلَّى، فَقَدْ أَحْرَزْتَ صَلَاتَكَ، وَإِلَّا فَهِيَ نَافِلَةٌ.

شوربے کا پانی بڑھادے اور اس کو پڑوسیوں میں تقسیم کرے

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے تین وصیتیں فرمائیں، پہلی وصیت، صاحب اقتدار لوگوں کی بات سنو اور ان کی بات پر عمل کرو چاہے وہ صاحب اقتدار ایسا غلام کیوں نہ ہو جس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں۔ دوسری وصیت جب کھانا پکاؤ اور شوربا تیار کرو تو اس میں تھوڑا پانی زیادہ ڈال دو اور اس کے بعد اپنے پڑوس کے جتنے بھی گھر ہیں ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو (یعنی ان کو بھی اس میں سے دو، پانی زیادہ

ڈالنے کے نتیجہ میں گویا ان کے ساتھ آپ بھلائی کا معاملہ کرسکیں گے)اور تیسری وصیت نماز اپنے وقت پر پڑھ لیا کرو، نماز پڑھنے کے بعد اگر تم دیکھو کہ امام نے وہ نماز پڑھ لی ہے تو تم نے اپنی نماز کو محفوظ کرلیا ورنہ یہ نماز نفل ہوجائے گی۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اوپر جو ذمہ دار حضرات ہیں ان کی اطاعت اور فرماں برداری کا اہتمام کیا جائے، احادیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے، عام طور پر جو فتنے وجود میں آتے ہیں وہ اوپر والوں کی نافرمانی اور ان کی حکم عدولی کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں، اس لیے ماتحتوں پر ضروری ہے کہ ذمہ دار حضرات کا حکم سنا جائے اور سن کر اس پر عمل بھی کیا جائے چاہے وہ ہاتھ پاؤں کٹا ہوا غلام ہی کیوں نہ ہو یعنی ظاہری شکل وصورت میں بھی تم سے کم ہو اور غلام ہونے کی وجہ سے اس کا مقام بھی تم سے کم ہو اس کے باوجود ان کی اطاعت ضروری ہے۔اور دوسری وصیت آپ ﷺ نے فرمائی جو اس باب کا مقصد ہے پڑوسیوں کا بھی اپنے کھانے میں حصہ رکھو، اگر اتنی حیثیت نہیں ہے کہ جیسا ہم کھائیں ایسا ان کو کھلائیں تو سالن میں تھوڑا سا پانی ملا دو جس کی وجہ سے تمہارا کھانا تھوڑا سا کم مزہ ہوجائے گا لیکن پڑوسی کا پیٹ بھر جائے گا اور نبیٔ کریم ﷺ کی ایک بہت اہم سنت زندہ ہوجائے گی۔اور تیسری وصیت یہ فرمائی کہ اگر حاکم وقت مسجد میں نماز کو اپنے وقت مقررہ سے ہٹ کر پڑھاتا ہے تو تم نماز اپنے وقت پر گھر پر پڑھ لو، پھر مسجد میں جاکر دیکھو کہ حاکم وقت نے نماز پڑھ لی ہے یا نہیں، اگر پڑھ لی ہے تو تمہاری گھر کی نماز درست ہوگئی، اور اگر حاکم وقت نماز میں مشغول ہے تو فتنہ سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ نماز میں شریک ہوجاؤ اب یہ نماز تمہارے لیے نفل ہوجائے گی۔اصل میں بعد میں آنے والے جو

حکمران تھے ان حکمرانوں کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ احتمال تھا کہ وہ نماز کے معاملہ میں کوتاہیوں کا ارتکاب کرکے انہیں اپنے وقت کے بجائے ذرا تاخیر سے پڑھیں گے، چنانچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آخری دور میں بنوامیہ کی خلافت کا دور شروع ہوا تھا اس وقت ایسی صورتیں پیش آئیں کہ جو حاکم ہوتا تھا وہ نماز کو اپنے وقت سے تاخیر کرکے ادا کیا کرتا تھا، ایسے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ تم تو اپنی نماز وقت پر پڑھ لو، اور پھر مسجد میں جا کر دیکھو اگر امام نماز پڑھا چکا ہے تو تم نے اپنی نماز کی حفاظت کرلی، اگر امام نے ابھی نماز شروع کی ہے تو ان کے ساتھ نماز میں شریک ہوجاؤ، یہ نماز تمہارے لیے نفل ہوجائے گی۔ یہ حکم اس وقت ہے جب امام مسنون وقت سے مؤخر کرکے نماز پڑھاتا ہو، اگر امام مسنون وقت پر نماز پڑھاتا ہے تو اس وقت تو امام کے ساتھ ہی شریک ہونا ضروری ہے، گھر پر الگ سے پڑھنے کی اجازت نہیں۔

١١٤ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الصَّمَدِ الْعَمِّيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا أَبَا ذَرٍّ، إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَ الْمَرَقَةِ، وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ، أَوِ اقْسِمْ فِي جِيرَانِكَ".

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر! جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں تھوڑا پانی بڑھا دو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال کرو، یا اپنے پڑوسی پر تقسیم کردو۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے لیے سالن تیار کرو تو

تھوڑا پانی اور ڈال دو، اس لیے کہ جب سالن زیادہ ہوگا تو خود بھی کھائیں گے اور پڑوسی کو بھی آپ دے سکیں گے، چاہے پڑوسی اس کے بدلہ میں کھانا بھیجے یا نہ بھیجے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ اس پڑوسی کے ساتھ کچھ لینے دینے کا معاملہ رکھتے ہیں جس سے کچھ ملنے کی امید ہو اور اس پڑوسی کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی جس سے ملنے کی کچھ امید نہیں ہوتی۔

بَابُ خَيْرِ الْجِيرَانِ

١١٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَيْوَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُرَحْبِيلُ بْنُ شَرِيكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيَّ يُحَدِّثُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ".

بہترین پڑوسی

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ساتھیوں میں سب سے بہترین وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کے لیے بہتر ہو، اور پڑوسیوں میں بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ سب سے زیادہ بھلائی کا سلوک کرتا ہو۔

تشریح: بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا، ان کے ساتھ بھلائی کرنے والا، ان کی خدمت کرنے والا، ان کی خیر خبر لینے والا، ان کی خوشی کو بڑھانے والا اور ان کی تکلیف کو دور کرنے والا ہو۔

اسی طرح بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا، ان کے ساتھ بھلائی کرنے والا، ان کی خدمت کرنے والا، ان کی خیر خبر لینے والا، ان کی خوشی کو بڑھانے والا اور ان کی تکلیف کو دور کرنے والا ہو۔

بَابُ الْجَارِ الصَّالِحِ

١١٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ: حَدَّثَنِي خَمِيلٌ، عَنْ نَافِعِ بْنِ عَبْدِ الْحَارِثِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ: الْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيءُ".

نیک پڑوسی

ترجمہ: حضرت نافع ابن عبد الحارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی کی خوش بختی اور سعادت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کا مکان کشادہ ہو، پڑوسی نیک ہو اور سواری اس کی عمدہ ہو۔

تشریح: مکان کی کشادگی، پڑوسی کا نیک ہونا اور سواری کا عمدہ ہونا آدمی کی خوش بختی کی علامتوں میں سے شمار کیا گیا ہے۔

اور یہ حقیقت بھی ہے اس لیے کہ جس کا پڑوسی اچھا ہوگا اس کے لیے چوبیس گھنٹے کا سکون رہتا ہے اور جس کا پڑوسی برا ہوگا اس کے لیے مستقل چوبیس گھنٹے کی پریشانی رہتی ہے۔

بَابُ الْجَارِ السُّوءِ

١١٧ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ هُوَ ابْنُ حَيَّانَ، عَنِ ابْنِ

عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ: كَانَ مِنْ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ جَارِ السُّوءِ فِي دَارِ الْمُقَامِ، فَإِنَّ جَارَ الدُّنْيَا يَتَحَوَّلُ" وفى رواية فان جار البادية يتحول .

بُرا پڑوسی

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ اے اللہ! میں تجھ سے مستقل قیام گاہ میں بُرے پڑوسی سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ عارضی قیام کی جگہ کا بُرا پڑوسی تو ہمیشہ نہیں رہے گا۔

تشریح: جہاں ہم ہمارے بیوی بچوں کے ساتھ مستقل قیام کیے ہوئے ہیں، وہاں برا پڑوسی مل جائے تو زندگی بھر آدمی کے واسطے مصیبت کھڑی ہو جائے گی، اس لیے نبیٔ کریم ﷺ نے اس سے خصوصی طور پر پناہ مانگی ہے۔ جہاں ہمارا وقتی قیام ہے مثلاً سفر میں ہیں وہاں برے پڑوسی سے پالا پڑا ہے تو وہ اتنا تکلیف دہ معاملہ نہیں ہوتا، اس لیے کہ آدمی سوچتا ہے کہ یہ ایک دو دن کا معاملہ ہے تھوڑا برداشت کرلیں گے پھر یہ مصیبت ختم ہو جائے گی۔

١١٨ - حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَغْرَاءَ قَالَ: حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رضي الله عنه: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتُلَ الرَّجُلُ جَارَهُ وَأَخَاهُ وَأَبَاهُ".

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ آدمی قتل کرے گا اپنے پڑوسی کو،

اپنے بھائی کو اور اپنے باپ کو۔

تشریح: یعنی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اپنے پڑوسی کو قتل کرے گا، اپنے بھائی کو قتل کرے گا، اپنے باپ کو قتل کرے گا۔ آج کل یہ ساری چیزیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہی ہیں، نبی کریم ﷺ کی یہ پیشین گوئی تھی جو آج پوری ہو رہی ہے، ظاہر ہے جو شخص اپنے پڑوسی کو، اپنے بھائی کو اور اپنے باپ کو قتل کرے اس سے برا اور کون ہو سکتا ہے۔

بَابُ لَا يُؤْذِي جَارَهُ

۱۱۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى مَوْلَى جَعْدَةَ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم يَقُولُ: قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ فُلَانَةً تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ، وَتَفْعَلُ، وَتَصَدَّقُ، وَتُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا خَيْرَ فِيهَا، هِيَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ"، قَالُوا: وَفُلَانَةٌ تُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ، وَتَصَدَّقُ بِأَثْوَارٍ، وَلَا تُؤْذِي أَحَدًا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هِيَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ".

اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! فلاں عورت پوری رات عبادت کرتی ہے، دن بھر روزہ رکھتی ہے اور نیکی کا کام بھی کرتی ہے اور صدقہ خیرات بھی خوب کرتی ہے، لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے

ایذاء پہنچاتی ہے۔تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسی عورت میں کوئی بھلائی نہیں وہ جہنمی ہے۔ پھر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! فلاں عورت صرف فرض نماز پر اکتفاء کرتی ہے (زیادہ نوافل نہیں پڑھتی) اور کچھ پنیر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے خیرات کرتی ہے (یعنی کوئی زیادہ صدقہ اور خیرات نہیں کرتی معمولی صدقہ اور خیرات کرتی ہے) لیکن کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی، تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ جنتی ہے۔

تشریح: دیکھو! پہلی عورت سب عبادتیں کرتی تھی، لیکن پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذاء پہنچاتی تھی اس پر آپ نے فرمایا وہ جہنمی ہے۔ دوسری عورت کی عبادتیں بہت معمولی تھیں مگر پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی تھی اس پر جنت کی بشارت سنائی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نگاہ میں نفل عبادت سے بھی زیادہ اہم اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچانا ہے آدمی اپنا مزاج ایسا بنائے کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اس کا خاص اہتمام ہونا چاہیے، عبادت کی کثرت کے ساتھ اپنی ذات سے دوسروں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانے سے بچانا یہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

۱۲۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَارَةُ بْنُ غُرَابٍ، أَنَّ عَمَّةً لَهُ حَدَّثَتْهُ، أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَقَالَتْ: إِنَّ زَوْجَ إِحْدَانَا يُرِيدُهَا فَتَمْنَعُهُ نَفْسَهَا، إِمَّا أَنْ تَكُونَ غَضَبَى أَوْ لَمْ تَكُنْ نَشِيطَةً، فَهَلْ عَلَيْنَا فِي ذَلِكَ مِنْ حَرَجٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، إِنَّ مِنْ حَقِّهِ عَلَيْكِ أَنْ لَوْ أَرَادَكِ وَأَنْتِ عَلَى قَتَبٍ لَمْ تَمْنَعِيهِ، قَالَتْ: قُلْتُ لَهَا: إِحْدَانَا تَحِيضُ، وَلَيْسَ لَهَا وَلِزَوْجِهَا إِلَّا فِرَاشٌ وَاحِدٌ أَوْ لِحَافٌ وَاحِدٌ، فَكَيْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَتْ: لِتَشُدَّ عَلَيْهَا إِزَارَهَا ثُمَّ

تَنَامُ مَعَهُ، فَلَهُ مَا فَوْقَ ذَلِكَ، مَعَ أَنِّي سَوْفَ أُخْبِرُكِ مَا صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهُ كَانَ لَيْلَتِي مِنْهُ، فَطَحَنْتُ شَيْئًا مِنْ شَعِيرٍ، فَجَعَلْتُ لَهُ قُرْصًا، فَدَخَلَ فَرَدَّ الْبَابَ، وَدَخَلَ إِلَى الْمَسْجِدِ - وَكَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ أَغْلَقَ الْبَابَ، وَأَوْكَأَ الْقِرْبَةَ، وَأَكْفَأَ الْقَدَحَ، وَأَطْفَأَ الْمِصْبَاحَ - فَانْتَظَرْتُهُ أَنْ يَنْصَرِفَ فَأُطْعِمُهُ الْقُرْصَ، فَلَمْ يَنْصَرِفْ، حَتَّى غَلَبَنِي النَّوْمُ، وَأَوْجَعَهُ الْبَرْدُ، فَأَتَانِي فَأَقَامَنِي ثُمَّ قَالَ: "أَدْفِئِينِي أَدْفِئِينِي"، فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّي حَائِضٌ، فَقَالَ: "وَإِنْ، اكْشِفِي عَنْ فَخِذَيْكِ"، فَكَشَفْتُ لَهُ عَنْ فَخِذَيَّ، فَوَضَعَ خَدَّهُ وَرَأْسَهُ عَلَى فَخِذَيَّ حَتَّى دَفِئَ. فَأَقْبَلَتْ شَاةٌ لِجَارِنَا دَاجِنَةٌ فَدَخَلَتْ، ثُمَّ عَمَدَتْ إِلَى الْقُرْصِ فَأَخَذَتْهُ، ثُمَّ أَدْبَرَتْ بِهِ. قَالَتْ: وَقَلِقْتُ عَنْهُ، وَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَادَرْتُهَا إِلَى الْبَابِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خُذِي مَا أَدْرَكْتِ مِنْ قُرْصِكِ، وَلَا تُؤْذِي جَارَكِ فِي شَاتِهِ".

ترجمہ: حضرت عمارہ ابن غراب رحمۃ اللہ علیہ اپنی پھوپھی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان کی پھوپھی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ہم میں سے کسی کا شوہر اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے (شوہر اپنی بیوی سے مطالبہ کرتا ہے کہ میری ضرورت ہے پوری کرو) تو بیوی اس کے جواب میں اپنے آپ کو اس سے روکتی ہے (یعنی اس کو اس کی خواہش پورا کرنے نہیں دیتی، اس کے لیے تیار نہیں ہوتی) یا تو اس لیے کہ وہ ناراض رہتی ہے، یا یہ ہے کہ اس کی طبیعت میں نشاط نہیں (یعنی اس کام کے لیے اس کی طبیعت میں آمادگی نہیں ہے اس لیے وہ انکار کرتی ہے) تو کیا اس منع کرنے میں ہمارے لیے کوئی گناہ ہے؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جی ہاں گناہ ہے اور پھر فرمایا کہ شوہر کا حق یہ ہے کہ شوہر تم سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہے اور تم پالان کے اوپر سوار ہو

اس وقت بھی تم شوہر کو منع نہیں کرسکتی۔ عمارہ ابن غراب کی پھوپھی فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی پوچھا کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا ہے، حالت حیض میں ہوتی ہے اور میاں بیوی کے پاس ایک ہی بستر ہے، دوسرا بستر ہے نہیں کہ حیض کی وجہ سے دوسرے بستر پر الگ سوئے، یا ایک ہی لحاف ہے تو کیا کرے گی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اپنی لنگی باندھ لے اور اپنے شوہر کے ساتھ ایک ہی بستر میں سو جائے، شوہر کے لیے اپنی بیوی کے ناف کے اوپر والے حصہ کے ساتھ استمتاع کرنا جائز ہے۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک رات میرے ساتھ بھی ایسا ہی قصہ پیش آیا اس وقت نبیٔ کریم ﷺ کا میرے ساتھ کیا عمل رہا اس کو میں بتلاتی ہوں، ایک رات نبیٔ کریم ﷺ کی میرے یہاں باری تھی، میں نے تھوڑے سے جَو جو میرے پاس تھے اس کو پیسا اور اس کی ایک روٹی بنائی، (اب وہ روٹی اس لیے بنائی کہ نبیٔ کریم ﷺ تشریف لاویں تو میں آپ کو کھلاؤں) جب رات ہوئی تو نبیٔ کریم ﷺ تشریف لائے اور گھر میں آنے کے بعد دروازہ پھیر دیا اور مسجد میں تشریف لے گئے اور حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ گھر میں آنے کے بعد جب سونے کا ارادہ فرماتے تھے تو دروازہ اپنے ہاتھ سے بند کرتے تھے اور مشکیزہ کا منھ کھلا ہوا ہوتا تو اس کا منھ بند کرتے تھے، پیالہ یا برتن سیدھا ہوتا تھا تو اس کو الٹ دیتے تھے اور چراغ کو بھی بجھا دیا کرتے تھے، آج ایسا ہوا کہ آپ آکر واپس مسجد میں تشریف لے گئے اور یہ سب کام نہیں کیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آج آپ کے لیے روٹی پکائی تھی اور میں آپ کے انتظار میں رہی کہ آپ جب مسجد سے گھر واپس آئیں گے تو میں آپ کو روٹی کھلاؤں گی، مگر حضور آئے نہیں، میں نے دیر تک انتظار کیا یہاں تک کہ میرے اوپر نیند غالب آ گئی تو میں سو گئی۔ (آپ مسجد میں عبادت میں مشغول تھے) دوران عبادت آپ کو سردی کا احساس ہوا، حضور ﷺ گھر میں تشریف لائے اور مجھے اٹھایا، حضور نے فرمایا کہ مجھے گرمی پہنچاؤ، مجھے گرمی پہنچاؤ، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ میں نے کہا کہ اللہ کے رسول! میں تو

حالت حیض میں ہوں، کہا کہ ران کھول دو، میں نے ران کھولی آپ نے اپنا رخسار مبارک اور سر میری ران پر رکھا اور سو گئے، یہاں تک کہ آپ کو جو سردی لگی تھی اس کا اثر دور ہو گیا، اسی دوران ہمارے پڑوس کے گھر کی بکری ہمارے گھر میں گھس آئی اور جو روٹی رکھی ہوئی تھی اس نے اس کو اٹھایا اور لے کر جانے لگی، میں یہ سب منظر دیکھ رہی تھی لیکن حضور میری ران پر اپنا سر رکھے لیٹے تھے اس لیے میں اٹھ نہیں سکتی تھی، میں یہ دیکھ کر پریشان ہوئی، اس دوران حضور ﷺ کی آنکھ کھل گئی، میں حضور ﷺ کا سر مبارک ہٹا کر دروازہ کی طرف دوڑی، حضور ﷺ نے دیکھا کہ یہ بکری کے پیچھے دوڑ رہی ہے تو حضور نے تاکید فرمائی کہ جتنی تمہاری روٹی بچ گئی ہے لے لو، پڑوسی سے بکری کے بارے میں جھگڑا مت کرنا۔

تشریح: حدیث شریف کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ پڑوسی کو ہماری ذات سے کوئی تکلیف نہ پہونچے، اسی کو بیان کرنے کے لیے یہ حدیث یہاں لائے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پڑوسی کی بکری، پڑوسی کی مرغی گھر میں آجاتی ہے اور گھر میں کچھ نقصان پہنچا دیتی ہے تو ایسی معمولی بات پر بھی پڑوسیوں کے ساتھ جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس روایت کے ذریعہ یہ تعلیم دی کہ پڑوسی کے ساتھ جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ تو جانور تھا آ گیا اس کا کیا قصور اس وجہ سے پڑوسی سے جھگڑا نہ کیا جائے۔

حدیث شریف میں ایک لفظ ''قتب'' آیا ہے، قتب یہ لکڑی سے بنی ہوئی چیز جس کو کاٹھی کہتے ہیں جو گدھے پر سوار ہونے سے پہلے سوار کے آسانی کے خاطر اس پر رکھی جاتی ہے جیسے گھوڑے پر سواری سے پہلے اس پر زین رکھی جاتی ہے، اونٹ کے اوپر کجاوا ہوتا ہے۔

ایک انصاری خاتون نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ایک

شوہر اپنی بیوی سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے اور عورت اس کو روکتی ہے تو کیا اس کا روکنا صحیح ہے؟ تو مسئلہ یہ ہے کہ عورت بغیر کسی شرعی عذر کے شوہر کو قریب ہونے سے نہیں روک سکتی۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد بھی آیا ہے کہ عورت تنور اور چولھے پر بیٹھی ہے اور روٹی سینک رہی ہے اور شوہر کی طرف سے جماع کا مطالبہ ہو تو اس کو چاہیے کہ کام کو چھوڑ دے اور پہلے شوہر کے مطالبہ کو پورا کرے، اس لیے کہ جب شوہر کی طرف سے جماع کا مطالبہ ہو اس موقع پر عورت کی طرف سے انکار عورت کے لیے بہت زیادہ مضر ہے، اس سے شوہر کے دل میں نفرت اور بغض کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ کہ شوہر اپنی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دوسری تدبیریں سوچنے لگتا ہے، یہ دونوں چیزیں عورت کے لیے سخت مضر ہیں، اس لیے تاکید کی گئی کہ تم ہر حال میں اس کی خواہش پوری کرو، اس کے مطالبہ کو پورا کرو، انکار نہ کرو۔

اگر عورت حالت حیض میں ہے اور شوہر جماع کا تقاضہ کرے تو اس وقت شوہر کو جماع سے روکنا عورت کے ذمہ فرض اور ضروری ہے اس لیے کہ اس وقت جماع کرنے کو قرآن کریم نے صراحتاً حرام بتلایا ہے، ہاں البتہ جماع کے علاوہ شوہر کو اپنی ناف کے اوپر والے حصہ سے استمتاع سے نہیں روک سکتی، اسی کو اس حدیث شریف میں ذکر کیا ہے، اس وقت عورت ناف سے لے کر گھٹنے تک اپنے ستر کو چھپالے گی اور باقی بدن کھلا رکھ کر شوہر کے ساتھ ایک ہی بستر میں لیٹ جائے گی، عورت کے ناف کے اوپر سینہ، پیٹھ، پیٹ، سر، پیشانی، اسی طرح گھٹنے کے نیچے کا حصہ اس سے اگر شوہر کوئی فائدہ اٹھانا چاہے مثلاً بوسہ دینا چاہے، اپنے جسم کو عورت کے ان حصوں سے لگانا چاہے، ان حصوں سے لپٹنا چاہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

مسئلہ: (۱) حالت حیض میں بیوی کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے، قرآن کریم میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے اور جو اس کو حلال سمجھے اس کی تکفیر کی گئی ہے، یعنی وہ آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

(۲) اگر کسی نے غلبۂ شہوت میں جماع کو حرام سمجھتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کر لیا تو اس نے کبیرہ گناہ کیا، اس سے سچے دل سے توبہ ضروری ہے۔

(۳) ناف سے لیکر گھٹنے کے نیچے تک کا جو حصہ ہے اس پر کوئی کپڑا ڈال کر عورت کے بدن کے باقی حصے سے اگر شوہر فائدہ اٹھانا چاہے مثلاً بوسہ دے، اپنے جسم کو اس حصہ سے لپٹائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، سب ائمہ کرام کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔

(۴) شوہر کا اپنی بیوی سے بلا حائل ناف سے لیکر گھٹنے تک کے حصے سے استمتاع کے بارے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے، ائمۂ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اتنے حصے کو نہ چھیڑا جائے، جبکہ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ اور احناف میں سے امام محمد رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ شرم گاہ والے حصے کو چھوڑ کر ران وغیرہ سے اگر شوہر فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔

۱۲۱ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ جس کا پڑوسی اس کی ایذاءرسانیوں سے مامون نہ ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

تشریح: نبیٔ کریم ﷺ کی تعبیر کی بلاغت دیکھئے کہ آپ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ، بلکہ یہ فرمایا کہ پڑوسی کو کسی بھی قسم کی ایذاءرسانی سے اس کی طرف سے امن ہونا چاہیے، یعنی اطمینان ہونا چاہیے کہ میرا پڑوسی مجھے تکلیف نہیں پہنچائے گا، جس کو انگریزی میں promise کہتے ہیں۔

اگر اس نے پڑوسی کو تکلیف تو نہیں پہنچائی لیکن پڑوسی کو اپنے پڑوسی پر اس کے مزاج کی وجہ سے ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کبھی کچھ کر نہ ڈالے، بعض لوگ اپنے مزاج میں اکھڑ قسم کے ہوتے ہیں، یعنی ان کا رویہ ایسا ہوتا ہے کہ پڑوسی ہر وقت سہما رہتا ہے اور خطرہ محسوس کرتا ہے کہ معلوم نہیں کب کیا ہو جائے اگرچہ آج تک کبھی تکلیف نہیں پہنچائی اس کے متعلق اس حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ وہ بھی جنت میں نہیں جائے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب ہمارے پڑوسی کے بارے میں دعا کرو، تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا؟ پڑوسی نے آپ کو مارا پیٹا یا کوئی اور تکلیف دی؟ تو اس کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ نہیں، مگر اس کا مزاج ایسا ہے کہ اس کو دیکھ کر ہر وقت خوف رہتا ہے کہ کس وقت کیا کر ڈالے، ایسے شخص کے متعلق حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے والا بنائیں۔

بَابُ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنُ شَاةٍ

١٢٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُعَاذٍ الْأَشْهَلِيِّ، عَنْ جَدَّتِهِ، رضي الله تعالىٰ عنها

أَنَّهَا قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا نِسَاءَ الْمُؤْمِنَاتِ، لَا تَحْقِرَنَّ امْرَأَةٌ مِنْكُنَّ لِجَارَتِهَا، وَلَوْ كُرَاعُ شَاةٍ مُحَرَّقٍ".

پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کسی بھی چیز کو معمولی نہ سمجھے چاہے وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو

ترجمہ: حضرت عمرو بن معاذ ابن اشہلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دادی صاحبہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو خطاب کر کے فرمایا کہ: اے مسلمان عورتو! کوئی عورت تم میں سے اپنی پڑوسن کو ہدیہ بھیجنے کے سلسلے میں کسی بھی چیز کو حقیر نہ سمجھے چاہے وہ بکری کی جلی ہوئی کھر اور پایا ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح: اس حدیث شریف کی راویہ جن کا نام حواء بنت یزید ہے، صحابیہ ہیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ہجرت بھی کی تھی۔

مذکورہ حدیث شریف سے چند چیزیں معلوم ہوتی ہیں

(۱): آپ کو جو چیز بھی میسر ہو اس کے مطابق اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے چاہے وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو، اس کو بھی دینے میں عار محسوس نہ کرے، عمدہ چیزوں کے انتظار میں معمولی چیز کو روکے رکھنا اور پڑوسی کو نہ دینا یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں ہے، بلکہ پڑوسی کے ساتھ اپنی حیثیت کے مطابق حسن سلوک کرنا چاہیے۔

(۲) بعض محدثین نے اس حدیث شریف کا ایک مطلب یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں جس کے پاس ہدیہ بھیجا جا رہا ہے اس کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ آپ کی پڑوسن کی طرف سے جو چیز بھیجی گئی ہے چاہے وہ بکری کا جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو،

آپ اس کے ہدیہ کو معمولی نہ سمجھیں، بلکہ اس کی قدر کریں کہ ہمارے پڑوسی کو ہمارے ساتھ محبت تھی، تعلق تھا تب تو ہمارے یہاں یہ چیز بھیجی، چیز کو نہ دیکھیں چیز دینے والے کے جذبہ کو دیکھیں۔

گویا ہدیہ دینے والے اور ہدیہ لینے والے دونوں کو تاکید کی جارہی ہے کہ ہدیہ لینے دینے میں کسی بھی چیز کو معمولی نہ سمجھیں

(۳) کسی مرد کی ایک سے زائد بیوی ہو اس کو عربی میں سوکن کہتے ہیں اور سوکن کو لفظ جارہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اگر جارہ بول کر سوکن کا معنیٰ لیں تو حدیث شریف کا یہ مطلب ہوگا کہ کبھی ایک سوکن اپنی دوسری سوکن کے پاس کوئی چیز مذاق کی نیت سے بھیجتی ہے، یعنی بھیجنے والی کا مقصد ہی تحقیر ہے، اس کو بے عزت کرنے کے لیے معمولی چیز بھیجتی ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بھلے اس نے تحقیر کے ارادہ سے بھیجا ہے مگر آپ اس کو معمولی نہ سمجھیں، آپ اس کو عزت سے لیں، اور اس کا شکریہ ادا کریں اور یہ بھی کہیں کہ آپ نے ہدیہ بھیجا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے تاکہ اس کا جو ارادہ تھا اس سے وہ شرما تو جائے۔ اور اپنی اس بری حرکت پر اس کو شرمندگی ہو۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ اگر تم سالن بناؤ تو تھوڑا پانی سالن میں زیادہ ڈال دو تاکہ اپنے کھانے کے ساتھ پڑوسی کو بھی دے سکو۔

۱۲۳ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: رضي الله عنه وعنهم قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ، يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ، لَا تَحْقِرَنَّ

جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنُ شَاةٍ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ؛ اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کوئی بھی چیز معمولی نہ سمجھے چاہے بکری کا کھر یا بکری کا پایا ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح: اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہے:

(۱): حدیث شریف میں پڑوسی مرد کے بجائے پڑوسن عورت کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مردوں کے بہ نسبت عموماً عورتوں کا یہ مزاج ہے کہ وہ بکری کے کھر، دال روٹی اور روزمرہ جو چیزیں گھر میں پکتی ہیں ان کو کسی کو دینا معمولی سمجھتی ہیں اور ان کو دینے میں عار محسوس کرتی ہیں اور اپنی نگاہوں میں جو چیزیں عمدہ سمجھتی ہیں ان کو ہدیہ دینے میں فخر محسوس کرتی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ؛ چھوٹی بڑی سب چیزیں پڑوسی کو دینی چاہئیں، یہ چیزیں تمہاری نگاہ میں چھوٹی ہیں لیکن اللہ تعالٰی کی نگاہ میں بہت بڑی ہیں۔

(۲): عورتوں کا ایک مزاج یہ بھی ہے کہ جب پڑوسی کے یہاں سے، یا کسی اور کے یہاں سے کوئی چیز آتی ہے اور وہ چیز اس کی نگاہ میں معمولی ہوتی ہے تو اس پر ناک منھ چڑھاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ؛ موئی کو شرم نہیں آئی ایسا بھیجتے ہوئے، ہمارے گھر پر بھیجنے کے لیے یہی ملا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر تاکید فرماتے ہیں کہ بھائی! پڑوسی کی بھیجی ہوئی چیز کو معمولی نہ سمجھیں۔ یہ چیز تمہاری نگاہ میں معمولی ہے لیکن اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں معمولی نہیں ہے۔

بَابُ شِكَايَةِ الْجَارِ

١٢٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي جَارًا يُؤْذِينِي، فَقَالَ: "انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَتَاعَكَ إِلَى الطَّرِيقِ"، فَانْطَلَقَ فَأَخْرَجَ مَتَاعَهُ، فَاجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ، فَقَالُوا: مَا شَأْنُكَ؟ قَالَ: لِي جَارٌ يُؤْذِينِي، فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَتَاعَكَ إِلَى الطَّرِيقِ"، فَجَعَلُوا يَقُولُونَ: اللَّهُمَّ الْعَنْهُ، اللَّهُمَّ أَخْزِهِ. فَبَلَغَهُ، فَأَتَاهُ فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَى مَنْزِلِكَ، فَوَاللهِ لَا أُؤْذِيكَ.

پڑوسی کی شکایت

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی نے شکایت کی کہ میرا پڑوسی مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اپنا سامان باہر نکال کر راستہ پر رکھ دو، وہ گئے اور گھر کا سامان باہر نکال دیا، لوگ وہاں سامان دیکھ کر جمع ہو گئے اور اس پڑوسی سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا بات ہے گھر کا سامان باہر کیوں رکھا؟ کہا کہ میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی شکایت کی اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گھر کا سامان باہر رکھ دو، میں نے سامان باہر رکھ دیا۔ اب لوگ یہ سن کر کہنے لگے کہ اللہ اس پر دھتکار کرے، اللہ اس کو رسوا کرے، اب جو بھی سن رہا ہے وہ اس پڑوسی کو برا بھلا کہہ رہا ہے، جب اس تکلیف دینے والے پڑوسی کو پتہ چلا کہ لوگ اس پر لعنت کر رہے ہیں تو وہ اپنے پڑوسی بھائی کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ بھائی! تو اپنے گھر چلا جا، آئندہ میں کبھی

تجھے تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔

تشریح: پڑوسی کی تکلیف سے بچنے کے بہت سارے طریقے ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ جو ہمیں تکلیف پہنچائے اس کے ساتھ ہم بھلائی سے پیش آئیں اور ہماری ذات سے اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے اور اگر کبھی تکلیف پہنچ جائے تو معافی مانگ لیں اور اس کی تکلیف کو برداشت کریں اور اس کے لیے دعا کا اہتمام کریں، اس سے ایک دن اس کو احساس ہوگا اور وہ بھی تکلیف پہنچانے سے باز آجائے گا۔ پڑوسی کی تکلیف سے بچنے کا ایک بہت ہی اچھا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ اپنی مظلومیت کا ایسے لوگوں کے سامنے اظہار کریں جو ظالم پڑوسی کو پہچانتے ہیں تاکہ وہ لوگ اس پڑوسی کو تنبیہ کریں جس کے نتیجے میں وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے لگ جائے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ برے پڑوسی پر جب لوگوں نے لعنت کی اور اس کو برا بھلا کہا تو اس نے دیکھا کہ یہ تو ہماری اچھی خاصی رسوائی ہوگئی ہے لہٰذا اس نے اپنے فعل شنیع سے توبہ کی، اور پڑوسی کو ہمیشہ کی راحت ہوگئی۔

١٢٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَكِيمٍ الْأَوْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي عُمَرَ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رضي الله عنه وعنهم قَالَ: شَكَا رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَارَهُ، فَقَالَ: "احْمِلْ مَتَاعَكَ فَضَعْهُ عَلَى الطَّرِيقِ، فَمَنْ مَرَّ بِهِ يَلْعَنُهُ"، فَجَعَلَ كُلُّ مَنْ مَرَّ بِهِ يَلْعَنُهُ، فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا لَقِيتُ مِنَ النَّاسِ؟ فَقَالَ: "إِنَّ لَعْنَةَ اللهِ فَوْقَ لَعْنَتِهِمْ"، ثُمَّ قَالَ لِلَّذِي شَكَا: "كُفِيتَ" أَوْ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے

نبیٔ کریم ﷺ سے اپنے پڑوسی کی شکایت کی کہ وہ مجھے تکلیف پہنچاتا ہے تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا اپنا سامان اٹھا کر کے راستہ پر رکھ دو جو بھی گذرے گا وہ اس کو برا بھلا کہے گا، اس نے سامان لا کر راستہ پر رکھ دیا، اب جو بھی گذر رہا ہے اس کو پوچھ رہا ہے کہ تم نے اپنا سامان گھر سے کیوں نکال دیا؟ تو وہ کہہ رہا ہے اس لیے کہ میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے، اب جو بھی سنتا وہ پڑوسی کو برا بھلا کہتا، اب وہ پڑوسی آ کر حضور ﷺ سے عرض کرنے لگا کہ آج تو مجھے لوگوں سے بڑی تکلیف پہنچی، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی پھٹکار تو ان کی لعنت سے بڑھ کر ہے، اور جس نے شکایت کی تھی اس سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیرا کام ہو گیا۔

تشریح: آپ ﷺ نے اس حدیث شریف میں تکلیف دینے والے پڑوسی کو تنبیہ کی کہ تو اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچا رہا ہے تو تجھ پر لوگوں کی لعنت اور پھٹکار پڑی، اگر تو اس سے باز نہیں آیا تو اس پر تجھے جو اللہ کی طرف سے سزا ملنے والی ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے لہٰذا تو اس سے توبہ کر لے، پس اس شخص نے توبہ کر لی۔

١٢٦ - حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو زُهَيْرٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَغْرَاءَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ يَعْنِي ابْنَ مُبَشِّرٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا رضي الله عنه وعنهم يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَعْدِيهِ عَلَى جَارِهِ، فَبَيْنَا هُوَ قَاعِدٌ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ إِذْ أَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَآهُ الرَّجُلُ وَهُوَ مُقَاوِمٌ رَجُلًا عَلَيْهِ ثِيَابٌ بَيَاضٌ عِنْدَ الْمَقَامِ حَيْثُ يُصَلُّونَ عَلَى الْجَنَائِزِ، فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ، مَنِ الرَّجُلُ الَّذِي رَأَيْتُ مَعَكَ مُقَاوِمَكَ عَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيضٌ؟ قَالَ: ”أَقَدْ رَأَيْتَهُ؟“ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: رَأَيْتَ خَيْرًا كَثِيرًا، ذَاكَ جِبْرِيلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولُ رَبِّي، مَا زَالَ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ جَاعِلٌ لَهُ مِيرَاثًا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اپنے پڑوسی کی زیادتیاں بیان کرنے لگا کہ وہ میرے ساتھ اس اس طرح زیادتی کرتا ہے اس درمیان کہ، وہ آدمی حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ پاس تشریف لائے جس کو اس آدمی نے بھی دیکھا کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک دوسرا آدمی تھا جس پر سفید لباس تھا مقام ابراہیم کے پاس (جہاں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے) جب حضور ﷺ وہاں سے آگے بڑھے تو اس آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان وہ کون آدمی تھا جو ابھی آپ کے سامنے کھڑا تھا جن سے آپ گفتگو فرما رہے تھے، اور اس کے جسم پر سفید لباس تھا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے دیکھا اس کو؟ تو کہا: جی ہاں، کہا کہ تم نے بہت بڑی خیر دیکھی وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے، وہ برابر مجھے پڑوسی کے بارے میں تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ اس کا وراثت میں حصہ تجویز کردیں گے۔

بَابُ مَنْ آذىٰ جَارَهُ حَتَّى يَخْرُجَ

۱۲۷ - حَدَّثَنَا عِصَامُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَرْطَاةُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: سَمِعْتُ، يَعْنِي أَبَا عَامِرٍ الْحِمْصِيَّ، قَالَ: كَانَ ثَوْبَانُ رضي الله عنه وعنهم يَقُولُ: مَا مِنْ رَجُلَيْنِ يَتَصَارَمَانِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، فَيَهْلِكُ أَحَدُهُمَا، فَمَاتَا وَهُمَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الْمُصَارَمَةِ، إِلَّا هَلَكَا جَمِيعًا، وَمَا مِنْ جَارٍ يَظْلِمُ جَارَهُ وَيَقْهَرُهُ، حَتَّى يَحْمِلَهُ ذَلِكَ عَلَى أَنْ يَخْرُجَ مِنْ مَنْزِلِهِ، إِلَّا هَلَكَ.

پڑوسی کی تکلیف پر گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جانا

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں وہ فرماتے ہیں

کہ دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھیں اور ان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے، یا دونوں انتقال کر جائیں اور وہ اسی قطع تعلق والی حالت پر موجود تھے تو دونوں ہلاک ہو جائیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کے ساتھ ظلم زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی ظلم زیادتی اس کے پڑوسی کو اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور کرتی ہے تو وہ ظلم زیادتی کرنے والا پڑوسی ہلاک ہو جائے گا۔

تشریح: حدیث شریف میں ایسے پڑوسی کے لیے وعید بیان کی ہے جو اپنے پڑوسی کے ساتھ ایسی بدسلوکی کرے جس کے نتیجہ میں پڑوسی گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے، ایسے پڑوسی کی ہلاکت کی گواہی خود پیغمبر ﷺ نے دی ہے تو اس کی ہلاکت میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

بَابُ جَارِ الْيَهُودِيِّ

۱۲۸ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بَشِيرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه وَغُلَامُهُ يَسْلُخُ شَاةً - فَقَالَ: يَا غُلَامُ، إِذَا فَرَغْتَ فَابْدَأْ بِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: الْيَهُودِيُّ أَصْلَحَكَ اللهُ؟ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوصِي بِالْجَارِ، حَتَّى خَشِينَا أَوْ رُئِينَا أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ .

یہودی یعنی غیر مسلم پڑوسی کے حقوق کا بیان

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ان کا غلام بکری کی کھال اتار رہا تھا،

انہوں نے اپنے غلام سے کہا کہ اے غلام! جب تم بکری کی کھال اتار چکو تو بکری کا گوشت سب سے پہلے ہمارے یہودی پڑوسی کو دینا، وہاں جو لوگ موجود تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ یہودی؟ اللہ آپ پر رحم کرے، یعنی آپ یہودی کے ساتھ یہ معاملہ کرنے کا اپنے غلام کو حکم دے رہے ہیں؟ تو حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے یہاں تک کہ ہمیں اندیشہ لاحق ہوا کہ آپ پڑوسی کو وارث بنادیں گے۔

تشریح: حدیث شریف میں مطلق پڑوسی کا ذکر ہے اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو، مسلمان ہو یا غیر مسلم بحیثیت پڑوسی اس کا حق ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، بھلائی کا معاملہ کیا جائے۔

بَابُ الْكَرَمِ

١٢٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ النَّاسِ أَكْرَمُ؟ قَالَ: "أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاهُمْ"، قَالُوا: لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ، قَالَ: "فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللهِ ابْنُ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ خَلِيلِ اللهِ"، قَالُوا: لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ، قَالَ: "فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِي؟" قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: "فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا".

بزرگی اور شرافت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ

لوگوں میں سب سے زیادہ عزت، شرافت، بزرگی اور اونچے مقام والا کون شخص ہے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے یہاں وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہو۔ قرآن میں بھی ہے ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ تم میں سب سے زیادہ شریف، عزت اور بزرگی والا اللہ کی نگاہ میں وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی سے سب سے زیادہ بچتا ہو۔ لوگوں نے عرض کیا، یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہ ہمارا سوال یہ نہیں ہے، ہم اس کے متعلق پوچھنا نہیں چاہتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے پھر فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ بزرگی والے حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نبی کے بیٹے ہیں اور وہ بیٹے ہیں اللہ کے خلیل کے (یعنی مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ اسلام ایسے شخص ہیں کہ ان کے آباواجداد سے نبوت کا سلسلہ چلا آرہا ہے، خاندانی اعتبار سے یہ خود نبی جو نبی کے بیٹے ہیں اور ان کے والد بھی نبی کے بیٹے، اور ان کے والد بھی نبی کے بیٹے، چار پشتوں تک نبوت چلی گئی ہے، اس سے زیادہ خاندانی شرافت اور کیا ہوسکتی ہے؟) پھر لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارا سوال ان کے متعلق نہیں ہے، تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اہل عرب کے مختلف خاندانوں کے متعلق تم پوچھنا چاہتے ہو کہ عرب کے خاندانوں میں کون سب سے زیادہ باعزت اور شرافت والا ہے؟ تو صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں! اس پر نبیٔ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں جو خاندان زمانۂ جاہلیت میں عزت اور فخر والے سمجھے جاتے تھے اسلام لانے کے بعد بھی وہی عزت اور شرف والے ہیں بشرطیکہ وہ علم حاصل کریں۔

تشریح: حدیث شریف میں ایک لفظ ''الکرم'' آیا ہے کرم کا معنیٰ شرافت بزرگی اور عزت ہے، آدمی کے اندر پائی جانے والی خوبیوں کو اہل عرب کرم اور شرافت سے تعبیر کرتے ہیں، لفظ کرم کا مفہوم بہت وسیع ہے، یہاں لفظ کرم بول کر ایک ایسی صفت مراد لی جاتی ہے جو تمام خوبیوں کا منبع اور جڑ ہے، کسی کے اندر بہت ساری خوبیاں ہوں

تو ان خوبیوں کوتعبیر کرنے کے لیے اردو میں کہتے ہیں کہ یہ خاندانی ہے،شریف الناس ہے یعنی شریف الناس آدمی کے اندر جو خوبیاں ہونی چاہیے وہ ساری خوبیاں اس کے اندر ہیں۔

حدیث شریف میں ایک لفظ مَعَادِن آیا ہے،معادن عربی زبان میں کان کو کہتے ہیں، جیسے ہیرے،سونے، چاندی،تانبے یا پیتل کی کان۔جس طرح کان اور معادن کے اندر بہت ساری قدرتی اورقیمتی چیزیں ہوتی ہیں اسی طرح ہر خاندان کے اندر اللہ تعالیٰ نے کچھ قدرتی اورقیمتی اوصاف پیدا کیے ہیں جواس خاندان کے افراد کے اندرخاندان کی نسبت سے منتقل ہوتے رہتے ہیں،کسی خاندان کے اندر اللہ تعالیٰ نے سخاوت والا وصف رکھا ہے اب یہ سخاوت والا وصف اس خاندان کے افراد میں خاندان کی نسبت سے نسل درنسل منتقل ہوتا رہتا ہے،کسی خاندان میں اللہ تعالیٰ نے شجاعت والا وصف رکھا ہے اب یہ شجاعت والا وصف اس خاندان میں خاندان کی نسبت سے نسل درنسل منتقل ہوتا رہتا ہے، اسی لیے عرب کے یہاں بعض خاندان سخاوت میں مشہور تھے،بعض شجاعت میں مشہور تھے،بعض اورخوبیوں میں مشہور تھے۔

اب جس خاندان میں جتنے زیادہ اچھے اوصاف پائے جائیں گے اتنا ہی زیادہ وہ خاندان دوسرے خاندانوں سے بڑا سمجھا جائے گا۔اسی طرح کسی فرد میں جتنے زیادہ اچھے اوصاف پائے جائیں گے وہ شخص اس حساب سے دوسرے فرد سے رتبہ میں بڑا سمجھا جائے گا۔

اگرکسی کا خاندان تو اچھے اوصاف والا ہے لیکن اس خاندان کے کسی فرد نے اپنے خاندان کے اچھے اوصاف کو باقی نہیں رکھا، نہ علم حاصل کیا اور نہ اپنے آپ کو

اچھے اعمال سے آراستہ کیا، بلکہ اس نے برے اعمال کر کے اپنے خاندان کی مٹی پلید کر دی، تو دھیرے دھیرے یہ ساری خاندانی خوبیاں اس سے ختم ہو جائیں گی۔ بہت سارے شریف گھرانے کے بچے بری صحبتوں کی نتیجے میں اپنے اچھے خاندانی اوصاف سے اپنے آپ کو محروم کر دیتے ہیں۔

خاندانی اوصاف کو باقی رکھنے کے لیے سب سے اہم چیز بری صحبت سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور اچھی صحبت کا اہتمام کرنا ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو خاندان زمانۂ جاہلیت میں بڑے اونچے سمجھے جاتے تھے اگر انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد علم حاصل کیا اور اسلام اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا تو وہ خاندان دنیا میں بھی بڑا رہے گا اور آخرت کے بھی بلند مقامات کو حاصل کرے گا۔

بَابُ الْإِحْسَانِ إِلَى الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ

١٣٠ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا سَالِمُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ، عَنْ مُنْذِرٍ الثَّوْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ: ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ [الرحمن: ٦٠]، قَالَ: هِيَ مُسَجَّلَةٌ لِلْبَرِّ وَالْفَاجِرِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ: مُسَجَّلَةٌ مُرْسَلَةٌ .

نیک اور بد ہر ایک کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید

ترجمہ: محمد بن علی ابن الحنفیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں) فرماتے ہیں قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی

سے دینا ہے اور یہ حکم عام ہے ہر نیک و بد کے لیے۔

تشریح: بھلائی کا بدلہ بھلائی ہی سے دینا ہے، بھلائی کرنے والا اچھا ہو یا برا، یعنی کوئی برا آدمی بھی آپ کے ساتھ بھلائی کرے تو آپ کو بھی اس کے ساتھ بھلائی کرنی ہے، ایسا نہیں کہ کوئی اچھا آدمی آپ کے ساتھ بھلائی کرے تو اس کے ساتھ تو آپ اچھا معاملہ کریں اور کسی برے آدمی نے آپ کے ساتھ بھلائی کی تو اس کے برے ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ نہ کریں یہ درست نہیں ہے۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا

١٣١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمَسَاكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَكَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ".

جو شخص کسی یتیم کی پرورش کرے اس کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی بیواؤں اور مسکینوں پر خرچ کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا، دن بھر روزہ رکھنے والا اور رات بھر عبادت کرنے والا۔

تشریح: بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کرنا یہ بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے خاص طور پر جبکہ بیوائیں غریب بھی ہوں اسی طرح مسکین کی مدد کرنا یہ بھی بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے خاص کر کے جبکہ وہ مسکین یتیم بھی ہو، ایسے ضرورت مندوں کے لیے

کام کر کے ان کی ضرورتیں پوری کرنا اس کا بہت بڑا ثواب ہے، ایک مجاہد کو میدان جہاد میں اور ایک عابد کو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے میں جو ثواب ملتا ہے وہ اس پر ملے گا۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا لَهُ

١٣٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ رضي الله تعالىٰ عنها: جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا، فَسَأَلَتْنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي إِلَّا تَمْرَةً وَاحِدَةً، فَأَعْطَيْتُهَا، فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا، ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ، فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ، فَقَالَ: "مَنْ يَلِي مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا، فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ".

جو آدمی اپنے یتیم کی پرورش کرے اس کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت ان کے پاس آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں، اس نے مجھ سے اپنی ضرورت کا سوال کیا تو میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہیں تھا، میں نے وہ کھجور لے کر اس کو دی، اس نے وہ کھجور لے کر اپنی دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دی، آدھی ایک بیٹی کو دی اور آدھی دوسری بیٹی کو، خود کچھ بھی نہیں کھایا اور پھر اٹھ کر کے روانہ ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے جانے کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو میں نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو

بڑا تعجب ہوا کہ ایک کھجور تھی وہ بھی اپنے بچوں کے درمیان تقسیم کردی اور خود کچھ نہیں کھایا، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی ان بچیوں کی پرورش کا ذمہ دار بنادیا گیا اور اس نے ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کیا تو یہ لڑکیاں اس شخص کے لیے جہنم کی آگ سے آڑ بن جائے گی۔

تشریح: امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث شریف سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں بچیاں یتیم تھیں، دونوں اپنی ماں کی تحویل میں تھیں، ان کو لے کر وہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، اور پورا قصہ جو عورت کے ساتھ پیش آیا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصہ سن کر اس عورت کے لیے جنت کی بشارت سنائی۔ اور یہ بشارت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے سنائی کہ لڑکیوں کو لڑکوں کے مقابلہ میں کم تر سمجھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے لڑکیوں کے ساتھ جیسا حسن سلوک ہونا چاہیے عام طور ایسا حسن سلوک ان کے کے ساتھ نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کی تحقیر کی جاتی ہے، ان کے ساتھ بدسلوکی کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ نامناسب معاملہ کیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جس نے ان بچیوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کا معاملہ کیا تو یہ حسن سلوک اس کے لیے جہنم کے عذاب سے حفاظت کا ذریعہ بن جائے گا۔

عنوان میں جو فرمایا کہ اپنا یتیم، تو اس کا مفہوم بہت عام ہے، اگر کسی کے بھائی کا انتقال ہوگیا، اور چچا اپنے بھتیجے کی پرورش کرتا ہے یہ بھی اپنا ہی یتیم ہے۔ شوہر کا اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر انتقال ہوگیا اور ان بچوں کی پرورش کرنے والا کوئی نہیں ہے اب بیوہ ماں خود ہی محنت مزدوری کر کے یا گھر میں رہ کر کوئی کام کر کے ان بچوں کی پرورش کر رہی ہے، یہ بھی اپنے یتیم ہی کی پرورش کرنا ہے۔ اسی طرح کسی

کے داماد کا انتقال ہوگیا، اب بیٹی بچوں کے ساتھ باپ کے گھر پر آ گئی، اب نانا یتیم نواسوں کی پرورش کرتا ہے یہ بھی اپنے یتیم ہی کی پرورش کرنا ہے۔ بیٹے کا انتقال ہوگیا، بیٹے کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اور ان بچوں کا دادا ان کی پرورش کرتا ہے یہ بھی اپنا ہی یتیم ہے۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا مِنْ أَبَوَيْهِ

١٣٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ صَفْوَانَ قَالَ: حَدَّثَتْنِي أُنَيْسَةُ، عَنْ أُمِّ سَعِيدٍ بِنْتِ مُرَّةَ الْفِهْرِيِّ، عَنْ أَبِيهَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ، أَوْ كَهَذِهِ مِنْ هَذِهِ". شَكَّ سُفْيَانُ فِي الْوُسْطَى وَالَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ.

والدین میں سے کوئی اپنے یتیم کی پرورش کرے اس کی فضیلت

ترجمہ: حضرت مرۃ الفہری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اور پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں یا یہ فرمایا کہ یہ انگلی اس انگلی سے، حضرت سفیان رحمہ اللہ کو درمیانی اور انگوٹھے سے ملی ہوئی انگلی میں شک ہوا۔

تشریح: اس حدیث شریف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جیسے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی میں فاصلہ بہت کم ہے اسی طرح یتیم کی پرورش کرنے والے کو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت ہی قریبی مقام حاصل ہوگا۔ یہ مقام یتیم کی کفالت اور اس کی پرورش کرنے اور اس کی ضرورتوں کا خیال رکھنے پر دیا جائے گا۔

حضرت ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ بخاری کے شراح میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیم کی کفالت پر یہ اجر بتلایا ہے تو ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس اجر کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور اس کا بہت ہی آسان طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی یتیم کو اپنی پرورش میں لے لے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو بہت جگہیں ایسی ہیں جہاں یتیم کی دیکھ بھال کی جاتی ہے ان اداروں سے رابطہ قائم کر کے ان کی مالی امداد کریں یہ بھی یتیم کی ایک درجہ کفالت کرنا ہے

١٣٤ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ، عَنِ الْحَسَنِ رحمة الله عليه، أَنَّ يَتِيمًا كَانَ يَحْضُرُ طَعَامَ ابْنِ عُمَرَ رضي الله تعالىٰ عنهما، فَدَعَا بِطَعَامٍ ذَاتَ يَوْمٍ، فَطَلَبَ يَتِيمَهُ فَلَمْ يَجِدْهُ، فَجَاءَ بَعْدَمَا فَرَغَ ابْنُ عُمَرَ، فَدَعَا لَهُ ابْنُ عُمَرَ بِطَعَامٍ، لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ، فَجَاءَه بِسَوِيقٍ وَعَسَلٍ، فَقَالَ: دُونَكَ هَذَا، فَوَاللهِ مَا غُبِنْتَ يَقُولُ الْحَسَنُ: وَابْنُ عُمَرَ وَاللهِ مَا غُبِنَ .

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے یہاں ایک یتیم ہمیشہ کھانے کے وقت حاضری دیا کرتا تھا (یعنی کھانے میں شریک رہتا تھا، انہوں نے اس کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا تھا کہ روزانہ ہمارے ساتھ کھاتے رہو) ایک دن حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کھانا منگوایا، کھانا جب آ گیا تو اس یتیم کو تلاش کروایا مگر نہیں ملا تو آپ نے کھانا تناول فرمالیا، کھا کر فارغ ہو چکے، دستر خوان اٹھالیا گیا اس کے بعد وہ یتیم آیا، پھر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے گھر پر کہلوایا کہ کھانا بھیجو، گھر والوں کے پاس کھانا تھا نہیں تو ستو اور شہد بھیجا کہ یہ ہیں، (روٹی، سالن تو ختم ہو گیا) چنانچہ جب وہ ستو اور شہد آیا تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس یتیم کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ لو بھائی، اللہ کی قسم تم گھاٹے

میں نہیں ہو(یعنی کھوٹ میں نہیں ہو، بھلے سالن اور روٹی نہیں ملی، ستو اور شہد تو مل ہی گیا)

تشریح: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی کھوٹ میں نہیں رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک یتیم کی پرورش پر اور اس کے حال کی نگرانی اور خیر خبر لینے پر جو فضیلت ملنے والی ہے وہ ان کو حاصل ہو گئی۔

ستو گیہوں کو آگ کے اندر بھون لینے کے بعد موٹا موٹا پیس کر پانی کے اندر بھگو کر کھانے کو کہتے ہیں، بعض لوگ پکا کر بھی کھاتے ہیں، اصل قدیم طریقہ تو پانی میں بھگو کر کھانے کا تھا اور سفر میں توشہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، اس لیے کہ اس زمانہ میں سفر کئی کئی مہینوں کا ہوتا تھا اور یہ چیز بگڑنے والی نہیں ہوتی اس لیے لمبے سفر میں کھانے کا بہترین توشہ سمجھا جاتا تھا۔ آج کل ستو کی جگہ بہت ساری کھانے کی چیزیں نکل آئی ہیں، اس لیے ستو کا رواج ختم ہو گیا۔

۱۳۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ، رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا"، وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى.

ترجمہ: حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے اپنی دونوں انگلیاں مبارکہ شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں انگلیوں کو ملا کر اس طرح اشارہ فرمایا کہ جس طرح ان دونوں انگلیوں میں فاصلہ بہت کم ہے اسی طرح میرے اور یتیم کی ضرورتوں

کی خبر رکھنے والے اور اس کی کفالت کرنے والے شخص کے درمیان فاصلہ بہت کم ہوگا، یعنی اس کو نبی ﷺ کا قرب خاص حاصل ہوگا، گویا یتیم کی خبر گیری کرنے والے شخص کے لیے جنت میں نبیٔ کریم ﷺ کی معیت کی اس حدیث شریف میں خصوصیت کے ساتھ بشارت سنائی گئی ہے۔

١٣٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ وَرْدَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ كَانَ لَا يَأْكُلُ طَعَامًا إِلَّا وَعَلَى خِوَانِهِ يَتِيم .

ترجمہ: حضرت ابوبکر ابن حفص رحمہ اللہ تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عادت شریفہ یہ تھی کہ دسترخوان جب بچھتا تھا تو آپ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کہ کوئی یتیم دسترخوان پر نہ آیا ہو۔

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما یتیم کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

نبیٔ کریم ﷺ نے یتیم کی کفالت کی جو فضیلت بتلائی ہے اس کو سن کر تو یتیم کے لیے ہم جتنا کریں وہ کم ہے، لیکن اگر بہت کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم ہمارا جو کھانا ہے اسی میں یتیم کو شریک کر کے انگلی کٹوا کر شہیدوں میں نام لکھوا سکتے ہیں، ویسے بھی ہمارے گھر میں کھانا بہت سارا بچ جاتا ہے، اس طرح ایک آدھ یتیم کو ہمارے ساتھ کھانے میں شریک کرلیا جائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

ہم لوگوں کو بھی اگر کسی یتیم کی کفالت کا موقع مل جائے اور اس طرح کی اپنی عادت بنالیں تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

بَابُ خَيْرُ بَيْتٍ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ

١٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنِ ابْنِ أَبِي عَتَّابٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ، وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ، أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ'' يُشِيرُ بِإِصْبَعَيْهِ.

بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کا بہترین گھرانہ وہ ہے جہاں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھائی کا، بھلائی کا سلوک کیا جاتا ہو۔ اور مسلمانوں کے گھرانوں میں سے بدترین گھرانہ وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جائے، میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، آپ نے اپنی دونوں مبارک انگلیوں سے اشارہ فرمایا کہ جس طرح ان دو انگلیوں میں فاصلہ نہ ہونے کے برابر ہے اسی طرح میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایک دوسرے کے رفیق ہوں گے۔

تشریح: حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں یتیم ہو اور اس یتیم کے ساتھ باعزت سلوک کیا جائے اچھائی اور بھلائی کا معاملہ کیا جائے وہ بہترین گھرانہ ہے۔

ایک گھر میں کئی بھائی رہتے ہیں ان میں سے کسی ایک بھائی کا انتقال ہو جاتا ہے تو جیسے دوسرے بچوں کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے ایسا باعزت سلوک مرحوم کی اولاد کے

ساتھ نہیں کیا جاتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں پر ایک بوجھ ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنی اولاد سے زیادہ یتیم بھائی کے بچوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

یتیم کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے

جن گھروں میں اس طرح کے مرحوم بھائی وغیرہ کے بچے ہوتے ہیں ان گھر والوں کو میری خاص نصیحت ہے کہ ان کے ساتھ باعزت سلوک کریں، اور اس بات کا اہتمام کریں کہ کوئی ایسا معاملہ، ایسا سلوک اس بچے کے ساتھ نہ کیا جائے جس کی وجہ سے وہ یتیم بچے اپنے متعلق یہ محسوس کریں کہ ہماری کوئی خیر خبر لینے والا نہیں ہے، ہمارے ساتھ بدسلوکی کی جارہی ہے، کسی بھی معاملے میں ان کے ساتھ اوچھا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔

بَابُ كُنْ لِلْيَتِيمِ كَالْأَبِ الرَّحِيمِ

۱۳۸ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبْزَى قَالَ: قَالَ دَاوُدُ عليه السلام: "كُنْ لِلْيَتِيمِ كَالْأَبِ الرَّحِيمِ، وَاعْلَمْ أَنَّكَ كَمَا تَزْرَعُ كَذَلِكَ تَحْصُدُ، مَا أَقْبَحَ الْفَقْرَ بَعْدَ الْغِنَى، وَأَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ - أَوْ أَقْبَحُ مِنْ ذَلِكَ - الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدَى، وَإِذَا وَعَدْتَ صَاحِبَكَ فَأَنْجِزْ لَهُ مَا وَعَدْتَهُ، فَإِنْ لَا تَفْعَلْ يُورِثُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ، وَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ صَاحِبٍ إِنْ ذَكَرْتَ لَمْ يُعِنْكَ، وَإِنْ نَسِيتَ لَمْ يُذَكِّرْكَ".

یتیم کے حق میں تم مہربان باپ کی طرح ہوجاؤ

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا تم یتیم کے لیے مشفق اور مہربان باپ کی طرح بن جاؤ، (یعنی ان کے ساتھ ایسا سلوک کرو جیسا مہربان باپ اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہے) اور جان لو جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے (یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے) مالداری کے بعد فقیری بہت بری چیز ہے، راہ راست پر آنے کے بعد دوبارہ گمراہی میں چلے جانا یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ جب تم اپنے ساتھی کو کوئی چیز دینے کا وعدہ کرو تو اپنے وعدہ کو پورا کرو اس لیے کہ جو وعدہ کیا اس کو پورا نہیں کرو گے تو پھر تمہارے اور اس کے درمیان عداوت پیدا ہوجائے گی (تمہارے اس وعدے کو پورا نہ کرنا اس کے دل میں تمہارے لیے عداوت پیدا کردیگا، اس لیے یا تو وعدہ ہی نہ کرو، یا وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو) اور اپنے ایسے دوست سے اللہ کی پناہ مانگو کہ جب تم کسی کام کے لیے اس سے مدد مانگو تو تمہاری مدد نہ کرے اور جب کوئی کام جو تم کو کرنا تھا تم بھول جاؤ تو تم کو یاد بھی نہ دلائے، حالانکہ دوست تو اسی لیے تھا کہ نیکی کے کام میں مدد کرتا اور نیکی کا کام ہم بھول رہے ہوں تو وہ ہم کو یاد دلاتا، دونوں میں سے کوئی کام نہیں کرتا ہے تو ایسا آدمی دوست بنانے کے لائق نہیں۔

تشریح:

راویٔ حدیث کے مختصر حالات

راویٔ حدیث حضرت عبدالرحمٰن ابن ابزیٰ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، صغار صحابہ میں سے ہیں، نافع ابن عبدالحارث آپ کے آقا تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نافع ابن عبدالحارث کو مکہ کا حاکم بنایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ پوچھا کہ آپ نے جنگلات کا ذمہ دار کس کو بنایا ہے؟ کہا کہ ابن ابزیٰ کو یعنی یہی عبدالرحمٰن ابن ابزیٰ کو،

کہا کہ آپ نے غلام کو حاکم بنایا؟ کہا کہ وہ قرآن کا پڑھنے والا ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا صدق رسول اللہ ﷺ ان اللہ یرفع بھذ الکتاب اقواماً ویضع به آخرین' اللہ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا کہ اللہ اس قرآن کے ذریعے سے بہت سوں کو سر بلند کرتے ہیں جو اس کا حق ادا کرنے والے ہیں اور بہت سوں کو اللہ اس کے ذریعے سے نیچا دکھلاتے ہیں، ذلیل کرتے ہیں جو اس کی حق تلفی کرنے والے ہیں۔

یتیم کے واسطے آپ مہربان باپ کی طرح بن جاؤ

حضرت داؤد علیہ السلام نے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ یتیم کے واسطے آپ مہربان باپ کی طرح بن جاؤ اس کا باپ تو ہے نہیں لیکن آپ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیجئے کہ گویا وہ اپنے باپ کی شفقتوں کو یاد نہ کرے بلکہ آپ کی شفقتوں کو دیکھ کر اس کو اپنے اصلی باپ کی یاد نہ آئے اور اپنے باپ کو بھول جائے۔

خوش حالی کے بعد فقر بہت بری چیز ہے

دوسری بات جو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمائی وہ یہ ہے ایک آدمی خوش حال رہا ہو اور خوش حالی کے دن ختم ہو جائیں اور فقر سے واسطہ پڑے تو یہ بڑی آزمائش کی چیز ہوتی ہے اور ان دنوں کو گذارنا اس کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے، ہاں فقیری کے بعد مالداری آئے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

راہ راست کے بعد گمراہی سب سے خطرناک ہے

اور راہ راست کے بعد گمراہی میں مبتلا ہونا اس سے بھی زیادہ خطرناک اور برا ہے

ایک آدمی کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی تھی، نیکی کے راستے پر چل رہا تھا، مؤمن تھا کافر ہوگیا۔ نعوذ باللہ، یا نمازوں کا اہتمام کرتا تھا، نمازیں چھوٹنے لگیں، اسے دیگر نیک کاموں کی اللہ تعالیٰ نے سعادت اور توفیق عطا کر رکھی تھی وہ سب نیک کام چھوٹ گئے اور اب حالت بری ہوگئی وہ مالداری کے بعد فقر سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اس لیے اس سے خصوصاً پناہ مانگنی چاہیے، اللہ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

راہ راست کے بعد گمراہی کا ایک بہت بڑا سبب

ہدایت کے بعد گمراہی کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب دوسروں کی تحقیر ہے، لوگ آج کل اس میں بہت زیادہ مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ کسی کو نیکی کی توفیق دیتے ہیں، اور وہ راہ راست پر آجاتا ہے، اسے ہدایت نصیب ہو جاتی ہے تو اس ہدایت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور جو لوگ راہ راست پر نہیں ہے ان کے متعلق ذرا برابر بھی دل میں تحقیر کا جذبہ نہیں ہونا چاہیے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے حَسْبُ اِمْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ ایک آدمی کی برائی کے لیے اتنا کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

مال کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ سمجھے

مال اللہ کی نعمت ہے دنیوی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش حال بنایا ہے، مال و دولت اور ثروت سے نوازا ہے، اب ایک آدمی غریب ہے، اس کے پاس پیسہ نہیں ہے تو اس کے فقر و فاقہ کی وجہ سے، اس کی خستہ حالی کی وجہ سے کبھی بھی دل میں تحقیر نہیں آنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

نپی تلی روزی دیتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں اگر کوئی فقیر آدمی ہے تو اس کی وجہ سے اس کا مرتبہ اللہ کے یہاں گھٹ نہیں گیا، بہت سارے لوگ وہ ہیں جو فقیر ہیں، غریب ہیں مگر ان کے مرتبے اللہ کے یہاں بہت سے مالداروں سے اونچے ہوا کرتے ہیں، اس لیے کسی کے پاس یہ دنیوی چیز نہ ہونے سے اس کو کمتر نہ سمجھا جائے۔

اپنی دینداری کی وجہ سے اپنے سے کم تر کو حقیر نہ سمجھے

اسی طرح اللہ نے کسی کو دین کی نعمت سے نوازا ہے، مثلاً آپ کو اللہ تعالیٰ نے راہ راست پر رہنے کی توفیق عطا فرمائی، آپ نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، دین پر چلتے ہیں، اور ایک آپ کا دوسرا بھائی ہے جو دین سے ہٹا ہوا ہے تو اس کی خیر خواہی تو ہونی چاہیے۔ مگر اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل نہ سمجھا جائے اس لیے کہ پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا مقام ہے۔

مرض برا ہے مریض برا نہیں

اپنا کوئی بھائی بیمار ہو تو اپنے بھائی کے لیے دل میں یہ جذبہ تو ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری سے شفاء دے، لیکن اس بیماری کی وجہ سے اس کے ساتھ کوئی تحقیر کا معاملہ نہیں کرتا، کسی کو تپ دق کی بیماری ہوگئی، کینسر کی بیماری ہوگئی تو ظاہر ہے کینسر والے بھائی کو جب ہم دیکھیں گے تو ہمارے دل میں اس کے ساتھ ایک دل سوزی پیدا ہوگی، اور ہم دل سے دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دے دے، مگر اس کینسر کے مرض کی وجہ سے ہم اس کو حقیر اور معمولی نہیں سمجھتے۔ اسی طرح دینی اعتبار سے اگر کوئی کمزور ہے تو یہ بھی ایک روحانی بیماری ہے تو اس روحانی بیماری کی وجہ سے اس کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

کسی کو حقیر سمجھنے کا انجام

آج کل عام طور پر دعوت وتبلیغ کی برکت سے بہت سارے لوگ راہ راست پر آجاتے ہیں، اور بگڑی ہوئی حالت درست ہوجاتی ہے، لیکن راہ راست پر آنے کے بعد بہت سارے لوگ عجب کا شکار ہوجاتے ہیں اور اپنے ہی کو دین دار سمجھتے ہیں اور دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ ہمارے اکابر کی طرف سے دعوت و تبلیغ کی تحریک میں وقت لگانے والوں کو یہ خاص طور سے ہدایت کی جاتی ہے کہ کسی کو حقیر نہ سمجھیں، کسی کو حقیر سمجھتے ہیں اس کے نتیجے میں پھر خود ہی راہ راست پر آنے کے بعد راہ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے

ہدایت ہمارے اختیار کی چیز نہیں ہے یہ خاص اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ﴿ ذٰلِكَ فَضلُ اللّٰهِ يُؤتِيهِ مَن يَّشَآءُ وَاللّٰه ذُو الفَضلِ العَظِيمِ ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اسکو دیتے ہیں اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

ہدایت کے ملنے کو اپنا کمال نہ سمجھے، آدمی دوسرے کی تحقیر اس وقت کرتا ہے جب خود یوں سمجھتا ہے کہ یہ جو کچھ ہے میرا کمال ہے، ایک عالم کسی غیر عالم کو حقیر اس وقت سمجھتا ہے جب وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسے دیا ہے اس کو اپنا کمال سمجھتا ہے، اگر وہ یہ سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے یہ علم دیا ہے میں حقیقت میں اس کا لائق نہیں تھا، اگر یہ تصور اس کے دماغ میں رہے گا تو وہ کبھی بھی وہ اپنے بھائی کو حقیر نہیں سمجھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وَ لَو لَا فَضلُ اللہِ عَلَیکُم وَ رَحمَتُہ مَا زَکٰی مِنکُم مِّن اَحَدٍ اَبَدًا وَّ لٰکِنَّ اللہ یُزَکِّی مَن یَّشَآءُ وَ اللہ سَمِیعٌ عَلِیمٌ﴾ اگر اللہ تعالیٰ اس کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو تم میں سے کسی آدمی کا حال درست نہ ہوتا، کوئی دین پر قائم نہیں رہ سکتا تھا، اللہ تعالیٰ بڑی تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں﴿مَا زَکٰی مِنکُم مِّن اَحَدٍ اَبَدًا﴾ تم میں سے کوئی آدمی راہ راست پر چل نہیں سکتا تھا﴿فَلَا تُزَکُّوا اَنفُسَکُم ھُوَ اَعلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی﴾

اپنی پاکی مت ہانکا کرو کہ میں بڑا نیک ہوں، بڑا عالم ہوں بڑا بزرگ ہوں، نہیں نہیں، اللہ خوب جانتا ہے کس کے دل میں کتنا تقویٰ ہے۔

١٣٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا حَمْزَةُ بْنُ نَجِيحٍ أَبُو عُمَارَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ: لَقَدْ عَهِدْتُ الْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ لَيُصْبِحُ فَيَقُولُ: يَا أَهْلِيَهْ، يَا أَهْلِيَهْ، يَتِيمَكُمْ يَتِيمَكُمْ، يَا أَهْلِيَهْ، يَا أَهْلِيَهْ، مِسْكِينَكُمْ مِسْكِينَكُمْ، يَا أَهْلِيَهْ، يَا أَهْلِيَهْ، جَارَكُمْ جَارَكُمْ، وَأُسْرِعَ بِخِيَارِكُمْ وَأَنْتُمْ كُلَّ يَوْمٍ تَرْذُلُونَ . وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: وَإِذَا شِئْتَ رَأَيْتَهُ فَاسِقًا يَتَعَمَّقُ بِثَلَاثِينَ أَلْفًا إِلَى النَّارِ مَا لَهُ قَاتَلَهُ اللهُ؟ بَاعَ خَلَاقَهُ مِنَ اللهِ بِثَمَنِ عَنْزٍ، وَإِنْ شِئْتَ رَأَيْتَهُ مُضَيِّعًا مُرْبَدًّا فِي سَبِيلِ الشَّيْطَانِ، لَا وَاعِظَ لَهُ مِنْ نَفْسِهِ وَلَا مِنَ النَّاسِ .

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کا وہ زمانہ بھی دیکھا ہے یعنی ایسا نیکی کا اور بھلائی کا زمانہ تھا کہ آدمی جب صبح کرتا تھا تو اپنے گھر والوں کو کہتا تھا کہ اے گھر والو! اے گھر والو! اپنے یتیم کی خبر لو، اس کا خیال رکھو، اے گھر والو! اے گھر والو!

اپنے مسکین کی خبر کرلو، اس کا خیال رکھو، اے گھر والو! اے گھر والو! اپنے پڑوسی کی خبر لو، اس کا خیال رکھو، (گویا ان نیکی کے کاموں کے لیے آدمی اپنے گھر کے لوگوں کو آمادہ کرتا تھا، متوجہ کرتا تھا، لوگوں کو ان چیزوں کا اہتمام ہوتا تھا) پھر وہ زمانہ آیا کہ تمہارے نیک لوگ جلدی سے دنیا سے ختم ہو گئے (یعنی تمہارے نیک لوگ یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہو گئے) اور تم ہر روز دینی اعتبار سے کم سطح پر آرہے ہو (یعنی تمہارا دینی معیار دن بدن گھٹتا جا رہا ہے) اور حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا تم چاہو تو دیکھ لو (یعنی لوگ ایسے گھٹ گئے، یعنی لوگوں کا دینی معیار اتنا نیچے اتر آیا کہ تم چاہو تو دیکھ لو) کہ ایک گنہگار فاسق اور اللہ کا نافرمان آدمی تیس ہزار درہم خرچ کر کے جہنم کی گہرائی میں اتر رہا ہے (یعنی تیس ہزار درہم اللہ کی نافرمانی میں، فضول خرچی میں خرچ کر کے اپنے آپ کو جہنم میں اتار رہا ہے) اور پھر کہتے ہیں کہ کیا ہو گیا اس کو، اللہ تعالیٰ اس کو موت دے کہ وہ اپنے اخلاق کو، اپنے حسن عمل کو جو اللہ کے ساتھ رکھنا چاہیے ایک بکری کی قیمت میں ختم کر رہا ہے (یعنی معمولی رقم کے خاطر وہ اپنے اعمال کو بگاڑ رہا ہے) اور دینی سطح لوگوں کی اتنی گھٹ گئی تم چاہو تو کسی فاسق کو دیکھ لو گے کہ وہ حقوق کو ضائع کرنے والا اور شیطان کے راستے میں ترقی کرنے والا ہے، نہ تو خود کو کوئی نصیحت حاصل ہو رہی ہے، یعنی خود کو اپنی ان حرکتوں کے اوپر کوئی احساس ہے اور نہ لوگوں میں سے کوئی اس کو نصیحت کرتا ہے، نہ تو یاد دلاتا ہے۔

تشریح: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں، اپنے زمانہ کے بدلے ہوئے حالات پر تبصرہ فرما رہے ہیں، آپ کا دور تابعین کا دور تھا اس وقت خیر غالب تھی اس وقت یہ حالت تھی تو ہمارے اس وقت کی حالت کا تو کیا پوچھنا، جہاں شر ہی شر ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جو حالات اپنے زمانہ کے بتلائے ہیں وہ سارے حالات ہمارے زمانہ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی

دینی سطح دن بدن گھٹتی جارہی ہے، کوئی برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے تو نہ خود اس کو احساس ہے اور نہ کوئی احساس دلانے والا ہے۔

١٤٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ، عَنْ أَسْمَاءَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ سِيرِينَ: عِنْدِي يَتِيمٌ، قَالَ: اصْنَعْ بِهِ مَا تَصْنَعُ بِوَلَدِكَ، اضْرِبْهُ مَا تَضْرِبُ وَلَدَكَ.

ترجمہ: حضرت اسماء ابن عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میرے یہاں ایک یتیم ہے اس کے ساتھ کیا معاملہ کروں؟ تو اس کے جواب میں حضرت محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم جس طرح اپنے بیٹے کے ساتھ، اپنی اولاد کے ساتھ معاملہ کرتے ہو وہی معاملہ اس کے ساتھ بھی کرو، اور جن چیزوں پر اپنی اولاد کی پٹائی کرتے ہو اس پر اس کی بھی پٹائی کرو۔

تشریح: اگر کسی کے ماتحت کوئی یتیم ہے تو اس یتیم کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ کرو جس طرح اپنے بیٹے کے ساتھ، اپنی اولاد کے ساتھ کرتے ہو، یعنی جیسی شفقت اپنی اولاد کے ساتھ کرتے ہو ایسی شفقت ان کے ساتھ بھی کرو اور اگر یتیم کی تربیت اور ادب سکھلانے کے خاطر کبھی پٹائی کی ضرورت پڑ جائے تو ان کی بھی پٹائی بقدر ضرورت کر سکتے ہو، بلکہ اگر تربیت کے لیے پٹائی کی ضرورت تھی اور پٹائی نہیں کی اور اس وجہ سے تربیت میں کمی رہی تو یہ یتیم کی حق تلفی اور بدسلوکی ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْمَرْأَةِ إِذَا تَصَبَّرَتْ عَلَى وَلَدِهَا وَلَمْ تَتَزَوَّجْ

١٤١ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ نَهَّاسِ بْنِ قَهْمٍ، عَنْ شَدَّادٍ أَبِي عَمَّارٍ، عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ: ''أَنَا وَامْرَأَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ، امْرَأَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا فَصَبَرَتْ عَلَى وَلَدِهَا، كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ''.

کسی عورت نے اپنے بچے کی خاطر نکاح نہیں کیا صبر سے زندگی گذاری اس کی فضیلت

ترجمہ: حضرت عوف ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور وہ عورت جس کے رخسار کا رنگ بدل گیا ہے (مشقتوں کو برداشت کرنے یعنی غربت اور افلاس کی تکلیفیں اٹھانے کی وجہ سے اس کے چہرے کی سرخی ختم ہوگئی، چہرا بھی پیلا پڑ گیا، چہرے کا رنگ بھی کالا ہو رہا ہے) وہ عورت جو اپنے شوہر سے بیوہ ہوئی اور اپنے بچے کی خاطر ٹھہری رہی اور نکاح نہیں کیا تو وہ عورت جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوگی۔

تشریح: ایک عورت کو جوانی ہی کے اندر بچہ پیدا ہوتے ہی شوہر کا انتقال ہو گیا وہ اپنے بچے کی خاطر دوسرے نکاح سے رکی رہی اور اس نے افلاس اور مشقت کی زندگی گذاری، حالانکہ وہ عورت نیک صورت اور نیک سیرت اور خاندانی تھی اور بہت جگہوں سے نکاح کے پیغام بھی آئے مگر بچے کی وجہ سے اس نے نکاح نہیں کیا ایسی عورت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا کہ جس طرح ان دونوں انگلیوں میں کوئی فاصلہ نہیں ہے اسی طرح میں اور وہ عورت جنت میں ایک ساتھ ہوں گے۔

بَابُ أَدَبِ الْيَتِيمِ

۱۴۲ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ شُمَيْسَةَ الْعَتَكِيَّةِ قَالَتْ:

ذُكِرَ أَدَبُ الْيَتِيمِ عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَقَالَتْ: إِنِّي لَأَضْرِبُ الْيَتِيمَ حَتَّى يَنْبَسِطَ.

ترجمہ: حضرت شمیسہ العتکیہ رحمہا اللہ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یتیم کو ادب سکھانے کا تذکرہ آیا تو کہا کہ میں تو یتیم کو ادب سکھانے کے لیے ایسی پٹائی کرتی ہوں کہ یہ بچھ جاتا ہے۔

تشریح: کسی کی پرورش میں یتیم ہو تو اس کو پڑھایا جائے گا، تربیت کی جائے گی، ادب سکھلایا جائے گا، اور اس کو کمالات سکھلانے کے لیے اس پر محنت کی جائے گی۔

بعض لوگ یوں سوچتے ہیں کہ یہ تو یتیم ہے اس کو تعلیم وتربیت کے لیے ماریں گے تو یتیم کے ساتھ زیادتی لازم آئے گی۔ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعلیم وتربیت کی غرض سے تم اپنی اولاد کی پٹائی کرتے ہو وہاں یتیم کی بھی پٹائی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ پٹائی کرنا درحقیقت اس کی خیر خواہی ہے، اس لیے کہ اس موقع پر اس کی پٹائی نہیں کی گئی تو یتیم یہ سمجھتا ہے کہ میری تو پٹائی ہوتی نہیں تو وہ نہ کوئی چیز سیکھے گا اور نہ آداب سے واقف ہوگا، یہاں پٹائی نہ کرنا یتیم کو بگاڑنے کا سبب بنے گا جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ مَاتَ لَهُ الْوَلَدُ

١٤٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله تعالىٰ عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ،

فَتَمَسَّهُ النَّارُ، إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ".

جس کے لڑکے کا انتقال ہو گیا ہو اس کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں میں سے کسی کے تین بچوں کا اگر انتقال ہو گیا تو اس کو آگ نہیں چھوئے گی مگر قسم پوری کرنے کے لیے۔

تشریح: قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ ہر ایک آدمی کو جہنم کے اوپر سے گذرنا ہے، یہ ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر رکھی ہے اور یہ چیز پوری ہو کر رہے گی، گویا جہنم کا نظارہ تو ہر شخص کو کرنا ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جن کے تین بچوں کا انتقال ہو گیا تو وہ بطور نظارہ کے جہنم کے اوپر سے گذارا جائے گا، لیکن جہنم کی آگ اس کو لگے گی نہیں، کسی چیز کا بہت کم ہونا بتلانا ہو تو عرف میں بولتے ہیں اس کے پاس تو قسم کھاوے اتنا بھی نہیں ہے۔

١٤٤ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ طَلْقِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ فَقَالَتِ: ادْعُ لَهُ، فَقَدْ دَفَنْتُ ثَلَاثَةً، فَقَالَ: "احْتَظَرْتِ بِحِظَارٍ شَدِيدٍ مِنَ النَّارِ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس کے لیے دعا کر دیجیے اس لیے کہ اس سے پہلے تین بچوں کو دفن کر چکی ہوں تو اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا تو نے جہنم سے بڑی مضبوط دیوار اپنے لیے قائم کر لی۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ کہ ایک عورت نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے تین بچے انتقال کر گئے یہ چوتھا بچہ ہے اس کی زندگی کی دعا کر دیجیے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین بچوں کے انتقال نے تیرے حق میں بڑی دیوار بنالی ہے کہ جہنم کی آگ تجھے چھوئے گی نہیں۔

١٤٥ - حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ خَالِدٍ الْعَبْسِيِّ قَالَ: مَاتَ ابْنٌ لِي، فَوَجَدْتُ عَلَيْهِ وَجْدًا شَدِيدًا، فَقُلْتُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، مَا سَمِعْتَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا تُسَخِّي بِهِ أَنْفُسَنَا عَنْ مَوْتَانَا؟ قَالَ: سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "صِغَارُكُمْ دَعَامِيصُ الْجَنَّةِ".

ترجمہ: خالد عبسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے ایک بچے کا انتقال ہو گیا اس پر مجھے بڑا شدید غم لاحق ہوا تو میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلے میں کوئی بات آپ نے سنی ہو تو ہمیں بھی سنائیں جس سے ہمارا جی ہمارے مردوں کی طرف سے راضی ہو جائے (مطلب یہ کہ ایسی کوئی بات سناؤ جس سے یہ غم ہلکا ہو جائے) تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ تمہارے چھوٹے بچے وہ جنت کے کیڑے ہیں۔

تشریح: دَعَامِیصُ پانی کے اندر کیڑا ہوتا ہے جس کو پو یرا بولتے ہیں، پو یرا بچے کو بھی بولتے ہیں، لیکن پانی کے کیڑے کو بھی پو یرا بولتے ہیں جو پانی سے نکلتا نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے چھوٹے بچے جو ہیں وہ جنت ہی میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ اپنے ماں باپ کو کھینچ کر جنت میں لے جائیں گے۔

١٤٦ - حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ مَاتَ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَاحْتَسَبَهُمْ دَخَلَ الْجَنَّةَ"، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ، وَاثْنَانِ؟ قَالَ: "وَاثْنَانِ"، قُلْتُ لِجَابِرٍ: وَاللهِ، أَرَى لَوْ قُلْتُمْ وَاحِدٌ لَقَالَ. قَالَ: وَأَنَا أَظُنُّهُ وَاللهِ.

ترجمہ: حضرت محمد ابن لبیب رحمہ اللہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبیؐ کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے تین بچے انتقال کر گئے اور ان کے انتقال پر اس نے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! اگر دو بچے ہوں تو؟ کہا کہ دو ہوں تو بھی۔ محمد ابن لبیب رحمہ اللہ جو اس روایت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ کی قسم میرا خیال یہ ہے کہ اگر تم لوگ ایک بچے کے بارے میں پوچھتے تو بھی حضور ﷺ یہی جواب دیتے، اس کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا بھی خیال یہی ہے اللہ کی قسم آپ کو ایک کے متعلق بھی پوچھا جاتا تو بھی آپ یہی جواب ارشاد فرماتے۔

تشریح: احتساب کا مطلب یہ ہے کہ کسی نیکی کے کام میں جو مشقت آدمی کو لاحق ہوتی ہے وہ اللہ ہی کے خاطر اس مشقت کو اٹھاتا ہے کوئی دوسری غرض نہ ہو وہ احتساب کہلاتا ہے جس طرح اس روایت میں تین بچے اور دو بچے کے انتقال پر ماں باپ کے صبر کرنے پر جنت کی بشارت ہے، اسی طرح بعض روایتوں میں ایک بچہ کا بھی تذکرہ ہے، بلکہ وہ جو ادھورا اور ناقص بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق بھی یہ فضیلت آئی ہے۔

١٤٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ قَالَ: سَمِعْتُ طَلْقَ بْنَ مُعَاوِيَةَ - هُوَ جَدُّهُ - قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ فَقَالَتِ: ادْعُ اللهَ لَهُ، فَقَدْ دَفَنْتُ ثَلَاثَةً، فَقَالَ: "احْتَظَرْتِ بِحِظَارٍ شَدِيدٍ مِنَ النَّارِ".

ترجمہ: ایک عورت نبیٔ کریم ﷺ کے پاس اپنے بچے کو لیکر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس کے لیے دعا کر دیجیے میں نے تین بچے اس سے پہلے دفن کیے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو نے جہنم کی آگ سے بڑی مضبوط دیوار قائم کر دی ہے۔

١٤٨ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُهَيْلُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا لَا نَقْدِرُ عَلَيْكَ فِي مَجْلِسِكَ، فَوَاعِدْنَا يَوْمًا نَأْتِكَ فِيهِ، فَقَالَ: "مَوْعِدُكُنَّ بَيْتُ فُلَانٍ"، فَجَاءَهُنَّ لِذَلِكَ الْوَعْدِ، وَكَانَ فِيمَا حَدَّثَهُنَّ: "مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ يَمُوتُ لَهَا ثَلَاثٌ مِنَ الْوَلَدِ، فَتَحْتَسِبُهُمْ، إِلَّا دَخَلَتِ الْجَنَّةَ"، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ: أَوِ اثْنَانِ؟ قَالَ: "أَوِ اثْنَانِ" كَانَ سُهَيْلٌ يَتَشَدَّدُ فِي الْحَدِيثِ وَيَحْفَظُ، وَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ يَقْدِرُ أَنْ يَكْتُبَ عِنْدَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک عورت نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم (یعنی عورتیں) آپ کی مجلس میں حاضری نہیں دے سکتی (یعنی عورت ہونے کی وجہ سے، آپ مردوں کے درمیان ہوتے ہیں اس لیے ہم وہاں حاضری نہیں دے سکتی) آپ ہمارے لیے کوئی ایک دن متعین فرما دیجیے جس میں ہم آپ کی خدمت میں حاضری دیا کریں۔ تو نبیٔ کریم ﷺ جواب میں ارشاد فرمایا کہ فلاں دن فلانے کے گھر میں وقت مقرر کرتا ہوں (یعنی فلاں دن، فلاں کے گھر میں عورتوں سے گفتگو

کروں گا) چنانچہ اس وعدہ کے مطابق نبیٔ کریم ﷺ عورتوں کی مجلس میں تشریف لائے اور عورتوں سے باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ تم میں سے کسی عورت کے تین بچے انتقال کر جائیں وہ اللہ سے اجر اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر کرے تو وہ عورت جنت میں جائے گی، ایک عورت نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اگر دو ہوں تو؟ تو کہا کہ دو ہوں تو بھی یہی فضیلت حاصل ہے۔

١٤٩ - حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ، وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَامِرٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَتْنِي أُمُّ سُلَيْمٍ قَالَتْ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَمُوتُ لَهُمَا ثَلَاثَةُ أَوْلَادٍ، إِلَّا أَدْخَلَهُمَا اللهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ"، قُلْتُ: وَاثْنَانِ؟ قَالَ: "وَاثْنَانِ".

ترجمہ: حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبیٔ کریم ﷺ کے پاس حاضر تھی اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ام سلیم! جن دو مسلمانوں (میاں بیوی) کے تین بچے انتقال کر جائیں اللہ تعالیٰ ان کو محض اپنی رحمت سے جنت میں داخل کریں گے، تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر دو بچے ہوں تو؟ تو کہا کہ دو ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔

تشریح: حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد مالک ابن نضر وہ اسلام نہیں لائے تھے ان کی والدہ نے ان کو اسلام کے لیے کہا تو انہوں نے انکار کیا اور ناراض ہو گئے اور ناراض ہو کر شام کی طرف چلے گئے اور راستے ہی میں انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پیغام نکاح دیا وہ بھی مشرک تھے، حضرت ام سلیم

رضی اللہ عنہا نے شرط کی کہ اسلام لاؤ تو نکاح کروں گی، چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کیا، پھر نکاح کیا۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ بچپن میں کسی آدمی کے بچوں کا انتقال کرجانا اوراس پراس آدمی کا صبر کرنا اس کے لیے جنت میں جانے کا ذریعہ بنتا ہے۔

۱۵۰ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى الْفُضَيْلِ: عَنْ أَبِي حَرِيزٍ، أَنَّ الْحَسَنَ حَدَّثَهُ بِوَاسِطَ، أَنَّ صَعْصَعَةَ بْنَ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ لَقِيَ أَبَا ذَرٍّ مُتَوَشِّحًا قِرْبَةً، قَالَ: مَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ يَا أَبَا ذَرٍّ قَالَ: أَلَا أُحَدِّثُكَ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ، إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ" "وَمَا مِنْ رَجُلٍ أَعْتَقَ مُسْلِمًا إِلَّا جَعَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلَّ عُضْوٍ مِنْهُ، فِكَاكَهُ لِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ".

ترجمہ: صعصعہ ابن معاویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہوئی وہ پانی کا مشکیزہ لٹکائے ہوئے پانی بھر رہے تھے، حضرت صعصعہ رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کا کوئی بچہ نہیں؟ اس عمر میں بھی آپ کو خود یہ کام کرنا پڑتا ہے، اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نہ بتلاؤں؟ کہا کہ ضرور بتلائیے، تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس مسلمان کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے انتقال کرگئے اوراس نے اس پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کریں گے۔ اور جو آدمی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس آزاد شدہ کے ہر عضو کے بدلے میں جہنم سے آزاد کریں گے۔

١٥١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عُمَارَةَ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ مَاتَ لَهُ ثَلَاثَةٌ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ، أَدْخَلَهُ اللهُ وَإِيَّاهُمْ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ الْجَنَّةَ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کے تین چھوٹے نابالغ بچے انتقال کر جائیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اور ان بچوں کو بھی محض اپنی رحمت سے جنت میں داخل کریں گے۔

تشریح: احادیث کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کا انتقال کر جانا اور اس پر ماں باپ کا صبر کرنا بڑے اجر وثواب اور دخول جنت کا باعث ہے۔

بَابُ مَنْ مَاتَ لَهُ سَقْطٌ

١٥٢ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ - وَكَانَ لَا يُولَدُ لَهُ - فَقَالَ: لِأَنْ يُولَدَ لِي فِي الْإِسْلَامِ وَلَدٌ سَقْطٌ فَأَحْتَسِبَهُ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِيَ الدُّنْيَا جَمِيعًا وَمَا فِيهَا وَكَانَ ابْنُ الْحَنْظَلِيَّةِ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ.

کسی کے یہاں ادھورا، پیٹ والا بچہ انتقال کر گیا اس کی فضیلت

ترجمہ: حضرت سہل ابن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا تھا تو انہوں نے تمنا کی کہ اسلام لانے کے بعد میرے یہاں کوئی ادھورا بچہ پیدا ہو اور پیدا ہو کر انتقال کر جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے اجر اور ثواب کی امید رکھوں یہ مجھے

زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ مجھے مل جائے یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی کے یہاں ادھورا بچہ ہو کر انتقال کر جائے اور اس کی وفات پر وہ آدمی خالص اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لیے صبر سے کام لے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب اور اجر کی امید رکھے تو اس کے لیے بہت بڑی فضیلت ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ بچہ ماں باپ کا دامن پکڑ کر اپنے ماں باپ کو جنت میں کھینچ کر لے جائے گا۔

اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان کا مقام

اس روایت کے راوی حضرت سہل ابن حنظلیہ رضی اللہ عنہ ہیں اس روایت کو پیش کرنے کے بعد اخیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بتلا دیا کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے کیکر کے درخت کے نیچے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، بیعت رضوان، جن بیعت کرنے والے صحابہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خوشنودی کی بشارت قرآن پاک میں سنائی گئی ﴿لَقَد رَضِيَ اللهُ عَنِ المُؤمِنِينَ اِذ يُبَايِعُونَكَ تَحتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِم فَاَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيهِم وَ اَثَابَهُم فَتحًا قَرِيبًا﴾ تحقیق اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی معلوم تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اطمینان پیدا کر دیا، ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح دیدی۔

اسی کو بیعت رضوان کہتے ہیں، حضرات صحابہ کے اندر بحیثیت جماعت سب سے افضل اصحاب بدر ہیں اور ان کے بعد افضلیت کا درجہ اصحاب بیعت رضوان کا ہے، اسی لیے اگر کسی صحابی کا تذکرہ آتا ہے اور وہ اصحاب بدر میں سے ہو تو عام طور پر روایت میں اس کی صراحت کی جاتی ہے، اسی طرح اگر وہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے بیعت رضوان میں حصہ لیا تھا تو اس کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اس روایت میں حضرت سہل ابن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ وہ بیعت رضوان میں شریک تھے۔

۱۵۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا مِنَّا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِ وَارِثِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ، مَالُكَ مَا قَدَّمْتَ، وَمَالُ وَارِثِكَ مَا أَخَّرْتَ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے پوچھا تم میں سے کون ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ اس کے جواب میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ تم ایسا کہتے تو ہو لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے، تم جو مال خرچ کر چکے اور اللہ کے راستے میں دے چکے وہ تمہارا مال ہے اور وہ جو اپنے پیچھے چھوڑ کر جا رہے ہو وہ کہنے کو تو بظاہر اس وقت تمہارا ہے لیکن وہ

حقیقت میں تمہارا نہیں ہے، کل کو وارث کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا انداز بڑا نرالا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں سے مال کی محبت مکمل طور پر نکل جائے اور جو مال ان کی ملکیت میں ہے وہ بھی جتنا جلدی ہو سکے اللہ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے لیے آخرت میں ذخیرہ بنا لیں، اس لیے کہ ہمارا مال تو وہ ہے جو ہم اپنی ضرورت میں استعمال کر لیں، کھا پی لیں، پہن لیں اوڑھ لیں، وہ مال جس کو ہم نے خرچ نہیں کیا، گن گن کر جمع کرتے رہے، اپنا سمجھ کر حفاظت بھی کرتے رہے اور اس سے محبت بھی کرتے رہے یہاں تک کہ انتقال کے وقت دوسروں کے لیے چھوڑ کر چلے گئے، وہ مال تو ہمارا نہیں ہے۔

١٥٤ - قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا تَعُدُّونَ فِيكُمُ الرَّقُوبَ؟" قَالُوا: الرَّقُوبُ الَّذِي لَا يُولَدُ لَهُ، قَالَ: "لَا، وَلَكِنَّ الرَّقُوبَ الَّذِي لَمْ يُقَدِّمْ مِنْ وَلَدِهِ شَيْئًا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ تم رقوب کس کو کہتے ہو؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ رقوب اس آدمی کو کہتے ہیں جس کا کوئی بچہ نہ ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رقوب اس کو نہیں کہتے، حقیقت میں رقوب وہ ہے جس نے اپنا بچہ آگے بھیجا نہ ہو۔

تشریح: حدیث شریف میں رقوب کا لفظ ذکر کیا ہے، رَقَبَ یَرْقُبُ کا ترجمہ ہوتا ہے انتظار کرنا، یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کسی کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس کا انتقال ہو گیا، دوسرا بچہ پیدا ہوا وہ بھی انتقال کر گیا، اب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو گھر والوں

کو ہر وقت یہ اندیشہ اور خطرہ لگا رہتا ہے کہ یہ بچہ بھی انتقال کر جائے گا، گویا وہ انتظار میں ہیں کہ اب اس کا بھی انتقال ہونے والا ہے ایسے شخص کو عربی میں رقوب کہتے ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کے یہاں اولاد پیدا ہوئی اور انتقال کر گئی وہ حقیقت میں رقوب نہیں ہے بلکہ اس کے لیے تو اولاد ذخیرہ بن گئی، وہ اولاد کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے ماں باپ کے حق میں سفارشی بنے گی، ہاں جس شخص کی کسی بھی اولاد کا انتقال نہیں ہوا وہ البتہ اولاد کے اس فائدے سے محروم ہونے کی وجہ سے رقوب کہا جا سکتا ہے۔

١٥٥ - قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا تَعُدُّونَ فِيكُمُ الصُّرَعَةَ؟" قَالُوا: هُوَ الَّذِي لَا تَصْرَعُهُ الرِّجَالُ، فَقَالَ: "لَا، وَلَكِنَّ الصُّرَعَةَ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے صحابہ سے سوال فرمایا کہ تم اپنے اندر پہلوان اور طاقت ور کس کو سمجھتے ہو؟ صحابہ نے کہا کہ ہم تو پہلوان اس کو سمجھتے ہیں جس کو کوئی پچھاڑ نہ سکے، آپ ﷺ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ حقیقت میں پہلوان وہ نہیں ہے، پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو اور کنٹرول کرے وہ ہے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں پہلوان۔

کیسی پاکیزہ تعلیم ہے آپ ﷺ کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نبیٔ کریم ﷺ کے ان ارشادات سے ہمیں استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

بَابُ حُسْنِ الْمَلَكَةِ

١٥٦ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ:

حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ثَقُلَ قَالَ: "يَا عَلِيُّ، ائْتِنِي بِطَبَقٍ أَكْتُبْ فِيهِ مَا لَا تَضِلُّ أُمَّتِي بَعْدِي"، فَخَشِيتُ أَنْ يَسْبِقَنِي فَقُلْتُ: إِنِّي لَأَحْفَظُ مِنْ ذِرَاعَيِ الصَّحِيفَةِ، وَكَانَ رَأْسُهُ بَيْنَ ذِرَاعِي وَعَضُدِي، فَجَعَلَ يُوصِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ، وَقَالَ كَذَاكَ حَتَّى فَاضَتْ نَفْسُهُ، وَأَمَرَهُ بِشَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، مَنْ شَهِدَ بِهِمَا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ.

اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ترجمہ: نعیم ابن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہم کو یہ حدیث بیان کی کہ جب نبیٔ کریم ﷺ اپنی بیماری سے بھاری ہو گئے (یعنی بیماری نے شدت اختیار کرلی) تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت وہاں موجود تھے ان سے حضور ﷺ نے فرمایا اے علی! اونٹ کی شانے کی ہڈی لاؤ کہ اسمیں ایسی باتیں لکھوادوں کہ میرے بعد امت راہ راست سے ہٹنے نہ پائے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ آپ کہیں دنیا سے رخصت ہونے کے معاملہ میں سبقت نہ کرجائیں (اس وقت نبیٔ کریم ﷺ کی جو کیفیت تھی اس کے پیش نظر مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں حضور ﷺ مجھ سے سبقت نہ کرجائیں یعنی میں ادھر شانے کی ہڈی لینے جاؤں اور ادھر آپ کی روح مبارک نکل جائے اور آپ جو چیز مجھے لکھوانا چاہتے ہیں وہ لکھنے کی نوبت نہ آئے) اس لیے میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ جو بات ارشاد فرمائیں میں یاد رکھتا ہوں،، نبیٔ کریم ﷺ کا سر مبارک میری کہنی اور میرے بازو کے درمیان تھا، چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تو اب نبیٔ کریم ﷺ تاکید فرمارہے ہیں نماز اور زکوۃ کی اور غلاموں سے کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

نبیٔ کریم ﷺ نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا یعنی امت کو اس بات کی گواہی کا بھی حکم دیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور نبیٔ کریم ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو آدمی ان دونوں باتوں کی گواہی دے گا وہ جہنم کی آگ پر حرام کردیا جائے گا، یہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ آپ کی روح پرواز کرگئی۔

تشریح: یہاں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ غلاموں کے حقوق کے متعلق کچھ مسائل مختلف ابواب میں پیش کررہے ہیں، پہلا باب ہے باب حسن الملکۃ یعنی مملوک اور غلام کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

اسلام نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اگر کوئی شخص ان کے حقوق کو ادا نہیں کرتا اور ان کے ساتھ زیادتی کرتا ہے اس کے متعلق تنبیہ کردی کہ قیامت کے دن اس کا بدلہ دینا پڑے گا، چنانچہ غلام جس کا آقا پورے طور پر مالک ہوتا ہے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید فرمائی، بلکہ بعض روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ جیسا تم پہنتے ہو ان کو بھی ایسا ہی پہناؤ، جیسا تم کھاتے ہو ان کو بھی ایسا ہی کھلاؤ اور اپنے کاموں کا بوجھ ان پر ان کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ نہ ڈالو، اگر کوئی ایسا کام سونپا ہے جو اس کے لیے مشکل ہے تو اس کو انجام دینے میں ان کی مدد کرو۔

زندگی کے آخری لمحہ میں غلاموں کے حقوق کی تاکید

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی زندگی کی بالکل آخری حالت ذکر فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ نے میرے پاس شانے کی ہڈی منگوائی، یہ چوڑی اور پتلی

ہوا کرتی ہے چونکہ اس زمانے میں کاغذ عام طور پر دستیاب نہیں تھے بلکہ بہت کم یاب تھے تو پتھر کی سلوں پر، یا چمڑوں کے ٹکڑوں پر یا اونٹ کے شانے کی ہڈی جو چوڑی ہوا کرتی تھی اس کے اوپر، یا کھجور کی ٹہنی کی چھال نکال کر اندر سے جو سفید حصہ نکلتا ہے اس پر لکھا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ اہم اور بنیادی چیزیں امت کو بتلانا چاہتے تھے اور ایسی وصیت اور نصیحت لکھوانا چاہتے تھے تاکہ امت آپ کے بعد ان نصیحتوں پر عمل کرے اور امت گمراہ نہ ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اونٹ کی ہڈی لانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ہڈی لینے جاؤں اس دوران آپ کی روح پرواز کر جائے، اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ جو فرمانا چاہتے ہیں زبانی ارشاد فرمالیں میں اس کو یاد رکھوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند باتیں زبانی ارشاد فرمائیں، اس میں جو اس باب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے وہ بات یہ تھی کہ آدمی اپنے غلاموں اور ماتحتوں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی حالت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک پرواز کر گئی۔

۱۵۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَجِيبُوا الدَّاعِيَ، وَلَا تَرُدُّوا الْهَدِيَّةَ، وَلَا تَضْرِبُوا الْمُسْلِمِينَ".

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو۔ اور ہدیہ مت لوٹاؤ اور مسلمانوں کو مت مارو۔

تشریح: مذکور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چیزیں ارشاد فرمائیں:

پہلی چیز جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرو، اگر نکاح یا ولیمے کی دعوت ہے تو اس کے متعلق تو تقریباً تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اس کو قبول کرنا ضروری ہے بشرطیکہ اس میں دعوت قبول کرنے کے سارے شرائط پائے جاتے ہوں، یعنی خلاف شرع کوئی چیز نہ ہو، اگر عام دعوت ہے تو بلا شرعی عذر بھی دعوت میں شرکت نہ کرنے کی گنجائش ہے۔

دوسری چیز جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ کوئی آدمی اگر ہدیہ پیش کرتا ہے تو اس کو قبول کرلو بشرطیکہ ہدیہ کے سلسلے میں شریعت مطہرہ کی طرف سے جو ہدایات دی گئی ہیں ان کے خلاف نہ ہو، مثلاً اس کی کمائی حرام کی نہ ہو،، یا وہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر ہدیہ نہ دیتا ہو، یا ہدیہ دینے والے کے متعلق یہ خیال نہ ہو کہ اس کا مقصد نمائش ہے تو اس صورت میں شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ ہدیہ کا انکار نہ کرے۔

تیسری چیز جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ مسلمان کو مارنے سے پرہیز کرو۔

باب کے ساتھ اس حدیث شریف کی مناسبت اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عام حکم دیا کہ کسی بھی مسلمان کو مارنے کی اجازت نہیں اس عموم میں مسلمان کے ساتھ غلام بھی آجاتے ہیں اور عام طور پر لوگ اپنے غلاموں کے ساتھ پٹائی وغیرہ کا معاملہ کرتے ہی ہیں تو آپ کی یہ عام ممانعت ان لوگوں پر بھی صادق آتی ہے اس لیے اس حدیث شریف کو اس باب میں پیش کیا۔

۱۵۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ أُمِّ مُوسَى، عَنْ عَلِيٍّ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ قَالَ: كَانَ آخِرُ كَلَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الصَّلَاةَ، الصَّلَاةَ، اتَّقُوا اللهَ فِيمَا مَلَكَتْ

أَيْمَانُكُمْ".

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا آخری کلام جو آپ نے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے کیا وہ یہ تھا کہ نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو، اس کا اہتمام کرو اور اپنے غلاموں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

تشریح: حدیث شریف کا اصل مقصد یہ ہے کہ نماز کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اپنے غلاموں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔

بَابُ سُوءِ الْمَلَكَةِ

۱۵۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِلنَّاسِ: نَحْنُ أَعْرَفُ بِكُمْ مِنَ الْبَيَاطِرَةِ بِالدَّوَابِّ، قَدْ عَرَفْنَا خِيَارَكُمْ مِنْ شِرَارِكُمْ. أَمَّا خِيَارُكُمْ: الَّذِي يُرْجَى خَيْرُهُ، وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ. وَأَمَّا شِرَارُكُمْ: فَالَّذِي لَا يُرْجَى خَيْرُهُ، وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ، وَلَا يُعْتَقُ مُحَرَّرُهُ.

غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کی قباحت

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ لوگوں کو یوں کہا کرتے تھے نَحْنُ أَعْرَفُ بِكُمْ مِنَ الْبَيَاطِرَةِ بِالدَّوَابِّ چوپایوں کا معالج اور طبیب جتنا جانوروں سے واقف ہوا کرتا ہے میں اس سے زیادہ تم لوگوں سے واقف ہوں، تم میں جو لوگ اچھے ہیں اور برے ہیں سب کو میں جانتا ہوں، تم میں بہتر وہ ہیں جس سے بھلائی کی امید کی جائے اور اس کی برائی سے لوگ مامون رہیں، اور تم میں بدتر شخص وہ ہے جس سے بھلائی کی کوئی امید نہیں رکھی جاتی اور جس کا غلام آزاد نہ کیا جاتا ہو۔

تشریح: بَیاطِرَہ، بَیْطَرَہٌ کی جمع ہے، جانوروں کے ڈاکٹر کو کہتے ہیں، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک جانوروں کا ماہر ڈاکٹر جانوروں کو دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ صحت مند ہے یا نہیں، اس سے کئی گنا زیادہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مہارت عطا فرمائی ہے کہ آدمی کو دیکھ کر میں پہچان لیتا ہوں کہ یہ نیک ہے یا بد، اور اس کی ایک نشانی بھی بتلائی، وہ یہ ہے جس کا مزاج ایسا ہو کہ اس کے مزاج کی وجہ سے لوگ اس سے بھلائی کی امید رکھتے ہوں اور اس کے شر سے لوگ محفوظ رہتے ہوں یہ بہترین شخص ہے۔ اور جس کا مزاج ایسا ہے کہ اس سے کوئی بھلائی کی امید اور توقع نہیں رکھی جاتی تو یہ بدترین شخص ہے۔

آدمی اپنے مزاج کو اچھا بنانے کی کوشش کرے اور اچھا مزاج بنتا ہے اچھے آدمی کی صحبت میں رہنے سے، اور جب آدمی اچھا ہو جاتا ہے تو ہر وقت اس کے بدن سے اچھے اعمال ہی صادر ہوتے رہتے ہیں، اور اس کی جان اور اس کا مال خیر ہی کے کاموں میں استعمال ہوتے رہتے ہیں، اگر اس کے پاس کوئی غلام ہے تو وہ اس کے سارے حقوق کو ادا کرتا رہتا ہے چاہے کوئی اسے دیکھے یا نہ دیکھے اور اگر اس کے حقوق کی ادائیگی میں اس سے کوتاہی ہوتی ہے تو اس کو آزاد کر دیتا ہے۔ اگر اس نے اپنا مزاج اچھا نہیں بنایا تو ہر وقت اس سے برے اعمال ہی صادر ہوتے رہیں گے اور بھلائی کے کام کی طرف اس کی طبیعت بالکل مائل ہی نہیں ہوگی، اگر اس کے ماتحت کوئی غلام ہے تو اس پر ظلم کرے گا اور کبھی اسے توفیق نہیں ہوگی کہ اپنے غلام کو آزاد کرے۔

١٦٠ - حَدَّثَنَا عِصَامُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَرِيزُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنِ ابْنِ هَانِئٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ: الْكَنُودُ: الَّذِي يَمْنَعُ رِفْدَهُ، وَيَنْزِلُ

وَحْدَهُ، وَيَضْرِبُ عَبْدَهُ .

ترجمہ: ابن ہانی رحمہ اللہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کنود وہ ہے جو اپنی بھلائی کو لوگوں سے روکتا ہو اور تنہا سفر کرتا ہو اور اپنے غلام کی پٹائی کرتا ہو ایسی خصلت رکھنے والے شخص کو کنود کہتے ہیں۔

تشریح: قرآن پاک میں انسان کے لیے کنود کا لفظ آیا ہے صحابیٔ رسول حضرت ابو امامہ اسکی تشریح فرماتے ہیں اپنے غلاموں کے ساتھ ملاطفت اور نرمی کا معاملہ کیا جائے، ان کے قصوروں کو معاف کیا جائے، ان کو بھی اپنے گھر کا ایک فرد سمجھا جائے اور جیسے اپنے گھر کے افراد کے ساتھ آدمی نرمی، بھلائی اور چشم پوشی کا معاملہ کرتا ہے اسی طرح اپنے غلاموں کے ساتھ بھی نرمی اور بھلائی کا معاملہ کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ملاطفت اور نرمی کا معاملہ ہو اور اپنے غلاموں کے ساتھ ہر وقت سختی کا معاملہ ہو، اللہ تعالیٰ ایسی بری خصلتوں سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

١٦١ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وَحَمَّادٍ، عَنْ حَبِيبٍ، وَحُمَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ رَجُلًا أَمَرَ غُلَامًا لَهُ أَنْ يَسْنُوَ عَلَى بَعِيرٍ لَهُ، فَنَامَ الْغُلَامُ، فَجَاءَ بِشُعْلَةٍ مِنْ نَارٍ فَأَلْقَاهَا فِي وَجْهِهِ، فَتَرَدَّى الْغُلَامُ فِي بِئْرٍ، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَرَأَى الَّذِي فِي وَجْهِهِ، فَأَعْتَقَهُ .

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے امام بخاری رحمۃ اللہ نے ایک واقعہ ذکر کیا، ایک آدمی نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ اونٹ کے ذریعے پانی لا کر زمین کو سیراب کرے،

غلام سو گیا (اور جو کام سونپا تھا وہ اس نے کیا نہیں) آقا اس پر غصے ہوا اور ایک آگ کا شعلہ لا کر اس نے اس کے چہرے پر مارا، غلام وہاں سے بھاگا اور ایک کنویں میں جا کر اپنی جان کو محفوظ کیا، صبح وہ غلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ نے اس کے چہرے پر شعلے کا اثر دیکھا اور اس کی وجہ دریافت کی، غلام نے پورا قصہ سنایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کا ایک اونٹ تھا اس نے اپنے غلام کو حکم کیا کہ وہ اونٹ پر پانی کا مشکیزہ رکھ کر زمین کو سیراب کرے اور غلام بے چارہ کام سے چور ہو کر تھک گیا تھا جس سے اس کو نیند لگ گئی اور جو کام سونپا تھا وہ اس نے کیا نہیں، اس پر آقا کو شریعت کی حد میں رہ کر تنبیہ کی اجازت تھی، لیکن اس نے غلام پر ظلم کیا اور آگ کے شعلے سے اس کو سزا دی جس سے اس کے چہرے پر نشان پڑ گیا اور اپنی جان کی حفاظت کے لیے ایک کنویں میں اپنے آپ کو ڈال دیا اور صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا کر پورا واقعہ بیان کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو اپنی طرف سے آزاد کر کے اس کی ملکیت سے نکلوا دیا۔

بَابُ بَيْعِ الْخَادِمِ مِنَ الْأَعْرَابِ

١٦٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ عَمْرَةَ، عَنْ عَمْرَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا دَبَّرَتْ أَمَةً لَهَا، فَاشْتَكَتْ عَائِشَةُ، فَسَأَلَ بَنُو أَخِيهَا طَبِيبًا مِنَ الزُّطِّ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ تُخْبِرُونِي عَنِ امْرَأَةٍ مَسْحُورَةٍ، سَحَرَتْهَا أَمَةٌ لَهَا، فَأُخْبِرَتْ عَائِشَةُ، قَالَتْ: سَحَرْتِينِي؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَقَالَتْ: وَلِمَ؟ لَا تَنْجِينَ أَبَدًا، ثُمَّ قَالَتْ: بِيعُوهَا مِنْ شَرِّ الْعَرَبِ مَلَكَةً .

غلام کو بدو کے ہاتھ بیچ دینا

ترجمہ: حضرت عمرہ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی ایک باندی کو مدبر بنایا، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار ہو گئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجوں نے ایک سوڈانی سیاہ فام طبیب سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق پوچھا کہ ہماری پھوپھی جان بیمار ہو گئی ہیں، بیماری کا سبب کیا ہے؟ تو اس نے بتلایا کہ تم مجھے ایک ایسی عورت کے بارے میں کہہ رہے ہو جس کے اوپر جادو کیا گیا ہے، چنانچہ بھتیجوں نے آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر دی کہ آپ پر تو آپ کی باندی نے جادو کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ تو نے مجھ پر جادو کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں، پوچھا کیوں؟ (دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ آپ نے میری آزادی موت پر موقوف رکھی ہے میں یہ چاہتی تھی کہ جلدی آزاد ہو جاؤں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اس لیے تو نے یہ کیا اب تو کبھی آزاد نہیں ہو گی، اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ عرب میں جو اپنے غلاموں کے ساتھ سب سے بدتر سلوک کرنے والا ہو اس کے ہاتھ اس کو بیچ دو تاکہ اس کو سزا ملے (دوسری روایت میں ہے اس سے جو قیمت آئے اس سے کوئی غلام خرید کر اس غلام کو آزاد کر دو)

تشریح: مدبر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنی باندی یا غلام کی آزادی کو اپنی موت پر معلق کر دے اس کو مدبر کہتے ہیں۔

باب کا مقصد یہ ہے کہ غلام اور باندی کے قصور پر حدود شرع میں رہ کر بطور تنبیہ ان کے قصور کے مطابق سزا بھی دی جا سکتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندی جس نے ان پر جادو کیا تھا اس کو بطور سزا ایسے آدمی کے ہاتھ بیچ دیا

جواس پر برابر نگرانی رکھے اور ہر چھوٹی بڑی غلطی پر مواخذہ کرے۔
اس واقعہ سے یہ بھی بتلانا ہے کہ بدو کے ہاتھ غلام اور باندی کو بیچ سکتے ہیں۔

بَابُ الْعَفْوِ عَنِ الْخَادِمِ

١٦٣ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ سَلَمَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو غَالِبٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: أَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُ غُلَامَانِ، فَوَهَبَ أَحَدَهُمَا لِعَلِيٍّ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ وَقَالَ: "لَا تَضْرِبْهُ، فَإِنِّي نُهِيتُ عَنْ ضَرْبِ أَهْلِ الصَّلَاةِ، وَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّي مُنْذُ أَقْبَلْنَا"، وَأَعْطَى أَبَا ذَرٍّ غُلَامًا وَقَالَ: "اسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوفًا"، فَأَعْتَقَهُ، فَقَالَ: "مَا فَعَلَ؟" قَالَ: أَمَرْتَنِي أَنْ أَسْتَوْصِيَ بِهِ خَيْرًا، فَأَعْتَقْتُهُ .

غلام کو معاف کر دینا

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو غلاموں کو اپنے ساتھ لے کر آئے اور ان میں سے ایک غلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدیہ اور بخشش کے طور پر دیا اور ہدایت کی کہ اس کو مارنا مت اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے نمازی کو مارنے سے منع کیا گیا ہے اور جب سے یہ غلام میرے پاس آیا ہے میں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ دوسرا غلام حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا کہ اس غلام کے سلسلے میں میری طرف سے بھلے سلوک کی نصیحت قبول کرو (مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ بھلائی کا، اچھائی کا، احسان کا سلوک کیجئے) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو آزاد کر دیا، پھر بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جو غلام تم کو دیا تھا اس کا کیا کیا؟ تو کہا کہ آپ نے تو مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ میں اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کروں تو میں نے اس کو آزاد کر دیا۔

تشریح: صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور ﷺ کی منشاء کے مطابق ہی عمل کرتے تھے

حضور ﷺ کی طرف سے صحابہ کو جو ہدایت دی جاتی تھی صحابہ اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے، حضور ﷺ ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے، وہ خود ہی اپنے باغ میں پانی پلایا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ باغ میں پہنچے تو وہ صحابی رضی اللہ عنہ میٹھا پانی لینے گئے تھے، جب وہ آئے تو ان سے آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے پاس ایسا کوئی غلام نہیں ہے جو تمہارے لیے میٹھا پانی لایا کرے اور تم کو یہ زحمت برداشت نہ کرنی پڑے؟ تو کہا کہ نہیں، تو کہا کہ اچھا ہمارے پاس ایسا غلام آئے تو آنا۔ حضور ﷺ کے پاس ایک مرتبہ کچھ غلام آئے، ان صحابی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو یہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ کوئی غلام آئے تو ہمارے پاس آنا، معلوم ہوا کہ آپ کے پاس غلام آئے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا یہ ایک غلام ہے اس کو لے جاؤ اور اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنا، وہ لے کر کے گھر آئے، بیوی سے کہا کہ حضور ﷺ نے یہ غلام عنایت فرمایا ہے مگر آپ نے تاکید کی ہے کہ اس کے اچھا سلوک کرنا، بیوی نے کہا کہ اچھا سلوک والی حضور کی تاکید پر ہم عمل نہیں کر سکیں گے، اچھا تو یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دو، ان صحابی رضی اللہ عنہ نے غلام کو آزاد کر دیا، ایک مدت کے بعد جب حضور ﷺ کی ان صحابی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ اس غلام کا کیا حال ہے؟ تو کہا کہ اے اللہ کے رسول! میری بیوی نے مشورہ دیا کہ اس کو آزاد کر دو، تو میں نے اس کو آزاد کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس کی بیوی کی تعریف کی کہ آپ کی

بیوی نے اچھا مشورہ دیا۔

١٦٤ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَيْسَ لَهُ خَادِمٌ، فَأَخَذَ أَبُو طَلْحَةَ بِيَدِي، فَانْطَلَقَ بِي حَتَّى أَدْخَلَنِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، إِنَّ أَنَسًا غُلَامٌ كَيِّسٌ لَبِيبٌ، فَلْيَخْدُمْكَ . قَالَ: فَخَدَمْتُهُ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ، مَقْدَمَهُ الْمَدِينَةَ حَتَّى تُوُفِّيَ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ صَنَعْتُ: لِمَ صَنَعْتَ هَذَا هَكَذَا؟ وَلَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ لَمْ أَصْنَعْهُ: أَلَا صَنَعْتَ هَذَا هَكَذَا؟ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے آپ کے پاس گھریلو کام کاج کے لیے کوئی خادم نہیں تھا، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے گئے، اور عرض کیا: یا نَبی الله اِنَّ انساً غلامٌ کَیِّسٌ لَبیبٌ فلْیَخْدِمْكَ یہ انس (رضی اللہ عنہ) بڑا سمجھ دار اور ہوشیار بچہ ہے یہ آپ کی خدمت کرے گا چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنی خدمت کے لیے قبول فرما لیا، حضور ﷺ کی وفات تک انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت کی سفر میں بھی اور حضر میں بھی جب سے آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تب سے لے کر حضور ﷺ کی وفات تک دس سال تک میں نے خدمت کی، کوئی نہ کرنے والا کام میں نے کرلیا اس پر کبھی ایسا نہیں کہا کہ ایسا کیوں کیا؟ اور کوئی کام سونپا اور نہ کیا ہو تو یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں نہیں کیا۔

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا، ان کے والد کے

انتقال کے بعد ان کی والدہ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تھا، یہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد تھے اور اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال کی تھی جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے، اس وقت سے لے کر مسلسل دس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہے کہ ان دس سالوں کے دوران کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ساتھ سختی کا معاملہ نہیں کیا۔ دیکھئے یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سلوک کی بات ہے ورنہ بچے تو بہر حال مزاج کے خلاف بہت ساری باتیں کرتے ہیں یا کرنے کی باتیں نہیں کرتے، مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی تنبیہ نہیں فرمائی۔

بَابُ إِذَا سَرَقَ الْعَبْدُ

١٦٥- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا سَرَقَ الْمَمْلُوكُ بِعْهُ وَلَوْ بِنَشٍّ" قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: النَّشُّ: عِشْرُونَ. وَالنَّوَاةُ: خَمْسَةٌ. وَالْأُوقِيَّةُ: أَرْبَعُونَ.

غلام جب چوری کرے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غلام چوری کرے تو اس کو بیچ دو چاہے ایک نش کے بدلے میں ہو، نش بیس درہم کو کہتے ہیں، چالیس درہم کو اوقیہ کہتے ہیں اور پانچ درہم کو نواۃ کہتے ہیں۔

تشریح: جوغلام چوری کرے اس کو بیچ دو چاہے کم قیمت میں ہو، حالانکہ غلام کی قیمت تو بہت زیادہ ہوا کرتی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس کے یہاں بیچ دیا جائے اس کے یہاں چوری کرے گا تو جس کو خود پسند نہ کرے وہ دوسروں کو دینا یہ کیسے درست ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس کو بتلا دیا جائے کہ اس میں یہ عیب ہے، ویسے بھی اس کو نہ بتایا گیا ہو تب بھی شریعت کے اصول کے مطابق خیار عیب تو اس کو حاصل ہوتا ہی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آقا کی تبدیلی کی وجہ سے چوری کی بری عادت میں بھی تبدیلی آتی ہے، جیسا کہ ایک بچہ ایک استاذ کے پاس نہیں پڑھتا تھا وہ دوسرے استاذ کے پاس پڑھنا شروع کر دیتا ہے، ویسے ہی جیسا یہاں چوری کرتا ہے دوسری جگہ ہوسکتا ہے کہ چوری نہ کرے۔

بَابُ الْخَادِمِ يُذْنِبُ

١٦٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: سَمِعْتُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَدَفَعَ الرَّاعِي فِي الْمُرَاحِ سَخْلَةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَحْسِبَنَّ - وَلَمْ يَقُلْ: لَا تَحْسَبَنَّ - إِنَّ لَنَا غَنَمًا مِائَةً لَا نُرِيدُ أَنْ تَزِيدَ، فَإِذَا جَاءَ الرَّاعِي بِسَخْلَةٍ ذَبَحْنَا مَكَانَهَا شَاةً" فَكَانَ فِيمَا قَالَ: "لَا تَضْرِبْ ظَعِينَتَكَ كَضَرْبِكَ أَمَتَكَ، وَإِذَا اسْتَنْشَقْتَ فَبَالِغْ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا".

غلام کوئی قصور کرے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے؟

ترجمہ: حضرت لقیط ابن صبرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسی وقت آپ کے چرواہے نے بکریوں کے باڑے میں سے ایک نوزائیدہ بچہ آپ کے حوالے کیا، راوی کہتے ہیں حضور ﷺ نے ایک بکری ذبح فرمائی اور حضور ﷺ نے فرمایا: لا تحسِبَن (سین کے کسرہ کے ساتھ فرمایا، سین کے فتحہ کے ساتھ نہیں فرمایا) گمان مت کر کہ آپ کی وجہ سے بکری ذبح کی ہے، بلکہ ہمارے یہاں سو بکریاں ہیں اور آپ ﷺ یہ نہیں چاہتے تھے کہ بکریوں کی تعداد نصاب تک پہنچ جائے، حضرت لقیط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روز نبی کریم ﷺ نے کچھ اور باتیں بھی ارشاد فرمائیں، اسی ضمن میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنی بیوی کو باندی کی طرح مت مار۔ اور جب تو وضو اور غسل میں ناک میں پانی ڈالے تو اس میں مبالغہ سے کام لے (یعنی پانی کو اوپر تک پہنچانے کی کوشش کر) مگر جب تو روزہ کی حالت میں ہو (اس وقت مطلق ناک میں پانی پہنچانا ہے، مبالغہ نہیں کرنا ہے)۔

تشریح: اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے تین باتیں ارشاد فرمائیں:

(۱) ایک باڑے میں آپ ﷺ کی چند ذاتی بکریاں اور اونٹنیاں تھیں جن کا دودھ آپ ﷺ کے گھر والوں کے لیے آتا تھا اور گھر میں استعمال ہوتا تھا، ایک دن چرواہے نے بکری کا ایک بچہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے فوراً ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا اور پھر ذبح کرنے کی وجہ بھی بتلادی تاکہ بکری کا نصاب ایک سو ایک (۱۰۱) تک نہ پہنچ جائے۔ حضور ﷺ اس کا اہتمام فرماتے تھے، اس سے آپ ﷺ حرص دنیا سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہتے تھے۔

(۲) دوسری چیز یہ فرمائی کہ عورتوں کو باندی کی طرح مت مارو، اس لیے کہ اس

زمانے میں لوگ غلام اور باندیوں پر بہت زیادتیاں کرتے تھے اور حد سے زیادہ پٹائی بھی کرتے تھے جیسے ہم بولتے ہیں کی بیٹے کو جانور کی طرح مت مارو، مطلب یہ ہے کہ جس طرح جانور کو بے رحمی سے مارا جاتا ہے اسی طرح اپنی بیوی کی پٹائی مت کرو، بیوی ہی کیا بلکہ گھر میں جو خادم ہے اس کی بھی پٹائی مت کرو، اسی طرح اگر ہمارا غلام کوئی قصور کرے تو اس کو بھی معاف کر دیا جائے، پٹائی وغیرہ سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیے۔

(۳) تیسری اور آخری بات جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ وضو اور غسل کے وقت خوب اچھی طرح کلی کرو اور ناک میں پانی ڈالو، صرف روزہ کی حالت میں مبالغہ سے پرہیز کرو اس لیے کہ مبالغہ سے پانی ناک اور منھ کے اندر چلے جانے کا امکان ہے، اگر پانی اندر چلا گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

بَابُ مَنْ خَتَمَ عَلٰى خَادِمِهِ مَخَافَةَ سُوءِ الظَّنِّ

١٦٧ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو خَلْدَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ: كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ نَخْتِمَ عَلَى الْخَادِمِ، وَنَكِيلَ، وَنَعُدَّهَا، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَعَوَّدُوا خُلُقَ سُوءٍ، أَوْ يَظُنَّ أَحَدُنَا ظَنَّ سُوءٍ.

بدگمانی سے بچنے کے لیے غلام کی لائی ہوئی چیز پر نشان لگانا

ترجمہ: حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو ایک بات کی تاکید کی جاتی تھی کہ غلام یا خادم جو چیز لائے اس پر نشان لگا لیا جائے، اس کو ناپ لیا جائے، اور گن لیا جائے، ایسا دو وجہ سے کیا جاتا تھا، ایک وجہ تو یہ ہے کہ خادم اور غلام کو بدخلقی کا اور برے

عادت میں مبتلا ہونے کا موقع نہ مل سکے اور دوسری وجہ ہماری بدگمانی سے حفاظت کے لیے۔

تشریح: ہماری شریعت ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ ہم اپنے ماتحتوں کے اخلاق کی ایسی نگرانی کریں کہ ان کو اپنی عادتیں اور اخلاق بگاڑنے کی جرأت نہ ہو، بعد میں آپ تبرع اور احسان کرتے ہوئے اپنی طرف سے کوئی چیز ہدیہ میں دیں وہ بات الگ ہے، اس لیے کہ آپ کی بے پرواہی اور غفلت ان کو غلط کام کرنے پر برانگیختہ کر سکتی ہے۔ اسی طرح باپ کو چاہیے کہ بیٹے سے کوئی چیز منگوائے تو ضرور اس کا حساب وکتاب مانگے، اس لیے کہ اگر باپ بیٹے سے حساب لینے میں کوتاہی کرے گا تو بیٹا یہ سوچے گا کہ ابا کوئی چیز منگواتے ہیں تو وہ گنتے نہیں ہیں، اور نہ کبھی پوچھتے ہیں کہ کتنی لایا، کتنے کی آئی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ شیطان اس کو چوری کرنے پر آمادہ کرے گا، اس کو بری عادتیں سکھلائے گا، یہی حال خادم کا بھی ہے۔

گوشت کے ٹکڑے گننے کا اہتمام

فیض الباری میں ایک مضمون حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب اپنے غلام کو گوشت وغیرہ کوئی چیز خریدنے کے لیے بھیجتے تھے اور جب وہ چیز خرید کر لاتا تھا تو گوشت کے ٹکڑے بھی گنا کرتے تھے اور جب کھانے کے لیے بیٹھتے تھے تو اصرار کر کے اپنے خادم کو بھی اپنے ساتھ ہی بٹھاتے تھے، کسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: آپ کا معاملہ بھی عجیب ہے ایک طرف تو خادم سے گوشت کے ٹکڑے بھی برابر گنتے ہیں اور دوسری طرف خادم کو کھانے کے لیے اصرار کر کے اپنے ساتھ بھی بٹھاتے ہیں اس کی

کیا وجہ؟ فرمایا کہ؛ اسی میں سلامتی ہے اور فرمایا کہ: گنتا اس لیے ہوں تا کہ بدگمانی سے حفاظت ہو جائے، اور اگر وہ چیز گنی نہیں اور استعمال کر لی تو بعد میں شیطان یہ خیال پیدا کر سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے غلام اور خادم نے اس میں سے ایک آدھ چیز چرا لی ہو، غلام اور خادم سے کسی چیز کے منگوانے پر گننے سے دونوں کی حفاظت ہو جاتی ہے، غلام اور خادم کی بری عادت (چور اور خائن بننے) سے حفاظت ہو گی اور ہماری بدگمانی سے حفاظت ہو گی۔

چیزوں کے حساب سے دونوں کی سلامتی ہے

آج کل لوگ کے ان اصولوں کی طرف توجہ نہ دینے سے بعد میں پچھتاتے ہیں اور پھر روتے ہیں، ایک کہاوت مشہور ہے حساب پائی پائی کا بخشش لاکھ کی۔

ہمیشہ لینے دینے کے معاملہ میں حساب کا اہتمام کرنا چاہیے تا کہ خادم اور غلام کو غلط اقدام کرنے کا موقع نہ ملے اور لینے دینے میں حساب کا حکم اس لیے بھی ہے کہ ہم میں سے کوئی آدمی بدگمانی میں مبتلا نہ ہو، اس لیے کہ بغیر گنے ہم نے وہ چیز استعمال کر لی اور بعد میں آ کر کسی نے کہا کہ ہمارے یہاں کوئی چیز کم ہوئی ہے تمہارے نوکر نے ہماری چیز چرا لی ہے، اب اگر آپ گنتے ہیں تو کسی کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہونے کا موقع نہیں ملے گا، میں تو برابر گنتا ہوں تا کہ اس کے متعلق بدگمانی نہ ہو۔

گھر میں چیز رکھنے کے دو طریقے

ہمارے بزرگوں کی تعلیم یہی ہے کہ گھر میں جو چیز بھی آئے اس کو استعمال سے

پہلے گن لیا جائے اس سے ہماری اور ہمارے گھر والوں کی بہت ساری برائیوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ اگر گھر میں کوئی چیز ایسی ہے جس کو ہم گھر والوں سے چھپانا چاہتے ہیں تو اس چیز کو ایسے صندوق میں رکھے کہ جس کی چابی آپ کے جیب میں رہے، کبھی کسی کو چابی اور تالے پر قبضہ کرنے کا موقع نہ دیں تا کہ ان کو خیانت پر آمادہ نہ کر سکے۔ اگر آپ اس چیز کو گھر والوں سے چھپانا نہیں چاہتے تو گھر والوں کو بتلا دیا جائے کہ میں نے صندوق میں اتنے پیسے رکھے ہیں اس سے بھی خیانت کی نوبت نہیں آئے گی۔ خلاصہ یہ کہ گھر کے اندر اور گھر کے باہر سے اندر آنے والی چیزوں پر برابر ہماری نظر رہنی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری بدنظمی ہمارے ماتحتوں کو غلط عادات میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بنے، اِس کا خوب خیال رکھا جائے۔

بَابُ مَنْ عَدَّ عَلَى خَادِمِهِ مَخَافَةَ سُوءِ الظَّنِّ

١٦٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ، عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: إِنِّي لَأَعُدُّ الْعُرَاقَ عَلَى خَادِمِي مَخَافَةَ الظَّنِّ.

بدگمانی سے بچنے کے لیے غلام کی لائی ہوئی چیزوں کو گننا

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہمارا خادم اور غلام جب گوشت لاتا ہے تو گوشت کی جو ہڈیاں ہوتی ہیں وہ بھی میں بدگمانی سے بچنے کے لیے گنتا ہوں۔

١٦٩ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ مُضَرِّبٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَلْمَانَ: إِنِّي لَأَعُدُّ الْعُرَاقَ

خَشْيَةَ الظَّن.

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ہمارا خادم اور غلام جب گوشت لاتا ہے تو گوشت کی جو ہڈیاں ہوتی ہیں وہ بھی میں گنتا ہوں اسی بدگمانی سے بچنے کے لیے۔

تشریح: یہ دو روایتیں ہیں، دونوں روایتوں کا مقصد یہی ہے کہ خادم اور غلام کو کام سپرد کر کے فارغ نہ ہو جائیں، بلکہ مکمل نگرانی رکھیں تا کہ کل کسی کو بدگمانی کا موقع نہ ملے۔ بہر حال یہ شریعت کی ایک اسلامی تعلیم ہے جس پر عمل کرنے سے گھر کا نظام درست رہتا ہے اور اس میں آخرت کا بھی نفع ہے۔

بَابُ أَدَبِ الْخَادِمِ

١٧٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ يَزِيدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُسَيْطٍ قَالَ: أَرْسَلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ غُلَامًا لَهُ بِذَهَبٍ أَوْ بِوَرِقٍ، فَصَرَفَهُ، فَأَنْظَرَ بِالصَّرْفِ، فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَجَلَدَهُ جَلْدًا وَجِيعًا وَقَالَ: اذْهَبْ، فَخُذِ الَّذِي لِي، وَلَا تَصْرِفْهُ.

خادم کو ادب سکھانا

ترجمہ: یزید ابن عبداللہ بن قسیط رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ایک غلام کو سونے یا چاندی کا سکہ دیکر سودا کرنے کے لیے بھیجا، اس نے سونے چاندی کا سودا کیا، مگر ادھار سودا کیا (جس سے بیع فاسد ہوگئی) غلام واپس آیا (اس نے چونکہ شریعت کے خلاف کام کیا تھا) تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی سرزنش کرتے ہوئے

اس کی کوڑے سے پٹائی کی اور کہا کہ میرا مال واپس لا اور تجھے یہ مال دے دیا، آئندہ اس طرح ادھار معاملہ مت کرنا۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نوکر کی غلطی پر اس کی سرزنش کرنا یعنی اس کی کسی غلطی پر ادب سکھانے کے لیے اس کو معمولی سزا دینے کی اجازت ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نے نقد سودا کے بجائے ادھار سودا کیا جس سے بیع فاسد ہوگئی تو آپ نے بطور تنبیہ کے اپنے غلام کو سزا کے طور پر کوڑے مارے تاکہ آئندہ اس طرح کا معاملہ نہ کرے۔ غلام کو بطور تنبیہ کے کچھ پٹائی کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے اسی کو بتلانے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو یہاں ذکر کیا ہے۔

سونے چاندی کا معامہ جو آپس میں کیا جاتا ہے اس کو شریعت کی اصطلاح میں بیع صرف کہتے ہیں، بیع صرف جس میں مبیع اور ثمن دونوں سونا یا چاندی ہو یا مبیع سونا اور ثمن چاندی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں جو معاملہ کیا جائے وہ نقد ہو ادھار نہ ہو اس لیے کہ ادھار حرام ہے۔

۱۷۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي، فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا: "اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ، لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ"، فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَهُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ، فَقَالَ: "أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ" أَوْ "لَلَفَحَتْكَ النَّارُ".

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بدری ہیں غزوۂ بدر میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے غلام کی پٹائی کر رہا تھا، پٹائی کے دوران میں نے اپنے پیچھے آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے اے ابومسعود! ذرا سنو اور جان لو اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت ہے جتنی تم کو اس غلام پر۔ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو آواز دینے والے حضور ﷺ تھے، حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر فوراً عرض کیا؛ یارسول اللہ! یہ غلام اللہ کے واسطے آزاد ہے (گویا انہوں نے اپنی کوتاہی کی تلافی کے لیے غلام کو آزاد کر دیا) حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تم کو چھو لیتی، یا جہنم کی آگ تم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔

تشریح: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے ماتحتوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ کرتا ہے تو وہ کل اللہ تعالیٰ کے یہاں اس زیادتی پر سزا سے بچ نہیں سکتا، یہ نہ سمجھا جائے کہ اگر ہمارا بیٹا، ہمارا شاگرد، ہمارا خادم، ہمارا غلام اور ہمارا نوکر ہے تو ان کے ساتھ زیادتی شمار نہیں ہوگی، اس کے ساتھ جس طرح چاہے زیادتی کر لے اور اگر ہم کسی غیر کے ساتھ زیادتی کریں گے تو وہ زیادتی شمار ہوگی، یہ شیطانی خیال ہے، بلکہ اگر اپنوں کے ساتھ بھی زیادتی ہوئی ہے تو کل قیامت میں اس کا بھی حساب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، بڑا سنگین معاملہ ہے۔

بَابُ لَا تَقُلْ قَبَّحَ اللهُ وَجْهَهُ

١٧٢ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَقُولُوا: قَبَّحَ اللهُ وَجْهَهُ".

اللہ تعالیٰ تمہارا چہرہ خراب کرے ایسا بددعائیہ جملہ نہ کہا جائے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے غلام اور نوکر کو بددعا دیتے ہوئے یہ مت کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا چہرہ خراب کرے۔

١٧٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَا تَقُولَنَّ: قَبَّحَ اللهُ وَجْهَكَ وَوَجْهَ مَنْ أَشْبَهَ وَجْهَكَ، فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامَ عَلَى صُورَتِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے غلام کو بددعا دیتے ہوئے یہ نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا چہرہ بگاڑے اور جس کا چہرہ تمہارے مشابہ ہو اس کو بھی بگاڑے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اندر اپنی کچھ صفات کے نمونے رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت صفتِ وجود ہے، ایک صفت علم ہے، ایک صفت سمع ہے، ایک صفت بصر ہے، ایک صفت ارادہ ہے، ان میں سے کچھ نمونے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اندر رکھے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت بہت اچھی بنائی ہے ﴿فتبارك الله احسن الخالقين﴾ ﴿لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم﴾ دنیا میں جتنی شکلیں اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں ان شکلوں میں سب سے بہترین شکل اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو بگاڑے اسی طرح جس کا چہرہ تیرے مشابہ ہو اس کو بھی بگاڑے ایسے جملے سے بالکلیہ پرہیز کرنا چاہیے، اور ایسے جملے عموماً آدمی غصہ میں

کہتا ہے اور جب غصہ ہوتا ہے تو جس پر غصہ آیا صرف اسی کو نہیں، اس کے ساتھ ساتھ اور بہت ساروں کو لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

بَابُ لِيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فِي الضَّرْبِ

١٧٤ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، وَسَعِيدٌ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ".

چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے خادم کی پٹائی کرے تو چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے۔

تشریح: غلام، بیوی، بچے اور اپنے ماتحتوں کی پٹائی کی کبھی ضرورت پڑ جائے تو بقدر ضرورت پٹائی کی اجازت ہے مگر اس وقت چہرے پر پٹائی کرنے سے پرہیز کرے اس لیے کہ چہرے میں اللہ تعالیٰ نے سارے محاسن اور خوبیاں رکھی ہیں، اور انسان کے جو حواس ظاہرہ ہیں مثلاً آنکھ، ناک، کان اور دوسرے محاسن وہ بھی چہرے ہی میں ہیں، اگر کان کے پاس مار دیا جس سے کان نے کام کرنا ہی چھوڑ دیا تو بہرا ہو جائے گا، اگر آنکھ پر لگا جس سے آنکھ کی روشنی ختم ہوگئی تو اندھا ہو جائے گا اور چہرہ بدنما ہو جائے گا، اس لیے شریعت نے چہرے پر مارنے سے بڑی سختی سے روکا ہے۔

١٧٥ - حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدَابَّةٍ قَدْ وُسِمَ يُدَخِّنُ مَنْخِرَاهُ، قَالَ

النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَعَنَ اللهُ مَنْ فَعَلَ هَذَا، لَا يَسِمَنَّ أَحَدٌ الْوَجْهَ وَلَا يَضْرِبَنَّهُ".

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کا گذر ایک جانور کے پاس سے ہوا جس کو چہرے پر داغ دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے جانور کے نتھنوں سے دھواں نکل رہا تھا، یہ منظر حضور اکرم ﷺ نے دیکھا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی لعنت ہو کس نے ایسا کیا؟ کوئی بھی چہرے پر داغ نہ لگائے اور نہ مارے (چاہے انسان کا چہرا ہو یا جانور کا)۔

تشریح: جانور کے پچھلے حصے میں ضرورت کی خاطر اگر داغ دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، بعض لوگ چہرے پر داغ دیتے ہیں اور چہرے پر مارتے ہیں اس کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں، اس پر بہت سخت وعید آئی ہے۔

بَابُ مَنْ لَطَمَ عَبْدَهُ فَلْيُعْتِقْهُ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ

١٧٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ قَالَ: سَمِعْتُ هِلَالَ بْنَ يَسَافٍ يَقُولُ: كُنَّا نَبِيعُ الْبَزَّ فِي دَارِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ، فَخَرَجَتْ جَارِيَةٌ فَقَالَتْ لِرَجُلٍ شَيْئًا، فَلَطَمَهَا ذَلِكَ الرَّجُلُ، فَقَالَ لَهُ سُوَيْدُ بْنُ مُقَرِّنٍ: أَلَطَمْتَ وَجْهَهَا؟ لَقَدْ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ وَمَا لَنَا إِلَّا خَادِمٌ، فَلَطَمَهَا بَعْضُنَا، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعْتِقَهَا.

غلام کو طمانچہ مار دے تو اس کو آزاد کر دینا مستحب ہے

ترجمہ: حضرت ہلال ابن یساف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت سوید ابن مقرن رضی اللہ عنہ کے محلے میں ان کی دکان کے صحن میں کپڑا بیچا کرتے تھے، ایک باندی باہر آئی اور

اس نے کسی آدمی سے کچھ کہا تو اس نے باندی کو طمانچہ مارا، حضرت سوید ابن مقرن رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو انہوں نے اس مارنے والے سے کہا کہ تم نے اس کے چہرے پر طمانچہ مارا؟ اور پھر کہا کہ ہمارے گھر کے سات افراد تھے اور ان سب کے لیے ایک ہی خادم تھا، ہم میں سے کسی ایک نے اس کو طمانچہ مارا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ اس غلام کو آزاد کردے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ طمانچہ مارنے پر اگرچہ غلام کو آزاد کرنا فرض اور واجب نہیں ہے لیکن اپنے جرم کی تلافی کے لیے آزاد کرنا ہی بہتر ہے۔ حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنے ماتحتوں کو ضرورت سے زائد سزا دینا ہماری شریعت کی نگاہ میں کتنا بڑا جرم ہے۔

١٧٧ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، وَمُسَدَّدٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ فِرَاسٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ زَاذَانَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ لَطَمَ عَبْدَهُ أَوْ ضَرَبَهُ حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ، فَكَفَّارَتُهُ عِتْقُهُ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے اپنے غلام کو طمانچہ مارا، یا بلاقصور اسکی پٹائی کی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے۔

ماتحتوں کے ساتھ اپنے قصور کی تلافی کرنے میں دیر نہ کرے

تشریح: بلاقصور اپنے ماتحتوں کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی کا معاملہ کیا جائے تو اس کی تلافی فوراً کر لینی چاہیے، ہم لوگ اپنی رعونت اور غرور کی وجہ سے اپنے ماتحتوں کے ساتھ زیادتی بھی کرتے ہیں، اور اگر کسی بڑے کی طرف سے تنبیہ کی جائے

تو بھی اپنی زیادتی کی تلافی کے لیے کوئی شکل اختیار نہیں کرتے، کبھی اپنے بچوں یا شاگردوں کے ساتھ کوئی زیادتی ہوجائے تو فوراً تلافی کرلی جائے۔غلام کے معاملہ کی تلافی کا تو حضور ﷺ نے اس حدیث میں طریقہ بتلایا کہ اس کو آزاد کردو، اور اگر زیادتی اپنے بچے یا اپنے شاگرد کے ساتھ ہوئی ہے تو اس کی تلافی تو آزادی سے نہیں ہوگی تو کسی اور طریقے سے ان کو راضی کرلو مثلاً ان کو کوئی چیز دے دو، ان کی تسلی کے دو کلمات کہہ دو، ان سے تھوڑی دل لگی کرلو، ان کو چاکلیٹ دے دو۔مطلب یہ کہ کسی بھی طریقہ سے ان کو راضی کرلو تاکہ دنیا ہی میں اس کی تلافی ہوجائے۔یہی حال بیوی کے ساتھ بھی ہے کہ اگر اس کے ساتھ بھی ایسا معاملہ ہو تو اس کی تلافی ہونی چاہیے، ایسا نہیں کہ ہم اپنے غرور کے اندر ہی رہے کہ اگر ہم نے معافی مانگ لی یا اور کوئی طریقہ سے تلافی کرلی تو بیوی اور بگڑ جائے گی، میرے بھائیو! وہ نہیں بگڑ رہی ہے ہم خود اپنی اَنا اور ضد کی وجہ سے اپنی آخرت بگاڑ رہے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس طرح کا کوئی معاملہ ہوجائے تو اس کی کسی طرح تلافی کرلو اس لیے کہ اگر یہاں تلافی نہیں ہوئی تو آخرت کا معاملہ بہت ہی سنگین ہوجائے گا۔

١٧٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ: لَطَمْتُ مَوْلًى لَنَا فَفَرَّ، فَدَعَانِي أَبِي فَقَالَ لَهُ: اقْتَصَّ، كُنَّا وَلَدَ مُقَرِّنٍ سَبْعَةً، لَنَا خَادِمٌ، فَلَطَمَهَا أَحَدُنَا، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "مُرْهُمْ فَلْيُعْتِقُوهَا"، فَقِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ لَهُمْ خَادِمٌ غَيْرَهَا، قَالَ: "فَلْيَسْتَخْدِمُوهَا فَإِذَا اسْتَغْنَوْا خَلُّوا سَبِيلَهَا".

ترجمہ: حضرت معاویہ ابن سوید ابن مقرن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہمارے ایک غلام کو طمانچہ مارا تو وہ بھاگ گیا، میرے والد نے مجھے بلایا اور اس غلام سے کہا کہ تو بھی اپنا بدلہ لے اور اس کو بھی طمانچہ مار، پھر حضرت سوید ابن مقرن رضی اللہ عنہ نے اپنا قصہ سنایا کہ ہم مقرن کی اولاد میں سات بھائی تھے، ہمارا ایک ہی خادم تھا، کسی وجہ سے بھائیوں میں سے کسی ایک بھائی نے اس کو طمانچہ مارا، نبیٔ کریم ﷺ کے پاس شکایت کی گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کو کہو کہ غلام کو آزاد کردیں، کسی نے کہا کہ ان کے یہاں تو خدمت کے لیے یہی ایک غلام ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ابھی اس سے کام لو مگر جب اللہ تعالیٰ وسعت دیں تو اس وقت اس غلام کو آزاد کردو۔

تشریح: دوسری روایت میں ہے کہ جس غلام کو مارا تھا وہ بھاگ گیا اور ظہر کے وقت آیا تو حضرت معاویہ ابن سوید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ظہر کی نماز میں تھا، میرے ابا حضرت سوید ابن مقرن رضی اللہ عنہ نے مجھے اور غلام کو بلایا اور غلام سے کہا کہ اس سے بدلہ لو یعنی اس نے تم کو طمانچہ مارا تھا تم بھی اس کو طمانچہ مارو۔ دوسری روایت میں ہے کہ غلام نے کہا کہ میں نے معاف کردیا مجھے بدلہ نہیں لینا ہے۔ اس پر حضرت سوید ابن مقرن رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو مارنے کا واقعہ سنایا جس کی تفصیل حدیث میں ہے۔

١٧٩ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ: مَا اسْمُكَ؟ فَقُلْتُ: شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو شُعْبَةَ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ الْمُزَنِيِّ، وَرَأَى رَجُلًا لَطَمَ غُلَامَهُ، فَقَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الصُّورَةَ مُحَرَّمَةٌ؟ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي سَابِعُ سَبْعَةِ إِخْوَةٍ، عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا لَنَا إِلَّا خَادِمٌ، فَلَطَمَهُ أَحَدُنَا، فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَنْ نُعْتِقَهُ .

ترجمہ: شعبہ کہتے ہیں کہ محمد ابن منکدر نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا کہ شعبہ، تو کہا کہ مجھے ابوشعبہ نے روایت بیان کی حضرت سوید ابن مقرن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کہ حضرت سوید ابن مقرن رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے اپنے غلام کو چہرے پر طمانچہ مارا، تو حضرت سوید ابن مقرن رضی اللہ عنہ نے اسے بلا کر تنبیہ کی کہ تم کو معلوم نہیں کہ چہرے پر مارنا حرام ہے اور پھر فرمایا کہ دیکھو! ہم نبیٔ کریم ﷺ کے زمانے میں سات بھائی تھے، ہمارا ایک خادم تھا، ہم میں سے ایک بھائی نے خادم کو طمانچہ مارا تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اس غلام کو آزاد کردو (تم بھی اسی طرح فکر رکھو)

١٨٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا فِرَاسٌ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ زَاذَانَ أَبِي عُمَرَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ، فَدَعَا بِغُلَامٍ لَهُ كَانَ ضَرَبَهُ فَكَشَفَ عَنْ ظَهْرِهِ فَقَالَ: أَيُوجِعُكَ؟ قَالَ: لَا. فَأَعْتَقَهُ، ثُمَّ رَفَعَ عُودًا مِنَ الْأَرْضِ فَقَالَ: مَالِي فِيهِ مِنَ الْأَجْرِ مَا يَزِنُ هَذَا الْعُودَ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، لِمَ تَقُولُ هَذَا؟ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ - أَوْ قَالَ -: "مَنْ ضَرَبَ مَمْلُوكَهُ حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ، أَوْ لَطَمَ وَجْهَهُ، فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُعْتِقَهُ".

ترجمہ: زاذان کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے کسی غلام کی پٹائی کی تھی اسی وجہ سے اسے بلایا اور اس کا کپڑا اس کی پیٹھ پر سے اٹھا کر پوچھا کہ تکلیف ہوتی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، پھر بھی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو آزاد کردیا اور آپ نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھایا اور تنکا اٹھا کر کہنے لگے کہ یہ غلام جو میں نے آزاد کیا اس کو آزاد کرنے میں مجھے ایک تنکے کے

برابر بھی ثواب نہیں ملا، زاذان کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں؟ غلام کے آزاد کرنے پر تو بڑا ثواب ہے، تو کہا کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی اپنے غلام کو بغیر قصور کے مارے، یا اس کے چہرے پر طمانچہ مارے تو اس کے جرم کی تلافی اور کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے (تو گویا اس آزاد کرنے کی وجہ سے جو جرم کیا تھا وہ معاف ہوا ثواب کچھ بھی نہیں ملا)۔

تشریح: اپنے ماتحتوں کے ساتھ اگر کوئی زیادتی ہوئی ہے تو چاہیے کہ اس کی تلافی کی کوشش اور اہتمام کیا جائے۔

بَابُ قِصَاصِ الْعَبْدِ

۱۸۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، وَقَبِيصَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِي شَبِيبٍ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ: لَا يَضْرِبُ أَحَدٌ عَبْدًا لَهُ - وَهُوَ ظَالِمٌ لَهُ - إِلَّا أُقِيدَ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

اپنے غلام کے ساتھ زیادتی کرنے والے سے بدلہ لیا جائے گا

ترجمہ: حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کوئی آدمی اپنے غلام کی پٹائی کرتا ہے اور وہ پٹائی ناحق طریقے سے کی ہے تو کل قیامت کے روز اس سے انتقام اور بدلہ لیا جائے گا۔

تشریح: اگر آقا نے اپنے غلام کے ساتھ زیادتی کا معاملہ کیا ہے تو قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا بدلہ لیں گے، آقا ہونے کے باوجود یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ چھوڑ دیا جائے گا، مگر یہ کہ غلام معاف کردے۔

١٨٢ - حَدَّثَنَا أَبُو عُمَرَ حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا لَيْلَى قَالَ: خَرَجَ سَلْمَانُ فَإِذَا عَلَفُ دَابَّتِهِ يَتَسَاقَطُ مِنَ الْآرِيِّ، فَقَالَ لِخَادِمِهِ: لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ الْقِصَاصَ لَأَوْجَعْتُكَ.

ترجمہ: حضرت ابو لیلیٰ رحمہ اللہ جو تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے نکلے تو چوپائے کو کھلانے کا جو گھاس چارا ہوتا ہے وہ تھیلے سے گر رہا تھا (جس تھیلے میں چارا بھرا ہوا تھا وہ تھیلا کھل گیا تھا اور کھلنے کی وجہ سے اس میں سے چارا گر رہا تھا) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے کہا کہ مجھے قیامت کے دن بدلے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے سزا دیتا۔

تشریح: تھیلے سے چارا گرنے میں خادم اور نوکر کی بے پروائی، غفلت اور سستی کا دخل تھا، غلام نے تھیلے کو جس طرح بند کرنا چاہیے، اور جس طرح رکھنا چاہیے تھا اس طرح نہیں رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ تھیلا کھل گیا تھا اور چارا گر گیا تھا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ سختی کا معاملہ کروں گا تو مجھے یہ اندیشہ ہے کہ قیامت کے روز اس کا بدلہ مجھ سے لیا جائے گا، اگر قیامت کے دن کی جواب دہی کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے سزا دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آقا کی طرف سے غلام پر کوئی زیادتی ہو تو قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بدلہ لیں گے۔

١٨٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى أَهْلِهَا، حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَمَّاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق والوں کے حق ادا کرو یہاں تک کہ قیامت کے روز بغیر سینگ والی بکری کو سینگ والی بکری

سے بدلہ دلایا جائے گا۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے حق والوں کے حقوق میں کوتاہی کا ارتکاب کیا اور تم سے حق والوں کے حقوق میں کمی ہوئی ہے، اور دنیا میں اس کا تصفیہ نہیں ہوا ہے تو قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا حق دلوائیں گے، یہاں تک کہ اگر دنیا میں سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری کو مارا ہے تو کل قیامت کے دن بغیر سینگ والی بکری کو اس کا بدلہ دلوائیں گے۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ اس سینگ والی بکری کا سینگ نکال دیا جائے گا اور بغیر سینگ والی بکری کو اللہ سینگ دیں گے اور کہیں گے کہ مار کر اس سے بدلہ لے لو، اللہ تعالیٰ اپنی شان عدل کو اس طرح ظاہر فرمائیں گے، حالانکہ جانور احکام شرع کے مکلف نہیں ہیں، اگر جانوروں کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا تو ہم انسانوں نے اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو تو بھلا کیسے وہ چھوڑا جائے گا؟ اس سے بدلہ ضرور لیا جائے گا۔ اسی لیے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں آدمی کو بہت زیادہ احتیاط کرنا چاہیے، خاص کر کے اپنے ماتحتوں پر۔ یہ غلام جو ہیں ان پر تو آقا کی ملکیت ہے، آقا کو بہت زیادہ اختیارات اس پر حاصل ہیں اس کے باوجود آقا نے ناحق طریقہ سے اس پر زیادتی کی ہو اور ناحق طریقہ سے سزا دی ہو تو اس کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔

١٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي دَاوُدُ بْنُ أَبِي عَبْدِ اللهِ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي جَدَّتِي، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضى الله عنها، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي بَيْتِهَا، فَدَعَا وَصِيفَةً لَهُ - أَوْ لَهَا - فَأَبْطَأَتْ،

فَاسْتَبَانَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ، فَقَامَتْ أُمُّ سَلَمَةَ إِلَى الْحِجَابِ، فَوَجَدَتِ الْوَصِيفَةَ تَلْعَبُ، وَمَعَهُ سِوَاكٌ، فَقَالَ: "لَوْلَا خَشْيَةُ الْقَوَدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَأَوْجَعْتُكِ بِهَذَا السِّوَاكِ". زَادَ مُحَمَّدُ بْنُ الْهَيْثَمِ: تَلْعَبُ بِبَهْمَةٍ. قَالَ: فَلَمَّا أَتَيْتُ بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهَا لَتَحْلِفُ مَا سَمِعَتْكَ، قَالَتْ: وَفِي يَدِهِ سِوَاكٌ.

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ کے مکان میں تھے، ان کی باندی (خود حضور ﷺ کی یا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی) کو کسی ضرورت کے لیے بلایا، اس نے آنے میں دیر کر دی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے اس رویہ پر نبیٔ کریم ﷺ کے چہرے انور پر غصہ کے آثار نمودار ہوئے، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا خود ہی اٹھیں پردہ کے جانب (جہاں پانی کی جگہ تھی اس طرف تشریف لے گئیں) تو وہاں باندی کھیل رہی تھی (اور آگے کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جانور یا بکری کا بچہ تھا اس کے ساتھ وہ کھیل رہی تھی) تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا وہاں سے اس کو پکڑ کر کے لائیں حضور ﷺ کی خدمت میں اور حضور ﷺ کے دست مبارک میں مسواک تھی، آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اگر بدلہ کا ڈر نہ ہوتا تو اس مسواک سے سزا دیتا۔

تشریح: کبھی ماتحت کو بلایا جائے اور وہ وقت پر نہ آئے تو بڑے کو غصہ آتا ہے باندی کے نہ آنے پر حضور ﷺ کے چہرے پر غصہ کے آثار نمودار ہوئے اور آنے پر سزا دینے کا ارادہ کیا مگر قیامت کے ڈر سے سزا کو مؤخر کیا اور اس کو معاف کر دیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں اس کو حضور ﷺ کی پاس لے کر آئی تو حضور ﷺ سے میں نے کہا کہ وہ یہ کہتی ہے کہ میں نے آپ کی آواز نہیں سنی تو اس پر حضور ﷺ سزا دینے سے رک گئے۔ اس روایت

سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کام کو کسی عذر کی وجہ سے نہیں کیا ہے تو اس عذر کو بیان کردیا جائے تاکہ بڑوں کے دل میں کوئی کدورت باقی نہ رہے۔

بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سید الکونین ہیں اس کے باوجود آپ سزا کے معاملہ میں ڈرتے ہیں کہ اگر زیادتی ہوگئی تو بدلہ دینا پڑے گا تو ہمیں تو کتنی زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے، اسی لیے اپنے ماتحتوں کے معاملے میں بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے، اساتذہ ہوں تو اپنے شاگردوں کے سلسلے میں، ماں باپ ہوں تو اپنی اولاد کے سلسلے میں، آقا ہوں تو اپنے غلام کے سلسلے میں، سیٹھ ہوں تو اپنے نوکر کے سلسلے میں، بڑا ہے تو اپنے ماتحتوں کے سلسلے میں ڈرتا رہے، بلا وجہ اس نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کیا ہے تو بھلے دنیا میں یہ معاملہ اپنی طاقت کی وجہ سے کرلیا، مگر قیامت کے روز اس کا بدلہ دلوایا جائے گا۔

۱۸۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ ضَرَبَ ضَرْبًا اقْتُصَّ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کی ناحق پٹائی کی تو قیامت کے روز اس سے بدلہ لیا جائے گا۔

تشریح: لفظ ''من'' یہاں مطلق ہے صرف آقا اور غلام کے ساتھ خاص نہیں ہے، کسی کے ساتھ بھی کسی نے زیادتی کا معاملہ کیا ہے اس سے بدلہ لیا جائے گا، اگر استاذ نے شاگرد کے ساتھ، باپ نے بیٹے کے ساتھ، بھائی نے بھائی کے ساتھ، شوہر نے بیوی کے ساتھ اگر زیادتی کا معاملہ کیا ہے تو ان سب کو قیامت کے روز بدلہ

دینا پڑے گا، یہ چھوٹ نہیں سکتا، بدلہ نہ دیا جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔

١٨٦ - حَدَّثَنَا خَلِيفَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْعَوَّامِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ ضَرَبَ ضَرْبًا ظُلْمًا اقْتُصَّ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کو ناحق طریقہ سے مارا تو اس سے قیامت کے روز بدلہ لیا جائے گا۔

بَابُ اكْسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ

١٨٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ مُجَاهِدٍ أَبِي حَزْرَةَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: خَرَجْتُ أَنَا وَأَبِي نَطْلُبُ الْعِلْمَ فِي هَذَا الْحَيِّ فِي الْأَنْصَارِ، قَبْلَ أَنْ يَهْلِكُوا، فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِينَا أَبُو الْيَسَرِ صَاحِبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ غُلَامٌ لَهُ، وَعَلَى أَبِي الْيَسَرِ بُرْدَةٌ وَمَعَافِرِيٌّ، وَعَلَى غُلَامِهِ بُرْدَةٌ وَمَعَافِرِيٌّ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا عَمِّي، لَوْ أَخَذْتَ بُرْدَةَ غُلَامِكَ وَأَعْطَيْتَهُ مَعَافِرِيَّكَ، أَوْ أَخَذْتَ مَعَافِرِيَّهُ وَأَعْطَيْتَهُ بُرْدَتَكَ، كَانَتْ عَلَيْكَ حُلَّةٌ أَوْ عَلَيْهِ حُلَّةٌ، فَمَسَحَ رَأْسِي وَقَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ فِيهِ، يَا ابْنَ أَخِي، بَصَرُ عَيْنَيَّ هَاتَيْنِ، وَسَمْعُ أُذُنَيَّ هَاتَيْنِ، وَوَعَاهُ قَلْبِي - وَأَشَارَ إِلَى نِيَاطِ قَلْبِهِ - النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "أَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ، وَاكْسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ" وَكَانَ أَنْ أُعْطِيَهُ مِنْ مَتَاعِ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ حَسَنَاتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

تم جیسا پہنو ایسا ان کو بھی پہناؤ

ترجمہ: حضرت عبادہ ابن ولید بن عبادہ بن صامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد ولید ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مرتبہ انصار کے محلے میں علم حاصل کرنے کے لیے گیا اس سے پہلے کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کو جاننے والے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیا سے رخصت ہو جائیں، سب سے پہلے ہماری ملاقات حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو حضور ﷺ کے صحابی تھے، ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا، انہوں نے ایک عام چادر اور ایک معافری چادر پہن رکھی تھی، اور ان کے غلام نے بھی اسی طرح ایک عام چادر اور معافری چادر پہن رکھی تھی، میں نے حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ اپنی چادر اس غلام کو دے دیتے اور اس کا معافری کپڑا آپ لے لیتے تو دو معافری چادریں آپ کے پاس ہو جاتی اور دو چادر اس کے پاس ہو جاتی، اس کا بھی جوڑا ہو جاتا، آپ کا بھی جوڑا ہو جاتا، یا یہ کہ آپ معافری چادر اس کو دے دیتے اور عام چادر اس کے پاس سے لے لیتے۔ میری یہ بات سن کر انھوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی کہ اے اللہ! اس میں برکت رکھ اور پھر مجھے کہنے لگے کہ اے میرے بھتیجے! میری ان آنکھوں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو محفوظ رکھا کہ حضور فرما رہے تھے کہ تم جو کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ اور تم جو پہنو وہ ان کو پہناؤ۔ پھر کہنے لگے میں اپنے اس غلام کو دنیا کا ساز و سامان دے دوں یہ میرے لیے آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ کل قیامت کے دن وہ میری نیکیاں لی جائے۔

تشریح: معافر یمن کی بنی ہوئی چادر کا نام ہے، معافر نامی ایک قبیلہ اس چادر کو بناتا تھا اسی نام سے وہ چادر مشہور ہوگئی تھی۔

عرب میں جوڑے لباس پہننے کا معمول تھا، جوڑے اس کو کہتے ہیں کہ اوپر نیچے

دونوں کپڑے ایک ہی رنگ اور ایک ہی ہیئت میں بنے ہوئے ہوں جس کو ہماری زبان میں سوٹ کہتے ہیں۔

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے بے جوڑ کپڑا پہن رکھا تھا جو عرب کی شان کے خلاف تھا اس پر حضرت عبادہ ابن ولید رحمہ اللہ نے وجہ پوچھی اور جوڑا بنانے کی ترکیب بتلائی اسپر حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ کھانے، پینے اور پہننے میں برابری کا حکم فرمایا ہے اگر اس وقت میں اپنے غلام سے کپڑا لے کر اس کو جوڑا بنالوں تو کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے خلاف کرنے والا نہ بن جاؤں اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعید ذکر کی ہے اس وعید کا مستحق نہ ہو جاؤں اس لیے میں نے اس بے جوڑ کپڑے کو پہن رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ برابری کی جو تعلیم دی ہے یہ کوئی فرض اور واجب نہیں ہے، صرف مستحب ہے لیکن صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کے فرمان کے عاشق تھے آپ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات پر عمل کرتے تھے اور عمل کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھتے کہ کہ اس میں فرض، واجب، مستحب اور مکروہ کیا ہے، بلکہ ہر وقت آخرت کے نفع نقصان کو دیکھتے تھے اور آخرت کے نفع نقصان کے سامنے ساری دنیا کو ترک کرنا پڑے تو یہ ان کے لیے سستا سودا تھا۔

١٨٨ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُبَشِّرٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوصِي بِالْمَمْلُوكِينَ خَيْرًا وَيَقُولُ: "أَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ، وَأَلْبِسُوهُمْ مِنْ لَبُوسِكُمْ، وَلَا تُعَذِّبُوا خَلْقَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ".

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ جو تم کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور تم پہنتے ہو اس میں سے ان کو پہناؤ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو تکلیف مت دو۔

بَابُ سِبَابِ الْعَبِيدِ

١٨٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا وَاصِلُ الْأَحْدَبُ قَالَ: سَمِعْتُ الْمَعْرُورَ بْنَ سُوَيْدٍ يَقُولُ: رَأَيْتُ أَبَا ذَرٍّ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنِّي سَابَبْتُ رَجُلًا فَشَكَانِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ إِخْوَانَكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَأَعِينُوهُمْ".

غلام کو برا بھلا کہنا

ترجمہ: حضرت معرور بن سوید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے جسم پر ایک جوڑا تھا اور ان کے غلام کے جسم پر بھی ایسا ہی جوڑا تھا، میں نے اس سلسلے میں ان سے پوچھا تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک آدمی کو گالی دی (اس آدمی سے لڑائی ہوئی تو میں نے گالی دی اور برا بھلا کہا اور اس کی ماں کے سلسلے میں سخت جملہ کہا) اس نے حضور ﷺ کے پاس جا کر میری فریاد کی کہ ابو ذر نے مجھے یوں کہا، نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے اسے اس کی ماں کی عار دلائی؟ میں نے کہا کہ ہاں، تو اس موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے خادم اور غلام تمہارے بھائی ہیں (یہ بھی تمہاری

طرح انسان ہیں) کسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا، (ماتحت کر دینے کی وجہ سے وہ انسانیت سے نکل نہیں گئے، اب بھی ان کے تمہارے اوپر بھائی والے حقوق ہیں، اس اخوت کی وجہ سے وہ تمہارے ساتھ مساوی درجہ رکھتے ہیں) جس کا بھائی اس کی ماتحتی میں ہو تو جو وہ خود کھاتا ہے وہ اس کو بھی کھلائے، جو وہ خود پہنتا ہے وہ اس کو پہنائے، تم ان کو ایسا کام مت سپرد کرو جس کے کرنے سے وہ عاجز آ جائیں (یعنی ایسا مشقت کا کام جس کو وہ کر نہ سکیں) اور اگر ایسا کام سپرد کیا تو پھر ان کا ہاتھ بٹاؤ (اس میں ان کی مدد کرو)۔

تشریح: عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اگر غلام سونپی گئی خدمت انجام نہیں دے پاتا، سونپا ہوا کام نہیں کر پاتا تو آقا ناراض ہوتا ہے اور ناراضگی میں وہ سخت الفاظ بول دیتا ہے، گالیاں بھی دیتا ہے اور غلط القابات سے اس کو یاد کرتا ہے مثلاً گدھا، نالائق، بدمعاش وغیرہ، اس سلسلے میں نبیٔ کریم ﷺ کی طرف سے بڑوں کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو سخت اور تکلیف پہنچانے والے الفاظ کہنے سے پرہیز کریں، باپ بیٹے کو، استاد شاگرد کو اور آقا غلام کو ایسے سخت قسم کے الفاظ کہنے سے احتیاط برتیں۔

اپنی زبان کو طعن وتشنیع اور برے الفاظ سے پاک رکھیں

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا ہے دوسری روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کسی بات پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا) یا ابن السوداء (''سوداء'' سیاہ فام عورت کو کہتے ہیں کیوں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے

جا کر نبیِ کریم ﷺ سے شکایت کی کہ مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس طرح سخت جملہ کہا، تو ان کو حضور نے بلایا اور پوچھا کہ تم نے ان کی ماں کے ذریعہ سے ان کو عار اور شرم دلائی؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا (انک امرأفیک جاہلیۃ) حضور ﷺ نے ان کو تنبیہ فرمائی کہ تم ایسے آدمی ہو کہ زمانۂ جاہلیت کے آثار تمہارے اندر ابھی بھی موجود ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! اس عمر میں بھی زمانۂ جاہلیت کے آثار موجود ہیں؟ حالانکہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں، کہا کہ جی ہاں۔

دوسری روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ''یا ابن السوداء'' والا جملہ اس لیے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس طرح کہنے کی شناعت اور قباحت کا علم نہ ہو، لوگ اس طرح بول دیتے ہیں اس لیے آپ نے بھی اس طرح بول دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، یہ تو جاہلیت والا طریقہ ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنا رخسار زمین کے ساتھ لگا دیا اور لیٹ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے دوسرے گال پر پاؤں رکھو اور جب تک انہوں نے اپنا پاؤں نہیں رکھا وہاں تک حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان کو اصرار کرتے رہے۔

بَابُ هَلْ يُعِينُ عَبْدَهُ؟

۱۹۰ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَلَّامَ بْنَ عَمْرٍو يُحَدِّثُ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''أَرِقَّاكُمْ إِخْوَانُكُمْ، فَأَحْسِنُوا إِلَيْهِمْ، اسْتَعِينُوهُمْ عَلَى مَا غَلَبَكُمْ، وَأَعِينُوهُمْ عَلَى مَا غُلِبُوا''.

آقا کو چاہیے کہ غلام کا ہاتھ بٹائے

ترجمہ: حضرت سلام بن عمرو رحمہ اللہ ایک صحابی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تم جن کاموں کو انجام دینے سے عاجز ہو یعنی جو کام تمہارے لیے مشقت کے ہیں ان میں تم ان سے مدد حاصل کرو اور جو کام ان کے لیے بار اور مشقت کے ہیں تم ان میں ان کی مدد کرو۔

تشریح: اگر غلام کمزور ہونے کی وجہ سے کوئی کام انجام نہیں دے سکتا تو آقا کو چاہیے کہ اس کا ہاتھ بٹائے، اس کی مدد کرے جیسے بھائی بھائی سے مشقت کے کام میں مدد حاصل کرتا ہے اور اس کے مشقت کے کام میں مدد کرتا ہے تم بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ کیا کرتا ہے اور تم غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

جب غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی جارہی ہے تو دوسرے جو آزاد اور ہمارے ماتحت ہیں ان کے ساتھ تو حسن سلوک کا معاملہ بطریق اولیٰ کرنا چاہیے۔

۱۹۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرٌو، عَنْ أَبِي يُونُسَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: أَعِينُوا الْعَامِلَ مِنْ عَمَلِهِ، فَإِنَّ عَامِلَ اللهِ لَا يَخِيبُ، يَعْنِي: الْخَادِمَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ عامل یعنی خادم کو اس کے کام میں مدد کرو اس لیے کہ جو آدمی اللہ کے واسطے مدد کرے گا وہ گھاٹے میں نہیں رہتا۔

تشریح: اپنے غلام کی جو اعانت کی جارہی ہے وہ اللہ کا حکم سمجھ کر کی جارہی ہے تو اس صورت میں تم کو بھی غلام کی اعانت کا ثواب ملے گا۔

بَابُ لَا يُكَلَّفُ الْعَبْدُ مِنَ الْعَمَلِ مَا لَا يُطِيقُ

۱۹۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عَجْلَانَ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَجْلَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ مَا لَا يُطِيقُ".

غلام کو اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ سپرد کیا جائے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غلام کا کھانا اور کپڑا آقا کے اوپر ضروری ہے (اور جو کام اس کی طاقت میں ہے اتنا ہی اس سے لے) اس کی طاقت سے زیادہ کام اس کے حوالے نہ کرے۔

تشریح: اپنے غلام کے کھانے اور کپڑے کا دستور کے مطابق جیسا رواج ہے ایسا انتظام کریں اور اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر نہ ڈالا جائے، اپنے غلام کو اتنا سخت کام نہ سونپا جائے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو۔ اس عموم میں غلام، نوکر، ملازم اور بیوی بچے سبھی آ گئے۔

۱۹۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عَجْلَانَ، عَنْ بُكَيْرٍ، أَنَّ عَجْلَانَ أَبَا مُحَمَّدٍ حَدَّثَهُ قُبَيْلَ وَفَاتِهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ،

وَلَا يُكَلَّفُ إِلَّا مَا يُطِيقُ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غلام کے لیے کھانا، کپڑا آقا کے ذمہ ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی طاقت سے زیادہ کا اس کو مکلف نہ بنائے۔

١٩٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: قَالَ مَعْرُورٌ: مَرَرْنَا بِأَبِي ذَرٍّ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ، وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ، فَقُلْنَا: لَوْ أَخَذْتَ هَذَا وَأَعْطَيْتَ هَذَا غَيْرَهُ، كَانَتْ حُلَّةٌ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا يُكَلِّفْهُ مَا يَغْلِبُهُ، فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ".

ترجمہ: حضرت معرور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا گذر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس ہوا ان کے جسم پر ایک کپڑا تھا اور ان کے غلام کے جسم پر ایک جوڑا تھا، تو ہم نے عرض کیا کہ آپ یہ گھٹیا چادر اس کو دیدیں اور اس کی بڑھیا چادر لے لیں تو آپ کا بھی بڑھیا قسم کا جوڑا ہوجائے گا اور غلام کے لیے بھی جوڑا ہوجائے گا (دوسری روایتوں میں ہے کہ ان کے اوپر کی چادر اعلیٰ قسم کی تھی اور نیچے کی چادر گھٹیا قسم کی تھی) تو کہا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہ تمہارے بھائی ہیں (جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ واقعہ گذرا وہی ہدایت دی) یہ غلام تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کردیا ہے جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہو، وہی پہنائے جو خود پہنتا ہو اور جو کام اس کے لیے مشقت کا ہو اس کا اس کو پابند نہ بنائے اور اگر ایسا کام اس کے حوالے کیا تو اس میں اس کی مدد کرے، تنہا اس پر نہ ڈالے۔

تشریح: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ خصوصیت تھی کہ کسی

بات پر ان کو تنبیہ کی جاتی تو وہ زندگی بھر کے لیے ان کو کافی ہو جاتا تھا، پھر دوبارہ اس میں ان کی طرف سے غفلت یا کوتاہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے جو تنبیہ فرمائی تھی تو اس پر زندگی بھر عمل ہو رہا ہے۔

بَابُ نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى عَبْدِهِ وَخَادِمِهِ صَدَقَةٌ

۱۹۵ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا بَقِيَّةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي بَحِيرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ، سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَمَا أَطْعَمْتَ وَلَدَكَ وَزَوْجَتَكَ وَخَادِمَكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ".

آقا کا اپنے غلام اور خادم پر خرچ کرنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے

ترجمہ: حضرت مقدام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو انہوں نے ارشاد فرماتے ہوئے سنا تم اپنے آپ کو کھلاؤ گے وہ صدقہ ہے، اور اپنے بچوں، بیوی اور خادم کو کھلاؤ گے وہ بھی صدقہ ہے۔

تشریح: غلام کا نفقہ، کپڑا، اس کا کھانا پینا اس کی ضرورتیں جو آقا کی طرف سے پوری کی جاتی ہیں یہ اللہ کی طرف سے اس پر لازم کی گئی ہیں، گویا یہ ایک فرض ہے جو اس کو ادا کر رہا ہے اس پر اس کو ثواب ملے گا، جس طرح اللہ کے راستے میں خرچ کرنے پر ثواب ملتا ہے غلام اور خادم کو کھلانے پر بھی ثواب ملے گا بلکہ اس میں زیادہ ثواب ہے اس لیے کہ صدقہ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنا وہ تو نفل کا درجہ رکھتا ہے اور غلام کی ذمہ داری کو ادا کرنا یہ تو آقا پر فرض ہے اور فرض کا ثواب نفل سے زیادہ ہوا

کرتا ہے۔لیکن آدمی کو احتساب ہونا چاہیے احتساب کا معنی ہے اللہ کا حکم سمجھ کر اس کو انجام دے اور اس پر اجر و ثواب کی امید رکھے، اس کو بوجھ نہ سمجھے، اگر بوجھ سمجھ کر ذمہ داری پوری کی تو ذمہ داری ادا تو ہو جائے گی لیکن اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔

١٩٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا بَقِي غِنًى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، تَقُولُ امْرَأَتُكَ: أَنْفِقْ عَلَيَّ أَوْ طَلِّقْنِي وَيَقُولُ مَمْلُوكُكَ: أَنْفِقْ عَلَيَّ أَوْ بِعْنِي وَيَقُولُ وَلَدُكَ: إِلَى مَنْ تَكِلُنَا .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہترین صدقہ وہ ہے جس میں آدمی اپنے پاس اتنا مال باقی رکھے جو اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو اور اوپر والا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے (یعنی مانگنے والے یا لینے والے ہاتھ سے) اور خرچ کرنے میں ابتدا ان لوگوں سے کرو جن کی کفالت آپ پر ہے (یعنی جو لوگ آپ کی ماتحتی میں ہیں، جو لوگ آپ کی عیال میں ہیں، مثلاً بیوی بچے اور غلام وغیرہ) بیوی کو نفقہ نہیں دے رہے ہیں تو وہ یہ ہی کہے گی کہ میری ضرورتیں پوری کرو یا مجھے الگ کر دو، اگر غلام کی ضرورت پوری نہیں کریں گے تو وہ یہی کہے گا کہ میرا خرچہ دو یا مجھے بیچ ڈالو، اگر اولاد کو خرچہ نہیں دیں گے تو اولاد یہی کہے گی کہ (ہمیں خرچ دو آپ خرچ نہیں دیں گے تو کون ہماری ضرورتوں کو پوری کرے گا؟) ہمیں کس کے سپرد کرتے ہو؟

تشریح: حدیث شریف سے دو چیزیں معلوم ہوئیں (۱) آدمی صدقہ کرے تو اس طرح کرے کہ وہ اپنی اور اپنے ماتحتوں کی ضرورت سے زائد ہو، اسی صدقہ کو بہترین صدقہ کہا گیا ہے (۲) اتنا زیادہ صدقہ نہ کرے کہ خود محتاج ہو جائے۔

۱۹۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَةٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: عِنْدِي دِينَارٌ، قَالَ: "أَنْفِقْهُ عَلَى نَفْسِكَ"، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: "أَنْفِقْهُ عَلَى زَوْجَتِكَ" قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: "أَنْفِقْهُ عَلَى خَادِمِكَ، ثُمَّ أَنْتَ أَبْصَرُ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا، اس پر ایک آدمی نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے میں کہاں خرچ کروں؟ کہا کہ اپنی ذات پر خرچ کر، کہا کہ دوسرا بھی ہے، کہا کہ اپنی بیوی پر خرچ کر، کہا کہ ایک اور ہے، تو کہا کہ اس کو اپنے خادم پر، اس کے بعد جو تم کو ٹھیک لگے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سب سے پہلے اپنے مال سے اپنی ضرورت کو پورا کرے، اس کے بعد اپنے ماتحتوں کے حقوق ادا کرے اگر اپنے ماتحتوں کی ضرورت پوری کرنے کے بعد بھی تمہارے پاس مال ہے تو جو بھی نیکی کا راستہ آپ کو ٹھیک لگے وہاں خرچ کرو۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی دوسرے کارِ خیر میں تو بہت خرچ کرتا ہے، لیکن جو اس کے گھر والے ہیں یا اس کے رشتہ دار ہیں جو بہت محتاج ہیں ان کی طرف توجہ نہیں کی جاتی، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

بَابُ إِذَا كَرِهَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَ عَبْدِهِ

۱۹۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَسْأَلُ جَابِرًا عَنْ خَادِمِ

الرَّجُلِ، إِذَا كَفَاهُ الْمَشَقَّةَ وَالْحَرَّ، أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَدْعُوهُ؟ قَالَ: "نَعَمْ، فَإِنْ كَرِهَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَطْعَمَ مَعَهُ فَلْيُطْعِمْهُ أُكْلَةً فِي يَدِهِ".

اگر کوئی آدمی اپنے غلام کے ساتھ کھانا ناپسند کرتا ہے وہ کیا کرے؟

ترجمہ: ابو الزبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کو پوچھتے ہوئے سنا کہ کسی آدمی کے غلام نے کھانا پکانے کی آقا کی طرف سے مشقت یعنی گرمی برداشت کر لی تو کیا اس غلام کے متعلق آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اس کو اپنے ساتھ کھلائے؟ اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں! اس غلام کو بھی شریک کر لے۔ اگر کوئی آدمی اپنے غلام کے ساتھ کھانا ناپسند کرتا ہو تو کم از کم ایک آدھ لقمہ اس کے ہاتھ میں دے دے (بالکل محروم نہ رکھے)۔

تشریح: حضور ﷺ کی ہدایت یہ ہے کہ غلام کو اپنے ساتھ کھلاؤ، اس لیے کہ اس کھانے میں اگر تمہارا مال خرچ ہوا ہے تو اس کی محنت بھی خرچ ہوئی ہے، ظاہر ہے جس طرح تم اپنے مال کی وجہ سے کھانے کے حق دار ہو تو وہ بھی اپنی محنت کی وجہ سے کھانے کا حق دار ہے اس لیے اسے بھی کچھ ملنا چاہیے، ایسا نہیں کہ اس کو محروم رکھے۔

بَابُ يُطْعِمُ الْعَبْدَ مِمَّا يَأْكُلُ

۱۹۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ مُبَشِّرٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوصِي بِالْمَمْلُوكِينَ خَيْرًا وَيَقُولُ: "أَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ، وَأَلْبِسُوهُمْ مِنْ لَبُوسِكُمْ، وَلَا تُعَذِّبُوا خَلْقَ اللهِ".

جو خود کھائے وہی غلام کو کھلائے

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم جو کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنو وہ ان کو پہناؤ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو تکلیف مت دو۔

تشریح: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دستور کے مطابق غلام کو جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ کھلانا ضروری ہے، جو خود کھائے وہی کھلانا ضروری نہیں ہے، ہاں بہتر یہ ہے کہ جو خود کھائے وہی کھلائے۔ اگر کوئی آدمی بخیل ہے اور خود کو مجاہدہ میں ڈالتے ہوئے گھٹیا قسم کی چیز کھاتا ہے اور غلام کو بھی وہی کھلاتا ہے یہ سمجھ کر کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو خود کھاؤ وہی غلام کو بھی کھلاؤ تو یہ جائز نہیں ہے، ہاں خود بریانی یا کوئی عمدہ چیز کھاتا ہے تو اس کو بھی بریانی اور عمدہ کھانا کھلائے، اگر آپ سوکھی روٹی کھاتے ہیں تو غلام کو سوکھی روٹی مت کھلاؤ، بلکہ دستور کے مطابق غلام کو جو ملنا چاہیے وہ دینا چاہیے۔

بَابُ هَلْ يُجْلِسُ خَادِمَهُ مَعَهُ إِذَا أَكَلَ

۲۰۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ فَلْيُجْلِسْهُ، فَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ فَلْيُنَاوِلْهُ مِنْهُ".

جب خود کھائے تو کیا اپنے خادم کو بھی ساتھ بٹھائے؟

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خادم جب کھانا پکا کر کے لائے تو اس کو بھی اپنے ساتھ بٹھاؤ اگر غلام بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہے تو اس میں سے اس کو کچھ حصہ دے دو۔

تشریح: آقا کے لیے اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ غلام کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے، ہاں اگر کسی مصلحت کے خلاف ہو تو اس وقت ساتھ نہ بٹھائے مگر کھانے میں سے اسے کچھ ضرور دینا چاہیے۔

۲۰۱ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو يُونُسَ الْبَصْرِيُّ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو مَحْذُورَةَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِذْ جَاءَ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ بِجَفْنَةٍ يَحْمِلُهَا نَفَرٌ فِي عَبَاءَةٍ، فَوَضَعُوهَا بَيْنَ يَدَيْ عُمَرَ، فَدَعَا عُمَرُ نَاسًا مَسَاكِينَ وَأَرِقَّاءَ مِنْ أَرِقَّاءِ النَّاسِ حَوْلَهُ، فَأَكَلُوا مَعَهُ، ثُمَّ قَالَ عِنْدَ ذَلِكَ: "فَعَلَ اللهُ بِقَوْمٍ - أَوْ قَالَ: لَحَا اللهُ قَوْمًا - يَرْغَبُونَ عَنْ أَرِقَّائِهِمْ أَنْ يَأْكُلُوا مَعَهُمْ"، فَقَالَ صَفْوَانُ: أَمَا وَاللهِ، مَا نَرْغَبُ عَنْهُمْ، وَلَكِنَّا نَسْتَأْثِرُ عَلَيْهِمْ، لَا نَجِدُ وَاللهِ مِنَ الطَّعَامِ الطَّيِّبِ مَا نَأْكُلُ وَنُطْعِمُهُمْ.

ترجمہ: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ (جو نبی کریم ﷺ کے مؤذن تھے وہ) فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بہت بڑا لگن کھانے کا بھرا ہوا لے کر آئے جس کو چند لوگ ایک کپڑے میں رکھ کر اٹھائے ہوئے تھے، ان لانے والوں نے وہ برتن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غریب غرباء اور غلام قسم کے لوگ جو آس پاس تھے ان سب کو بلایا اور اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلیا، ان سب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر کھایا اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ برا کرے ان لوگوں کا یا فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان لوگوں پر جو

اپنے غلاموں سے اعراض کرتے ہیں اور اپنے ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے۔ اس پر حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم ہم غلاموں کے ساتھ کھانے کو اپنے لیے عیب نہیں سمجھتے ہاں البتہ ان کے مقابلے میں اچھی چیز کے اندر اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی قسم اچھا کھانا اتنی زیادہ مقدار میں میسر ہی نہیں ہوتا کہ ہم بھی کھائیں اور ان کو بھی کھلائیں۔

تشریح: حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کھلانے پلانے میں بڑے سخی تھے، آپ نے ماتحتوں کو اپنے ساتھ بٹھا کر نہ کھلانے کی علت یہ بیان کی کہ جو چیز ہے وہ بہت کم مقدار میں ہے اگر ماتحتوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھائیں گے تو ہمارے لیے کافی نہیں ہوگی، اور آدمی کا مزاج یہ ہے کہ خود کو ماتحتوں کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے، اس لیے ہم وہ کھا لیتے ہیں باقی اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا ہم اپنے لیے عیب نہیں سمجھتے۔

بَابُ إِذَا نَصَحَ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهِ

۲۰۲ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ، وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ، لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ“.

غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور ساتھ ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت بھی جیسا عبادت کا حق ہے اس طرح کرے تو اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دوہرا اجر ملے گا۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو غلام اپنے آقا کے لیے خیر خواہی کرے اس کی بھلائی چاہے، اس کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق اس کے ذمہ ہیں اس میں بھی کوئی کمی نہ کرے، گویا وہ اپنے مالک حقیقی اور مالک مجازی دونوں کے حقوق کو ادا کر رہا ہے تو دونوں کے حقوق کی ادائیگی پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو ثواب بھی دوہرا ملے گا۔

۲۰۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْمُحَارِبِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ حَيٍّ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِعَامِرٍ الشَّعْبِيِّ: يَا أَبَا عَمْرٍو، إِنَّا نَتَحَدَّثُ عِنْدَنَا أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا أَعْتَقَ أُمَّ وَلَدِهِ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا كَانَ كَالرَّاكِبِ بَدَنَتَهُ، فَقَالَ عَامِرٌ: حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ، وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَهُ أَجْرَانِ. وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ. وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ يَطَأُهَا، فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا، وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا، فَلَهُ أَجْرَانِ" قَالَ عَامِرٌ: أَعْطَيْنَاكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَقَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيمَا دُونَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ.

ترجمہ: حضرت صالح ابن حی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ (جو تابعین میں سے ہیں ان) سے پوچھا: اے ابوعمرو! ہم آپس میں یہ گفتگو کرتے ہیں کہ کوئی آدمی اپنی باندی کو آزاد کرے اور اس کے بعد اس کے ساتھ نکاح کرے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ وہ اونٹ جو اللہ کے راستے میں حرم میں ذبح کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اس پر وہ سواری کرے۔ اس پر حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ نے روایت بیان کی کہ حضرت ابو بردہ (جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں انہوں) نے مجھ کو حدیث بیان کی، انہوں

نے اپنے ابا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ نبیٔ کریم ﷺ نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کو دوہرا یعنی ڈبل ثواب ملے گا، ایک وہ آدمی جو اہل کتاب سے تعلق رکھتا تھا (یہودی تھا نصرانی تھا اور اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر نبیٔ کریم ﷺ کی بعثت کی اس کو اطلاع ہوئی کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، اب نبیٔ آخرالزمان تشریف لا چکے ہیں) وہ اپنے نبی پر بھی ایمان رکھتا تھا پھر وہ آپ پر بھی ایمان لے آیا ایسے آدمی کے لیے دوہرا ثواب ہے۔دوسرا وہ غلام جو اپنے آقا کے حقوق بھی ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرتا ہے ایسے غلام کو بھی دہرا ثواب ملے گا۔اور تیسرا وہ آدمی جس کے پاس کوئی باندی ہے جس کے ساتھ وہ وطی بھی کر رہا ہے، اب اس نے باندی ہونے کے زمانے میں اپنی اس باندی کو ادب سکھلایا (تربیت کی) اور بہترین تعلیم دی اور پھر اس کو اللہ کے واسطے آزاد کیا اور پھر اس سے نکاح کیا اس کے لیے بھی دہرا اجر ہے۔یہ روایت نقل کرنے کے بعد عامر شعبی نے اس سوال کرنے والے کو کہا کہ یہ ہم نے تمہارے سوال کا جواب مفت میں دے دیا ورنہ اس سے کم سوال کے لیے لوگ مدینہ تک کا لمبا لمبا سفر کیا کرتے تھے۔

تشریح: ہدی کے جانور سے مراد وہ جانور ہے جس کو حج یا عمرہ کرنے والے لوگ اپنے ساتھ ذبح کرنے کے لیے مکہ مکرمہ لے جاتے تھے یا ان کے ساتھ لوگ حرم میں اپنی طرف سے ذبح کرنے کے لیے بھیجتے تھے، پہلے زمانے میں اس کا خاص اہتمام ہوتا تھا اگر اونٹ ہے تو اس ہدی کو بدنہ کہتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ اس جانور سے کسی بھی قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں، جیسے قربانی کا جانور ہوتا ہے جس کو قربانی کے لیے خرید چکے اور طے کر چکے تو اب اس سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہیے اس لیے کہ یہ جانور اللہ کے لیے گویا نامزد ہو چکا ہے، اسی طرح ایک باندی کو اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد کر دیا

اب نکاح کر کے دوبارہ اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں کیا یہ صحیح ہے؟ اس کے بارے میں آپ کے پاس کچھ علم ہے؟ اس پر حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ نے ایک حدیث ذکر کی کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو ان کے اس عمل پر دوہرا اجر ملتا ہے ان میں سے ایک آقا جو اپنی باندی کا مالک تھا اور مالک ہونے کی نسبت سے وہ اس سے جس طرح چاہتا فائدہ اٹھا سکتا تھا اور کوئی حق لازم بھی نہیں تھا، یعنی بیوی کے جو مساویانہ حقوق ہوتے ہیں وطی، نان ونفقہ وغیرہ وہ اس پر لازم نہیں تھے، گویا باندی کے اختیارات بہت کم تھے، ہر چیز پر اس کی باندی ہونے کی حیثیت سے وہ اس کا مالک تھا مطلب یہ کہ باندی ہونے کی حیثیت سے اس پر کوئی حق نہیں تھا، جبر نہیں تھا، ہر طرح کی سہولتیں اس کو حاصل تھیں، اس نے اپنی ان سہولتوں اور اختیارات کو محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے قربان کیا اور اپنی باندی کو ادب سکھلایا اور اچھی طرح تربیت کی، اب ظاہر ہے کہ باندی کو اس طرح ادب سکھلایا اور اس کو تعلیم دی تو اس کی وجہ سے اس کے کمالات میں اضافہ ہونے کی وجہ سے اس کی قدر و قیمت بڑھ گئی، بھاؤ بڑھ گیا اور دوسری باندیوں کے مقابلے میں اس کی قیمت کئی گنا ہو گئی، گویا آقا نے محنت کر کے اس کو قیمتی بنایا۔ اور پھر اس کو آزاد کیا اور اس سے نکاح کیا تو ایسے آقا کو دوہرا اجر ملے گا، ایک تو آزاد کرنے کا اور دوسرا اس کے ساتھ نکاح کرنے کا۔

دوسرا وہ شخص جس کو اپنے کام پر دوہرا اجر ملے گا وہ غلام ہے جو اپنے آقا کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں بھی کسی قسم کی کمی نہیں کرتا مثلاً نماز روزہ، ذکر اذکار کا اہتمام کرتا ہے اس کو بھی اپنے کام پر دوہرا اجر ملے گا۔

اور تیسرا وہ شخص جو یہودی یا نصرانی تھا آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اپنی پہلی شریعت اور اپنے پہلے نبی کی اتباع کو چھوڑ کر وہ شخص آپ ﷺ کی اتباع کو لازم پکڑتا ہے اس کو بھی اپنے اس فعل پر دوہرا اجر ملے گا۔

یہاں پر اس حدیث کو لانے کا مطلب یہ ہے کہ غلام جب اپنے آقا کے حقوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوئی کمی نہیں کرتا تو ایسے غلام کا مقام اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بہت بلند ہے۔

۲۰۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمَمْلُوكُ الَّذِي يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهِ، وَيُؤَدِّي إِلَى سَيِّدِهِ الَّذِي فُرِضَ، الطَّاعَةَ وَالنَّصِيحَةَ، لَهُ أَجْرَانِ".

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو غلام اپنے پروردگار کی عبادت بہترین طریقے سے کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے آقا کے جو حقوق ہیں مثلاً آقا کی اطاعت اور خیر خواہی ان کو بھی کما حقہ ادا کر رہا ہے اس کو اس پر دوہرا ثواب ملے گا۔

تشریح: ایک طرف اپنے مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرنا، دوسری طرف اپنے مالک مجازی یعنی آقا کے حقوق کی ادائیگی یہ دو بڑی ذمہ داریاں ہیں، اور بڑے مشقت کے کام ہیں، مطلب یہ کہ دونوں کے حقوق برابر ادا کرتا ہے، گویا اس کے لیے خوب مشقت اٹھا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مشقت پر ثواب بھی دوہرا ملے گا۔

۲۰۵ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ

بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بُرْدَةَ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمَمْلُوكُ لَهُ أَجْرَانِ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللهِ فِي عِبَادَتِهِ - أَوْ قَالَ: فِي حُسْنِ عِبَادَتِهِ - وَحَقَّ مَلِيكِهِ الَّذِي يَمْلِكُهُ".

ترجمہ: حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس غلام کے لیے دوہرا اجر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق کما حقہ ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی پر دوہری ذمہ داریاں ہوں اور وہ ان دوہری ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مطابق ثواب بھی دوہرا ملے گا۔

بَابُ الْعَبْدُ رَاعٍ

٢٠٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ، وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُ، أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ".

غلام بھی ذمہ دار ہے

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا، حکمران لوگوں پر نگران ہے اور اس کو اپنے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائیگا، مرد نگران ہے اپنے گھر والوں پر اس کو سوال کیا جائے گا اپنے گھر والوں کے متعلق، اور کسی شخص کا غلام نگران ہے اپنے آقا کے مال پر اس کو پوچھا جائے گا اپنی ذمہ داری کے متعلق، تم میں سے ہر ایک نگران ہے، ہر ایک کو سوال کیا جائے گا ان کی ذمہ داری کے متعلق۔

تشریح: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پاکیزہ تعلیمات کے ذریعے ہر ایک کو اپنی ذمہ داری اور فرض منصبی کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا، ہر آدمی پر اپنی اپنی جگہ، اپنے اپنے شعبے اور میدان میں کچھ نہ کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور آدمی پر ضروری ہے کہ اپنی ساری ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا کرے۔ کوئی بھی ایسا آدمی نہیں جس پر کوئی ذمہ داری نہ ہو، ہر ایک پر اس کے مناسب حال، اس کے مقام، اس کے مرتبہ، اس کی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ذمہ داریاں ہیں، بڑا آدمی ہے تو بڑی اور چھوٹا آدمی ہے تو چھوٹی ذمہ داری ہے، اسی ذمہ داری کی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ وضاحت فرمائی، مثلاً بادشاہ وقت ہے تو وہ اپنی پوری رعیت اور عوام کا ذمہ دار ہے، بادشاہ ہونے کی حیثیت سے رعیت کے جو حقوق اور جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں ان کو ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہو جائے گا، کل قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی اس حیثیت کے مطابق اس سے سوال کیا جائے گا کہ بھائی! تم بادشاہ تھے، حاکم تھے، امیر تھے اور بادشاہ اور حاکم ہونے کی حیثیت سے اپنے ماتحت رعیت کی جو ذمہ داری تم پر عائد تھی تم نے اپنا فرض منصبی ادا کیا یا نہیں؟ اگر اس نے کوتاہی کی ہے تو اس کی گرفت ہوگی اور اگر اس نے اپنا فرض منصبی ادا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر

اسے اجر وثواب ملے گا۔اسی طرح آدمی اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے،ایک آدمی ہے اس کے ماتحت اس کی بیوی ہے،اس کی اولاد ہے،اس کے گھر کے نوکر چاکر ہیں، یا ایک سیٹھ ہے،اس کے ماتحت کام کرنے والے نوکر ہیں،کوئی بڑا افسر ہے تو وہ اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار ہے،ان کی تربیت،ان کے حقوق کی نگرانی،ان کے حقوق کی ادائیگی، ان کو غلط راہ پر چلنے سے بچانا یہ سب اس کی ذمہ داری ہے،اسی کو فرماتے ہیں کہ مرد اپنے گھر والوں پر ذمہ دار ہے اس کو اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

اس حدیث کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غلام اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے،آقا اپنے مال میں سے بہت سی چیزوں کو غلام کے حوالے کرتا ہے،مثلاً آقا نے اپنی کھیتی باڑی کا سارا کام غلام کو سونپ رکھا ہے،غلام کی اب یہ ذمہ داری ہے کہ آقا کے ان اموال کی نگرانی اس طرح کرے کہ آقا کو ان اموال سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے اور کسی قسم کی اپنی طرف سے اس میں کوتاہی نہ ہو۔اسی طرح سیٹھ نے اپنے ملازم کو،اپنے ماتحت کو،اپنے نوکر کو ذمہ داری دی ہے کہ یہ مشین کی نگرانی تمہارا کام ہے،مشین کے اندر کوئی خرابی ہے تو اس حیثیت سے اس کو ٹھیک کرنا ہے،یا مشین چل رہی ہے کہ نہیں اس کی نگرانی تم کو کرنی ہے اب اپنی اس ذمہ داری میں کوتاہی کرے گا تو یہاں تو اس کی باز پرس ہوگی ہی،کل قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے متعلق سوال ہوگا،اسی کو کہتے ہیں کہ آدمی کا غلام یہ ذمہ دار ہے اپنے آقا کے مال میں۔

اور ایک اصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ ہر آدمی تم میں سے نگران ہے اور ہر ایک کو اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا،یہاں تک کہ ایک آدمی ہے اس کی نہ بیوی ہے،نہ بچے ہیں،تن تنہا ہے تو شراح نے لکھا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے

جو جسم عطا کیا ہے اور جسم میں جو اعضاء اللہ نے عطا فرمائے ہیں، آنکھ، زبان، کان، ہاتھ، پیر اور دل وغیرہ ان سارے اعضاء کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی اس کی ذمہ داری ہے اور وہ ان پر نگران ہے، ان اعضاء کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا اور ان اعضاء کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو ہدایات اور احکام دیے ہیں انہیں بجالانا اس کی ذمہ داری ہے، اگر اس نے اس میں کوتاہی کی تو اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی پوچھ ہوگی۔

٢٠٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعْدٍ مَوْلَى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَقُولُ: "الْعَبْدُ إِذَا أَطَاعَ سَيِّدَهُ، فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِذَا عَصَى سَيِّدَهُ فَقَدْ عَصَى اللهَ عَزَّ وَجَلَّ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ غلام جب اپنے آقا کی فرماں برداری کرتا ہے تو گویا اس نے اللہ کی فرماں برداری کی اور جب غلام اپنے آقا کی نافرمانی کرتا ہے تو اس نے گویا اللہ کی نافرمانی کی۔

تشریح: شریعت نے جتنے بھی حقوق متعین کیے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے متعین کیے ہوئے ہیں اس لیے ان حقوق کو ادا کرنا گویا اللہ کی فرماں برداری ہے اور ان کو ضائع کرنا گویا اللہ کی نافرمانی ہے البتہ اگر کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے تو وہ مانا نہیں جائے گا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اصول بتلا دیا (لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق) جہاں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو وہاں مخلوق کی اطاعت اور فرماں برداری نہیں کی جائے گی۔

شریعت نے بیوی کو پابند کیا ہے کہ شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کرے، لیکن اگر شوہر بیوی کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم دیتا ہے جس میں اللہ تعالی کی نافرمانی ہو تی ہے، مثلاً شوہر بیوی سے کہتا ہے کہ تو پردہ مت کر، تو سینما دیکھنے کے لیے میرے ساتھ چل، تو میرے دوستوں سے پردہ ہٹا کر ملاقات کر تو ان باتوں میں بیوی کو شوہر کی اطاعت نہیں کرنی ہے، اگر شوہر بیوی سے کہے کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اس لیے جو میں کہتا ہوں وہ کر! تو یہاں شوہر کی بات نہیں مانی جائے گی۔

اسی طرح شریعت نے بیٹے پر باپ کی اطاعت کو ضروری قرار دیا ہے، بیٹے کو چاہیے کہ باپ کی اطاعت کرے لیکن باپ اگر کسی ایسی چیز کا حکم دیتا ہے جس میں اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی ہوتی ہے تو وہاں باپ کی بات نہیں مانی جائے گی۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غلام اگر اپنے آقا کی اطاعت اور فرماں برداری کرتا ہے تو یہ ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا اس نے اللہ کا حکم پورا کیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آقا کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اللہ ہی کے حکم پر اور اللہ ہی کے کہنے سے وہ آقا کی بات پر عمل کر رہا ہے جیسے کسی باپ نے اپنے بیٹے کو یوں کہا کہ فلانے کی بات ماننا تو جب اس کی بات مانیں گے تو اس کی بات ماننا یہ باپ کی بات ماننے کے برابر ہے اس لیے کہ ان کے کہنے سے یہ ایسا کر رہا ہے۔ اسی طرح غلام اگر اپنے آقا کی نافرمانی کرتا ہے، اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور خلاف ورزی کی۔ یہی حکم ہر ماتحت کے لیے ہے کہ جن جن لوگوں کی اطاعت اور فرماں برداری اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر لازم اور ضروری قرار دی ہے گویا ان کی اطاعت اور فرماں برداری کر کے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور ماں باپ کی نافرمانی گویا اللہ کی نافرمانی ہے

کیوں کہ ماں باپ کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، گویا بندے کا اصل تعلق تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی ہے اللہ ہی کے حکم کی وجہ سے وہ باپ کا بھی کہا ہوا مانتا ہے، ماں کا بھی کہا ہوا مانتا ہے اور اللہ ہی کے حکم کی وجہ سے بیوی شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کرتی ہے۔

بَابُ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا

٢٠٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ سَيِّدِهِ، لَهُ أَجْرَانِ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ، لَوْلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَالْحَجُّ، وَبِرُّ أُمِّي، لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَمُوتَ مَمْلُوكًا.

آزاد شخص غلام ہونا پسند کرے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان غلام جب اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کا بھی حق ادا کرتا ہے تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔

غلام کون ہوتا ہے

تشریح: کفار اور مشرکین کو سب سے پہلے ایمان کی دعوت دی جاتی ہے جب وہ ایمان کی دعوت قبول نہیں کرتے تو ان کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے، اسی میں انمیں سے جو پکڑے جاتے ہیں ان کو غلام بنایا جاتا ہے، گویا اللہ کی طرف سے ایک طرح کی ان کو سزا دی جاتی ہے، جب وہ اللہ تعالیٰ کی غلامی کے لیے تیار نہیں ہوئے تو

انسانوں کی غلامی میں آنا پڑا۔ ہماری شریعت نے غلاموں کے ذمہ اپنے آقاؤں کے کچھ حقوق رکھے ہیں اور جب غلام ان حقوق کو ادا کرتا ہے تو شریعت نے جو ان کو بشارتیں سنائی ہیں تو بعض حضرات ایسے بھی ہیں کہ ان کی فضیلتوں کو سن کر آزاد ہونے کے باوجود غلام ہونے کی تمنا کرتے تھے۔ ظاہر ہے جو آزاد ہے وہ تو کسی کا غلام نہیں ہے اس لیے آقا کے حق والی ذمہ داری تو آتی نہیں صرف اس کے لیے تو اللہ ہی کے حقوق والا معاملہ آتا ہے تو اب اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے گا تو اس کو اس کا ثواب ملے گا۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر اللہ تعالی کے راستے میں جہاد، حج اور ماں کی خدمت کی بات نہ ہوتی تو میں پسند کرتا کہ غلام ہو کر مروں، اس لیے کہ غلام آقا کے حقوق اور آقا کی خدمت کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہیں کر سکتا، اسی طرح حج کے لیے نہیں جا سکتا، اسی طرح ماں کی خدمت کا بھی اس کو موقع نہیں ملے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان اسباب کی وجہ سے میں غلام نہیں ہوتا ورنہ تو میں تمنا کرتا کہ میں غلام ہو جاتا۔ لکھا ہے کہ جب تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ زندہ رہیں تب تک وہ حج میں نہیں گئے، ان کے انتقال کے بعد وہ حج میں گئے۔

بَابُ لَا يَقُولُ: عَبْدِي

۲۰۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله، عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى الله

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: عَبْدِي، أَمَتِي، كُلُّكُمْ عَبِيدُ اللهِ، وَكُلُّ نِسَائِكُمْ إِمَاءُ اللهِ، وَلْيَقُلْ: غُلَامِي، جَارِيَتِي، وَفَتَايَ، وَفَتَاتِي".

آقا اپنے غلام کو عبدی (میرا غلام) نہ کہے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ عَبْدِیْ (میرا بندہ)، اَمَتِیْ (میری بندی) تم میں سے ہر مرد اللہ کا بندہ اور عورتوں میں سے ہر عورت اللہ کی بندی ہے، چاہیے کہ یہ الفاظ کہے غُلَامی (میرا غلام) وَجَارِیَتِیْ (میری باندی) یا فَتَاْیْ (میرا خادم) وَفَتَاتِیْ (میری خادمہ)۔

تشریح: اسلام نے آپس کی گفتگو اور کلام کے معاملے میں بھی کچھ آداب سکھلائے ہیں، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا استعمال مناسب نہیں سمجھا جاتا، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو استعمال کرنے کی وجہ سے استعمال کرنے والے کے متعلق گمان ہوتا ہے کہ شاید وہ گھمنڈ اور غرور میں ہے اس وجہ سے اس طرح کے الفاظ کہہ رہا ہے، گویا الفاظ کے استعمال میں بھی اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ ان کا استعمال آپ کے لیے تکبر کا ذریعہ نہ ہو۔

لفظ "عبد" عربی میں غلام اور بندہ دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، اسی طرح "اَمَةٌ" باندی اور بندی دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے غلام کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہے تو یوں نہ کہے عبدی اور امتی، اس لیے کہ سب اللہ کے بندے اور بندیاں ہیں، بلکہ اگر آقا اپنے غلام کو پکارنا چاہتا ہے اور غلام کی ذات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو بجائے عَبْدٌ کے غُلَامِی یا جَارِیتی اور فَتَایَ یا فَتَاتی کہے، لفظ "فتا" نوجوان کو کہتے ہیں میرا نوجوان چھوکرا اور میری نوجوان چھوکری،

میرا خادم اور میری خادمہ، فتاۃ کا لفظ غلام کے لفظ سے زیادہ اچھا ہے اس لیے کہ اس میں تواضع زیادہ ہے۔

بَابُ هَلْ يَقُولُ: سَيِّدِي؟

۲۱۰ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، وَحَبِيبٍ، وَهِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: عَبْدِي وَأَمَتِي، وَلَا يَقُولَنَّ الْمَمْلُوكُ: رَبِّي وَرَبَّتِي، وَلْيَقُلْ: فَتَايَ وَفَتَاتِي، وَسَيِّدِي وَسَيِّدَتِي، كُلُّكُمْ مَمْلُوكُونَ، وَالرَّبُّ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ".

غلام اپنے آقا کو سیدی کہہ سکتا ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی آقا اپنے غلام کے متعلق یہ نہ کہے کہ میرا غلام اور میری باندی اور غلام اپنے آقا کے متعلق رَبِّي وَرَبَّتِي نہ کہے، آقا کو چاہیے کہ وہ اپنے غلام کو فَتَایَ یا فَتَاتِی کہے اور غلام سیدی اور سیدتی کہے، تم میں سے ہر ایک غلام ہے اور سب کا رب اللہ جل وعلیٰ ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ لفظ رب عام بول چال میں بندہ اپنے مالک حقیقی کے لیے بھی استعمال کرتا ہے اور غلام اپنے آقا کو بھی لفظ رب سے بلاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ادب سکھلایا کہ لفظ رب صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے استعمال کیا جائے، غلام اپنے آقا کو اس لفظ سے نہ پکارے اس لیے کہ اس میں آقا کو لفظاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت دینا ہے اور یہ مناسب نہیں ہے۔ غلام کے لیے اپنے

آقا کو پکارنے کے لیے بہترین لفظ سید یعنی میرے سردار ہے۔اسی طرح آقا اپنے غلام کو یا عبدی کے بجائے یا فتا یکہے یعنی میرا چھوکرا یا میرا خادم، اس لیے کہ ہم سب حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں اور رب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

٢١١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مَسْلَمَةَ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ مُطَرِّفٍ قَالَ: قَالَ أَبِي: انْطَلَقْتُ فِي وَفْدِ بَنِي عَامِرٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: أَنْتَ سَيِّدُنَا، قَالَ: "السَّيِّدُ اللهُ"، قَالُوا: وَأَفْضَلُنَا فَضْلًا، وَأَعْظَمُنَا طَوْلًا، قَالَ: فَقَالَ: "قُولُوا بِقَوْلِكُمْ، وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ".

ترجمہ: حضرت مطرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے ابا نے بتلایا کہ میں بنو عامر کے وفد کے ساتھ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو قبیلہ والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خطاب کیا تو کہا أَنْتَ سَيِّدُنا، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشاد فرمایا سید تو صرف اللہ تعالی کی ذات ہے، اس پر انہوں نے کہا کہ آپ ہم میں فضیلت کے اعتبار سے سب سے افضل ہیں اور حیثیت کے اعتبار سے ہم میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں، ان کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو جو کہنا ہو کہو (لیکن ان چیزوں میں مت پڑو) تم کو شیطان ایسی چیزوں میں آگے نہ لے جائے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ بنو عامر نے لفظ سید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے استعمال کیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اصلاح فرمائی کہ لفظ سید میرے لیے بھی استعمال نہ کرو اس لیے کہ لفظ سید کا حقیقی اطلاق تو اللہ ہی کی ذات پر ہے (اگر چہ عرف میں لفظ سید مجازاً بڑے آدمی کے لیے بھی بولا جاتا ہے) اس لیے شیطان کے بہکاوے میں آکر کسی کی تعریف میں زیادہ مبالغہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اگر کوئی ضرورت ہو تو پیش کرو۔

بَابُ الرَّجُلِ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ

٢١٢ - حَدَّثَنَا عَارِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْأَمِيرُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْؤُولَةٌ، أَلَا وَكُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ".

آدمی اپنے گھر والوں پر نگران ہے

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک کو اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا، مرد نگران ہے اپنے گھر والوں پر اور اس کو سوال کیا جائے گا اپنے گھر والوں کے متعلق، عورت نگران ہے اپنے شوہر کے گھر کی اور اس کو اس ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ غرض تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک کو اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

تشریح: عورت نگران ہے اپنے شوہر کے گھر کی، شوہر عموماً صبح سارا گھر بیوی کے حوالے کر کے گھر سے نکل جاتا ہے، اب ساری ذمہ داری بیوی کی ہے، اگر اس سے کچھ کوتاہی ہوئی تو کل قیامت کے دن اللہ کے یہاں پوچھا جائے گا، نگرانی میں اولاد بھی آجاتی ہے اور اس کی نگرانی بھی عورت پر آتی ہے۔

٢١٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضي الله عنه أَتَيْنَا النَّبِيَّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً، فَظَنَّ أَنَّا اشْتَهَيْنَا أَهْلِينَا، فَسَأَلَنَا عَنْ مَنْ تَرَكْنَا فِي أَهْلِينَا؟ فَأَخْبَرْنَاهُ وَكَانَ رَقِيقًا رَحِيمًا فَقَالَ: "ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ، وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ".

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم سب نوجوان ہم عمر تھے، بیس دن ہم نے قیام کیا، حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیس دن کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا کہ ہمیں گھر والوں کی رغبت ہورہی ہے تو ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم اپنے پیچھے جو گھر والے چھوڑ کر آئے تھے ان کے متعلق تم نے کچھ بتلایا نہیں؟ پس ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا حال بتلایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے نرم دل اور بڑے مہربان تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ اور یہاں جو سیکھا ان کو سکھلاؤ اور بھلی بات کا حکم کرو، یہاں رہتے ہوئے جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تم بھی گھر جا کر اسی طرح نماز پڑھو، جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان کہے اور تم میں جو بڑا ہے وہ امامت کرائے۔

تشریح: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں علمِ دین سیکھنے کے لیے آئے تھے، گھر والوں سے ایک طویل زمانہ گذرنے کی وجہ سے ہمارے دلوں میں گھر والوں کی طرف رغبت پیدا ہوئی کہ ہم کو گھر یاد آرہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ محسوس کیا تو ہمیں پوچھا کہ تمہارے گھر پر کون کون ہے؟ ماں باپ ہیں، بیوی ہے، بچے ہیں؟ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے گھر والوں کی حالت ذکر کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں گھر جانے کا حکم دیا اور جو کچھ سیکھا تھا وہ

گھر والوں کو سکھانے کا حکم دیا اور کچھ نصیحتیں کیں، ان میں سے ایک یہ کہ جب اذان کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے، اس کے لیے کوئی خاص شرط نہیں لگائی اور امامت میں زیادہ حق دار وہ ہے جو علم و قرأت میں سبقت رکھتا ہو، لیکن یہاں سب علم میں برابر تھے اس لیے کہ سب نے ایک ہی وقت میں آپ ﷺ سے علم حاصل کیا تھا اس لیے فرمایا کہ تم میں عمر میں جو بڑا ہے وہ امامت کرائے گا۔

بَابُ الْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ

٢١٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنَا سَالِمٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، الْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا، وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ"، سَمِعْتُ هَؤُلَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَحْسَبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَالرَّجُلُ فِي مَالِ أَبِيهِ".

عورت اپنے گھر کی نگران ہے

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے، تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا، امام نگران ہے اپنی رعیت کا، اس کو سوال ہوگا اپنی رعیت کے متعلق، مرد اپنے گھر والوں کے بارے میں نگران ہے، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور خادم اپنے مالک کے مال کا نگران ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان مذکورہ بالا آدمیوں کے بارے میں سنا اور میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مرد اپنے والد کے مال میں نگران ہے۔

بَابُ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَلْيُكَافِئْهُ

٢١٥ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ، عَنْ شُرَحْبِيلَ مَوْلَى الْأَنْصَارِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَلْيُجْزِئْهُ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ مَا يُجْزِئُهُ فَلْيُثْنِ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ إِذَا أَثْنَى فَقَدْ شَكَرَهُ، وَإِنْ كَتَمَهُ فَقَدْ كَفَرَهُ، وَمَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَ، فَكَأَنَّمَا لَبِسَ ثَوْبَيْ زُورٍ".

جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس بھلائی کا بدلہ دے

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے اس کو چاہیے کہ اس حسن سلوک کرنے والے کو اس کے اس حسن سلوک کا بدلہ دے اور اگر کسی نے کسی کے ساتھ حسن سلوک کیا اور جس کے ساتھ حسن سلوک کیا گیا اس کے پاس اسی جیسا معاملہ کرنے کی سکت نہیں ہے تو وہ اس کی تعریف کرے، اگر اس نے اس کی تعریف کی تو یہ تعریف کرنا بھی اس کا شکر ادا کرنا ہے، اگر اس نے اس احسان کو چھپایا تو اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے اللہ کی ناشکری کی، اور جس نے اپنی وہ صفت ظاہر کی جو اس میں نہیں ہے یہ ایسا ہے جیسے اس نے جھوٹ کے دو کپڑے پہنے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے تو اسکا حق ہے کہ ہم بھی اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کریں، اس نے اگر

کوئی ہدیہ دیا ہے تو ہم بھی اس کو ہدیہ دیں، یعنی جیسا معاملہ اس نے ہمارے ساتھ کیا ہے ہم بھی ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کریں، اگر ہمارے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ اس طرح کا معاملہ اس کے ساتھ کریں تو اس صورت میں ہم اس کی تعریف کریں کہ بھائی! جزاک اللہ آپ نے ہماری حیثیت سے زیادہ ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ کیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائیں، اس لیے کہ اس کی تعریف کرنا ایسا ہی ہے گویا اس نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کے اس احسان پر اپنی زبان سے کچھ کہے تاکہ اس کا ایک طرح کا شکریہ ادا ہو جائے اور یہ بھی ایک طرح کا بدلہ ہے۔ لیکن اگر اس نے اس احسان کرنے والے کے احسان کا نہ تو کوئی بدلہ دیا اور نہ ہی زبان سے اس کا شکریہ ادا کیا بلکہ اس احسان پر وہ خاموش رہا تو گویا اس نے اس احسان کو چھپایا اور لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کیا تو گویا اس نے ناشکری کی۔

اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے ایک بہت اہم چیز ہمیں بتلائی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی ایسی چیز کا اظہار لوگوں کے سامنے کرے جو اس کے پاس نہ ہو، یا اس کو نہ دی گئی ہو تو یہ بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت نے نبیٔ کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ایک چیز کہیں اور سے میرے پاس آئی ہے، میرے شوہر نے وہ چیز مجھے ہدیہ میں نہیں دی ہے لیکن میں اپنی سوکن کے سامنے شوہر کی طرف سے اس کے ملنے کا اظہار کرتی ہوں تاکہ اس کا دل جلے تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو سراپا جھوٹ ہے اور اس کو ایک مثال سے سمجھایا کہ آدمی کے بدن پر عموماً دو کپڑے لباس کے طور پر ہوتے ہیں تو گویا اس نے جھوٹ کے دو کپڑے پہنے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خالص جھوٹ ہے اور

بعضوں نے اس کی تشریح یہ بھی کی کہ کوئی آدمی عالم اور متقی کا لباس پہن کر اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے عالم اور متقی ظاہر کرتا ہے اور حقیقت میں یہ اوصاف اس میں نہیں ہیں تو گویا ایسا سمجھا جائے گا کہ اس نے جھوٹ کے دو کپڑے پہنے ہیں۔

٢١٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ أَتَى إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَادْعُوا لَهُ، حَتَّى يُعْلَمَ أَنْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی اللہ کا نام لے کر تم سے پناہ چاہے تو تم اس کو پناہ دو (یعنی پناہ حاصل کرنے کے لیے آپ کو اللہ کا واسطہ دے تو چاہیے کہ آپ اس کو پناہ دیں) اور کوئی آدمی کوئی چیز اللہ کا واسطہ دے کر تم سے مانگے تو اس کو وہ چیز دو (اس لیے کہ بہت بڑا اس نے واسطہ پیش کیا ہے) اور اگر کسی نے تمہارے ساتھ احسان کیا تو تم اس کا بدلہ دو اور اگر ہو سکے تو اس نے جیسا احسان کیا ایسا ہی مناسب بدلہ دو، اور اگر ایسا مناسب بدلہ دینے کے لیے تمہارے پاس کچھ نہیں ہے تو تم اس کے لیے دعا کرو تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تم نے اس کی بھلائی کا بدلہ دے دیا۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے پاس احسان کا بدلہ دینے کی طاقت نہیں ہے تو اس کے لیے دعا کرو، وہ بھی ایک طرح کا بدلہ ہے۔
تسکین میرٹھی کا شعر ہے۔

گدا کو بھی اہل کرم کم نہ سمجھیں	*	بہت کچھ دیا جس نے دل سے دعا دی

نوٹ: ''گدا'' فارسی لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں: فقیر، بھیک مانگنے والا

بَابُ مَنْ لَمْ يَجِدِ الْمُكَافَأَةَ فَلْيَدْعُ لَهُ

٢١٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه وعنهم، أَنَّ الْمُهَاجِرِينَ قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، ذَهَبَ الْأَنْصَارُ بِالْأَجْرِ كُلِّهِ؟ قَالَ: "لَا، مَادَعَوْتُمُ اللهَ لَهُمْ، وَأَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ بِهِ".

جو آدمی بدلہ دینے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ اس کے لیے دعا کرے

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرات مہاجرین نے آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! انصار ہمارا سارا اجر لے گئے، تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں جب تک تم ان کے لیے دعا کرتے رہو گے اور ان کی تعریف کرتے رہو گے، تم کو بھی تمہارے کاموں کا بدلہ ملتا رہے گا۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مکہ میں رہنے والے مسلمانوں نے بھی مدینہ منورہ ہجرت کی اور مکہ سے ہجرت کر کے آنے والوں کے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات اور بھائی چارگی کرائی، گویا مہاجرین کی ذمہ داری انصار پر ڈالی، چنانچہ انصار مہاجرین کے کھانے پینے اور رہائش کی ساری ذمہ داریاں اٹھاتے تھے، یہاں تک کہ روایتوں میں آتا ہے کہ غزوۂ بنو نضیر کے موقع پر جو جائدادیں، باغات اور زمینیں وغیرہ حاصل ہوئی تھیں، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا مالک بنا کر آپ کو اختیار دیا تھا کہ آپ جہاں چاہیں اس کو خرچ کر سکتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوچا کہ اب تک مہاجرین کا بوجھ انصار اٹھا رہے ہیں اگر مہاجرین کو یہ ساری چیزیں

دے دی جائیں تو انصار کا بوجھ ہٹ جائے گا اور ان کے لیے سہولت ہو جائے گی، چنانچہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارادے کا اظہار انصار کے سامنے کیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ قبیلۂ بنو نضیر کی جائدادیں، باغات اور زمینیں وغیرہ جو آئی ہیں ان کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مجھے اختیار دیا گیا ہے، میں یہ سب مہاجرین کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہوں تاکہ ان کے پاس گذارے کا سامان ہو جائے اور ان کا جو بوجھ تم پر ہے وہ ہٹ جائے۔ اس پر انصار نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہماری درخواست یہ ہے کہ یہ ساری زمینیں، جائداد وغیرہ بھی آپ ان پر تقسیم کر دیجیے اور ہمارے مال میں سے بھی آپ جتنا چاہیں ان کو دے دیجئے اور اس کے بعد بھی وہ حضرات ہمارے گھر ہی میں رہیں اور جس طرح آج تک ان کا جو ذمہ ہم نے اٹھایا تھا آئندہ بھی ہم ہی وہ ذمہ اٹھاتے رہیں گے۔ جب آپ نے یہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو دعا دی) اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ (اے اللہ! انصار پر مہربانی فرما، اور ان کی اولاد پر بھی اور ان کی اولاد کی اولاد پر بھی مہربانی فرما۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر انصار سے فرمایا اور ایک شاعر نے عربی میں اس کو نقل کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ "تم نے تو ہم پر ایسا احسان کیا کہ اگر ہماری ٹانگ ٹوٹ گئی ہوتی اور معذور ہو گئے ہوتے تو ماں بھی خدمت کر کے عاجز آ جاتی، لیکن تمہارے احسان کا تو کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا) انصار کے انہی احسانات اور حسن سلوک کو دیکھ کر حضرات مہارین نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! انصار تو سارا ثواب لے گئے، سب کچھ وہی اٹھا رہے ہیں، بوجھ برداشت کر رہے ہیں تو ہمارے جتنے اعمال ہیں ان سب کا بدلہ بھی انہی کو مل رہا ہے،

سارا ثواب تو وہی لے گئے۔ اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، جب تک تم ان کے لیے اللہ سے دعا کرتے رہو گے اور ان کے اس احسان پر ان کا شکر ادا کرتے رہو گے، ان کی تعریف کرتے رہو گے تو وہاں تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سارا اجر وہ لے گئے بلکہ تم بھی اس میں برابر کے شریک رہو گے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ

٢١٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَشْكُرُ اللهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ".

جو لوگوں کا شکر ادا نہ کرے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دنیا دار الاسباب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کا واسطہ انسان کو بنایا جاتا ہے، اصل منعم حقیقی تو وہی ہے لیکن انسان واسطہ ہے تو جو شخص واسطہ کا شکر ادا نہیں کرتا تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کا کیا شکر ادا کرے گا؟ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کا شکر ادا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کا ایک حصہ ہے، کوئی یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے تو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کا براہ راست شکر ادا کرتا ہے اسی طرح جو واسطے ہیں ان کا بھی وہ شکر ادا کرے یہ بھی گویا ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسے اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

٢١٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ اللهُ تَعَالَى لِلنَّفَسِ: اخْرُجِي، قَالَتْ: لَا أَخْرُجُ إِلَّا كَارِهَةً.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (ناشکرے اور نافرمان انسان کی موت کے وقت اس کی) روح سے فرماتا ہے کہ نکل تو، وہ کہتی ہے کہ میں ناگواری سے ہی نکلوں گی۔

بَابُ مَعُونَةِ الرَّجُلِ أَخَاهُ

٢٢٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِي مُرَاوِحٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضي الله عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قِيلَ: أَيُّ الْأَعْمَالِ خَيْرٌ؟ قَالَ: "إِيمَانٌ بِاللهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ"، قِيلَ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "أَغْلَاهَا ثَمَنًا، وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا"، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَسْتَطِعْ بَعْضَ الْعَمَلِ؟ قَالَ: "فَتُعِينُ ضَائِعًا، أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ"، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ ضَعُفْتُ؟ قَالَ: "تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلَى نَفْسِكَ".

آدمی کا اپنے بھائی کی مدد کرنا

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تمام اعمال میں سب سے بہتر اعمال کونسے ہیں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا۔ پھر پوچھا گیا کہ غلاموں میں کونسے غلام کو آزاد کرنا سب سے بہتر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو زیادہ قیمت والا ہو اور جو اس کے مالک

کے نزدیک زیادہ بڑھیا ہو، پوچھنے والے نے پوچھا کہ ان میں سے بعض اعمال کی میرے اندر طاقت نہ ہوتو؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بے دست و پا کی مدد کرنا، یا کوئی ناتجربہ کار اناڑی آدمی ہے اس کی مدد کرنا (یعنی کسی مجبور کی مدد کرنا) پھر پوچھنے والے نے پوچھا کہ اگر میرے اندر اس کی بھی طاقت نہ ہوتو؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو اپنی برائی سے بچانا یہ بھی صدقہ ہے یہ گویا کہ تم اپنی ذات پر صدقہ کر رہے ہو۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ چند اعمال کو دوسرے اعمال پر فوقیت حاصل ہے ان میں سب سے پہلے آپ ﷺ نے ایمان اور جہاد کا ذکر کیا ہے، ایمان کو سب اعمال پر فوقیت اس لیے حاصل ہے کہ سارے اعمال اسی پر موقوف ہیں، اس کے بعد اللہ کی راہ میں جہاد کا ذکر کیا ہے، اس لیے کہ اعمال کا وزن محنت اور مشقت سے بڑھتا ہے اور جہاد میں بہ نسبت دوسرے اعمال کے محنت اور مشقت زیادہ ہوتی ہے اس لیے جہاد کو دوسرے اعمال پر فوقیت حاصل ہے۔

تیسرے نمبر پر غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت بیان کی ہے کہ جس غلام کی قیمت جتنی زیادہ ہوگی اس غلام کو آزاد کرنے پر ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ملے گا، اس لیے کہ غلام جتنا زیادہ قیمتی اور بڑھیا ہوگا اس کو آزاد کرنے میں اتنی ہی مشقت زیادہ ہوگی اور جتنی زیادہ مشقت ہوگی اتنا ثواب بھی زیادہ ہوگا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ تم حقیقی نیکی اور ثواب نہیں پاسکتے جب تک کہ جن چیزوں سے تم سب سے زیادہ محبت کرتے ہو ان کو تم خرچ نہ کرو۔ جتنی زیادہ محبوب چیز اللہ کے راستے میں خرچ کی جائے گی اتنا ہی زیادہ ثواب اللہ کے یہاں ملے گا۔ اب ہر شخص کے پاس غلام نہیں ہوتا یا غلام تو ہوتا ہے لیکن آزاد کرنے

کی طاقت نہیں ہوتی تو وہ کیسے اپنے خالق اور مالک کو راضی کرسکتا ہے؟ تو اس پر پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کام کرنے والے کی مدد کرو تو اس کے نتیجے میں جو کام کرنے والا ہے اس کو جس طرح اجر ملے گا اسی طرح مدد کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ پورے پورے اجر سے نوازیں گے۔

اسی طرح کوئی ناتجربہ کار، اناڑی آدمی ہے جس کو کچھ کرنا نہیں آتا اس کی کسی کام میں مدد کرنا بھی نیکی کے کاموں میں سے ہے۔

اور اگر کوئی شخص اتنا کمزور ہے کہ خود کوئی نیکی کا کام نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی کا تعاون کرسکتا ہے ایسے شخص کے لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو اپنی برائی سے بچاؤ یہ بھی صدقہ اور نیکی کا کام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی سے کوئی نیک کام نہیں ہوسکتا تو کم از کم یہ تو ہر ایک سے ہوسکتا ہے کہ لوگوں کو اپنی برائی سے بچائے یہ بھی مشقت اور محنت کے کاموں میں سے ہے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل ہوتا ہے، بلکہ بعض مرتبہ نیکی کرنے پر وہ اجر نہیں ملتا جو برائی سے بچانے پر ملتا ہے، بیشک نیکی اور اچھے اعمال کی بھی بہت زیادہ فضیلت ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی بچاتا ہو اور اگر کوئی شخص نیکی تو بہت کرتا ہے لیکن ساتھ میں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی اپنے کو آپ کو نہیں بچاتا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسی نیکیوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اور اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص ہے جو بہت زیادہ نیکیاں تو نہیں کرتا لیکن اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانا بھی بہت بڑی نیکی ہے جس کا آپ ﷺ نے اس حدیث میں ہمیں پتہ بتلایا ہے۔

بَابُ أَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الدُّنْيَا أَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الْآخِرَةِ

۲۲۱ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي هَاشِمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي نُصَيْرُ بْنُ عُمَرَ بْنِ يَزِيدَ بْنِ قَبِيصَةَ بْنِ يَزِيدَ الْأَسَدِيُّ، عَنْ فُلَانٍ قَالَ: سَمِعْتُ بُرْمَةَ بْنَ لَيْثِ بْنِ بُرْمَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ قَبِيصَةَ بْنَ بُرْمَةَ الْأَسَدِيَّ رضي الله عنه وعنهم قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: "أَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الدُّنْيَا هُمْ أَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الْآخِرَةِ، وَأَهْلُ الْمُنْكَرِ فِي الدُّنْيَا هُمْ أَهْلُ الْمُنْكَرِ فِي الْآخِرَةِ".

جو دنیا میں بھلائی کرنے والے ہیں وہ آخرت میں بھلائی پانے والے ہیں

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن برمہ اسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو لوگ دنیا میں نیکی کا کام کرنے والے ہیں وہ آخرت میں بھلائی پائیں گے (یعنی ان کو اپنی نیکی کا اچھا بدلہ آخرت میں ملے گا) اور جو دنیا میں برے کام کرنے والے ہیں وہ آخرت میں اپنے برے کاموں کا بدلہ پائیں گے۔

۲۲۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ حَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ عَاصِمٍ - وَكَانَ حَرْمَلَةُ أَبَا أُمِّهِ - فَحَدَّثَتْنِي صَفِيَّةُ ابْنَةُ عُلَيْبَةَ، وَدُحَيْبَةُ ابْنَةُ عُلَيْبَةَ - وَكَانَ جَدُّهُمَا حَرْمَلَةُ أَبَا أَبِيهِمَا - أَنَّهُ أَخْبَرَهُمْ، عَنْ حَرْمَلَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه وعنهم، أَنَّهُ خَرَجَ حَتَّى أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ عِنْدَهُ حَتَّى عَرَفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا ارْتَحَلَ قُلْتُ فِي نَفْسِي: وَاللهِ لَآتِيَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَزْدَادَ مِنَ الْعِلْمِ، فَجِئْتُ أَمْشِي حَتَّى قُمْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ

فَقُلْتُ مَا تَأْمُرُنِي أَعْمَلُ؟ قَالَ: ''يَا حَرْمَلَةُ، ائْتِ الْمَعْرُوفَ، وَاجْتَنِبِ الْمُنْكَرَ''، ثُمَّ رَجَعْتُ، حَتَّى جِئْتُ الرَّاحِلَةَ، ثُمَّ أَقْبَلْتُ حَتَّى قُمْتُ مَقَامِي قَرِيبًا مِنْهُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا تَأْمُرُنِي أَعْمَلُ؟ قَالَ: ''يَا حَرْمَلَةُ، ائْتِ الْمَعْرُوفَ، وَاجْتَنِبِ الْمُنْكَرَ، وَانْظُرْ مَا يُعْجِبُ أُذُنَكَ أَنْ يَقُولَ لَكَ الْقَوْمُ إِذَا قُمْتَ مِنْ عِنْدِهِمْ فَأْتِهِ، وَانْظُرِ الَّذِي تَكْرَهُ أَنْ يَقُولَ لَكَ الْقَوْمُ إِذَا قُمْتَ مِنْ عِنْدِهِمْ فَاجْتَنِبْهُ''، فَلَمَّا رَجَعْتُ تَفَكَّرْتُ، فَإِذَا هُمَا لَمْ يَدَعَا شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت حرملہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ اپنے گھر سے نکلے اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنا لمبا زمانہ رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اچھی طرح پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ جب میری واپسی کا وقت آیا تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ اللہ کی قسم میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاتا ہوں تاکہ مزید علم آپ سے سیکھوں چنانچہ میں چل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے حرملہ! نیک کام کرو اور برے کاموں سے بچو اور میں اپنی سواری کے جانور کے پاس آیا اس کے بعد پھر واپس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آکر کھڑا ہوگیا اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ وہی بات ارشاد فرمائی نیکی کا کام کرو اور برائی سے بچو اور یہ بھی خیال رکھو کہ تم لوگوں کے پاس سے اٹھ کر جاؤ گے تو تمہارے متعلق لوگ بات کریں گے ان میں سے جو بات تمہارے کان پسند کرتے ہوں وہ کرو اور اگر تمہارے متعلق لوگ ایسی بات کریں جس کو تمہارے کان ناپسند کرتے ہوں تو ان کاموں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ حرملہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے واپس لوٹا تو میں نے غور کیا کہ یہ دو جملے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے فرمائے تھے کہ کوئی اچھی اور بری بات آپ نے چھوڑی نہیں (سب

کچھ ان میں آ گیا)

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ لوگ کسی کی اچھائی یا برائی اس کے سامنے ذکر کرنے سے شرماتے ہیں، اچھائی تو اس لیے ذکر نہیں کرتے کہ ذکر کرنے سے کہیں وہ شخص عجب میں مبتلا نہ ہو جائے، اور برائی اس لیے ذکر نہیں کرتے کہ وہ اس کی وجہ سے اس آدمی کی تذلیل سمجھتے ہیں اور کبھی کبھی سامنے والے شخص کو خوش کرنے کے لیے اچھائی نہیں ہے پھر بھی اس کو ذکر کرتے ہیں اور برائی کو اس سے چھپاتے ہیں، یا برائی کو بھی اچھا بنا کر ذکر کرتے ہیں لہٰذا وہ باتیں معتبر نہیں، البتہ غائبانہ جو کچھ کہا جاتا ہے وہ مبنی بر حقیقت ہوتا ہے اگر خوبی ہو تو شرماشرمی میں تمہارے سامنے نہ کہے مگر غائبانہ جو صحیح بات ہوتی ہے وہی کہی جاتی ہے۔ شعر:

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا:؟	*	کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا۔؟

بہر حال اصل یہی کہ تمہاری غیر حاضری میں تمہارے متعلق لوگ کیا تبصرہ کرتے ہیں اگر وہ اچھی بات کہتے ہیں تو وہ اچھا کام ہے اسے کرو، اگر وہ بری بات کہتے ہیں تو وہ برا ہے اس سے بچو آپ ﷺ نے ایک جامع ارشاد فرمایا۔

۲۲۳ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: ذَكَرْتُ لِأَبِي حَدِيثَ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ سَلْمَانَ، أَنَّهُ قَالَ: "إِنَّ أَهْلَ الْمَعْرُوفِ فِي الدُّنْيَا هُمْ أَهْلُ الْمَعْرُوفِ فِي الْآخِرَةِ"، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُهُ مِنْ أَبِي عُثْمَانَ يُحَدِّثُهُ، عَنْ سَلْمَانَ، فَعَرَفْتُ أَنَّ ذَاكَ كَذَاكَ، فَمَا حَدَّثْتُ بِهِ أَحَدًا قَطُّ.
حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

ترجمہ: معتمر فرماتے ہیں کہ میں نے میرے والد سے یہ حدیث ذکر کی جو کہ ابوعثمان حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ دنیا میں بھلائی کرنے والے آخرت میں بھی بھلائی کو پانے والے ہیں، تو اس پر میرے والد نے بتلایا کہ میں نے بھی اس کو سنا ہے ابوعثمان سے جو آپ ﷺ سے اس حدیث کو نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے بھی ایسا ہی ارشاد فرمایا (یعنی دنیا میں بھلائی کرنے والا آخرت میں بھی بھلائی پانے والا ہے)۔

بَابُ إِنَّ كُلَّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ

٢٢٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ".

ہر نیکی اپنے اندر صدقہ کا ثواب رکھتی ہے

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نیکی صدقہ ہے۔

تشریح: معروف عربی میں جانی پہچانی چیز کو کہتے ہیں گویا بھلائی کا ہر کام لوگوں میں جانا پہچانا ہوتا ہے اور منکر غیر معروف چیز کو کہتے ہیں یعنی جو کام نہیں کیا جاتا وہ لوگوں میں غیر معروف ہوتا ہے، بہر حال ہر نیک کام اپنے اندر صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔

٢٢٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رضي الله عنه وعنهم قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ"، قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: "فَيَعْتَمِلُ بِيَدَيْهِ، فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ، وَيَتَصَدَّقُ"، قَالُوا: فَإِنْ

لَمْ يَسْتَطِعْ، أَوْلَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: ''فَيُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ''، قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: ''فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ، أَوْ يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ''، قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: ''فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ، فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ''.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے، اس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے مال موجود نہ ہوتو؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مزدوری کرے اور مزدوری کے نتیجے میں جو ملے اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور کچھ صدقہ بھی کرے، پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اگر اس کی بھی کسی کے پاس طاقت نہ ہوتو؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حاجت مند پریشان حال ہے اس کی مدد کرے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اس کی بھی کسی کے پاس طاقت نہ ہوتو؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نیک کام کا کسی کو حکم کرے، نیک کام کی ترغیب دے یہ بھی صدقہ ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یہ بھی نہ ہوتو؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر اپنے آپ کو لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے بچائے رکھے یہ بھی صدقہ ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ اس حدیث میں جو اچھے اچھے کام بتلائے ہیں وہ سب بجالائے، اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا تو ضرور کرے کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے یہ بھی صدقہ یعنی بھلائی کا کام ہے۔

٢٢٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، أَنَّ أَبَا مُرَاوِحٍ الْغِفَارِيَّ أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَا ذَرٍّ رضي الله عنه وعنهم أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ''إِيمَانٌ بِاللهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ''، قَالَ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ''أَغْلَاهَا

ثَمَنًا، وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا''، قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ: ''تُعِينُ ضَائِعًا، أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ''، قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَفْعَلَ؟ قَالَ: ''تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَنْ نَفْسِكَ''.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا گیا تمام اعمال میں سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، پھر کہا گیا کہ کونسے غلام کو آزاد کرنا سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو زیادہ قیمت والا ہو اور جو اس کے مالک کے نزدیک زیادہ بڑھیا ہو۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ ان میں سے بعض اعمال کی میرے اندر طاقت نہ ہو تو؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی کام کرنے والا ہو اس کی مدد کرنا، یا کوئی ناتجربہ کار اناڑی آدمی ہے اس کی مدد کرنا (کسی مجبور کی مدد کرنا) پھر پوچھنے والے نے پوچھا کہ اگر میرے اندر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اپنے آپ کو برائی سے بچانا یہ بھی صدقہ ہے، گویا تم اپنی ذات پر صدقہ کر رہے ہو۔

۲۲۷ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ، عَنْ وَاصِلٍ مَوْلَى أَبِي عُيَيْنَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ الدِّيلِيِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضي الله عنه قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالْأُجُورِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَيَتَصَدَّقُونَ بِفُضُولِ أَمْوَالِهِمْ، قَالَ: ''أَلَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ مَا تَصَدَّقُونَ؟ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ وَتَحْمِيدَةٍ صَدَقَةً، وَبُضْعُ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ''، قِيلَ: فِي شَهْوَتِهِ صَدَقَةٌ؟ قَالَ: ''لَوْ وُضِعَ فِي الْحَرَامِ، أَلَيْسَ كَانَ عَلَيْهِ وِزْرٌ؟ فَكَذَلِكَ إِنْ وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ''.

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ

اے اللہ کے رسول! مال والے سارا ثواب سمیٹ کر لے گئے (جن کو اللہ نے مال دے رکھا ہے سارا ثواب بھی وہی لے گئے، اس لیے کہ ہم جو بغیر مال کے ہیں وہ تو صدقہ نہیں کر سکتے) ہم جس طرح نماز پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور ہم جس طرح روزہ رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں اور مزید برآں ان کے پاس جو مال ہے اس کے ذریعہ وہ صدقہ بھی کرتے ہیں جو ہم نہیں کر پاتے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لیے بھی صدقہ کا اللہ تعالیٰ نے راستہ کھول رکھا ہے ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ کا ثواب رکھتا ہے، الحمد للہ کہنا بھی صدقہ کا ثواب رکھتا ہے، اپنی شرم گاہ کو صحیح جگہ پر استعمال کرنا بھی صدقہ ہے، پوچھا گیا کہ کیا ایک شخص اپنی بیوی سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے یہ بھی صدقہ ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا! اگر یہ اپنی خواہش حرام جگہ پوری کرتا تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ گناہ ہوتا، اس لیے جب وہ اپنی خواہش کو اپنی بیوی سے حلال جگہ پر پوری کر کے گناہ سے بچتا ہے تو اس پر بھی ثواب ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ ﷺ سے ایسی ایسی باتیں پوچھ کر چلے گئے جس کی وجہ سے نیکی کی بے شمار راہیں ہمارے لیے کھل گئیں، گویا ایک آدمی اپنی زندگی شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق گذارتا ہے چاہے وہ کام نفس کی چاہٹ کا ہو مگر اس کی نیت اگر اللہ کے احکام کی بجا آوری ہو اور اللہ ہی کے حکم کو پورا کرتے ہوئے اجر و ثواب حاصل کرنے کی ہو تو اس صورت میں اس کے لیے اس میں بھی صدقے کا ثواب ہے۔

بَابُ إِمَاطَةِ الْأَذَى

۲۲۸ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ أَبَانَ بْنِ صَمْعَةَ، عَنْ أَبِي الْوَازِعِ جَابِرٍ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ رضي الله عنه قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ،

دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، قَالَ: "أَمِطِ الْأَذَى عَنْ طَرِيقِ النَّاسِ".

تکلیف دینے والی چیز کو دور کرنا

ترجمہ: حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دے (یہ چھوٹا سا عمل بھی تجھ کو جنت میں داخل کر دے گا)۔

تشریح: ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا عمل معلوم کیا جو ہمیشہ کی جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بنے، تو ہمارے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی ایسا عمل بتلائیں گے جو بہت مشقت اور تکلیف والا ہوگا، لیکن جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لوگوں کی گذرگاہ اور لوگوں کے راستے پر جو تکلیف دینے والی چیز ہے اس کو دور کرنا مثلاً راستے میں ڈھیلا پڑا ہے اور آپ کو اندازہ ہے کہ آنے جانے والوں کو اس سے تکلیف ہوگی تو اس کو ہٹا دینا، کانٹے پڑے ہوئے ہیں ان کو ہٹا دینا، اپنے مکان کے آگے پانی ڈالنا جس سے آنے جانے والوں کو دشواری اور تکلیف ہو، ان کے پھسلنے کا ڈر ہو اس سے بچنا اور کوئی بھی ایسی چیز کرنے سے بچنا جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے، یہ سب اماطۃ الاذی عن الطریقمیں داخل ہے، ان ساری شکلوں سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔

کوئی بھی چیز کسی بھی حیثیت سے لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہوسکتی ہے اس کو دور کر کے لوگوں کو اس تکلیف سے بچانا اور اس کی طرف سے پہنچنے والی پریشانی سے لوگوں کو محفوظ کر دینا یہ بھی بہت بڑا عمل ہے، بلکہ حدیث میں جہاں ایمان کے شعبے

شمار کرائے گئے ہیں اس میں اماطۃ الاذی عن الطریق، راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کرنا یہ بھی ایمان کا ایک شعبہ بتلایا ہے، گویا آدمی کے ایمان کا تقاضا ہے کہ لوگوں کو جو چیز تکلیف پہنچنے کا باعث بن سکتی ہے اس کو دور کر دے اور لوگوں کو اس کی تکلیف سے محفوظ کر دے، جب کسی کی غفلت سے ڈالی ہوئی چیز کو ہٹانے کا حکم فرمایا تو خود ڈالی ہوئی چیز کو ہٹانے کی تو کتنی زیادہ اہمیت ہو گی، اس لیے اپنے آپ کو ان تمام شکلوں سے جن سے لوگوں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے بچانا انتہائی ضروری ہے۔

آج کل پارکنگ کا مسئلہ ہر جگہ پر موجود ہے، پارکنگ میں آدمی اپنی سہولت کو دیکھتا ہے اور جہاں اپنی سہولت ہے وہاں گاڑی کھڑی کر دیتا ہے اس وقت یہ نہیں دیکھتا کہ اس طرح پارک کرنے سے کسی کو تکلیف تو نہیں ہو گی؟ اسی طرح عام طور پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ راستہ چلتے چلتے ٹھہرنے کی ضرورت پیش آگئی تو وہیں بیچ راستے میں گاڑی کھڑی کر دی، اس وقت یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ یہاں گاڑی کھڑی کرنے کی وجہ سے کتنے لوگوں کو تکلیف ہو گی، اور لوگوں کو تکلیف پہنچنے سے میرا خدا ناراض ہو جائے گا، اس لیے اس کا بڑا اہتمام کرنا چاہیے اور ایسی جگہوں پر جہاں گاڑی کھڑی کرنے کی وجہ سے لوگوں کو دشواری پیش آسکتی ہو وہاں گاڑی کھڑی کرنے سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے، راستے میں دو منٹ کا بھی کام ہو تو گاڑی کو کنارے پر کر لیجیے تاکہ آنے جانے والوں کا راستہ نہ رکے، اسی طرح سب تکلیف دینے والی چیزیں اس میں داخل ہیں۔

۲۲۹ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

مَرَّ رَجُلٌ مُسْلِمٌ بِشَوْكٍ فِي الطَّرِيقِ، فَقَالَ: لَأُمِيطَنَّ هَذَا الشَّوْكَ، لَا يَضُرُّ رَجُلًا مُسْلِمًا، فَغُفِرَ لَهُ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان آدمی جارہا تھا اور اس نے راستے میں کانٹا پڑا ہوا دیکھا تو اپنے جی میں کہا کہ میں اس کانٹے کو ہٹا دیتا ہوں تاکہ کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور یہ سوچ کر اس نے وہاں سے اس کانٹے کو ہٹا دیا، اس کے اس عمل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مغفرت کردی گئی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو راحت اور آرام پہنچانے کی شکلیں اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، ایک کانٹا ہٹانے پر اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ وہ کانٹا کسی کو چبھتا، لیکن اس نے یہ سوچ کر ہٹایا تاکہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کی مغفرت کا فیصلہ کردیا گیا، مخلوق کی تھوڑی سی ہمدردی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا بڑا اجروثواب ہے تو جن لوگوں نے مخلوق کی ہمدردی کو اپنا رات دن مشغلہ بنایا ہوا ہے ان کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا مقام ہوگا اس کو تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے؟

۲۳۰ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمُرَ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ الدِّيلِيِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي، حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا، فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا أَنَّ الْأَذَى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيقِ، وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِئِ أَعْمَالِهَا: النُّخَاعَةَ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ".

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری امت کے اچھے برے سارے اعمال میرے سامنے پیش کیے گئے، امت کے اچھے اعمال میں میں نے یہ بھی دیکھا کہ کوئی آدمی کسی تکلیف پہنچانے والی

چیز کو راستے سے ہٹا رہا ہے (گویا راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیز کو ہٹانا ان اعمال خیر میں سے ہے جو حضور ﷺ کو دکھلائے گئے) اس میں میں نے امت کے برے اعمال میں وہ بلغم بھی دیکھا جو مسجد میں ڈالا گیا اور اس کو دفن نہیں کیا گیا۔

تشریح: پہلے زمانے میں مسجدوں کے نہ تو پختہ فرش ہوتے تھے، نہ اس پر چٹائیاں، دریاں یا قالینیں بچھی ہوئی ہوتی تھیں، ریت ہوا کرتی تھی، آج بھی راجستھان میں بہت سارے علاقے ایسے ہیں جہاں مسجد میں کوئی فرش وغیرہ نہیں ہے، صرف ریت بچھی ہوئی ہوتی ہے ایسی جگہ پر اگر بلغم کو نکالنے کی ضرورت پڑے تو بائیں طرف نکالنا بہتر ہے پھر اس کو ریت اور مٹی میں دفن کر دینا چاہیے، اگر اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا تو ظاہر ہے کسی کے کپڑے اور بدن پر لگ سکتا ہے یا کسی کی اس پر نظر پڑے گی تو اس سے اسے گھن محسوس ہوگی اس کو بھی برے اعمال میں شمار کیا گیا، آج کل جو ہماری مسجدوں میں پختہ فرش ہوتا ہے، چٹائیاں، دریاں اور قالینیں بچھی ہوئی ہوتی ہیں وہاں تو اس طرح ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بَابُ قَوْلِ الْمَعْرُوفِ

۲۳۱ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ العَبَّاسِ الْهَمْدَانِيُّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ الْخَطْمِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ".

بھلی بات کہنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن یزید خطمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ ہر نیکی صدقہ ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح صدقہ خیرات کرنے کا ثواب ہے اسی طرح ہر نیک کام کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ثواب دیا جاتا ہے۔

۲۳۲ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُبَارَكٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِالشَّيْءِ يَقُولُ: "اذْهَبُوا بِهِ إِلَى فُلَانَةٍ، فَإِنَّهَا كَانَتْ صَدِيقَةَ خَدِيجَةَ. اذْهَبُوا بِهِ إِلَى بَيْتِ فُلَانَةٍ، فَإِنَّهَا كَانَتْ تُحِبُّ خَدِيجَةَ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ جب کوئی چیز پیش کی جاتی تھی، جب کوئی چیز لائی جاتی تھی تو آپ فرماتے تھے کہ یہ چیز فلانی عورت کو پہنچا دو اس لیے کہ وہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی سہیلی ہے اس لیے کہ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محبت اور تعلق رکھتی تھیں۔

تشریح: ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو نبیٔ کریم ﷺ کی سب سے پہلی زوجۂ مطہرہ ہیں ان کے انتقال کے بعد بھی کوئی چیز حضور اکرم ﷺ کے پاس ہدیہ میں آتی تھی تو آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے پاس بھجوا دیا کرتے تھے کہ فلانی کے گھر بھیج دو۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اپنے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اس سے ہمارا مذہب ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنے ماں باپ، اپنے بڑوں کے ساتھ بھلائی کرنا یہ تو اجر وثواب رکھتا ہی ہے بلکہ ان لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا بھی جن کے ساتھ ان کا تعلق تھا۔

٢٣٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ".

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نیکی اپنے اندر صدقے کا ثواب رکھتی ہے۔

خُرُوجُ إِلَى الْمَبْقَلَةِ، وَحَمَلِ الشَّيْءِ عَلَى عَاتِقِهِ إِلَى أَهْلِهِ بِالزَّبِيلِ

٢٣٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ أُسَامَةَ، عَنْ مِسْعَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي قُرَّةَ الْكِنْدِيِّ قَالَ: عَرَضَ أَبِي عَلَى سَلْمَانَ أُخْتَهُ، فَأَبَى وَتَزَوَّجَ مَوْلَاةً لَهُ، يُقَالُ لَهَا: بُقَيْرَةُ، فَبَلَغَ أَبَا قُرَّةَ أَنَّهُ كَانَ بَيْنَ حُذَيْفَةَ وَسَلْمَانَ شَيْءٌ، فَأَتَاهُ يَطْلُبُهُ، فَأُخْبِرَ أَنَّهُ فِي مَبْقَلَةٍ لَهُ، فَتَوَجَّهَ إِلَيْهِ، فَلَقِيَهُ مَعَهُ زَبِيلٌ فِيهِ بَقْلٌ، قَدْ أَدْخَلَ عَصَاهُ فِي عُرْوَةِ الزَّبِيلِ - وَهُوَ عَلَى عَاتِقِهِ - فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ، مَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ حُذَيْفَةَ؟ قَالَ: يَقُولُ سَلْمَانُ: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا﴾ [الإسراء: ١١]، فَانْطَلَقَا حَتَّى أَتَيَا دَارَ سَلْمَانَ، فَدَخَلَ سَلْمَانُ الدَّارَ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، ثُمَّ أَذِنَ لِأَبِي قُرَّةَ، فَدَخَلَ، فَإِذَا نَمَطٌ مَوْضُوعٌ عَلَى بَابٍ، وَعِنْدَ رَأْسِهِ لَبِنَاتٌ، وَإِذَا قُرْطَاطٌ، فَقَالَ: اجْلِسْ عَلَى فِرَاشِ مَوْلَاتِكَ الَّتِي تُمَهِّدُ لِنَفْسِهَا، ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُهُ فَقَالَ: إِنَّ حُذَيْفَةَ كَانَ يُحَدِّثُ بِأَشْيَاءَ، كَانَ يَقُولُهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَضَبِهِ لِأَقْوَامٍ، فَأُوتَى فَأُسْأَلُ عَنْهَا؟ فَأَقُولُ: حُذَيْفَةُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُ، وَأَكْرَهُ أَنْ تَكُونَ ضَغَائِنُ بَيْنَ أَقْوَامٍ، فَأُتِيَ حُذَيْفَةُ، فَقِيلَ لَهُ:

إِنَّ سَلْمَانَ لَا يُصَدِّقُكَ وَلَا يُكَذِّبُكَ بِمَا تَقُولُ، فَجَاءَنِي حُذَيْفَةُ فَقَالَ: يَا سَلْمَانُ ابْنَ أُمِّ سَلْمَانَ، فَقُلْتُ يَا حُذَيْفَةُ ابْنَ أُمِّ حُذَيْفَةَ، لَتَنْتَهِيَنَّ، أَوْ لَأَكْتُبَنَّ فِيكَ إِلَى عُمَرَ، فَلَمَّا خَوَّفْتُهُ بِعُمَرَ تَرَكَنِي، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مِنْ وَلَدِ آدَمَ أَنَا، فَأَيُّمَا عَبْدٌ مِنْ أُمَّتِي لَعَنْتُهُ لَعْنَةً، أَوْ سَبَبْتُهُ سَبَّةً، فِي غَيْرِ كُنْهِهِ، فَاجْعَلْهَا عَلَيْهِ صَلَاةً".

کھیت کی طرف نکلنا اور کسی چیز کو تھیلے میں رکھ کر کندھے پر اٹھا کر اپنے گھر لانا

ترجمہ: حضرت عمرو بن قرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ حضرت قرہ بن کندی رحمہ اللہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنی بہن کے نکاح کی درخواست پیش کی (گویا انہوں نے یوں کہا کہ میری بہن سے نکاح کر لیجیے) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور پھر اپنی ایک باندی جس کا نام بقیرہ تھا اس کو آزاد کرنے کے بعد اس سے نکاح کر لیا، اب یہ عمرو بن قرہ کہتے ہیں کہ میرے باپ ابو قرہ کو معلوم ہوا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ ناگواری اور ناچاقی پیدا ہوئی ہے تو میرے ابا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈھتے ہوئے آئے تاکہ ان سے پوچھیں کہ کیا ہوا؟ کیوں ایسا ہوا؟، جب وہ ان کے گھر پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ وہ اپنے کھیت پر گئے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ ان کی ملاقات کے لیے کھیت کی طرف چلے، کہتے ہیں کہ راستے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایسی حالت میں ملے کہ ان کے ہاتھ میں ایک پوٹلی تھی اور اس پوٹلی کو انہوں نے ایک لکڑی کے اندر داخل کر کے اپنے کندھے پر اٹھا رکھا تھا، (ایک گٹھڑی تھی جس میں سبزی رکھی ہوئی تھی اور لکڑی کو اس گٹھڑی کی گرہ میں گھسا رکھا تھا اور اپنے کندھے پر اس کو باندھ رکھا تھا، گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس طرح کرنا آدمی کے وقار کے خلاف نہیں ہے) اب یہ راستے میں ملے تو انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابو عبد اللہ! تمہارے اور حضرت حذیفہ کے

درمیان کیا ہوا؟، ان کا یہ سوال سن کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کی ﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴾ کہ انسان بڑا جلد باز ہے (اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ملاقات کرتے خیر خیریت پوچھتے، گھر جا کر ذرا آرام سے بیٹھتے اور پھر سوال کرتے؟ بس پہلے ہی آ کر پوچھ ڈالا، خیر انہوں نے اس وقت تو کوئی جواب نہیں دیا) چنانچہ دونوں گھر کی طرف چلے، یہاں تک کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پہلے اپنے گھر میں داخل ہوئے (اور داخل ہوتے ہی اپنے گھر والوں کو سلام کیا السلام علیکم، پھر تھوڑی دیر بعد اپنے گھر والوں کو پردے میں کر دیا) اور حضرت ابوقرہ کو اجازت دی کہ آ جاؤ، اب یہ کہتے ہیں کہ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں دروازے کے پاس ہی ایک بچھونا بچھا ہوا تھا اور اس کے سرہانے چند اینٹیں رکھی ہوئی تھیں (گویا تکیہ کی جگہ پر اینٹیں) اور وہاں ایک فرش تھا اور پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میری خادمہ کا بستر ہے اس پر بیٹھو اس نے یہ بستر اپنے لیے بنایا ہے (یہ خادمہ حقیقت میں ان کی بیوی تھی) اس کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان سے بات کرنے لگے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے جو میری ناگواری ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے سامنے ایسی چیزیں بیان کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے بعض لوگوں کے متعلق ناراضگی کی حالت میں ارشاد فرمائیں اور لوگ مجھ تک وہ باتیں شکایتاً پہنچاتے ہیں، تو میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے کیوں کہتے ہو ان کو اچھی طرح معلوم ہے جو وہ کہہ رہے ہیں، میں ایسی باتوں کو ناپسند کرتا تھا جن سے لوگوں کے دلوں میں کینہ پیدا ہو (حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان باتوں کی تصدیق اس لیے نہیں کرتا کہ اس طرح کی باتوں سے لوگوں کے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے، اس لیے کہ اگر کوئی بات کسی کے متعلق ناراضگی کی حالت میں نکلی ہو تو اس کے سامنے تو اس کو پیش کر دیا جائے لیکن دوسروں کے سامنے اس کو بیان نہ کیا جائے، یہ چیزیں لوگوں میں کینے اور عداوت پیدا کرتی ہیں) لیکن یہی پوچھنے والے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ حضرت سلمان

رضی اللہ عنہ آپ کی بات کی نہ تو تصدیق کرتے ہیں اور نہ ہی تکذیب (یعنی نہ تو اس کی تائید کرتے ہیں اور نہ ہی انکار بلکہ وہ خاموش رہتے ہیں اور بس یوں کہتے ہیں کہ حذیفہ جانے) تو میری یہ بات سن کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ناراض ہوکر میرے پاس آئے اور کہا کہ اے سلمان کی والدہ کے بیٹے سلمان! میں نے کہا اے حذیفہ کی والدہ کے بیٹے حذیفہ! آپ ان باتوں سے باز آجائیں ورنہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھوں گا کہ حذیفہ اس طرح کی باتیں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور جب میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا تو وہ چلے گئے اور مجھے چھوڑ دیا، آگے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! میں بھی حضرت آدم کی اولاد میں ہوں (یعنی میں بھی انسان ہوں) میری امت میں سے کسی کو اگر میں نے لعنت ملامت کی، یا برا بھلا کہا تو اے اللہ! میرے اس لعنت ملامت کو اس کے حق میں دعا بنا دیجئے، تو یہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کسی مؤمن کو کوئی تکلیف پہنچائی یا برا بھلا کہا یا کبھی غصہ میں مار دیا تو اے اللہ! میرے اس سلوک کو اس کے حق میں رحمت اور اس کے گناہوں کی معافی اور اپنے قرب کا ذریعہ بنا (گویا اپنے اس سلوک پر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تا کہ یہ چیز مؤمن کے حق میں خیر کا ذریعہ بن جائے)۔

تشریح: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا، باندی کو آزاد کرنے کے بعد نکاح کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس باندی سے نکاح کیا۔

اس روایت سے چند چیزیں معلوم ہوئیں:

(۱) آدمی اپنے کھیت پر، یا جہاں اس کی کھیتی باڑی ہے وہاں وہ اس کی خبر گیری کے لیے جاتا ہے اور وہاں سے کسی چیز کو اپنے کندھے یا اپنے سر پر اٹھا کر لاتا ہے تو اس کا یہ عمل اسلامی تعلیم و تہذیب کے خلاف نہیں ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

کھیت سے کوئی چیز اپنے کندھے پر اٹھا کر لائے۔

(۲) اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کسی سے کسی وجہ سے ناراض ہوئے اور ناراضگی کی حالت میں آپ نے کوئی بات ارشاد فرمائی تو وہ ناراضگی اسی وقت کے اعتبار سے ہے، آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اس کے بعد بھی اس ناراضگی کو برقرار رکھنا اور یوں کہنا کہ فلاں یوں ہیں، فلاں یوں ہیں، یہ طریقہ درست نہیں ہے۔

اگر غصہ اور ناراضگی میں ہمارے بڑے کوئی بات کسی کے بارے میں کہیں تو وہ ناراضگی وقتی ہوتی ہے، اور اس کی مصلحت ناراض ہونے والا ہی جانتا ہے، اس لیے کہ ہر ایک کی اصلاح کا طریقہ الگ الگ ہوتا ہے، کسی کی اصلاح شیخ نرم گفتگو سے کرتا ہے، اور کسی کی اصلاح میں سختی اور ناراضگی کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ وقتی چیز ہوتی ہے، اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پوری زندگی شیخ ان سے ناراض تھے اور پوری زندگی ان سے نفرت تھی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ ہے کہ کسی کی ناراضگی کو ہمیشہ کی ناراضگی پر محمول کرتے ہیں تو ان کو اس پر متنبہ کیا کہ آپ کا یہ طریقہ اچھا نہیں ہے اس سے لوگوں میں ایک دوسرے کے بارے میں بغض اور کینہ پیدا ہوتا ہے، اور ایسی چیزوں سے شیطان آپس میں دشمنی پیدا کرتا ہے۔

(۳) حدیث کے اخیر میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک دعا آپ ﷺ سے نقل کی ہے اس دعا کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی آدمی کو ہماری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے یا کبھی غصہ میں کسی کو کچھ برا بھلا کہہ دیا، یا کسی کی پٹائی کر دی تو آپ ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھائی کہ ان کے لیے یہ دعا کرو اس دعا کی برکت سے ہماری طرف سے جو زیادتی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اس دعا کو اس کے حق میں قبول کر کے ہماری

طرف سے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کو داخل کریں گے۔

۲۳۵ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عِيسَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: اخْرُجُوا بِنَا إِلَى أَرْضِ قَوْمِنَا. فَخَرَجْنَا، فَكُنْتُ أَنَا وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فِي مُؤَخَّرِ النَّاسِ، فَهَاجَتْ سَحَابَةٌ، فَقَالَ أُبَيٌّ: اللَّهُمَّ اصْرِفْ عَنَّا أَذَاهَا. فَلَحِقْنَاهُمْ، وَقَدِ ابْتَلَّتْ رِحَالُهُمْ، فَقَالُوا: مَا أَصَابَكُمُ الَّذِي أَصَابَنَا؟ قُلْتُ: إِنَّهُ دَعَا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَصْرِفَ عَنَّا أَذَاهَا، فَقَالَ عُمَرُ: أَلَا دَعَوْتُمْ لَنَا مَعَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا چلو ہم ہماری جائداد اور زمین کی طرف جائیں (کھیت جانے کی بات چل رہی تھی تو کہا کہ ہمارے باغات جہاں ہیں وہاں جاتے ہیں) ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پیچھے تھے اور پورا مجمع آگے تھا اتنے میں ایک بادل اٹھا، تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس بادل سے پہنچنے والی تکلیف سے ہمیں بچا لیجیے (وہ بادل ان کے اوپر تو برسا نہیں) البتہ وہ لوگ جو آگے تھے جب ہم وہاں تک پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ان سب کے کجاوے بھیگ چکے تھے (ان پر وہ بادل برسا تھا) ہم کو انہوں نے دیکھا کہ ہمارے کپڑے بھی سوکھے ہیں، ہمارا سامان بھی گیلا نہیں ہوا تو انہوں نے ہم سے پوچھا کہ ہم کو بارش لگی تم کو نہیں لگی؟ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے بتلایا کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! اس کی تکلیف سے ہمیں بچا لیجیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے لیے تم نے دعا نہیں کی؟ اکیلے اپنے لیے ہی دعا کی؟

تشریح: اس حدیث سے دو چیزیں معلوم ہوئیں:

(۱) اپنے کھیت کی طرف جانا شرعی اعتبار سے ممنوع نہیں ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پورا قافلہ لے کر کھیت کا حال معلوم کرنے کے لیے یا تفریح کے لیے تشریف لے گئے۔

(۲) جس طرح بارش طلب کرنے کی دعا مانگی جاسکتی ہے اسی طرح ضرورت کے وقت بارش سے بچنے کی بھی دعا کی جاسکتی ہے جیسا کہ اس روایت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بادل کو اٹھتا ہوا دیکھ کر فرمایا کہ اے اللہ! ہم سے اس بادل کو ہٹا لے یعنی ابھی یہ بادل نہ برسے تو اچھا ہے تا کہ ہم منزل پر آسانی کے ساتھ پہنچ جائیں۔

بَابُ الْخُرُوجِ إِلَى الضَّيْعَةِ

٢٣٦ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: أَتَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رضي الله عنه وعنهم، وَكَانَ لِي صَدِيقًا، فَقُلْتُ: أَلَا تَخْرُجُ بِنَا إِلَى النَّخْلِ؟ فَخَرَجَ، وَعَلَيْهِ خَمِيصَةٌ له .

آدمی کا اپنی جائداد کی طرف نکلنا

ترجمہ: حضرت ابو سلمہ ابن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ میرے دوست تھے حضرت ابو سعید صحابی اور حضرت ابو سلمہ تابعی ہیں ہم نے کہا کہ حضرت ہم کو آج اپنے کھجور کے باغ میں نہیں لے جاتے چنانچہ وہ لے گئے اور ایسی حالت میں کہ ان کے جسم کے اوپر ایک کالی اونی چادر تھی۔

تشریح: اس حدیث شریف کا مطلب بھی یہی ہے کہ آدمی اپنی جائداد یا اپنے باغ میں جا سکتا ہے۔

کبھی دوستوں کی طرف سے درخواست ہوتی ہے کہ اپنے کھیت یا اپنے باغ میں لیجاؤ تو موقع ہو تو ان کی درخواست قبول کرنی چاہیے اور ان کو اپنے کھیت یا باغ میں لیجانا چاہیے۔

۲۳۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ أُمِّ مُوسَى قَالَتْ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رضي الله تعالى عنه وعنهم صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ يَقُولُ: أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ أَنْ يَصْعَدَ شَجَرَةً فَيَأْتِيَهُ مِنْهَا بِشَيْءٍ، فَنَظَرَ أَصْحَابُهُ إِلَى سَاقِ عَبْدِ اللهِ فَضَحِكُوا مِنْ حُمُوشَةِ سَاقَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا تَضْحَكُونَ؟ لَرِجْلُ عَبْدِ اللهِ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ أُحُدٍ".

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ درخت پر چڑھو اور اس پر سے ٹہنی توڑ کر لاؤ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کو دیکھا تو آپ کی پنڈلی بہت پتلی تھی اس کو دیکھ کر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہنسے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کیا ہنستے ہو؟ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا پیر میزان عمل میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہے۔

تشریح: حدیث شریف کو اس باب میں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ جس وقت یہ بات ارشاد فرما رہے تھے اس وقت آپ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے باغ میں تھے، تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کے باغ میں یا اپنے باغ میں جانے میں کوئی

حرج نہیں ہے، آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو درخت پر چڑھنے کا حکم دیا، وہ درخت پیلو کا تھا تا کہ اس پر سے مسواک توڑ کر لائے، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ دبلے پتلے پستہ قد آدمی تھے اور ہوا بھی چل رہی تھی اور ہوا کہ چلنے کی وجہ سے ان کی پنڈلی پر جو چادر تھی وہ ہٹی، لوگوں نے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلی دیکھی، ان کی پتلی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر لوگ ہنسنے لگے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا ہنستے ہو عبد اللہ ابن مسعود کی ٹانگ میزان عمل میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہے۔

قیامت کے دن انسان کے اعمال نامے تولے جانے کے تین مطلب ہو سکتے ہیں جس میں سے پہلا مطلب یہ ہے کہ خود صاحب اعمال ہی کو تولا جائے گا، جو حضرات اس کے قائل ہیں وہ اپنی دلیلوں میں سے ایک دلیل اس واقعہ کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

بَابُ الْمُسْلِمُ مَرْآةُ أَخِيهِ

۲۳۸ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي خَالِدُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: الْمُؤْمِنُ مَرْآةُ أَخِيهِ، إِذَا رَأَى فِيهَا عَيْبًا أَصْلَحَهُ.

مسلمان اپنے بھائی کا آئینہ ہے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اپنے بھائی کا آئینہ ہے اگر اس میں کوئی عیب دیکھے تو اس کو درست کر دے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آئینہ اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ آدمی اپنے بدن اور چہرے کو دیکھ کر اس میں کوئی عیب پائے تو اس کو درست کرے، گویا آئینہ اپنے اندر واقع عیوب کو درست کرنے کا ایک ذریعہ ہے، اسی طریقہ سے ایک مومن دوسرے مومن بھائی کے حق میں آئینے کی حیثیت رکھتا ہے اگر اپنے اس بھائی میں کوئی عیب دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنے ایمان کے تقاضے سے اس کو ٹھیک اور درست کرنے کا اہتمام کرے۔

آئینے کے ساتھ تشبیہ دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ آئنہ جتنی مقدار میں عیب ہوتا ہے اتنی ہی مقدار ہی میں بتلاتا ہے اس کو بڑھا کر نہیں بتلاتا کہ تو تھوڑا سا اور بتلائے، ایسا نہیں ہوتا دوسری وجہ یہ ہے کہ آئینہ جس کا عیب ہے اسی کو بتلاتا ہے جب چہرا سامنے کرے گا تو اسی کو بتلائے گا دوسرے کو نہیں بتلائے گا اور پھر اس کی غیر حاضری میں کسی اور کو اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا اسی طریقہ سے مومن کی بھی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی میں جتنا عیب ہے اتنا ہی بتلائے اور اسی کو بتلائے تا کہ وہ اصلاح کر لے۔

۲۳۹ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ أَخِيهِ، وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ، يَكُفُّ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ، وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن اپنے بھائی کے لیے آئینہ ہے اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے، اگر اس کی جائداد پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اس کو روکتا ہے اور اپنے بھائی کی غیر حاضری میں وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حقیقی بھائی اپنے بھائی کی پوری خیر خواہی کرتا ہے اور اس کو ہر قسم کی بھلائی پہنچاتا ہے اسی طرح ایک مومن بھائی اپنے مومن بھائی کو بھی اپنا بھائی سمجھے اور اس کی پوری خیر خواہی کرے، اس کے لیے ہر بھلائی سوچے اور اس کو راحت اور فائدہ پہنچانے کی بھر پور کوشش کرے یہ ایمانی اخوت کا تقاضا ہے کہ ایک مومن اپنے مومن بھائی کی پوری خیر خواہی کرے۔ اسی طرح اگر اپنے ایمانی بھائی کے مکان دکان یا اس کے اوپر کوئی آفت آرہی ہو تو ایک مومن کی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ اس آفت کو اگر وہ دور کر سکتا ہو تو اس کو دور کر دے۔ اسی طرح اپنے مومن بھائی کی املاک کی اس کی غیر حاضری میں حفاظت کا اہتمام کرے۔

٢٤٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي حَيْوَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، عَنِ ابْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ وَقَّاصِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ رضي الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَكَلَ بِمُسْلِمٍ أُكْلَةً، فَإِنَّ اللهَ يُطْعِمُهُ مِثْلَهَا مِنْ جَهَنَّمَ، وَمَنْ كُسِيَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَكْسُوهُ مِنْ جَهَنَّمَ، وَمَنْ قَامَ بِرَجُلٍ مَقَامَ رِيَاءٍ وَسُمْعَةٍ فَإِنَّ اللهَ يَقُومُ بِهِ مَقَامَ رِيَاءٍ وَسُمْعَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

ترجمہ: حضرت مستورد ابن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی کسی مسلمان کا کھانا چرا کر کھائے گا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہنم کا کھانا اس کو کھلائیں گے، جو کسی کا کپڑا چرا کر پہنے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جہنم کا لباس پہنائیں گے، جو شخص کسی مسلمان کی غیبت اور چغلی کر کے اس کی تذلیل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے مقابلے پر کھڑا کریں گے (گویا اس کو جہنم کی غذا دی جائے گی)۔

تشریح: حدیث شریف میں دو چیزوں کا ذکر ہے، ایک یہ کہ کسی مسلمان کے

عیوب ظاہر کر کے دنیا کمانا، عیوب ظاہر کر کے دنیا کمانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت داؤ پر لگائی، یعنی اس کی غیبت، برائی، یا اس کی بدگوئی کر کے اس کے دشمن یا اس کا برا چاہنے والے کے سامنے اس کی برائی کی، جس کے نتیجے میں کھانے پینے کی غذا اس کو پہنچی تو آخرت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جہنم کی غذا اس کے پیٹ میں پہنچائی جائے گی۔ اور ایسا زیادہ تر سیاست میں ہوتا ہے کہ سیاسی شخص اپنے سیاسی مخالف کے متعلق یہ چاہتا ہے کہ اس کی برائی کی جائے تاکہ لوگوں کا اعتماد اس کی پارٹی سے ہٹ جائے تو اس کے لیے اس کی پوری جماعت بیٹھتی ہے اور وہ جماعت اس کے سامنے مخالف پارٹی کی برائی کرتی ہے اور اس پر جو اس پارٹی کا بڑا ہوتا ہے وہ پوری جماعت کو کھلاتا پلاتا ہے گویا سامنے والی پارٹی کی برائی کرنے کا انہیں بدلہ دیتا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کے اندر واقعی وہ برائی ہے تو اس برائی کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا غیبت ہے، اور اگر اس کے اندر وہ برائی نہیں ہے اور برائی بنا کر لوگوں کے سامنے ظاہر کیا جا رہا ہے تو اس کو بہتان کہتے ہیں، دونوں کی ہماری شریعت اجازت نہیں دیتی۔

ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کے عیوب کو چھپاتا اور اگر ظاہر کرتا تو اسی کے سامنے ظاہر کرتا۔

دوسری چیز جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے وہ یہ ہے کہ کسی کی حد سے زیادہ تعریف کر کے دنیا کمانا۔ حدیث شریف میں ایک لفظ ہے ”قام برجل“ بعض شراح نے ”با“ کو تعدیہ کے لیے مان کر مطلب یہ بیان کیا ہے جس نے کسی مسلمان کو کھڑا کیا شہرت اور نمود کے مقام پر یعنی مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی کے متعلق ایسی خوبیاں اور کمالات

جواس میں نہیں ہیں وہ ظاہر کیں کہ فلاں صاحب بڑے بزرگ ہیں، بڑے صاحب تقویٰ ہیں، ان میں فلاں فلاں کمالات ہیں وغیرہ اور مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ان کی خوبیاں بیان کرنے کی وجہ سے لوگ ان کے معتقد ہو جائیں اور معتقد ہو کر ان کی خدمت میں تحفے پیش کریں اب ان کو جب تحفے ملیں گے تو ان میں اس کا بھی حصہ ہوگا۔
دوسرا مطلب یہ ہے کہ ''قام برجل'' میں ''با'' سبب کے معنیٰ میں مانا جائے، اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ اپنے آپ کو کسی مالدار یا کسی باحیثیت کے سامنے ایسا ظاہر کیا کہ تقویٰ والا ہے، بزرگ ہے نیک ہے تاکہ اپنی نیکی، بزرگی اور تقویٰ کو اس کے سامنے نمایاں کر کے اپنے متعلق عقیدت پیدا کرے اور اس عقیدت کے ذریعے سے اس کے مال اور منصب سے فائدہ اٹھائے تو اس نے یہ حرکت اگر کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے اسے ریاء ونمود کے مقام پر کھڑا کریں گے، یعنی تمام لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے گا کہ اس نے ایسا کیا ہے۔

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ اللَّعِبِ وَالْمُزَاحِ

٢٤١ - حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَعْنِي - يَقُولُ: "لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَتَاعَ صَاحِبِهِ لَاعِبًا وَلَا جَادًّا، فَإِذَا أَخَذَ أَحَدُكُمْ عَصَا صَاحِبِهِ فَلْيَرُدَّهَا إِلَيْهِ".

کھیل اور دل لگی کی وہ شکلیں جو جائز نہیں ہیں

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن سائب رحمہ اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل

کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی کی کوئی چیز کھیل کے ارادہ سے یا حقیقتاً نہ لے اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی لے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو لوٹا دے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ کہ کسی کا سامان لکڑی، قلم، رومال یا اور کوئی چیز لی جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے بھائی کی کوئی چیز چھپا دیتے ہیں تا کہ تھوڑی دیر کے لیے وہ بے چین ہو جائے یہ بھی اپنے بھائی کو تکلیف پہنچانا ہوا، چاہے وہ چیز مذاق میں چھپائی ہو اور بعد میں ادا کرنے کا ارادہ ہو، نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس طرح کھیل کے طور پر بھی نہ کرے۔ بعض لوگ شروع میں تو مذاق کے ارادہ سے لیتے ہیں اور بعد میں اس کو رکھ ہی لیتے ہیں اس کو لوٹانے کی نوبت ہی نہیں آتی یہ بھی جائز نہیں۔ اور اگر کوئی چیز پہلے سے لینے کے ارادہ سے ہی لے لی یہ تو کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اپنے بھائی کی لکڑی لے لی یعنی معمولی چیز لے لی ہو تب بھی اس کو واپس لوٹا دے۔

بَابُ الدَّالِّ عَلَى الْخَيْرِ

٢٤٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه وعنهم قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي أُبْدِعَ بِي فَاحْمِلْنِي، قَالَ: "لَا أَجِدُ، وَلَكِنِ ائْتِ فُلَانًا، فَلَعَلَّهُ أَنْ يَحْمِلَكَ"، فَأَتَاهُ فَحَمَلَهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ: "مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ".

بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری سواری کا جانور اچانک ہلاک ہوگیا (جس کی وجہ سے میں سفر کے دوران بغیر سواری کے رہ گیا ہوں اور دشواری میں پڑ گیا ہوں) آپ مجھے سواری دیجیے۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس وقت تم کو دینے کے لیے میرے پاس سواری کا جانور موجود نہیں ہے البتہ فلانے کے پاس جاؤ (صحابہ میں سے ایک آدمی کا نام لیا) امید ہے کہ وہ تم کو سواری کا جانور دے گا، چنانچہ یہ آدمی ان کے پاس گیا اور انھوں نے ان کو سواری کا جانور دیا، وہاں سے آکر اس نے نبیٔ کریم ﷺ کو اطلاع دی کہ میں وہاں گیا اور مجھے سواری کا جانور مل گیا، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی بھلائی کی طرف کسی کی رہنمائی کی، کسی کو بھلائی کا راستہ بتلایا تو اس کو بھی بھلائی کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی بھلائی کے کام کی طرف رہنمائی کرے، کسی کو بھلی بات کی تلقین کرے اور اس کی رہنمائی کے نتیجے میں اس کا کام ہوگیا تو اس صورت میں جس نے کام کیا ہے اس کو تو اس نیکی کا ثواب ملے گا ہی لیکن جس نے اس کی رہنمائی کی اور بھلائی کی ترغیب دی، اس کو آمادہ کیا اور اُکسایا اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔

گویا بھلائی کو عام کرنے کے لیے نبیٔ کریم ﷺ نے کیسی عمدہ راہ بتلائی اور کتنی اونچی بشارت فرمائی کہ ایک آدمی کوئی نیکی اور بھلائی کا کام کرتا ہے اس کو تو اس کا ثواب ملتا ہی ہے، دوسرا آدمی جس نے کام نہیں کیا، صرف اس کام کرنے والے کی رہنمائی کی، ترغیب دی، اس کو راستہ بلایا اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ یہی وہ تعلیم ہے جس کے

ذریعہ دنیا کے اندر بھلائی عام ہوتی ہے اور پھیلتی ہے۔

بَابُ الْعَفْوِ وَالصَّفْحِ عَنِ النَّاسِ

۲۴۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه وعنهم، أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِيءَ بِهَا، فَقِيلَ: أَلَا نَقْتُلُهَا؟ قَالَ: "لَا"، قَالَ: فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم .

لوگوں سے درگذر کرنا اور معاف کرنا

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی عورت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بھونی ہوئی بکری جس میں زہر ملایا گیا تھا لے کر آئی، اس میں سے آپ نے کچھ کھایا، جب معلوم ہوا کہ اس میں زہر ہے تو اس عورت کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس عورت کے متعلق دریافت کیا کہ اس نے آپ کو قتل کرنے کی یہ سازش کی تو ہم سزا کے طور پر اس کو قتل نہ کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، آپ نے اسے معاف کر دیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلق کے اوپر لپٹنے والے گوشت کے حصے میں اس زہر کا اثر برابر محسوس کرتا رہا۔

تشریح: یہ غزوۂ خیبر کے موقع کا واقعہ ہے، وہاں ایک یہودی تھا، اس کا نام سلام ابن مشکم تھا، اس کی بیوی جس کا نام زینب تھا اس نے ایک بکری بھون کر اس کے پورے جسم میں زہر ملایا اور خاص کر اس کے اگلے پاؤں میں زیادہ زہر ملایا اس لیے کہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اگلے پاؤں والا گوشت بڑا مرغوب ہوتا تھا، زہر آلود بکری تیار کر کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منہ میں لقمہ رکھتے ہی اس کو فوراً اگل دیا اور فوراً صحابہ کو روک دیا کہ یہ گوشت مجھے کہہ رہا ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے ہاتھ روک لو! البتہ ایک صحابی حضرت بشر ابن براٗ ابن معرور رضی اللہ عنہما وہ لقمہ نگل چکے تھے ان پر اس زہر کا اثر ہوا اور چند دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس عورت کو بلوایا اور اس کو پوچھا کہ تو نے ایسی حرکت کیوں کی؟ اس نے کہا کہ میں نے امتحان لینے کے لیے ایسا کیا کہ اگر آپ جھوٹے نبی ہیں تو لوگوں کو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کریں گے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اجازت طلب کی کہ کیا ہم اس کو قتل کر دیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس عورت کو ان صحابی کے ورثاء کے حوالے کر دیا تھا جن کا زہر والا گوشت کھانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا تھا تاکہ ورثاء اگر قصاص لینا چاہیں تو لے لیں بعض روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے قصاص کے طور پر اس کو قتل کیا، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ عورت اسلام لے آئی اور اس کی وجہ سے اس کی جان بخشی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زہر کے اثر سے حفاظت فرمائی لیکن زہر کا جو تھوڑا سا حصہ آپ کے حلق کے اندر جہاں گوشت کا لوتھڑا اٹکا ہوا ہوتا ہے جس کو اردو میں کوّا بولتے ہیں وہاں تک پہنچ چکا تھا، اس کے متعلق بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ زہر جو مجھے خیبر میں دیا گیا تھا میں برابر اس کے اثر کو محسوس کرتا رہا یہاں تک کہ وہی آپ کے انتقال کا سبب بنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں زہر کی وجہ سے اپنے قلب کی رگ کو

ٹوٹتے ہوئے محسوس کر رہا ہوں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی زہریلا مادہ ایک مدت پہلے استعمال کیا گیا تھا اس کا اثر ایک زمانے کے بعد ہوتا ہے جیسا (دھنور) جس میں زخم کئی سال پہلے ہوتا ہے اور انتقال ایک مدت کے بعد ہوتا ہے۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح نبیٔ کریم ﷺ کو شہادت کا مقام بھی عطا فرمایا۔

٢٤٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رضي الله عنه وعنهم يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ [الأعراف: ١٩٩] وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ، قَالَ: وَاللهِ مَا أَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤْخَذَ إِلَّا مِنْ أَخْلَاقِ النَّاسِ، وَاللهِ لَآخُذَنَّهَا مِنْهُمْ مَا صَحِبْتُهُمْ.

ترجمہ: وہب بن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو تاکید فرما رہے ہیں کہ اے نبی درگذر کو اپنا شیوہ بنائیے، درگذر کو اختیار کیجئے، یعنی اگر کوئی آپ کے ساتھ زیادتی کرے تو اس کو معاف کرنے کی عادت ڈالیے اور لوگوں کو بھلی بات کا حکم کیجیے اور نادان لوگ آپ کے ساتھ الجھیں تو ان سے آپ اپنا پیچھا چھڑائیے، آپ کو ان کے ساتھ الجھنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے برسرِ منبر تلاوت فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم اس آیت کا تعلق لوگوں کے اخلاق کے ساتھ ہے، میں جب تک لوگوں کے ساتھ رہوں گا اس آیت کو تھامے رہوں گا۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے کوئی ناموافق بات پیش آئے تو آپ کو ان کے ساتھ صبر وتحمل اور عفو ودرگذر کا معاملہ کرنا چاہیے۔

٢٤٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَلِّمُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو دین سکھلاؤ اور لوگوں کے ساتھ یسر وسہولت اور آسانی کا معاملہ کرو اور ان کو تنگی اور سختی میں مت ڈالو! اور تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے خاموش ہو جانا چاہیے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو اور سختی کا معاملہ نہ کرو، جب آسانی اور سہولت سے کام چلتا ہے تو پھر لوگوں پر تنگی اور دشواری ڈالنا مناسب نہیں خاص کر کے دین اور تربیت کے معاملہ میں جتنا آسان اور سہولت والا پہلو اختیار کیا جائے گا اتنا ہی زیادہ مؤثر ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور نصیحت یہ فرمائی کہ غصہ کے وقت خاموش ہو جاؤ۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غصہ کو ختم کرنے کے لیے مختلف ترکیبات بتلائی ہیں، ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی خاموش رہے، عام طور پر اس حالت میں جب بولنے کی نوبت آتی ہے تو آدمی اپنے اوپر قابو نہیں پا سکتا اس لیے بہتر یہ ہے کہ خاموش ہو جائے۔ غصے کو دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی بتلایا کہ وضوء کر لے، یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔

بَابُ الِانْبِسَاطِ إِلَى النَّاسِ

٢٤٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: لَقِيتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو

بْنِ الْعَاصِ رضي الله عنه وعنهم فَقُلْتُ: أَخْبِرْنِي عَنْ صِفَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرَاةِ، قَالَ: فَقَالَ: أَجَلْ وَاللهِ، إِنَّهُ لَمَوْصُوفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ [الأحزاب: ٤٥]، وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ، أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي، سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ، وَلَا صَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ، وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللهُ تَعَالَى حَتَّى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ، بِأَنْ يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَيَفْتَحُوا بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا، وَآذَانًا صُمًّا، وَقُلُوبًا غُلْفًا.

لوگوں کو خندہ پیشانی سے ملنا

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ملا اور میں نے ان سے کہا کہ نبیٔ کریم ﷺ کا جو وصف توریت میں بیان کیا گیا ہے وہ بتلائیے؟ تو انہوں نے میرے اس سوال پر ارشاد فرمایا کہ ضرور بتلاتا ہوں، فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں جو آپ ﷺ کے اوصاف ذکر کیے ہیں انہی میں سے بعض اوصاف توریت میں بھی بیان کیے گئے ہیں، قرآن میں ہے: ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيرًا﴾ (سورة الاحزاب) اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا لوگوں کے اوپر گواہ بنا کر اور بشارت سنانے والا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا اور ناخواندہ لوگوں کے لیے حفاظت کا ذریعہ بنا کر، آپ میرے بندے اور رسول ہیں میں نے آپ کا نام متوکل یعنی اللہ پر اعتماد رکھنے والا رکھا، نہ تو آپ سخت مزاج اور سخت گو ہیں اور نہ آپ بازاروں میں چیخنے چلانے والے ہیں اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن آپ درگذر کر دیتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا سے نہیں

اٹھائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے ایسی قوم کو جو کج مزاج ہے ٹھیک کریں گے، یعنی قوم عرب کو بایں طور کہ آپ کی دعوت کے نتیجہ میں لا الہ الا اللہ کا اقرار کریں گے اور یہ لوگ لا الہ الا اللہ کا کلمہ پڑھ کر اپنی اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھولیں گے۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر کیا ہے، اسی طرح دوسری آسمانی کتابوں میں بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند اوصاف کا توریت میں ذکر ہونا بتلایا گیا ہے، اس میں سے ایک یہ کہ آپ کی زبان کے اندر بولنے میں بھی کوئی سختی نہیں تھی اور مزاج میں بھی کوئی اکھڑ پن نہیں تھا۔ عرب قوم جہالت اور گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے عرب قوم کی اصلاح فرمائی۔ یہاں پر آپ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں اس میں سے ایک وصف بیان کیا وہ یہ ہے (ولکن یعفو ویغفر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف میں سے ایک بہت بڑا وصف یہ ہے کہ آپ لوگوں سے بدلہ لینا پسند نہیں کریں گے بلکہ اس کے مقابلہ میں لوگوں کی سختی پر عفو ودرگذر سے کام لیں گے۔

٢٤٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: إِنَّ هَذِهِ الْآيَةَ الَّتِي فِي الْقُرْآنِ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ [الأحزاب: ٤٥] فِي التَّوْرَاةِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن میں جو یہ آیت ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا﴾ توریت میں بھی بالکل اسی طرح ہے۔

٢٤٨ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَالِمٍ الْأَشْعَرِيُّ، عَنْ مُحَمَّدٍ هُوَ ابْنُ الْوَلِيدِ الزُّبَيْدِيُّ، عَنِ ابْنِ جَابِرٍ وَهُوَ يَحْيَى بْنُ جَابِرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامًا نَفَعَنِي اللهُ بِهِ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ - أَوْ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ -: "إِنَّكَ إِذَا اتَّبَعْتَ الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ" فَإِنِّي لَا أَتَّبِعُ الرِّيبَةَ فِيهِمْ فَأُفْسِدَهُمْ.

ترجمہ: حضرت جبیر ابن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ابا نفیر کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے فائدہ پہنچایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کے عیوب کو تلاش کرو گے تو ان کے اندر فساد پیدا کرو گے اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں لوگوں کے عیوب کی جستجو میں نہیں رہتا تا کہ فساد نہ ہو۔

تشریح: بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ لوگوں کے عیوب کو تلاش کرتے رہتے ہیں، اس میں عوام اور خواص دونوں برابر ہیں، بلکہ کبھی تو بڑے بھی اپنے ماتحتوں کے عیوب کو تلاش کرنے کی جستجو میں رہتے ہیں، استاذ اپنے شاگردوں کے، باپ اپنے بیٹوں کے عیوب کو دیکھتے رہتے ہیں، اس سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ جستجو کے نتیجہ میں سامنے والوں کو یہ گمان ہوگا کہ یہ ہمارے درپے ہیں اور ہمارا برا چاہتے ہیں جب وہ ہم کو برا سمجھتے ہیں تو اب برا بن کر ہی رہو، یہی چیز آگے ان کے بگاڑ کا ذریعہ بنے گی اس لیے اس طرح اپنے ماتحتوں اور آس پاس کے لوگوں کے عیوب کی جستجو میں نہیں

رہنا چاہیے، ہاں ماتحتوں کے متعلق اپنی طرف سے بغیر جستجو اور تلاش کے خود ان کی کوئی حالت جو قابل اصلاح ہے اگر وہ سامنے آجائے تو پھر ان کو نصیحت کی جائے، لیکن اپنی طرف سے ان کے در پے نہ ہو اور ان کے پیچھے نہ پڑے۔

٢٤٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمٌ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي مُزَرِّدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعَ أُذُنَايَ هَاتَانِ، وَبَصُرَ عَيْنَايَ هَاتَانِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدَيْهِ جَمِيعًا بِكَفَّيِ الْحَسَنِ، أَوِ الْحُسَيْنِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمَا وَقَدَمَيهِ عَلَى قَدَمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "ارْقَهْ"، قَالَ: فَرَقِيَ الْغُلَامُ حَتَّى وَضَعَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "افْتَحْ فَاكَ"، ثُمَّ قَبَّلَهُ، ثُمَّ قَالَ: "اللّٰهُمَّ أَحِبَّهُ، فَإِنِّي أُحِبُّهُ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آگے جو ارشاد ہے وہ میرے کانوں نے سنا اور یہ منظر میری آنکھوں نے دیکھا کہ نبئ کریم ﷺ نے حضرت حسن یا حسین رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ ہتھیلیوں سے پکڑے ان کے دونوں پاؤں نبئ کریم ﷺ کے پاؤں پر تھے اور پھر حضور ﷺ نے دونوں ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آگے چلو، وہ آگے چلے تو چلتے چلتے انہوں نے نبئ کریم ﷺ کے سینے پر اپنے پاؤں رکھ دیے (چھوٹے بچے تھے) پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ منہ کھولو، چنانچہ آپ نے ان کے منہ کا بوسہ دیا اور پھر فرمایا کہ اے اللہ! تو اس سے محبت کر اس لیے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔

بَابُ التَّبَسُّمِ

٢٥٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ،

عَنْ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَرِيرًا رضي الله عنه يَقُولُ: مَا رَآنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''يَدْخُلُ مِنْ هَذَا الْبَابِ رَجُلٌ مِنْ خَيْرِ ذِي يَمَنٍ، عَلَى وَجْهِهِ مَسْحَةُ مَلَكٍ''، فَدَخَلَ جَرِيرٌ.

تبسم اور مسکرانے کے بارے میں

ترجمہ: حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا اس کے بعد نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بھی مجھے دیکھا تو میرے سامنے آپ مسکرائے (یعنی جب بھی میرا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنا ہوا اور آپ کے سامنے میں آیا تو آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے) اور ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ (ایک مخصوص دروازے کی طرف جہاں آپ تشریف فرما تھے وہاں جو دروازہ ہوگا اس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کر کے فرمایا) اس دروازہ سے ایک آدمی داخل ہوگا جو یمن کے بہترین لوگوں میں سے ہے اور اس کے چہرے پر فرشتوں کا نقش ہے (یعنی جیسے فرشتوں کی شکل وصورت ہوتی ہے ایسی ان کی شکل ہے) اس کے بعد اسی دروازے سے حضرت جریر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔

تشریح: اس حدیث کے راوی حضرت جریر ابن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ یمن کے قبیلے بنو بجیلہ سے تعلق رکھتے ہیں، بڑے حسین وجمیل تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے دور خلافت میں ایک لشکر کے انتخاب کے موقع پر لوگوں کا جائزہ لیا تو ان کو بھی اپنے سامنے سے گذرنے اور چلنے کا حکم دیا، جب یہ وہاں سے گذر گئے تو اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق سنا ہے، گویا ان کے حسن میں ان کا نمونہ موجود ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ کی مسکراہٹ کا ذکر ہے، ویسے نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ مسکراہٹ ہی کی تھی، آپ قہقہہ لگا کر آواز نکال کر، منہ کھول کر، اندر کا کوّا نظر آئے اس طرح ہنستے نہیں تھے، بلکہ ایسے ہنسنے کو پسند بھی نہیں فرماتے تھے، آپ کی ہنسی صرف مسکراہٹ تھی، یعنی صرف دندان مبارک نظر آئیں اس طرح آپ ﷺ کی مسکراہٹ ہوتی تھی۔

٢٥١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، أَنَّ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا قَطُّ حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: وَكَانَ إِذَا رَأَى غَيْمًا أَوْ رِيحًا عُرِفَ فِي وَجْهِهِ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْغَيْمَ فَرِحُوا، رَجَاءَ أَنْ يَكُونَ فِيهِ الْمَطَرُ، وَأَرَاكَ إِذَا رَأَيْتَهُ عُرِفَتْ فِي وَجْهِكَ الْكَرَاهَةُ؟ فَقَالَ: "يَا عَائِشَةُ، مَا يُؤْمِنِّي أَنْ يَكُونَ فِيهِ عَذَابٌ؟ عُذِّبَ قَوْمٌ بِالرِّيحِ، وَقَدْ رَأَى قَوْمٌ الْعَذَابَ مِنْهُ فَقَالُوا: ﴿هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا﴾ [الأحقاف: ٢٤]".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نبی کریم ﷺ کو اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے اندر سے کوا نظر آتا ہو (یعنی ہنستے ہوئے آپ کا منہ کھلا ہوا جیسا کہ آدمی کبھی کھل کھلا کر قہقہہ لگا کر ہنستا ہے تو اس کا منہ کھل جاتا ہے اور اندر حلق کے اوپر جو گوشت کا ایک ٹکڑا لٹکا ہوا ہے جس کو کوا کہتے ہیں وہ نظر آتا ہے، اس طرح آپ کو قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا) نبی کریم ﷺ کی ہنسی مسکراہٹ تک محدود تھی (اس طرح ہنستے تھے کہ دندان مبارک نظر آئیں اور آواز نہیں نکلتی تھی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ جب وہ بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اس امید میں کہ بارش ہوگی لیکن میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ جب آپ کی نظر بادل پر پڑتی ہے تو آپ کے چہرے پر گویا ناگواری کے، خوف اور دہشت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں کیا بات ہے؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! مجھے کیا اطمینان ہے اس بات کا کہ اس میں عذاب ہو؟ ایک قوم کو ہوا کے ذریعے سے بھی عذاب دیا گیا اور ایک قوم نے عذاب دیکھ کر کہا کہ یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔

تشریح: جب نبی کریم ﷺ کوئی بادل دیکھ لیتے، یا کہیں ہوا چلنے لگتی تو اس کی وجہ سے بھی آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر خوف اور ناگواری کے آثار نمودار ہو جاتے، ہوا کو دیکھ کر اور بادل کو دیکھ کر آپ خوف محسوس کرتے کیونکہ ہوا چلنا یہ بھی خطرے کی ایک گھنٹی ہے ہوسکتا ہے کہ یہ ہوا عذاب لے کر آئی ہو، اس لیے مؤمن کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے کہ پتہ نہیں کس گناہ پر گرفت ہو جائے۔ ایک قوم نے بادل کی شکل میں آتے ہوئے عذاب کو دیکھا یعنی اصل میں ہُوا یہ تھا کہ اس قوم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کو عذاب بھیجنا منظور ہوا تو آٹھ روز تک سخت گرمی پڑی اور ایسی سخت گرمی کہ تالاب اور ندی کا پانی بھی بھاپ بن کر اڑ گیا، اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے بادل بھیجا وہ کالا بادل آتا ہوا دیکھا تو یہ سمجھے کہ شاید بارش ہونے والی ہے، وہ کہنے لگے ﴿ هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا ﴾ بادل کو دیکھ کر خوش ہو گئے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا اور سب اس بادل کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے اور پھر اچانک اس میں سے آگ برسی اور سب کے سب ہلاک کر دیے گئے۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ جب ایسا ہو چکا ہے تو کیا اطمینان ہے کہ آدمی پر اس بادل

سے آگ نہیں برسے گی؟ اس لیے لوگ بھلے بادل کو دیکھ کر خوش ہوتے ہوں مجھے تو ڈر لگتا ہے، ایک مؤمن کی شان تو یہی ہونی چاہیے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

بَابُ الضَّحِكِ

۲۵۲ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ، عَنْ بُرْدٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَقِلَّ الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ".

آواز کے ساتھ ہنسنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کم ہنسو اس لیے کہ زیادہ ہنسنا آدمی کے دل کو ماردیتا ہے۔

تشریح: ہماری شریعت نے بالکل ہنسنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ کم ہنسو اور قہقہہ نہ لگاؤ اس لیے کہ جو آدمی ہر وقت ہنستا ہی رہے، اور ہنسنے ہنسانے والے کاموں میں ہر وقت لگا رہے یہ چیز دل کو ماردیتی ہے، اس کے نتیجہ میں آدمی کا قلب اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ فقہاء نے ہنسی کے تین درجے بتلائے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ آواز نہ نکلے صرف دندان نظر آئیں جس کو مسکراہٹ کہتے ہیں۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ آواز اتنی نکلے کہ جس کو خود سن سکے، دوسروں کے کانوں تک نہ جائے اس کو ضحک کہتے ہیں اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ اتنی زور سے ہنسے کہ دوسروں کو بھی آواز سنائی دے جس کو قہقہہ کہا جاتا ہے، کھلکھلا کر ہنسنا کہتے ہیں اور اس کی ممانعت اس حدیث شریف میں وارد ہے۔

٢٥٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تُكْثِرُوا الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ".

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ زیادہ مت ہنسو اس لیے کہ زیادہ ہنسنا دل کو مار دیتا ہے۔

تشریح: زیادہ ہنسنے کے نتیجہ میں آدمی میں غفلت پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ دل کی زندگی اور حیات اللہ کی یاد ہے، دل جب تک اللہ کی یاد میں مشغول ہے گویا وہ زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت یہ دل کی موت ہے اور جب دل میں غفلت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔

٢٥٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه وعنهم قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِهِ يَضْحَكُونَ وَيَتَحَدَّثُونَ، فَقَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا"، ثُمَّ انْصَرَفَ وَأَبْكَى الْقَوْمَ، وَأَوْحَى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ: "يَا مُحَمَّدُ، لِمَ تُقَنِّطُ عِبَادِي؟"، فَرَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "أَبْشِرُوا، وَسَدِّدُوا، وَقَارِبُوا".

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ اپنے مکان سے باہر تشریف لائے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت وہاں موجود تھی جو آپس میں بات چیت کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے

اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر آخرت، حشر، قیامت اور برزخ کے جو حالات میں جانتا ہوں تم جاننے لگو تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ فرما کر نبیٔ کریم ﷺ مکان میں تشریف لے گئے اور آپ کے اس فرمانے کی وجہ سے لوگ رونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ پر وحی بھیجی کہ اے محمد! آپ میرے بندوں کو مایوس کیوں کرتے ہو؟ چنانچہ حضور ﷺ دوبارہ مکان سے باہر تشریف لائے اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ بشارت سن لو اور میانہ روی اختیار کرو اور میانہ روی کے قریب قریب رہو۔

تشریح: آپ ﷺ نے جب لوگوں کو آخرت سے غافل دیکھا تو فوراً آپ ﷺ نے ان کو آخرت کی طرف متوجہ کیا اور لوگوں کو رلایا۔ آپ ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے یہ فرمایا تھا کہ ہنسو کم اور روؤ زیادہ تو بظاہر آپ نے صحابہ کو اعمال کی طرف متوجہ کیا لیکن آدمی ایسے موقع پر اعمال کے اندر جب لگتا ہے تو کبھی وہ غلو کا شکار ہو جاتا ہے اس لیے فرمایا کہ وَسَدِّ دُوا اعمال میں میانہ روی اختیار کرو۔

اعمال میں میانہ روی اختیار کرو

دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی توفیق پر ہے، اعمال پر نہیں، اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرتا ہے تو اس کا دل دنیا سے اٹھ جاتا ہے اور دنیا کی بے رغبتی پیدا ہو کر آخرت کی طرف رغبت اس کی بڑھ جاتی ہے اور آخرت میں نفع دینے والے اعمال کو وہ زیادہ سے زیادہ اختیار کرتا ہے اور آخرت میں نقصان دینے والے اعمال سے وہ اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ اور اس میں آدمی کبھی غلو کی حد تک پہنچ جاتا ہے یعنی اپنی طاقت سے زیادہ کام لیتا ہے جس کی وجہ سے ایک مدت کے بعد اس کا نفس تھک جاتا ہے اور اصل کام کو بھی آہستہ آہستہ چھوڑ

دیتا ہے اسی کو آپ ﷺ نے اس حدیث شریف میں بتلایا ہے کہ عمل میں میانہ روی اختیار کرو یا میانہ روی کے قریب رہو۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی اپنی سواری کو حد سے زیادہ دوڑاتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سواری تھک کے ختم ہو جاتی ہے، ہلاک اور برباد ہو جاتی ہے، نہ تو اس کا سفر مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ بہر حال اعمال کے اندر بھی میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس کی وجہ سے آدمی جم کر کام کرتا ہے، یعنی اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق کام کرتا ہے، اور میانہ روی کا تعلق صرف نوافل کے ساتھ ہے البتہ فرائض وواجبات میں آدمی کو کوئی اختیار نہیں ہے، فرائض وواجبات کو تو ہر حال میں انجام دینا ہی ہے۔ بعض لوگ نوافل کا تو بہت اہتمام کرتے ہیں اور فرائض میں کوتاہی کرتے ہیں مثلاً بعض لوگ پوری رات عبادت کرتے ہیں اور پھر ایسے بیمار ہوتے ہیں کہ اس کے بعد دس رات تک سوتے ہی رہتے ہیں اب ان کے فرائض بھی ضائع ہو رہے ہیں اور نوافل بھی چھوٹ رہے ہیں، اس کو اس حدیث شریف میں منع کیا جا رہا ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ اگر آپ کو عبادت کرنی ہے تو اپنی طاقت اور اپنی حیثیت کے مطابق کرو جس کے نتیجے میں نفس پر اتنا زیادہ بوجھ نہ پڑے کہ کل جا کر اس کا دوسرا اثر ظاہر ہو (یعنی اصل کام سے بھی رک جائے)

بَابُ إِذَا أَقْبَلَ أَقْبَلَ جَمِيعًا، وَإِذَا أَدْبَرَ أَدْبَرَ جَمِيعاً

۲۵۵- حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ مُسْلِمٍ مَوْلَى ابْنَةِ قَارِظٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

رضي الله عنه وعنهم، أَنَّهُ رُبَّمَا حَدَّثَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُولُ: حَدَّثَنِيهِ أَهْدَبُ الشُّفْرَيْنِ، أَبْيَضُ الْكَشْحَيْنِ، إِذَا أَقْبَلَ أَقْبَلَ جَمِيعًا، وَإِذَا أَدْبَرَ، أَدْبَرَ جَمِيعًا، لَمْ تَرَ عَيْنٌ مِثْلَهُ، وَلَنْ تَرَاهُ.

جب کسی کی طرف متوجہ ہوتو پوری طرح توجہ کرے اور جب رخ پھیرے تو پوری طرح رخ پھیرے

ترجمہ: موسیٰ ابن مسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی نبیٔ کریم ﷺ کی کسی حدیث کو بیان کرتے تھے تو حضورِ اکرم ﷺ کا نام مبارک لینے کے بجائے ان الفاظ سے حضور ﷺ کو یاد کرتے تھے، کہتے تھے مجھے یہ بات بتلائی باریک اور لمبی پلکوں والی، سفید کوکھ والی یا سفید کمر والی ذات نے (یعنی جو حسین و جمیل تھے) آپ جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو پورے متوجہ ہوتے تھے اور جب کسی جانب سے رخ پھیرتے تھے تو پورا رخ پھیر لیتے تھے اور کسی آنکھ نے ان جیسا حسین نہ تو دیکھا ہے اور نہ آئندہ دیکھیں گی۔

تشریح: اس حدیث میں نبیٔ کریم ﷺ کی ایک عادت شریفہ کا ذکر ہے کہ جب آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو پورے طور پر متوجہ ہوتے تھے یعنی یہ نہیں کہ خالی کنکھیوں سے دیکھ لیا اور اگر پیچھے دیکھنا ہے تو پورے گھوم کر دیکھتے تھے۔

دوسری چیز اس حدیث میں آپ ﷺ کا حسن و جمال بیان کیا گیا ہے آپ ﷺ کا حسن و جمال حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جہاں بیان کیا ہے وہاں عموماً اسی طرح کے جملے آتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرح ہے کہ کسی آنکھ نے نہ تو ایسا حسن دیکھا اور نہ آئندہ دیکھ سکے گی۔

بَابُ الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ

٢٥٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه وعنهم قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي الْهَيْثَمِ: "هَلْ لَكَ خَادِمٌ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "فَإِذَا أَتَانَا سَبْيٌ فَأْتِنَا" فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ، فَأَتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اخْتَرْ مِنْهُمَا"، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، اخْتَرْ لِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ، خُذْ هَذَا، فَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّي، وَاسْتَوْصِ بِهِ خَيْرًا"، فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ: مَا أَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا أَنْ تُعْتِقَهُ، قَالَ: فَهُوَ عَتِيق فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلَا خَلِيفَةً، إِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَبِطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَالًا، وَمَنْ يُوقَ بِطَانَةَ السُّوءِ فَقَدْ وُقِيَ".

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہے؟ (تم اکیلے پانی لینے بھی گئے تھے اور یہ سب کام بھی اکیلے تم نے کیے) تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا جب ہمارے پاس قیدی اور غلام آئیں تو تم ہمارے پاس آجانا ہم تمہیں دیں گے، راوی کہتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس دو غلام لائے گئے، تیسرا نہیں تھا (دو ہی تھے) تو ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ ہمارے پاس جب غلام آئے تو آنا اس لیے میں حاضر ہوا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دو ہیں ان میں سے تم پسند کرلو، اس پر انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہی انتخاب کر کے عنایت فرمادیں۔ حضور ﷺ نے پہلے تو ایک اصولی بات فرمائی کہ جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امانت دار ہوتا ہے (اس امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ مشورہ لینے والے کے حق میں جو چیز بہتر ہو اسی کا وہ اس کو مشورہ دے چنانچہ آپ مجھ ہی سے کہہ رہے ہیں کہ میں ہی انتخاب کر کے دوں) حضور ﷺ نے دو میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا کہ اس کو لیجاؤ اور وجہ بھی بتلادی کہ میں نے اس کا انتخاب اس لیے کیا کہ میں نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے (جب وہ اللہ کا حق ادا کرتا ہے تو بندہ کا حق بھی ضرور ادا کرے گا) اور پھر آپ ﷺ نے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ اس کے حق میں میری طرف سے بھلائی کا سلوک کرنے کی تاکید قبول کرو۔ (مطلب یہ کہ اس کے ساتھ بھلائی کا اور اچھا سلوک کرنا) اب وہ گھر آئے اور انہوں نے بیوی کو بتلایا کہ حضور ﷺ نے یہ غلام عنایت فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، تو ان کی بیوی نے کہا کہ حضور ﷺ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو کہا ہے (اور پتہ نہیں ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کر بھی سکتے ہیں یا نہیں؟) لہٰذا اچھے سلوک کا تقاضا ہی یہ ہے کہ ہم اس کو آزاد ہی کردیں (اس سے بڑھ کر اچھا سلوک اور کیا ہوسکتا ہے؟) تو اس عورت نے کہا کہ اس کو آزاد کردو، تو انہوں نے بھی کہا کہ وہ آزاد ہے (اب حضور ﷺ کو پتہ چلا کہ ایک تو ان کے پاس غلام تھا ہی نہیں اور جب ملا تو انہوں نے اس کو بھی آزاد کردیا اور آپ ﷺ کو یہ بھی پتہ چلا کہ بیوی نے یہ مشورہ دیا تھا) اس پر حضور ﷺ نے قدرت کا ایک نظام اور اصول بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور ان کے کسی نائب کو نہیں بھیجا مگر اس کی طرف سے ہر ایک کو مشیر اور راز دار دیے جاتے ہیں جو اس کو اچھی بات کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، اور ایک دوسرا مشیر وہ ہوتا ہے

جو اس کو ہلاک کرنے میں کوئی کمی نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو اس برے مشیر کے شر سے بچالیا گیا تو یوں سمجھو کہ وہ محفوظ رہا۔

راویٔ حدیث حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

تشریح: حضرت ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری صحابی ہیں، ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے مکان سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ بھی باہر تشریف لائے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی باہر نکلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے بھوک کا احساس ہوا اور کھانے کے لیے کوئی چیز گھر میں نہیں تھی اس وجہ سے کھانے کی تلاش میں باہر نکلا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی بھوک کا احساس ہے اور میں بھی اسی غرض سے باہر نکلا ہوں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو اسی وجہ سے نکلا تھا کہ حضور کی زیارت ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ چلو ابوالہیثم رضی اللہ عنہ (جو کہ ایک انصاری صحابی ہیں) ان کے یہاں جاتے ہیں، وہ باغ کے مالک تھے چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ ان کے باغ پر تشریف لے گئے، جب وہاں پہنچے تو وہاں ان کی بیوی تھی اور شوہر گھر پر موجود نہیں تھے، پوچھا کہ تمہارے شوہر کہاں گئے؟ تو اس نے کہا کہ وہ میٹھا پانی لینے کے لیے گئے ہیں، بس ابھی بات ہو ہی رہی تھی کہ اتنے میں وہ بھی پہنچ گئے، جب ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھا تو وہ آکر لپٹ گئے اور حضور ﷺ کو لاکر ایک جگہ بٹھایا، پہلے تو کچھ کھجوریں لاکر رکھیں، پھر بکری کا بچہ ذبح کرنا چاہتے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ دودھ دینے والی بکری ذبح مت کرنا، اس لیے کہ گوشت ہی کھانا ہے، دودھ والی بکری

اگر آپ ذبح کریں گے تو دودھ کا فائدہ ختم ہو جائے گا اور جو دودھ نہیں دے رہی ہے اس کو ذبح کرنے سے گوشت کا کام بھی حاصل ہو جائے گا اور دودھ کا فائدہ بھی منقطع نہیں ہوگا۔

حدیث شریف کا مطلب

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مشورہ لینے والے کے حق میں اس کام کے متعلق جو چیز مفید ہو اور اس کے لیے دنیا اور آخرت کی خیر کا جو ذریعہ ہو اسی کو بتلائے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو بھیجتے ہیں تو ان کے ساتھ ان کا مشیر و راز دار بھی ہوتا ہے، اسی طرح جس کسی کو اللہ کی طرف سے کچھ اختیارات دیئے جاتے ہیں مثلاً کوئی حکمران ہوتا ہے، کسی کو کوئی عہدہ یا کوئی ذمہ داری دی جاتی ہے، کسی کو متولی بنا دیا گیا، کسی کو کہیں کا صدر بنا دیا گیا، کہیں کا ذمہ دار بنا دیا گیا تو ایسے لوگوں کے ساتھ بھی دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں ایک اچھا مشورہ دینے والے اور دوسرا برا مشورہ دینے والے، یہ قدرت کا نظام ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ صرف برا مشورہ دینے والے ہی ہوں، اچھا مشورہ دینے والے نہ ہوں، بس اسی طرح ہمارے اہم اور اندرونی کام کے اندر بھی مشورہ دینے والے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ مشیر اور راز دار ہوتا ہے جو اس کو بھلی بات کا مشورہ دیتا ہے، بھلی بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور بری بات سے روکتا ہے اور دوسرا مشیر وہ ہوتا ہے جو اس کو ہلاک کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا۔ مطلب یہ کہ اگر وہ برا مشورہ دینے والے کی بات پر عمل کرے گا تو اس کے لیے بربادی ہی بربادی ہے۔

ہماری ایک بری سوچ

کوئی شخص کسی چیز کا ذمہ دار ہے اور اس کے ساتھ کچھ حضرات ہیں جن میں سے بعض اس کے مشیر بھی ہیں جن سے وہ اپنے اہم امور میں مشورہ لیتا ہے تو اس کے بارے میں ہمارا ایک غلط مزاج بن گیا ہے کہ جب کبھی کوئی ایسی بات جو ہماری طبیعت کے خلاف ہے وہ ہمارے اپنے بڑے کی طرف سے صادر ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک وہ بات قابل اعتراض ہوتی ہے تو لوگ سارا الزام اسی مشیر پر ڈالتے ہیں، حالانکہ کسی نے اس کو مشورہ دیتے ہوئے دیکھا ہے؟ اسی طرح یہ غلط کام جو ہمارے بڑے کی طرف سے صادر ہوا تو اس غلط کام کے بارے میں کوئی ضروری نہیں کہ اسی نے اس کا مشورہ دیا تھا، ہوسکتا ہے کہ اس نے صحیح مشورہ دیا ہو لیکن جس کو مشورہ دیا گیا اس نے اس پر عمل نہ کیا ہو اور کسی دوسرے غلط مشورہ دینے والے کی بات پر اس نے عمل کرلیا ہو۔ اس لیے بہر حال! اس قسم کے لوگوں کا جو حلقہ ہوتا ہے ان کے آس پاس کے لوگ ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے مطابق یہ گمان کرنا کہ یہ برا ہی مشورہ دیتے ہیں یہ درست نہیں ہے، قدرت کا نظام یہی ہوتا ہے کہ دونوں قسم کے لوگ اس کو حاصل ہوتے ہیں اب یہ اس کی سعادت مندی اور خوش قسمتی کی بات ہے کہ اچھا مشورہ دینے والوں کی بات پر وہ عمل کرے یا یہ کہ وہ اپنی شقاوت اور بدبختی کی وجہ سے ان برے مشورہ دینے والوں کے مشوروں پر عمل کرے

بَابُ الْمَشُورَةِ

۲۵۷ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ حَبِيبٍ،

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ: قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ: "وَشَاوِرْهُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ".

یہ باب ہے مشورہ کے بارے میں

ترجمہ: عمرو ابن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر کے اندر یوں فرمایا: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي بعض الْأَمْرِ﴾ بعض امور میں مشورہ لو۔

تشریح: مشورہ کا حکم کسی چیز کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہوتا ہے، آج کل عام مزاج یہ بنا ہوا ہے کہ آدمی اپنے طور پر ایک بات طے کر لیتا ہے پھر مشیر کے پاس جاتا ہے اور خود طے کیا ہوا جو ایک پہلو ہے اسی کو سامنے رکھ کر ساری بات کرتا ہے اور مشیر کے سامنے ایک ہی پہلو رکھتا ہے اب ظاہر بات ہے مشیر اسی پہلو کا مشورہ دیگا اس لیے کہ اس کے سامنے دوسرا پہلو آیا ہی نہیں اور وہ شخص لوگوں سے کہتا ہے کہ مجھے فلاں صاحب نے یہ مشورہ دیا اس لیے میں یہ کرتا ہوں، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ مشورہ دوسرے فریق کے خلاف ہوتا ہے، دوسرا فریق مشیر کے در پے ہو جاتا ہے کہ آپ نے فلاں کو ایسا مشورہ کیوں دیا تھا کہ یوں کرو یا ایسا کرو؟ مثلاً ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے اس نے بیوی کی کیفیات بیان کیں ان کیفیات کے پیش نظر مشیر نے یہ سمجھا کہ اس کے لیے طلاق دینا ہی مناسب ہے، اب وہ شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ فلاں نے یہ مشورہ دیا اس لیے میں طلاق دے رہا ہوں، اب اس عورت کے رشتہ دار مشیر کے پاس جا کر اس کے سر چڑھ بیٹھتے ہیں کہ آپ نے یہ مشورہ دیا اور ہماری بیٹی کو الگ کروا دیا۔ یہ سب غلط طریقے ہیں ان سب باتوں کا تعلق اپنی نفسانی

خواہشات کے ساتھ ہے، مشورہ میں یہ نہیں ہوتا کہ میں نے فلاں سے مشورہ لیا اس کے حکم سے کام کر رہا ہوں، اب اگر آپ ایمانداری سے ان کے سامنے سارے حالات رکھتے اور پھر اس پر آپ کو مشورہ دیا جاتا تو اس صورت میں آپ یہ کہہ سکتے تھے کہ میں نے فلاں کے مشورہ پر عمل کیا۔

خلاصہ یہ کہ پوری بات مشیر کے سامنے رکھی جائے اور اس پر جو بھی فیصلہ ہو اسی پر راضی رہے اور یہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ ہے ﴿فاذا عزمت فتوکل علی اللہ﴾ مشورہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ آپ اپنا کوئی پہلو طے کرنے سے پہلے رائے لیں۔

دوسری بات مشیر کے متعلق ہے کہ اس کی امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ سب لوگوں سے قطع نظر ہو کر مشورہ لینے والے نے جو کیفیات بیان کی ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے نزدیک جو خیر ہو اس کا مشورہ دے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز میں مشورہ لینا کوئی ضروری نہیں، بعض اہم امور ہوتے ہیں صرف ان میں مشورہ لیا جا سکتا ہے۔

۲۵۸ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ السَّرِيِّ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: وَاللهِ مَا اسْتَشَارَ قَوْمٌ قَطُّ إِلَّا هُدُوا لِأَفْضَلِ مَا بِحَضْرَتِهِمْ، ثُمَّ تَلَا: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشورى: ۳۸] .

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم کسی قوم نے جب مشورہ کیا تو ان کو جو معاملہ درپیش ہے ان کے لیے اس کے اندر جو بہتر ہے اسی کی طرف اللہ کی طرف سے ان کو رہنمائی دی جاتی ہے اور اس کے بعد انہوں نے یہ آیت پڑھی ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ﴾ ان کے معاملات آپس کے مشوروں سے طے ہوتے ہیں۔

تشریح: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ﴾ اس آیت کریمہ میں حضرات انصار کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت کر کے تشریف لانے سے پہلے ہی سے انصار کا مزاج یہی تھا کہ وہ آپس میں مشورہ کر کے معاملات طے کرتے تھے گویا اس آیت میں انصار کی ایک خوبی بیان کی گئی ہے۔

بَابُ إِثْمِ مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِغَيْرِ رُشْدٍ

۲۵۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي بَكْرُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ تَقَوَّلَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" "وَمَنِ اسْتَشَارَهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ، فَأَشَارَ عَلَيْهِ بِغَيْرِ رُشْدٍ فَقَدْ خَانَهُ" "وَمَنْ أُفْتِيَ فُتْيَا بِغَيْرِ ثَبْتٍ، فَإِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ".

کسی نے اپنے بھائی کو ناواقفیت کے باوجود مشورہ دیا، اس کا کیا گناہ ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری طرف ایسی بات کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہی (یعنی حضور نے وہ بات نہیں فرمائی پھر بھی کسی نے یوں کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے) تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے اور جس سے اس کے مسلمان بھائی نے کسی چیز میں مشورہ لیا اور ناواقفیت کے باوجود اس نے مشورہ دیا تو اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔ اور جس نے کسی کو بغیر کسی دلیل کے فتویٰ دیا (یعنی ایک ناواقف اور لاعلم شخص نے کسی کو غلط مسئلہ بتلایا) اور اس صورت میں اس کے غلط بتلانے کے مطابق کسی نے عمل کیا تو اس کا گناہ غلط فتویٰ دینے والے پر ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ مشیر کو چاہیے کہ جس چیز میں وہ مشورہ دے اس کے بھلے برے اور اس کے ٹھیک اور غلط سے پورے طور پور واقف ہو اور اگر واقفیت نہیں ہے تو اس سلسلے میں وہ مشورہ نہ دے، اس لیے کہ جب تم اس معاملے سے واقف نہیں ہو تو تمہیں کیا پتہ کہ اس کے لیے کس چیز میں بھلائی ہے؟ اور کس چیز میں نقصان ہے؟ ایسا مشورہ ایک طرح کی خیانت ہے، اور پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ جس سے مشورہ لیا جا رہا ہے وہ تو امانت دار ہے ہمارے پاس بعض لوگ آتے ہیں کہ فلانا کاروبار شروع کرنا چاہتے ہیں اس سلسلے میں مشورہ چاہیے تو ہم انہیں کہتے ہیں کہ اس نوع کا جو کاروبار کرتے ہیں ان سے پوچھو کہ اس میں آپ کے لیے مناسب ہے یا نہیں، ہمارا کام تو دعا کرنا ہے، دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے خیر کا فیصلہ فرمائے، ہاں جو چیز ایسی ہے جو لوگوں سے سن کر ہمارے علم میں آئی ہے، یا بعض ایسی چیزیں ہیں جو ہم نے دیکھی ہیں اور اس سلسلے میں ہمارا رجحان یہ ہے کہ اس کو بتانے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے تو اب اس کا مشورہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

بَابُ التَّحَابِّ بَيْنَ النَّاسِ

٢٦٠- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُسْلِمُوا، وَلَا تُسْلِمُوا حَتَّى تَحَابُّوا، وَأَفْشُوا السَّلَامَ تَحَابُّوا، وَإِيَّاكُمْ وَالْبُغْضَةَ، فَإِنَّهَا هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ لَكُمْ: تَحْلِقُ الشَّعْرَ، وَلَكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ مِثْلَهُ .

لوگوں کا آپس میں محبت رکھنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم لوگ جنت میں نہیں داخل ہو سکتے یہاں تک کہ اسلام نہ لاؤ (جب تک اسلام نہیں قبول کرو گے، ایمان نہیں لاؤ گے وہاں تک جنت میں نہیں جاسکتے) اور کامل مسلمان نہیں بنو گے جب تک کہ آپس میں محبت کا تعلق قائم نہ کرو، ایک دوسرے کے ساتھ یگانگت اور محبت جب تک نہیں کرو گے وہاں تک کامل مسلمان نہیں بنو گے اور سلام کو خوب رواج دو، پھیلاؤ، یہ سلام کا پھیلانا تمہارے لیے آپس میں محبت کے بڑھنے کا ذریعہ بنے گا، اور آپس میں بغض اور عداوت اور دشمناوٹ رکھنے سے بچو اس لیے کہ یہ عداوت اور دشمناوٹ مونڈنے والی ہے (یہ کس کو مونڈتی ہے؟ بالوں کو مونڈتی ہے) میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے (یعنی اس کی وجہ سے سارا دین ختم ہو جاتا ہے اس لیے کہ عداوت کے نتیجے میں وہ اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوگا اور اس کو نقصان پہنچانے کے لیے اور ذلیل اور رسوا کرنے کے لیے مختلف طریقے اور تدبیریں اختیار کرے گا اور یہی چیز اس کے لیے دینی اعتبار سے ہلاکت کا ذریعہ بنے گی۔

تشریح: حدیث شریف میں آپس میں محبت اور الفت کی تاکید کی گئی ہے، آپس میں محبت کا اور یگانگت کا سلوک اور معاملہ کرنے کی نبیٔ کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے اور اس کے لیے جو اسباب ہیں مثلاً آپس میں سلام کو رواج دینا، ایک دوسرے کو سلام کرنا، اسی طرح ہدیہ کا لین دین یہ بھی محبت کو پیدا کرنے والا ہے؛ لہٰذا اس کا رواج دیا جائے۔

بَابُ الْأُلْفَةِ

۲٦۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ دَرَّاجٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ هِلَالٍ الصَّدَفِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، رضي الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''إِنَّ رُوحَ الْمُؤْمِنَيْنِ لَيَلْتَقِيَانِ فِي مَسِيرَةِ يَوْمٍ، وَمَا رَأَى أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ''.

الفت اور انسیت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو مؤمنوں کی روحیں ایک دن کی مسافت کے باوجود آپس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں حالانکہ انمیں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی کو دیکھا بھی نہیں

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ روحوں کو قدرتی طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت دی گئی ہے (إِنَّ الْأَرْوَاحَ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ) حدیث میں آتا ہے کہ یہ روحیں ان کی مختلف جماعتیں ہیں اور ازل میں جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے عہد الست لیا تھا، اس قت جو آپس میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے ان دونوں میں دنیا میں آپس میں الفت اور انسیت پیدا ہوتی ہے اور اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ بہت سی مرتبہ ایک آدمی سورت میں رہتا ہے اور دوسرا دہلی میں رہتا ہے حالانکہ ملاقات بھی نہیں ہوئی، صرف نام سنا ہے، لیکن قلبی طور پر اس کے ساتھ اس کو محبت اور الفت اور تعلق ہوا کرتا ہے یہ اسی روح کی مناسبت کا نتیجہ ہے۔

٢٦٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: النِّعَمُ تُكْفَرُ، وَالرَّحِمُ تُقْطَعُ، وَلَمْ نَرَ مِثْلَ تَقَارُبِ الْقُلُوبِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نعمتوں کی ناشکری کی جاتی ہے، اور رشتہ داریاں قطع کی جاتی ہیں، دلوں کے ایک دوسرے کے قریب ہونے جیسی چیز ہم نے نہیں دیکھی۔

تشریح: اس حدیث میں تین چیزیں ذکر کی گئی ہیں:

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بہت سی نعمتیں بندوں کو ملی ہیں، لیکن بندوں کی طرف سے ان نعمتوں کے حقوق کی ادائیگی اور شکر گذاری کی بجائے ان کی حق تلفی اور ناشکری کی جاتی ہے، گویا یہ ایک عام رواج ہے۔

(۲) رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کی بجائے ان کے حقوق کو ضائع کر کے ان رشتہ داریوں کو گویا توڑا جاتا ہے اس لیے کہ جب ان کے حقوق ادا نہیں ہونگے تو وہ رشتہ داری باقی نہیں رہے گی۔ رشتہ داری تو باقی رہتی ہے آپسی حقوق کی ادائیگی کی وجہ سے، اب جب حقوق کو ضائع کیا جارہا ہے تو رشتہ داری ختم ہوجائے گی۔

(۳) بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے دل اور دو اہل ایمان کے دل ایک دوسرے سے مانوس اور قریب ہوا کرتے ہیں اور بظاہر کوئی اور سبب بھی نہیں ہوتا، لیکن قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کی طرف میلان اور الفت اور انسیت رکھی ہے۔

٢٦٣ - حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ،

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْنٍ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ إِسْحَاقَ قَالَ: كُنَّا نَتَحَدَّثُ: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُرْفَعُ مِنَ النَّاسِ الْأُلْفَةُ.

ترجمہ: عمیر ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آپس میں یہ بات کرتے رہتے تھے (گویا یہ چیز ہمارے درمیان عام طور پر موضوع بحث بنی رہتی تھی) کہ لوگوں میں سے جو سب سے پہلی چیز اٹھائی جائے گی وہ آپس کی انسیت ہوگی۔

تشریح: عمیر بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہمارے درمیان اکثر موضوع بحث رہتی تھی کہ ایک دوسرے کے ساتھ جو تعلق، انسیت اور ربط ہوتا ہے وہ سب سے پہلے ختم ہو جائے گا اور ایک دوسرے کے درمیان اجنبیت سی پیدا ہو جائے گی۔

بَابُ الْمِزَاحِ

٢٦٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ - وَمَعَهُنَّ أُمُّ سُلَيْمٍ - فَقَالَ: "يَا أَنْجَشَةُ، رُوَيْدًا سَوْقَكَ بِالْقَوَارِيرِ" قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: فَتَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَلِمَةٍ لَوْ تَكَلَّمَ بِهَا بَعْضُكُمْ لَعِبْتُمُوهَا عَلَيْهِ، قَوْلُهُ: "سَوْقَكَ بِالْقَوَارِيرِ".

ترجمہ: حدیث کے راوی حضرت ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم اور صحابی ہیں ان سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف لائے اور وہاں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ایک صحابی حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ وہ حدی پڑھ رہے تھے اور ان کو حدی پڑھتا ہوا سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے انجشہ! ذرا آہستہ اور اس طرح حدی پڑھو جس طرح تم آب

گینوں کو چلا رہے ہو(ابو قلابہ رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس واقعے کو نقل کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے مخاطبین کو یعنی جن کے سامنے یہ حدیث بیان کی (بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ اہل عراق کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں) ان کو یہ فرمایا کہ یہاں نبیٔ کریم ﷺ نے ایک ایسا کلمہ اپنی زبان مبارک سے نکالا یعنی حضور ﷺ نے عورتوں کی شخصیتوں کو کانچ کے برتن یا آب گینوں سے تعبیر کیا، گویا حضور ﷺ نے ایک ایسا جملہ اپنی زبان مبارک سے اداء فرمایا کہ اگر کوئی دوسرا آدمی بولتا تو لوگ ضرور اعتراض کرتے۔

مزاح کی چند قسمیں ہیں

تشریح:

(۱) ایک مزاح جس کو ٹھٹھا کہتے ہیں یعنی آدمی کسی کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جس کی وجہ سے اس کی تحقیر ہو، لوگوں کے سامنے کسی کو ذلیل کرنے کے لیے کوئی معاملہ کرنا اس کو ٹھٹھا اور مذاق کہتے ہیں یہ تو حرام ہے، اس لیے کہ اس سے ایک مؤمن کی تحقیر ہوئی اور شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

(۲) ایک اور مزاح جس کی بعض روایتوں میں ممانعت آئی ہے اس کی توجیہ اور اس کا مطلب یہ بتلایا گیا ہے کہ کوئی آدمی بہت کثرت سے مذاق کرتا رہتا ہے، اگرچہ کسی کی دل شکنی، توہین اور تحقیر نہیں کرتا، لیکن گویا اس نے اس کو اپنا ایک مشغلہ بنالیا ہے اس کی وجہ سے اس کا وقار اور متانت باقی نہیں رہتی، اس کی وجہ سے دل میں سختی بھی آجاتی ہے اور غفلت پیدا ہوجاتی ہے اس لیے اس کو پسند نہیں کیا گیا۔

(۳) ایک مزاح جس کو خوش طبعی اور دل لگی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی کوئی ایسی بات کر دینا جس کی وجہ سے سامنے والے کی طبیعت خوش ہوجائے اور اس بات کو سن کر

گویا مجلس میں ایک سرور کی کیفیت پیدا ہو جائے اور کسی کی دل شکنی، بے عزتی، توہین اور تحقیر بھی نہ ہو اس کو کہا جاتا ہے خوش طبعی۔ لوگوں کی طبیعتوں میں کاموں میں مشغول ہونے، پڑھنے پڑھانے اور اسی طرح ذہنی کاموں میں مشغولی کی وجہ سے ان کے مزاج میں گویا ایک طرح کا روکھا پن آجاتا ہے اس روکھے پن کو خوش طبعی لانے والے جملوں سے دور کیا جاتا ہے، اس کو گویا پسند کیا گیا اور اس کو اچھا قرار دیا گیا، حضور ﷺ نے اس طرح کی خوش طبعی اور مذاق کی اجازت دی ہے۔

حدی کی تعریف اور مقصد

حدیث کے راوی حضرت ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ آپ ﷺ کے سفر کا ایک واقعہ آپ ﷺ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف لائے اور وہاں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ایک صحابی حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ حدی پڑھ رہے تھے، اور روایتوں میں آتا ہے کہ یہ حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ جن کی کنیت ابو ماریہ ہے وہ بہت اچھی اور حسین آواز والے تھے اور آزاد کردہ سیاہ فام غلام تھے، عربوں میں سفر کے دوران رات کے وقت جب قافلے اونٹوں پر سفر کیا کرتے تھے تو ایسے حضرات متعین کر دیے جاتے تھے جو حدی پڑھتے تھے اور اس حدی کے پڑھنے کی وجہ سے اونٹ بہت تیزی سے چلتے تھے، یعنی اونٹ عام طور پر اتنے تیز رفتار نہیں ہوتے اگر حدی نہ پڑھی جائے، اور اگر حدی پڑھی جاتی ہے تو اس کو سن کر اونٹوں کے اندر ایک قسم کی مستی آتی ہے اور وہ بہت تیز چلتے ہیں جیسے بچوں کو مائیں لوری دیتی ہیں

جسے سن کر بچے رونا بند کر دیتے ہیں اور سو جاتے ہیں۔

سوقک بالقواریر کی تشریح

حضور ﷺ نے ان کو حدی پڑھتے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا: سوقک بالقواریر، قواریر قَارُوْرَۃ کی جمع ہے، قواریر، شیشہ، آب گینہ یا کانچ کے برتن کو کہتے ہیں، اس لیے اونٹوں کے اوپر جو عورتیں سوار تھیں ان کو کانچ کے برتن سے تعبیر کیا اور فرمایا کہ اس طرح حدی پڑھو جس طرح تم کانچ کے برتنوں کو لیجاتے ہو یا جس طرح تم آب گینوں کو چلا رہے ہو۔ اس جملے کے دو مقصد بیان کیے ہیں، ایک تو یہ کہ یہ حدی ایسی پڑھتے تھے جس کی وجہ سے اونٹ بڑی تیزی سے چلتے تھے، اب عورتیں اپنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے مردوں کے مقابلے میں کمزور ہوتی ہیں یعنی ان کا جسم اتنی سختی اور مشقت کو برداشت نہیں کر سکتا جتنا مردوں کا جسم برداشت کر سکتا ہے اور یہ اس طرح کی حدی پڑھتے تھے کہ اس کے نتیجہ میں اونٹوں کی رفتار میں جھٹکا پیدا ہو جاتا تھا تو اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ ذرا آہستہ پڑھو جیسا کہ تم نے اونٹوں کے اوپر کانچ کے برتن رکھے ہوئے ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ اپنی گاڑی میں کانچ کے برتن لے کر جا رہے ہوں تو اس وقت آپ گاڑی کو بہت دھیرے سے چلائیں گے کہ کہیں جھٹکا لگ گیا تو وہ ٹوٹ نہ جائیں، اسی طرح سے یہاں گویا ان کی جسمانی کمزوری کے پیش نظر نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ کو تاکید فرمائی کہ اتنی زور سے حدی نہ پڑھو۔

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ ان کی آواز بہت اچھی تھی تو نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطرہ لاحق ہوا کہ ان کی اچھی آواز کو سن کر عورتوں کے دلوں کے اندر دوسرے جذبات پیدا ہوں گے، چونکہ عورتوں کے جذبات مردوں کے مقابلے میں جلد برانگیختہ ہو جاتے ہیں، اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ایسی حدی نہ پڑھو اتنی حسین آواز سے کہ جس کی وجہ سے یہ عورتیں فریفتہ ہو جائیں، فتنے میں مبتلا ہو جائیں، یہاں عورتوں کو تشبیہ دی کانچ کے برتن کے ساتھ کہ جس طرح کانچ کے برتن کو بہت سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے کہ معمولی سی حرکت بھی اس کے لیے نقصان کا باعث بن سکتی ہے اسی طرح یہاں پر بھی تم اپنی حدی کے ذریعہ ان کے لیے فتنے کا باعث نہ بنو، چنانچہ بہت سارے حضرات نے دوسرے مطلب کو راجح قرار دیا ہے۔

٢٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عَجْلَانَ، عَنْ أَبِيهِ أَوْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا؟ قَالَ: "إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطور تعجب یہ سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں، آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ اس کے جواب میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس خوش طبعی اور مذاق میں بھی کوئی جملہ حق کے سوا نہیں نکالتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش طبعی کی بڑی وجہ

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ خوش طبعی اور مزاح کا معاملہ اس لیے فرماتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فطری طور پر رعب عطا فرمایا تھا، حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا رعب ایک مہینے کی مسافت تک جاتا ہے، یعنی ایک مہینے کی دوری تک حضور کے رعب کا اثر پڑتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور معجزہ یہ کیفیت عطا کی گئی تھی، اب ظاہر ہے کہ اہل مجلس پر اس رعب کا کیا اثر ہوتا ہوگا؟ اگر آپ صحابہ کے ساتھ اس طرح بے تکلفی اور خوش طبعی کا معاملہ نہ فرماتے تو صحابہ کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فائدہ اٹھانا، فیض حاصل کرنا، بات کرنا، سوال پوچھنا اور معلومات حاصل کرنا مشکل ہوجاتا اور وہ سہمے سہمے رہتے، آپ کی مجلس ایک گھبراہٹ والی مجلس بن جاتی، اس وجہ سے حضور کبھی کبھار خوش طبعی فرما کر لوگوں کی ہیبت کو دور کرتے تھے تاکہ ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ کرنا اور پوچھنا آسان ہوجائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح خوش طبعی کا معاملہ کرکے آنے والی امت کے لیے بھی آسانی کردی کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک رعب ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل علم اور اللہ والوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رعب کا کچھ حصہ دیا ہے، اس لیے ہمارے اکابر کے حالات میں بھی اس طرح کا مزاح اور خوش طبعی کا معاملہ کرنا ملتا ہے تاکہ آنے والے ان سے صحیح طرح استفادہ کرسکیں، اسی سے اہل علم اور اہل اللہ کو بھی رہنمائی ملتی ہے کہ اپنے متعلقین کے ساتھ وہ بھی خوش طبعی کا معاملہ کریں تاکہ ان کے لیے ان سے استفادہ کرنا اور پوچھنا آسان ہوجائے، ورنہ وہ اگر اپنا منہ بنائے بیٹھے رہیں گے تو اس صورت میں ان کے مستفیدین اور متعلقین کے لیے ان سے پوچھنا اور استفادہ کرنا مشکل ہوجائے گا، یہ بھی ایک سنت ہے جو الحمد للہ اب تک جاری ہے۔

٢٦٦ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ حَبِيبٍ أَبِي مُحَمَّدٍ،

عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَادَحُونَ بِالْبِطِّيخِ، فَإِذَا كَانَتِ الْحَقَائِقُ كَانُوا هُمُ الرِّجَالَ.

ترجمہ: حضرت بکر ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپس میں خوش طبعی اور مذاق کرتے تھے یہاں تک کہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھانے کے دوران تربوز کی کاشیں ایک دوسرے کو مارتے تھے، لیکن جب حقائق پر بحث ہوتی یا کسی مسئلے پر گفتگو ہو رہی ہوتی تو وہ مردان کار ہو جاتے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مذاق ایسا نہیں تھا کہ چوبیس گھنٹے ان کی طبیعتوں اور مزاج کے اوپر مذاق سوار رہتا ہو، ہاں کبھی ایسا ہوتا تھا کہ مزاحی جملے بیان کر دیے اور جہاں کسی مسئلے میں سنجیدگی اور غور وفکر کی ضرورت ہوتی تھی تو اس وقت ان کی وہ شان بھی ظاہر ہوتی تھی، کانوا ھم رجال وہی مردان کار ہوا کرتے تھے، یعنی اس وقت کوئی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کبھی اس طرح کا مذاق بھی کرتے ہوں گے یہی مؤمن کی شان ہونی چاہیے جہاں جیسا موقع ہو اس کے مطابق اپنا مزاج بنانا چاہیے۔

٢٦٧ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ رضي الله عنه قَالَ: مَزَحَتْ عَائِشَةُ رضي الله عنها عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ أُمُّهَا: يَا رَسُولَ اللهِ، بَعْضُ دُعَابَاتِ هَذَا الْحَيِّ مِنْ كِنَانَةَ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بَلْ بَعْضُ مَزْحِنَا هَذَا الْحَيُّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کوئی مزاحی کلمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کہا، اس پر حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کی والدہ نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس قبیلے نے (ممکن ہے انصار کی طرف اشارہ ہو) اس طرح کی بہت سی دل لگی کی باتیں بنو کنانہ سے لی ہوئی ہیں (بنو کنانہ سے مراد قریش ہے یعنی انصار کے اندر بہت ساری باتیں دل لگی کی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قریش سے یعنی بنو کنانہ سے سیکھی ہیں) اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، ہماری بعض دل لگی کی باتیں اس قبیلے سے حاصل کی ہوئی ہیں۔

٢٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحْمِلُهُ، فَقَالَ: "أَنَا حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ نَاقَةٍ"، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ نَاقَةٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی آیا اور نبیٔ کریم ﷺ سے سواری کا مطالبہ کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! سواری کا جانور دے دیجئے، نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: ہم تم کو اونٹنی کے بچے پر سوار کرائیں گے، اس پر وہ شخص کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! اونٹنی کے بچے کو لے کر میں کیا کروں گا۔ اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا یہ اونٹ بھی تو اونٹنیوں ہی کے بچے ہیں۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مزاح بھی حقیقت ہوتا تھا، ایک شخص نے آپ ﷺ سے سواری کے لیے اونٹ کی درخواست کی، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تم کو اونٹنی کے بچے پر سوار کرائیں گے، یعنی اونٹنی کا بچہ ہم تم کو سواری کے لیے دیں گے، اس پر وہ شخص کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! اونٹنی کے بچے کو لے کر میں کیا کروں گا، مجھے تو سواری کے لیے اونٹ چاہیے اور بچہ

اس قابل نہیں ہوتا کہ اس پر سواری کی جائے۔اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ اونٹ بھی تو اونٹنی ہی کا بچہ ہے۔جیسے ہر آدمی چاہے وہ سو سال کا ہو اپنی ماں کا تو بیٹا ہی ہے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اونٹنی کا بچہ بول کر اونٹنی سے پیدا شدہ مراد لیا یعنی ہر اونٹ اپنی ماں سے پیدا شدہ ہے، گویا آپ نے مزاح بھی فرمالیا، خوش طبعی بھی فرمالی اور کوئی غلط بات بھی نہیں کہی۔

بَابُ الْمِزَاحِ مَعَ الصَّبِيِّ

٢٦٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا، حَتَّى يَقُولَ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ: "يَا أَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟".

بچوں کے ساتھ دل لگی کرنا

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے درمیان گھلے ملے رہتے تھے، یہاں تک کہ ہمارا ایک چھوٹا بھائی جس کا نام عمیر تھا، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے ابوعمیر! تمہارا لال پرندہ کیا ہوا؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی مجمع کے ایک فرد ہیں

تشریح: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بچے کے ساتھ مزاح اور دل لگی کرنے کا بیان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان بہت بلند، بڑی اعلیٰ اور ارفع تھی اس کے باوجود آپ اپنی ذات کو لیے لیے نہیں پھرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ

ہمارے درمیان گھلے ملے رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان جب تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ اتنے بلند مرتبہ ہونے کے باوجود اپنی ذات کو الگ یا نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ بھی مجمع کے ایک فرد ہیں۔ بعض بڑے لوگوں پر بڑائی ایسی سوار رہتی ہے کہ دوسروں میں گھلے ملے رہنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، وہ لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں تو اپنے آپ کو ان سے الگ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ بولیں گے، نہ ہنسیں گے، نہ مسکرائیں گے، بلکہ منہ پھلائے ہوئے بیٹھے رہیں گے۔

اے ابو عمیر تمہارا لال کیا ہوا؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارا ایک چھوٹا بھائی تھا جس نے لال چونچ والی ایک چڑیا پال رکھی تھی جس کو بلبل کہتے ہیں وہ مرگئی جس کی وجہ سے وہ بچہ غمگین بیٹھا ہوا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو غمگین دیکھ کر فرمایا: اے ابو عمیر تمہارا لال کیا ہوا؟ عرب میں کسی کو جب مخاطب کرنا ہو اور بلانا ہو تو بیٹے کی طرف منسوب کر کے یعنی اے فلاں کے باپ اس طرح کنیت کے ساتھ بلاتے ہیں، کنیت کے ساتھ پکارنا یہ ایک عظمت والا خطاب ہوا کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے، اس لیے ان کا جو نام تھا اس سے پکارتے تب بھی ٹھیک تھا لیکن اس کے بجائے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کنیت سے تعبیر کیا کہ اے ابو عمیر! تمہارا لال کیا ہوا، نغیر یہ عربی لفظ ہے دونوں میں وزن بھی ہے گویا اس سے خوش طبعی فرمائی کہ بچوں کے ساتھ بھی آپ اس طرح پیش آتے تھے کسی بچے کا غم دور کرنے کے لیے اسی طرح کی گفتگو ان سے کرتے تھے۔

٢٧٠ - حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي مُزَرِّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِ الْحَسَنِ أَوِ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، ثُمَّ وَضَعَ قَدَمَيْهِ عَلَى قَدَمَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "تَرَقَّ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کے ہاتھ پکڑے اور پھر ان کے دونوں پاؤں اپنے پاؤں پر رکھے اور کہا کہ چڑھو۔

تشریح: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بچے کو مانوس کرنے کے لیے اس کے پیر اپنے پیر پر رکھوا کر دونوں ہاتھ پکڑ کر چلوا کر ایک طرح کی دل لگی کی اور خوش طبعی فرمائی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بچوں کو مانوس کرنے کے لیے اس طرح کا معاملہ بھی فرماتے تھے۔

بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ

٢٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أَبِي بَزَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءً الْكَيْخَارَانِيَّ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ".

اچھے اخلاق کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتی ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میزان عمل میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزن والی اور کوئی چیز نہیں ہوگی۔

تشریح: قیامت کے روز جو ترازو قائم کیا جائے گا جس میں اعمال تولے جائیں گے اس میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزن والی اور کوئی چیز نہیں ہوگی، یعنی اچھے اخلاق کی وجہ سے جو وزن اس میں پیدا ہوگا، کسی اور عمل سے اتنا وزن پیدا نہیں ہوگا اس سے اچھے اخلاق کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۷۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَكَانَ يَقُولُ: "خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو طبعی طور پر فحش گو تھے اور نہ بہ تکلف فحش گوئی کرنے والے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اچھے اخلاق والا ہے۔

تشریح: بے حیائی یعنی حیاء کے خلاف باتیں زبان سے نکالنا، اس کو فحش گوئی کہتے ہیں، بعض لوگوں کا مزاج ہی ایسا ہوتا ہے کہ ان کی زبان سے ہر وقت فحش باتیں ہی نکلتی ہیں، بعض وہ ہوتے ہیں جن کا مزاج تو ایسا نہیں لیکن کبھی کبھی اپنے مزاج کے خلاف تکلف کرتے ہوئے ایسی بے حیائی کی باتیں کرتے ہیں یعنی آدمی اپنے مزاج کے خلاف کبھی مجلس اور دوستوں کی رعایت میں یا کسی اور وجہ سے فحش بات کر لیتا ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو فطری طور پر فحش گوئی کرنے والے تھے، یعنی آپ کے مزاج میں بھی فحش گوئی نہیں تھی اور نہ کبھی بہ تکلف آپ نے بے حیائی کا کوئی جملہ اپنی زبان سے نکالا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اچھے

اخلاق کا مالک ہے یعنی جس کے اخلاق اچھے ہیں وہ تم میں سب سے بہتر ہے۔اس حدیث سے اچھے اخلاق اختیار کرنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

۲۷۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ الْهَادِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "أُخْبِرُكُمْ بِأَحَبِّكُمْ إِلَيَّ، وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟" فَسَكَتَ الْقَوْمُ، فَأَعَادَهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، قَالَ الْقَوْمُ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: "أَحْسَنُكُمْ خُلُقًا".

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبیٔ کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے: کیا میں تم کو بتلاؤں کہ میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے روز مجھ سے زیادہ قریب کون ہے؟ حضور ﷺ کا یہ سوال سن کر لوگ خاموش رہے، آپ نے اپنا سوال دوسری یا تیسری مرتبہ دہرایا، اس پر قوم نے کہا کہ ہاں، اللہ کے رسول ﷺ بتلایئے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو تم میں اچھے اخلاق والا ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اور قیامت کے روز مجھ سے سب سے زیادہ قریب بھی ہے۔

تشریح: حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کے سامنے ہیبت کی وجہ سے کچھ بولتے نہیں تھے اس وجہ سے جب آپ ﷺ کوئی سوال کرتے تھے تو صحابہ خاموشی اختیار کرتے تھے، اس پر پھر آپ ﷺ اس سوال کا جواب مرحمت فرمادیتے تھے۔مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ سوال دہرایا اس سے صحابہ سمجھے کہ حضور اکرم ﷺ جواب چاہتے ہیں، چنانچہ صحابہ نے فرمایا کہ آپ ہی فرمادیجئے کہ سب سے زیادہ آپ کے نزدیک محبوب اور قیامت میں قریب کون ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم میں اچھے اخلاق والا ہو وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بھی ہے اور قیامت کے روز مجھ سے سب سے زیادہ قریب بھی ہے۔

٢٧٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نبی بنا کر اس لیے بھیجا گیا ہوں تا کہ اچھے اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں۔

تشریح: پہلے ادیان اور مذاہب میں جتنے اچھے اخلاق ہو سکتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات میں وہ سب جمع فرما دیے اور گویا آپ کے ذریعے ان اخلاق کی تعلیمات کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اسی لیے آپ بھیجے گئے۔

٢٧٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا، مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِذَا كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللهِ تَعَالَى، فَيَنْتَقِمُ لِلهِ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی دو باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ اس میں سے جو آسان ہوتا تھا اس کو پسند فرماتے تھے بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ نہ ہو، اگر کوئی گناہ ہوتا تھا تو لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ اس سے دور رہنے والے تھے اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے انتقام نہیں لیا مگر جب اللہ تعالیٰ کی

حدود کو کوئی پامال کرتا تو اس صورت میں اللہ کے نبی ﷺ اللہ کی خاطر انتقام اور بدلہ لیتے تھے اپنی ذات کے لیے کبھی بھی بدلہ نہیں لیا۔

تشریح: جب بھی دو چیزوں میں آپ ﷺ کو اختیار دیا جاتا تھا تو ہمیشہ اس میں جو سہل شکل ہوا کرتی تھی اسی کو آپ اختیار فرماتے تھے اس لیے کہ آپ اپنی امت کی سہولت اور آسانی چاہتے تھے البتہ اس میں یہ بات مدنظر رہتی تھی کہ اس میں کوئی گناہ نہ ہو، چنانچہ اگر وہ گناہ کی چیز ہوتی تو آپ اس سے بہت دور بھاگتے تھے۔

کسی نے شخصی طور پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کوئی تکلیف یا ایذا رسانی کا معاملہ کیا تو آپ نے اپنی ذات کی خاطر کبھی بدلہ نہیں لیا، چنانچہ مشرکین مکہ نے آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے موقع پر جب آپ کو مشرکین پر قدرت عطاء فرمائی تو آپ نے سب کو معاف کر دیا، البتہ اگر کہیں کسی آدمی کی طرف سے کوئی ایسی بات پیش آتی کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا جا رہا ہوتا تو صرف اس صورت میں اللہ کے نبی ﷺ اللہ کی خاطر انتقام اور بدلہ لیتے تھے۔

٢٧٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه قَالَ: إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ، كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ، وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى يُعْطِي الْمَالَ مَنْ أَحَبَّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ، وَلَا يُعْطِي الْإِيمَانَ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ، فَمَنْ ضَنَّ بِالْمَالِ أَنْ يُنْفِقَهُ، وَخَافَ الْعَدُوَّ أَنْ يُجَاهِدَهُ، وَهَابَ اللَّيْلَ أَنْ يُكَابِدَهُ، فَلْيُكْثِرْ مِنْ قَوْلِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلهِ، وَاللهُ أَكْبَرُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ نے تمہارے اندر اخلاق کو بھی اسی طرح تقسیم کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان روزی کو تقسیم کیا، اللہ تعالیٰ مال اس آدمی کو بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ ایمان اسی کو دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے، اگر کوئی آدمی مال خرچ کرنے میں کنجوسی کرتا ہے (مزاج میں بخل ہے جس کی وجہ سے مال خرچ کرنے میں کمی کرتا ہے) اور دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ڈرتا ہے اور رات کو مشقت اور مجاہدہ کر کے عبادت کرنے سے ڈرتا ہے تو پھر کم از کم زیادہ سے زیادہ یہ پڑھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلهِ، وَاللهُ أَكْبَرُ.

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ کہ کثرتِ ذکر کی برکت سے اخلاق کی کمی کی تلافی ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ بہت مہربان ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے پر، اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں دشمنوں کا مقابلہ کرنے پر، اور راتوں کو اٹھ کر عبادت کرنے پر جو اجر و ثواب ملتا ہے وہ ثواب اللہ تعالیٰ ذکر کی کثرت پر عطاء فرما دیتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے روزی تقسیم کی ہے اسی طرح اچھے اخلاق اور عادات کو بھی تقسیم کیا ہے، کسی کو اچھے اخلاق میں سے بڑا حصہ ملا ہے، کسی کو کم۔

اللہ تعالیٰ مال تو اس آدمی کو بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اس کو بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت نہیں کرتا، یعنی اللہ تعالیٰ کو جس سے محبت ہوتی ہے اسے بھی مال دیتا ہے اور جس سے محبت نہیں ہوتی یعنی اپنے نافرمان بندے کو بھی دیتا ہے، مال کا ہونا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے جو محبوب نہیں ہیں ان کو بھی مال دیا کرتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد

فرماتے ہیں اگر دنیا کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے یہاں مچھر کے پر کے بقدر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا، سورۂ زخرف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ وَ لِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ وَ زُخْرُفًا﴾ ترجمہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے ہو جائیں یعنی کافر ہو جائیں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان سب کے لیے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی چاندی کے کر دیتے جن پر چڑھا اترا کرتے اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی (چاندی کے کر دیتے) اور تخت بھی (چاندی کے کر دیتے) جن پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہیں اور (یہی چیزیں) سونے کی بھی کر دیتے، مطلب یہ کہ اہل ایمان کا راہ راست سے نکلنے کا اندیشہ نہ ہوتا یعنی کافر کو دی گئی دولت اور ثروت کو دیکھ کر بعض اہل ایمان جو کمزور ہیں وہ یوں سمجھیں گے کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں یہ اندیشہ نہ ہوتا تو ان کافروں کو اتنی دولت دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں ان کے زینے، سیڑھیاں، ان کی مسہریاں اور چار پائیاں وغیرہ سب سونے اور چاندی کی ہوتیں، گویا یہ جو ان کو کم دیا گیا ہے وہ مؤمنوں کے ایمان کا خیال کرتے ہوئے کم دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی کو مال ملا ہوا ہے وہ اللہ کے یہاں مقبول اور محبوب ہونے کی علامت نہیں اور اللہ تعالیٰ ایمان اسی کو دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے، معلوم ہوا کہ ایمان کی دولت جسے ملی ہے یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ اللہ کا محبوب ہے، اگر کوئی آدمی مال کو خرچ کرنے میں ذرا کنجوسی کرتا ہے، اس کے مزاج میں بخل ہے جس کی وجہ سے وہ مال خرچ کرنے میں کمی کرتا ہے اور دشمن کے

ساتھ مقابلہ کرنے سے ڈرتا ہے طبیعت میں بزدلی ہے اور رات کو مشقت اور مجاہدہ کر کے عبادت کرنے سے ڈرتا ہے تو پھر زیادہ سے زیادہ یہ پڑھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلهِ، وَاللهُ أَكْبَرُ.

مطلب یہ کہ کثرت سے ذکر کرنے سے ان سب کی تلافی ہو جائے گی۔

بَابُ سَخَاوَةِ النَّفْسِ

٢٧٦- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ".

دل کا سخی ہونا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ مالداری سامان اور مال کی زیادتی کا نام نہیں ہے، بلکہ حقیقی مالداری آدمی کے دل کا مالدار ہونا ہے۔

تشریح: دل کی سخاوت کا مطلب یہ ہے کہ حرص اور لالچ نہ ہو، دل مال کی طرف نہ لگا ہو،، اللہ تعالیٰ نے جو دیا ہے اس پر قناعت کرتا ہو اور لوگوں کے پاس جو مال موجود ہے اس کی طرف للچائی ہوئی نگاہ سے نہ دیکھتا ہو، یعنی دل میں کبھی یہ خواہش پیدا نہ ہوتی ہو کہ مجھے یہ مل جائے، اللہ تعالیٰ نے جو دیا ہے اس پر قناعت کرتا ہے اور اس پر شکر کر کے راضی رہتا ہے اور دل میں زیادہ کی لالچ نہیں ہے یہ دل کا غنی کہلاتا ہے، دل کا سخی ہونا ہی اصل مطلوب ہے، یہ اچھا خلق ہے، اخلاق حسنہ کا حصہ ہے۔ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے پاس بہت کثرت کے ساتھ مال موجود ہے،

کروڑوں روپے موجود ہیں مگر ہر وقت دل میں یہ ہوتا ہے کہ اور زیادہ جمع کرلوں وہ حقیقی مالداری نہیں ہے۔ حالانکہ اس کے پاس اتنا ہے کہ اس کی دس نسلیں کھا سکیں، پھر بھی یہ نہیں سوچتا کہ مجھے کمانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا جی یہ چاہتا ہے کہ اور زیادہ ہوجائے یہ دل کے اعتبار سے غریب ہے۔

٢٧٧ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي: أُفٍّ، قَطُّ، وَمَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ لَمْ أَفْعَلْهُ: أَلَا كُنْتَ فَعَلْتَهُ؟ وَلَا لِشَيْءٍ فَعَلْتُهُ: لِمَ فَعَلْتَهُ؟

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال خدمت کی مجھے کبھی اس خدمت کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوں اور اف تک نہیں کہا، کوئی کام میں نے نہیں کیا جس کو کرنا تھا تو آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟ اور کوئی کام کیا جس کو نہ کرنا تھا اس کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ کیوں کیا؟

تشریح: راویٔ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد ہیں فرمایا کہ کسی سمجھدار بچے کی ضرورت ہے جو گھر کا کام کاج کر سکے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھے لے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنی خدمت کے لیے قبول فرمایا، وفات تک یعنی بیس سال کی عمر تک انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، وہ یہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھے

کبھی اس خدمت کے دوران ہوں اور اف تک نہیں کہا، ظاہر ہے کہ بچہ ہے وہ بھی دس سال کا اور دس سال تک خدمت کی، دس سال میں بہت سے ایسے مواقع آئے ہوں گے جن میں تنبیہ کرنی پڑے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی، گویا آپ کا صبر وتحمل، آپ کا برداشت کرنا اور نقصان کو گوارا کر لینا یہ چیزیں آپ کے اخلاق عالیہ کا پتہ دیتی ہیں۔

٢٧٨ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا سَحَّامَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصَمِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضي الله عنه يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا، وَكَانَ لَا يَأْتِيهِ أَحَدٌ إِلَّا وَعَدَهُ، وَأَنْجَزَ لَهُ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ، أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، وَجَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ فَأَخَذَ بِثَوْبِهِ فَقَالَ: إِنَّمَا بَقِيَ مِنْ حَاجَتِي يَسِيرَةٌ، وَأَخَافُ أَنْسَاهَا، فَقَامَ مَعَهُ حَتَّى فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ فَصَلَّى.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے مہربان تھے (لوگوں کے ساتھ بڑی شفقت، محبت اور مہربانی کرنے والے تھے) کوئی آدمی آپ کے پاس کوئی ضرورت لے کر آتا، اگر آپ کے پاس اس کی ضرورت کی چیز موجود ہوتی تو فوری طور پر آپ ضرورت پوری کر دیتے اور اگر وہ چیز نہ ہوتی جو اس نے مانگی ہے تو آپ وعدہ فرما لیتے کہ اچھا بھائی فلاں وقت آنا (یا اپنے صحابہ میں سے کسی کے پاس بھیج دیتے تھے) ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی تھی، آپ نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر تحریمہ کا ارادہ کر رہی رہے تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرا ایک معمولی کام رہ گیا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں بھول جاؤں گا، یعنی اگر نماز کے پورے ہونے تک انتظار کیا تو وہ رہ نہ جائے اور بھول نہ جاؤں تو آپ اس کی طرف متوجہ رہے اور اس کی

ضرورت پوری کی اس کے بعد آپ نے اپنی نماز شروع کی۔

مسئلہ: اقامت کہی جانے کے بعد نماز شروع کرنے میں اگر زیادہ دیر ہو جائے مثلاً کوئی ایسا کام جو نماز کے منافی پیش آئے تو دوبارہ اقامت کہی جائے اور زیادہ دیر نہ ہو تو پہلے والی اقامت کافی ہے اب دوبارہ اقامت نہ کہی جائے اور نماز شروع کردے۔

۲۷۹ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: مَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ: لَا .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے کوئی چیز جب کبھی مانگی گئی آپ نے کبھی نا نہیں کہا۔

تشریح: آپ ﷺ نے نا یعنی منع نہیں کیا، اس کا مطلب یہ کہ نا یعنی منع تو آپ کے یہاں تھا ہی نہیں، کوئی بھی چیز آپ سے مانگی جاتی آپ اس کو عطاء فرما دیتے تھے، یہ بھی سخاوت نبوی میں سے ہے۔

۲۸۰ - حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ: مَا رَأَيْتُ امْرَأَتَيْنِ أَجْوَدَ مِنْ عَائِشَةَ، وَأَسْمَاءَ، وَجُودُهُمَا مُخْتَلِفٌ، أَمَّا عَائِشَةُ فَكَانَتْ تَجْمَعُ الشَّيْءَ إِلَى الشَّيْءِ، حَتَّى إِذَا كَانَ اجْتَمَعَ عِنْدَهَا قَسَمَتْ، وَأَمَّا أَسْمَاءُ فَكَانَتْ لَا تُمْسِكُ شَيْئًا لِغَدٍ .

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کو سخی نہیں دیکھا لیکن ان دونوں کی سخاوت کے انداز مختلف تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو تھوڑی تھوڑی چیزیں جمع کیا کرتی تھیں اور جب ایک مقدار میں ہو جاتی تھیں تو ان کو خرچ کر دیتی تھیں۔ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تو جمع ہی نہیں

کرتی تھیں جو آتا تھا اس کو خرچ کر دیتی تھیں۔

تشریح: حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما دونوں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں ہیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ ہوتی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی خالہ ہوتی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت کا حال تو یہ تھا کہ اگر کوئی چیز تھوڑی مقدار میں آتی تھی جو سب کو پہنچ نہیں سکتی تھی تو اس کو روک لیتی تھیں اور اس کا انتظار رہتا تھا کہ کوئی اور ایسی چیز آ جائے جو سب کو پہنچ جائے تب خرچ کریں گے جب وہ چیز آ جاتی تھی تو سب کو وہ ساری چیزیں دے دیتی تھیں، ایک مرتبہ ان کے پاس نوے ہزار درہم آئے تو آتے ہی سارے درہم بیٹھے بیٹھے تقسیم کر دیے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک ہار بھیجا جس کے ایک موتی کی قیمت ایک لاکھ درہم کے برابر تھی وہ سب صدقہ کر دیا۔ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے اس وقت آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ کے کپڑوں پر پیوند لگا ہوا تھا اور روزے سے تھیں وہیں بیٹھے بیٹھے سارے درہم تقسیم کر دیے، شام کو اپنی باندی سے کہا کہ افطاری کے لیے کچھ لاؤ تو اس نے کہا کہ افطاری کے لیے صرف سوکھی روٹی ہے، اگر ایک آدھ درہم اپنے لیے رہنے دیا ہوتا تو اس سے کچھ اچھی چیز آ جاتی، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی بندی! تقسیم کے وقت یاد دلا دیتی، اب تو اسی سوکھی روٹی کو لاؤ اسی سے افطاری کرتے ہیں۔

دیکھو! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی خیال نہیں رہا کہ اپنی ضرورت کے لیے بھی کچھ رکھنا ہے۔

ادھر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ معمول تھا کہ جو آیا اسے دے دیا اس لیے کہ

حضور اکرم ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو جو نصیحتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ تم روک کر نہ رکھنا ورنہ اللہ کی طرف سے بھی روکا جائے گا اس لیے اس نصیحت کے پیش نظر آپ کے پاس جو بھی آتا تھا فوراً دے دیتی تھیں دوسرا آئے گا اور جمع ہو گا پھر دیں گے اس انتظار میں وہ نہیں رہتی تھیں۔

بَابُ الشُّحِّ

۲۸۱ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ أَبِي يَزِيدَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ اللَّجْلَاجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ فِي جَوْفِ عَبْدٍ أَبَدًا، وَلَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْإِيمَانُ فِي قَلْبِ عَبْدٍ أَبَدًا".

بخل کی قباحت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جو غبار اور دھول آدمی برداشت کرتا ہے وہ اور جہنم کا دھواں ایک بندے کے باطن میں کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے، اور اسی طرح کسی بندے کے دل میں بخل اور ایمان دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

تشریح: "الشح" کہتے ہیں بخل کو اور بخل کا معنیٰ یہ ہے کہ آدمی کچھ بھی کسی کے لیے چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہو، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بخل اور شح دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، اور بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ وہ بخل جس میں طمع اور حرص بھی

لگی ہوئی ہو یعنی لالچ کے ساتھ بخل ہو اس کو عربی میں شح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور بغیر لالچ کے ہو اس کو بخل کہتے ہیں۔ کسی بندے کے دل میں بخل اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو سچا مؤمن ہوگا اس میں شح اور بخل نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ بخل درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر بھروسا نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، آدمی کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا رکھ کر مال خرچ کرتے رہنا چاہیے اس لیے کہ اس کے راستے میں خرچ کرنے پر جو وعدے کیے گئے ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے، جس کو اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان ویقین ہوگا اس سے پھر کبھی بخل صادر نہیں ہو سکتا، ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ مؤمن کو اللہ کے وعدوں پر اعتماد اور یقین ہو، بخل یقین کے خلاف ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بخل اور ایمان دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

بہر حال بخل ایک بری صفت ہے جو آدمی کے قلب میں ہوا کرتی ہے جس کے نتیجے میں آدمی مالی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے۔

جس نے اللہ کے راستے میں غبار یا دھول کھائی ہو وہ جہنم میں نہیں جائے گا یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تھوڑی مشقت اٹھائی، اس پر اتنی بڑی فضیلت ہے تو جو لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لگے ہوئے ہیں ان کی فضیلت کا تو کیا کہنا؟ کسی بھی نیکی کا کام کرنے کے لیے جو شخص جد و جہد کرے گا، مشقت اٹھائے گا چاہے وہ جہاد کے لیے گیا ہو، دشمنوں کے مقابلے کے لیے گیا ہو، حج، عمرہ، تبلیغ اور طلب علم کے لیے نکلا ہو، صلہ رحمی کے لیے گیا ہو وہ سب سبیل اللہ میں داخل ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں لکھا ہے کہ آدمی جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے یہ بھی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

۲۸۲ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسَى هُوَ أَبُو الْمُغِيرَةِ السُّلَمِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ غَالِبٍ هُوَ الْحُدَّانِيُّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ: الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ".

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو عادتیں ایسی ہیں کہ وہ کسی مؤمن میں جمع نہیں ہو سکتیں، بخل اور بد خلقی یہ ایمان کے خلاف ہے۔

۲۸۳ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عَبْدِ اللهِ، رضي الله عنه فَذَكَرُوا رَجُلًا، فَذَكَرُوا مِنْ خُلُقِهِ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: أَرَأَيْتُمْ لَوْ قَطَعْتُمْ رَأْسَهُ أَكُنْتُمْ تَسْتَطِيعُونَ أَنْ تُعِيدُوهُ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَيَدُهُ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَرِجْلُهُ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَإِنَّكُمْ لَا تَسْتَطِيعُونَ أَنْ تُغَيِّرُوا خُلُقَهُ حَتَّى تُغَيِّرُوا خَلْقَهُ، إِنَّ النُّطْفَةَ لَتَسْتَقِرُّ فِي الرَّحِمِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، ثُمَّ تَنْحَدِرُ دَمًا، ثُمَّ تَكُونُ عَلَقَةً، ثُمَّ تَكُونُ مُضْغَةً، ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ مَلَكًا فَيُكْتَبُ رِزْقَهُ وَخُلُقَهُ، وَشَقِيًّا أَوْ سَعِيدًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن ربیعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، مجلس میں ایک آدمی کا تذکرہ ہوا اس کی عادتوں اور اخلاق کا بھی لوگوں نے تذکرہ کیا اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ اچھا بتلاؤ کہ اگر تم اس شخص کا سر کاٹ دو تو کیا دوبارہ اس کو جوڑ سکتے ہو؟ تو کہا کہ: نہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ اگر اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو تو اس کو دوبارہ جوڑ سکتے ہو؟ تو کہا کہ نہیں، پھر پوچھا کہ اگر اس کا پاؤں کاٹ ڈالو تو اس کو دوبارہ جوڑ سکتے ہو؟

تو کہا کہ نہیں، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح تم اس کے ظاہری جسم کی ساخت کو نہیں بدل سکتے اسی طرح تم اس کے اخلاق و عادات کو بھی بدل نہیں سکتے۔

پھر فرمایا کہ: مادۂ منویہ ماں کے رحم میں، بچہ دانی کے اندر چالیس دن تک ٹھہرتا ہے تو وہ خون کی شکل اختیار کرتا ہے اور اس کے بعد پھر وہ جما ہوا خون بنتا ہے، اس کے بعد پھر گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے اور پھر آدمی کی شکل اختیار کرتا ہے (تین دور اس پر گذر جاتے ہیں) پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس کی روزی اور اس کے اخلاق و عادات اور نیک بختی یا بدبختی کو لکھتا ہے۔

تشریح: جس طرح آدمی دنیا میں اپنی ایک ظاہری شکل وصورت یعنی ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان وغیرہ لے کر آتا ہے جس کو بدل نہیں سکتے اس لیے کہ یہ فطری چیز ہے، اسی طرح آدمی کے عادات و اخلاق ایک باطنی شکل وصورت ہے، جس طرح ظاہری شکل وصورت بدلی نہیں جاسکتی اسی طرح اخلاق بھی بدل نہیں سکتے، ہاں ان پر محنت کر کے ان میں کوئی کمزوری ہو تو اس پر قابو پایا جاسکتا ہے، ورنہ بالکلیہ یہ چیز ختم ہو جائے یہ نہیں ہوسکتا۔

جس طرح ظاہری شکل وصورت اور اخلاق یہ اللہ تعالیٰ کے نظام کے ماتحت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نظام یہ بھی ہے کہ ماں ہی کے پیٹ میں بچے کی تقدیر میں جو لکھا ہوا ہوتا ہے الگ سے اس کی فائل تیار ہو جاتی ہے، یعنی پہلے سے یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں لیکن آگے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک الگ نظام چلتا ہے۔

بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ إِذَا فَقِهُوا

٢٨٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ النُّمَيْرِيُّ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حِبَّانَ،

عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الرَّجُلَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الْقَائِمِ بِاللَّيْلِ".

اچھے اخلاق کو سیکھنے کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھے اخلاق کی وجہ سے جو خوبیاں اللہ تعالیٰ نے بندے کے قلب میں رکھی ہیں ان خوبیوں کے ذریعے سے رات بھر عبادت کرنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔

تشریح: آدمی کو چاہیے کہ دین کا علم حاصل کرے، اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان کو معلوم کرے اور ان پر عمل کا اہتمام کرے اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان کو بھی سیکھے اور ان سے بچنے کا اہتمام کرے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اخلاق وعادات کی درستگی کا بھی اہتمام کرے۔ جو آدمی اچھے اخلاق والا ہے وہ بھلے رات بھر عبادت نہ کرتا ہو لیکن اگر اس کے اخلاق درست ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت اجر وثواب ملتا ہے۔

۲۸۵ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "خَيْرُكُمْ إِسْلَامًا أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا إِذَا فَقِهُوا".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں اسلام کے اعتبار سے سب سے بہتر وہ ہے جو اخلاق وعادات کے اعتبار سے بہتر ہو بشرطیکہ وہ دینی احکام سے واقفیت بھی حاصل کرے۔

تشریح: کوئی شخص دین کا ضروری علم حاصل کرے اور اخلاق بھی اس کے ٹھیک ہوں تو اسلام اور دین کے اعتبار سے وہ سب سے بہتر ہے۔

۲۸۶ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي ثَابِتُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَجَلَّ إِذَا جَلَسَ مَعَ الْقَوْمِ، وَلَا أَفْكَهَ فِي بَيْتِهِ، مِنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ.

ترجمہ: حضرت ثابت بن عبید رحمہ اللہ تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے کسی آدمی کو جبکہ وہ لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہو اس حالت میں سب سے زیادہ باوقار اور جب اپنے گھر میں ہو تو بہت زیادہ ظرافت والا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر نہیں پایا۔

تشریح: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی اور کاتب وحی ہیں ان کا حال بیان کیا کہ جب وہ عام لوگوں کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو بڑی سنجیدگی اور وقار کے ساتھ بیٹھتے تھے اور جب وہ گھر میں ہوتے تھے تو بے تکلف اور ظرافت کے ساتھ رہتے تھے۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ گھر والوں کے ساتھ آدمی کو گھلا ملا رہنا چاہیے یہی اخلاق کا تقاضہ ہے، یہ نہیں کہ گھر میں جائے تو منہ چڑھائے ہوئے رہے کہ گھر والے بھی سہمے سہمے ہوں اور دل میں یہ دعا کر رہے ہوں کہ کب یہ بلا گھر سے باہر نکلے، ایسا نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس طرح رہنا چاہیے کہ گھر والے یہ تمنا کرتے ہوں کہ زیادہ سے زیادہ گھر میں رہے، ایسا مزاج ہونا چاہیے بعض حضرات اس کو کمال سمجھتے ہیں کہ گھر میں رعب سے رہیں۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے ایک دوست کہنے لگے میں جب گھر میں جاتا ہوں تو کسی کی جرأت نہیں ہوتی کہ میرے سامنے بات کر سکے اور سب میرے وہاں پہنچنے پر سہمے سہمے

رہتے ہیں، اس پر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے کہا کہ: یہ تو درندے کی صفت ہے، انسان کی صفت نہیں ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ جب گھر میں تشریف لے جاتے تھے تو گھر والوں کے ساتھ آپ گھلے ملے رہتے تھے اوران کے کام کاج میں بھی آپ باقاعدہ حصہ لیتے تھے۔

٢٨٧ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: "الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دین کا کون سا طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ سادہ طریقہ جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جاری فرمایا ہے۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے دین کے جس طریقے کو آنے والی امت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری فرمایا وہ سادگی والا طریقہ ہے جس میں کوئی بناوٹ اور تکلف نہیں ہے وہ اللہ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

٢٨٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: أَرْبَعُ خِلَالٍ إِذَا أُعْطِيتَهُنَّ فَلَا يَضُرُّكَ مَا عُزِلَ عَنْكَ مِنَ الدُّنْيَا: حُسْنُ خَلِيقَةٍ، وَعَفَافُ طُعْمَةٍ، وَصِدْقُ حَدِيثٍ، وَحِفْظُ أَمَانَةٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار باتیں

ایسی ہیں کہ اگر تم کو یہ مل جائیں اور پھر دنیا کی کوئی اور چیز تمہیں حاصل نہ ہو تو تم اس کی پرواہ مت کرنا، اس کا کوئی نقصان نہیں، ایک اچھے اخلاق (اگر اللہ نے دے رکھے ہیں) دوسری چیز لقمے کی پاکیزگی (یعنی حلال روزی اور روزی میں حرام کی آمیزش نہیں ہے یا اس میں کوئی شبہ نہیں ہے) تیسری چیز بات کی سچائی اور چوتھی چیز امانت کی حفاظت۔

تشریح: مذکورہ چار چیزیں جس آدمی کو مل جائیں اور کوئی اور چیز اسے نہ ملے تو اس کی اسے پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ چار میں سے ایک امانت ہے، اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں دے رکھی ہیں وہ اور اسی طرح اعضاء بدن وغیرہ یہ سب ہمارے پاس امانت ہے، ان کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو ہدایتیں اور احکامات دیے گئے ہیں ان کا خیال رکھنا یہ سب حفظ امانت میں داخل ہے۔

۲۸۹ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَدْرُونَ مَا أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّارَ؟" قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "الْأَجْوَفَانِ: الْفَرْجُ وَالْفَمُ، وَأَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ الْجَنَّةَ؟ تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوال کیا کہ تم کو معلوم ہے کہ سب سے زیادہ کونسی چیز لوگوں کو جہنم میں داخل کرنے والی ہے؟ اس کے جواب میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو کھو کھلی چیزیں شرم گاہ اور منہ۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ جنت میں لیجانے والی کونسی چیز ہے؟ اور آپ ہی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور اچھے اخلاق یہ آدمی کو سب سے زیادہ جنت میں لیجانے والے ہیں۔

تشریح: 'اجوف' عربی لفظ ہے، یہ دونوں عضو منھ اور شرم گاہ ایسے ہیں جو اندر کی طرف سے خالی ہوا کرتے ہیں، کھو کھلے ہیں گویا یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کا غلط استعمال کرنے کی وجہ سے لوگ کثرت سے جہنم میں داخل ہوں گے۔

۲۹۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَلِيلِ بْنُ عَطِيَّةَ، عَنْ شَهْرٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ: قَامَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْلَةً يُصَلِّي، فَجَعَلَ يَبْكِي وَيَقُولُ: اللّٰهُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِي فَحَسِّنْ خُلُقِي، حَتَّى أَصْبَحَ، قُلْتُ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، مَا كَانَ دُعَاؤُكَ مُنْذُ اللَّيْلَةِ إِلَّا فِي حُسْنِ الْخُلُقِ؟ فَقَالَ: يَا أُمَّ الدَّرْدَاءِ، إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ يَحْسُنُ خُلُقُهُ، حَتَّى يُدْخِلَهُ حُسْنُ خُلُقِهِ الْجَنَّةَ، وَيَسِيءُ خُلُقُهُ، حَتَّى يُدْخِلَهُ سُوءُ خُلُقِهِ النَّارَ، وَالْعَبْدُ الْمُسْلِمُ يُغْفَرُ لَهُ وَهُوَ نَائِمٌ، قُلْتُ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، كَيْفَ يُغْفَرُ لَهُ وَهُوَ نَائِمٌ؟ قَالَ: يَقُومُ أَخُوهُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَجْتَهِدُ فَيَدْعُو اللهَ عَزَّ وَجَلَّ فَيَسْتَجِيبُ لَهُ، وَيَدْعُو لِأَخِيهِ فَيَسْتَجِيبُ لَهُ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو روتے رہے اور رات بھر یہ دعا کرتے رہے کہ اے اللہ تو نے میری شکل وصورت اچھی بنائی ہے تو میرے اخلاق بھی اچھے بنادے، صبح تک یہی دعا کرتے رہے، حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے صبح کو حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آج پوری رات آپ کی دعا اچھے اخلاق کے سلسلے میں رہی (یعنی پوری رات صرف یہی مانگتے رہے اور کچھ نہیں مانگا؟) اس پر حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: اے ام الدرداء! مسلمان کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں یہاں تک کہ اچھے اخلاق اس کو جنت میں لیجاتے ہیں یا مسلمان اپنے اخلاق کو ٹھیک بناتا ہے یہاں تک کہ اچھے

اخلاق اس کو جنت میں لیجاتے ہیں اور جن کے اخلاق برے ہوتے ہیں تو یہ برے اخلاق ان کو جہنم میں لیجاتے ہیں (گویا جنت اور جہنم کا دارو مدار اخلاق کے سنورنے اور بگڑنے پر ہے اخلاق اگر درست ہیں تو جنت میں لیجائیں گے اور اخلاق اگر بگڑے ہوئے ہیں تو جہنم میں لیجائیں گے) اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: مسلمان بندے کی مغفرت کردی جاتی ہے حال یہ کہ وہ سویا ہوتا ہے، حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ وہ سویا ہوا اس حال میں اس کی مغفرت کیسے کردی جاتی ہے؟ تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بندہ تو سویا ہوتا ہے اور دوسرا اس کا بھائی رات کو اٹھ کر دعا میں مشغول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اور اپنے بھائی دونوں کے لیے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں بھی دعا قبول کرتا ہے اور اس کے بھائی کے حق میں بھی قبول کرتا ہے حالانکہ بھائی تو سویا ہوا ہے اور اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

۲۹۱ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ رضي الله عنه قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَتِ الْأَعْرَابُ، نَاسٌ كَثِيرٌ مِنْ هَاهُنَا وَهَاهُنَا، فَسَكَتَ النَّاسُ لَا يَتَكَلَّمُونَ غَيْرَهُمْ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَعَلَيْنَا حَرَجٌ فِي كَذَا وَكَذَا؟ فِي أَشْيَاءَ مِنْ أُمُورِ النَّاسِ، لَا بَأْسَ بِهَا، فَقَالَ: "يَا عِبَادَ اللهِ، وَضَعَ اللهُ الْحَرَجَ، إِلَّا امْرَءًا اقْتَرَضَ امْرَءًا ظُلْمًا فَذَاكَ الَّذِي حَرِجَ وَهَلَكَ" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَتَدَاوَى؟ قَالَ: "نَعَمْ يَا عِبَادَ اللهِ تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً، غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ"، قَالُوا: وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "الْهَرَمُ" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا خَيْرُ مَا أُعْطِيَ الْإِنْسَانُ؟ قَالَ: "خُلُقٌ حَسَنٌ".

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میں نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ دیہات کے لوگوں نے آ کر چاروں طرف سے حضور ﷺ کو گھیر لیا، مجمع خاموش بیٹھا تھا، دیہات کے لوگ حضور ﷺ سے پوچھنے لگے کہ فلاں فلاں کام ہم کریں تو اس میں کوئی گناہ ہے؟ لوگوں کے وہ کام جو گناہ کے نہیں تھے ان کے متعلق حضور سے پوچھا، ان پر نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: اللہ کے بندو! یہ جو تم پوچھتے ہو اس میں کوئی گناہ اور حرج نہیں، سارا حرج اللہ تعالیٰ نے اٹھا دیا، ایسے جائز کاموں کے کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے، ہاں کوئی آدمی کسی کی برائی کرے تو یہ البتہ گناہ میں اور ہلاکت میں مبتلا ہوا، اس پر انہوں نے یہ بھی سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم بیمار ہوں اور بیماری کی حالت میں علاج اور معالجہ کریں تو کوئی حرج ہے؟ اس پر حضور نے فرمایا کہ جی ہاں علاج معالجہ کر سکتے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی بیماری پیدا کی ہے ہر ایک کی اللہ نے دوا رکھی ہے سوائے ایک بیماری کے، تو پوچھا کہ وہ کیا؟ کہا کہ بڑھاپا، یہ ایک ایسی بیماری ہے جس کی کوئی دوا نہیں ہے، آخر انہوں نے پوچھا کہ انسان کو سب سے بہتر چیز جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی وہ کونسی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھے اخلاق، اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو اچھے اخلاق کی نعمت عطا فرمائی ہے تو وہ ایک ایسی نعمت ہے کہ کوئی بھی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

تشریح: آپ ﷺ کا ادب و احترام حضرات صحابہ پر اتنا زیادہ غالب تھا کہ وہ نبیٔ کریم ﷺ کے سامنے بولنے سے گھبرایا کرتے تھے، پہلے یہ تھا کہ حضرات صحابہ حضور ﷺ سے بے تکلفی سے بہت سارے سوالات کیا کرتے تھے تو قرآن پاک میں باری تعالیٰ کی طرف سے آیت نازل ہوئی ﴿لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ تم ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر وہ چیزیں تمہارے لیے ظاہر ہوں تو برا ہو۔ نبیٔ کریم ﷺ کی مبارک مجلس میں حاضری پر جن آداب کا لحاظ

کرنا چاہیے ان کی طرف ان کو متوجہ کیا گیا، اس کے بعد حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سوال کے باب میں بہت احتیاط کرنے لگے، بلاضرورت سوال نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی اجنبی اور باہر کا آدمی آئے جو حضور اکرم ﷺ کے آداب سے زیادہ واقف نہیں ہے وہ کوئی بات پوچھے تو اس کے بہانے سے ہم کو بھی جاننے کا موقع مل جائے، راوی کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی حضرات صحابہ حضور ﷺ کے سامنے بولتے نہیں تھے دیہاتی لوگ بولتے تھے، اس لیے کہ وہ مجلس کے آداب کے پابند نہیں ہوتے، ان کو لوگ معذور بھی سمجھتے ہیں۔ بزرگوں کی خدمت میں ایسے لوگ آتے ہیں تو جو چاہے بول دیتے ہیں لوگ ان کو معذور سمجھتے ہیں۔

۲۹۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ، حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ جِبْرِيلُ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ، يَعْرِضُ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے، یعنی سخاوت میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے، اور پھر آپ کی یہ سخاوت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی جبکہ رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیل حضور ﷺ کے پاس آتے تھے اور قرآن پاک کا دور کرتے تھے، اور پھر رمضان کی راتوں میں جب حضرت جبرئیل آپ کے ساتھ دور کرتے تھے اس وقت آپ کی سخاوت میں اور زیادہ اضافہ ہوجاتا تھا اس وقت تو آپ کی

کیفیت یہ ہو جاتی تھی کہ چلنے والی ہواؤں سے بھی زیادہ آپ سخی ہوتے۔

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی سخاوت کو بیان کرنے کے لیے لفظ "جود" لائے، شراح نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ عربی زبان میں لفظ جود بولا جاتا ہے ایسے شخص کے لیے جو ہر ایک کو اس کے مناسب چیز دیتا ہو، جبکہ سخاوت مال کو تقسیم کرنے کو کہتے ہیں "جود" قلب کی ایک صفت ہے جس میں آدمی کے دل کے اندر ہر ایک کو اس کے مناسب چیز دینے کی کیفیت موجود ہوتی ہے چاہے اس کی طبیعت آمادہ ہو اور وہ چیز ہو یا نہ ہو، ایک آدمی صاحب علم ہے اور لوگوں کو اس کے مناسب احکام سے آگاہ کرتا ہے تو یہ بھی جود میں داخل ہے۔

حضور ﷺ کی سخاوت ریح مرسلہ سے بھی زیادہ تھی، ریح المرسلہ وہ ہوا ہے جو بارش کے بادلوں کو لے کر چلتی ہے وہ ساری دنیا میں پھیل کر لوگوں کو پانی پہنچاتی ہے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے اس کا اور کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی، آپ ﷺ اس سے بھی زیادہ سخی تھے، ہر سال رمضان میں حضرت جبرئیل حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور حضور کے سامنے قرآن پیش کرتے تھے۔ یعنی قرآن کا دور ہوتا تھا حضور ﷺ بھی پڑھ کر سناتے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی پڑھ کر سناتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ویسے بھی حضور ﷺ تمام لوگوں سے سخی تھے اور پھر یہ سخاوت کا وصف رمضان المبارک میں اور بڑھ جاتا تھا اور جب حضرت جبرئیل سے ملاقات ہوتی تھی اس وقت اور بڑھ جاتا تھا۔

۲۹۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "حُوسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ رَجُلًا يُخَالِطُ النَّاسَ وَكَانَ مُوسِرًا، فَكَانَ يَأْمُرُ غِلْمَانَهُ أَنْ يَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُعْسِرِ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: فَنَحْنُ أَحَقُّ بِذَلِكَ مِنْهُ، فَتَجَاوَزَ عَنْهُ".

ترجمہ: حضرت ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اگلی امتوں میں سے ایک آدمی کا انتقال ہوا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے حساب کتاب کے لیے اسے پیش کیا گیا تو اس کے اعمال نامہ میں کوئی نیکی تھی ہی نہیں، ہاں بس اتنی بات تھی کہ وہ ایک مالدار آدمی تھا، لوگوں کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا، ان کے ساتھ معاملات کرتا تھا، اس نے اپنے کارندوں کو یعنی اپنے نوکروں کو کہہ رکھا تھا کہ کوئی آدمی تنگ دست ہو اور ہمارا قرضہ اور دَین ادا کرنے کے لیے اس کے پاس طاقت نہ ہو تو اس کو چھوڑ دینا یعنی درگذر کرنا، یہ بات تھی اس میں اور کوئی نیکی نہیں تھی اور جب موت کے بعد حساب کتاب کے لیے وہ شخص اللہ کے حضور پیش ہوا تو باری تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ شخص لوگوں کے دَین کو چھوڑ دیتا تھا تو ہم تو اس بات کے زیادہ حق دار ہیں، فرشتوں کو کہا کہ اسے چھوڑ دیں۔

تشریح: مطلب یہ کہ سخاوت ایسا خُلق اور خوبی ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں آدمی کی نجات کا ذریعہ بنتی ہے۔

٢٩٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ، عَنِ ابْنِ إِدْرِيسَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّي، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: "تَقْوَى اللهِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ"، قَالَ: وَمَا أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّارَ؟ قَالَ: "الْأَجْوَفَانِ: الْفَمُ وَالْفَرْجُ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ

لوگوں کو سب سے زیادہ جنت میں لیجانے والی چیز کونسی ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ڈر اور اچھے اخلاق، پوچھا گیا کہ لوگوں کو سب سے زیادہ جہنم میں لیجانے والی چیز کونسی ہے؟ تو حضور نے فرمایا کہ دو کھو کھلی چیزیں یعنی منہ اور شرم گاہ۔

تشریح: منہ اور شرم گاہ کی بے احتیاطی آدمی کے لیے جہنم میں جانے کا سبب بن سکتی ہے۔

٢٩٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ نَوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه، أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ؟ قَالَ: "الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ مَا حَكَّ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ".

ترجمہ: حضرت نواس ابن سمعان الانصاری رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ نیکی اور گناہ کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا اخلاق نیکی ہے اور دل میں جو چیز کھٹکے وہ گناہ ہے، جس کے متعلق تمہارے دل میں یہ خیال ہو کہ لوگوں کو اس کا پتہ نہیں چلنا چاہیے، تمہارا دل جس کو چھپانے کی تمنا کرتا ہو وہ گڑبڑ والی چیز ہے اس میں گناہ کا پہلو موجود ہوتا ہے۔

بَابُ الْبُخْلِ

٢٩٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ الْأَسْوَدِ، عَنِ الْحَجَّاجِ الصَّوَّافِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ قَالَ: حَدَّثَنَا جَابِرٌ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَيِّدُكُمْ يَا بَنِي سَلِمَةَ؟" قُلْنَا: جُدُّ بْنُ قَيْسٍ، عَلَى أَنَّا نُبَخِّلُهُ، قَالَ: "وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوَى مِنَ

الْبُخْلِ؟ بَلْ سَيِّدُكُمْ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوحِ"، وَكَانَ عَمْرٌو عَلَى أَصْنَامِهِمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ يُولِمُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَزَوَّجَ .

بخل کی قباحت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوسلمہ (یہ انصار کا ایک خاندان ہے) سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ جد ابن قیس، البتہ ہم ان کو بخل کی طرف منسوب کرتے ہیں (یعنی مطلب یہ ہے کہ ان کے مزاج کے اندر ذرا بخل کی صفت ہے) تو اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بخل سے بڑی بیماری اور کیا ہوسکتی ہے؟ آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بلکہ تمہارے سردار تو عمرو ابن جموح ہیں، حضرت عمرو ابن جموح زمانۂ جاہلیت میں بھی بت پرستی کا جو سلسلہ تھا اس پر اعتراض کیا کرتے تھے یعنی اس کو پسند نہیں فرماتے تھے اور بڑے سخی تھے اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو گویا قبیلۂ بنوسلمہ کا سردار قرار دیا اور جب بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوتا تھا تو یہ اپنی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ولیمہ کیا کرتے تھے۔

تشریح: مال کے ساتھ جو حقوق متعلق ہیں آدمی ان حقوق کی ادائیگی میں مال کی محبت کی وجہ سے کوتاہی کا مرتکب ہو اسی کو بخل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بخل کو ویسے بھی عرب میں سب سے زیادہ خطرناک بیماری قرار دیا گیا ہے، اس میں درحقیقت آدمی کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد نہیں ہوتا، جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسا ہو وہ ظاہر ہے کہ اللہ نے جہاں مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے وہاں خرچ کرے گا اور وہ یہ سوچے گا کہ جس اللہ نے آج دیا ہے وہ کل بھی دے گا۔ روایتوں میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی

جگہ پر آپ کے جانشین مقرر کیے گئے تو انہوں نے اعلان کرایا کہ کسی کا نبیٔ کریم ﷺ پر کوئی حق ہو یا کوئی قرضہ ہو، مطالبہ ہو، یا حضور اکرم ﷺ نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو تو وہ مجھ سے آ کر وصول کر لے، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جا کر عرض کیا کہ نبیٔ کریم ﷺ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ بحرین کا مال جب آئے گا تو میں تم کو اتنا اتنا اتنا تین مرتبہ تین لپ بھر کر (یعنی تین مٹھیاں بھر کر) آپ نے دینے کا اشارہ فرمایا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وہ بات سن لی جب بحرین کا مال آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور جا کر کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے یاددہانی کرادے، تو کہا کہ ٹھیک ہے مل جائے گا، کہہ دیا لیکن دیا نہیں، دوسری مرتبہ پھر گیا پھر دینے کی نوبت نہیں آئی، جب تیسری مرتبہ گیا تو میں نے کہا کہ یا تو آپ یہ کہہ دیجئے کہ میں بخیل ہوں یا پھر جو وعدہ فرمایا اس کے مطابق دیجئے، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا أَيُّ دَاءٍ أَدْوَىٰ مِنَ الْبُخْلِ، بخل سے بڑی اور خطرناک بیماری اور کون ہو سکتی ہے؟ تم مجھے بخیل بتلانا چاہتے ہو؟ اس کے بعد کہا کہ اچھا ایک لپ بھر کر لو، ایک لپ بھر کے لیا، تو فرمایا کہ گن لو کتنا ہے؟ گنا تو پانچ سو درہم تھے کہا کہ اتنا دو مرتبہ اور لے لو جیسا نبیٔ کریم ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا۔ بہر حال عرب کے یہاں بخل کو بہت خطرناک بیماری اور خطرناک وصف قرار دیا ہے، عام طور پر یہ آدمی کو حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب بنا دیتی ہے۔

یہاں شراح کتاب نے لکھا ہے کہ یہی روایت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کی ہے اور انہوں نے ایک لفظ بڑھایا ہے۔ بہر حال حضور ﷺ نے

سخاوت کی وجہ سے ان کو قبیلۂ بنوسلمہ کا سردار قرار دیا۔

۲۹۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَرَّادٌ كَاتِبُ الْمُغِيرَةِ قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ رضى الله عنه إِلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضي الله عنه: أَنِ اكْتُبْ إِلَيَّ بِشَيْءٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ الْمُغِيرَةُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَعَنْ مَنْعٍ وَهَاتِ، وَعُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ، وَعَنْ وَأْدِ الْبَنَاتِ .

ترجمہ: حضرت وَرّاد رحمہ اللہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بذریعہ خط یہ بات کہی اور ان سے درخواست کی کہ جو چیز تم نے نبئ کریم ﷺ سے سنی ہو وہ ذرا مجھے لکھ کر بھیج دو، تو اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ نبئ کریم ﷺ قیل وقال سے منع فرماتے تھے، اور دوسروں کے جو حقوق تمہارے اوپر لازم ہیں ان کی ادائیگی سے باز رہنے سے منع فرماتے تھے (دوسروں کے جو حقوق ہیں ان کو کوئی ادا نہیں کرتا ہے ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ ادا کرے) اور اپنا حق دوسرے پر نہیں ہے اس کا مطالبہ کرنا (دوسرے کے جو حقوق لازم ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا اور اپنا کوئی حق ہے نہیں اس کا بلاوجہ مطالبہ کرنا اس سے بھی نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے) اور ماؤں کی نافرمانی کرنے سے (ویسے تو ماں اور باپ دونوں کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے لیکن ماں کا حق باپ کے مقابلے میں زیادہ ہے اور ویسے بھی اولاد ماں کی نافرمانی پر باپ کی نافرمانی کے مقابلے میں زیادہ جری ہوا کرتی ہے اس لیے یہاں خاص طور پر ماں کی نافرمانی کا تذکرہ کیا) اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے (زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا) بھی نبئ کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

تشریح: حدیث میں قیل وقال سے منع کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دوران گفتگو لوگوں کا اس طرح تذکرہ کیا جائے کہ فلاں نے یوں کہا، فلاں نے یہ بات کہی اس طرح کی باتوں سے منع کیا گیا ہے۔

اور مال کو ضائع کرنے سے منع کیا ہے یعنی مال کو ایسی جگہ پر خرچ کرنا کہ نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہو اور نہ آخرت کا فائدہ ہو۔

اور زیادہ پوچھ تاچھ کرنے سے منع کیا ہے یعنی ایسی باتیں پوچھنا جن کی شریعت نے خود کوئی وضاحت نہیں کی ہے اور اس کو اسی اجمال پر چھوڑا گیا ہے، اس کو بھی پسند نہیں کیا گیا، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾

ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر تمہارے سامنے ظاہر کی جائیں تو تم کو نا گوار گذرے، اس وقت حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف سے بعض مرتبہ ایسے سوالات کیے جاتے تھے۔ چونکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرات صحابہ کو اپنی ذات عالی سے بہت زیادہ مانوس کر رکھا تھا تا کہ ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے استفادہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے، اس انس کی وجہ سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان کے ساتھ بے تکلفی کی وجہ سے بعض مرتبہ وہ لوگ ایسے سوالات کر لیا کرتے تھے کہ جو دینی یا دنیوی اعتبار سے ضروری نہیں، جیسے بعض لوگ یہ بھی پوچھتے تھے کہ آپ بتلائیے کہ آج ہمارے گھر میں کیا پکا ہے؟ تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کو منع کر دیا گیا کہ ایسی باتیں نہ پوچھا کریں۔

اور دوسری چیز دوسروں کے جو حقوق لازم ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا اور اپنا کوئی حق ہے نہیں اس کا بلا وجہ مطالبہ کرنا اس سے بھی نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

تیسری چیز جن سے آپ ﷺ نے منع فرمایا وہ ماؤں کی نافرمانی ہے، ویسے تو ماں اور باپ دونوں کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے لیکن ماں کا حق باپ کے مقابلے میں زیادہ ہے اور ویسے بھی اولاد ماں کی نافرمانی پر باپ کی نافرمانی کے مقابلے میں زیادہ جری ہوا کرتی ہے اس لیے یہاں خاص طور پر ماں کی نافرمانی کا تذکرہ کیا۔

اور چوتھی چیز لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کیا ہے، زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا اس سے بھی نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

۲۹۸ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُيَيْنَةَ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعْتُ جَابِرًا رضي الله عنه: مَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قَطُّ فَقَالَ: لَا .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ سے کبھی بھی کسی چیز کے متعلق سوال کیا گیا ہو اور آپ نے نا کہا ہو ایسا نہیں ہوا۔

تشریح: کبھی آپ ﷺ سوال کے جواب میں منع نہیں فرماتے تھے، جو بھی چیز آپ سے مانگی جاتی تھی حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ فوراً دے دیا کرتے تھے چاہے خود کو ضرورت ہو، بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے ایک چادر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کی کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے ہاتھ سے کات کر بنائی ہے اور یہ اس لیے لائی ہوں کہ آپ زیب تن فرمائیں، راوی کہتے

ہیں کہ اس وقت نبیٔ کریم ﷺ کو کپڑوں کی ضرورت تھی آپ نے گویا اس کو بڑی احتیاج کے ساتھ یعنی عین ضرورت کے موقع پر یہ چادر اور اس کا ہدیہ قبول فرمایا، اس کے بعد آپ جب گھر میں تشریف لے گئے تو اسی چادر کو پہن کر مجلس میں تشریف لائے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے اس چادر کو ٹٹولنا شروع کیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بہت اچھی ہے مجھے عنایت فرما دیجئے، تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ: ٹھیک ہے، کیونکہ اس وقت آپ مجلس میں تشریف فرما تھے اس لیے اسی وقت اس کو نکالنا ممکن نہیں تھا، آپ نے وعدہ فرمالیا، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب مجلس ختم ہوئی اور نبیٔ کریم ﷺ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور جا کر وہ چادر آپ نے نکال کر تہہ کر کے صحابی کے پاس بھیج دی، جب آپ اندر تشریف لے گئے تو مجلس میں جو صحابہ موجود تھے انہوں نے اس درخواست کرنے والے صحابی کو تنبیہ کی کہ بھلے آدمی تمہیں معلوم تھا کہ نبیٔ کریم ﷺ کو اس وقت کپڑوں کی ضرورت ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ آپ کسی کے مطالبے پر انکار نہیں فرماتے ہیں اور کبھی نا میں جواب نہیں دیتے، تم نے کیوں مانگا؟ اس وقت ان صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے تو اس لیے مانگا کہ یہی کپڑا میرے لیے آئندہ چل کر کفن بنے۔ راوی کہتے ہیں کہ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ چادر ان کے کفن میں استعمال کی گئی۔ بہرحال بتلانا یہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ کسی چیز کو منع نہیں فرماتے تھے، جو مطالبہ ہوتا تھا آپ اس کو پورا کرلیا کرتے تھے۔

حضرت امام زین العابدین علی ابن حسین ابن علی کے مناقب میں فرزدق شاعر نے ایک قصیدہ کہا ہے نفحۃ العرب میں ہے اس کا ایک شعر ہے: ما قال لا قط إلا في

تشهد ولولا التشهد لكانت لاؤه نعم کبھی انہوں نے اپنی زبان سے نا نہیں کہا، صرف کلمۂ تشہد میں جہاں کلمۂ شہادت اس میں أشهد أن لا إله إلا الله میں لا کہا اگر کلمۂ تشہد نہ ہوتا تو ان کی زبان سے لا کبھی نہیں نکلتا۔

بہر حال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کا بھی یہی حال تھا۔ پہلے بھی آچکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی کو انکار نہیں فرماتے تھے۔

بَابُ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ

۲۹۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ رضي الله عنه قَالَ:بَعَثَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَنِي أَنْ آخُذَ عَلَيَّ ثِيَابِي وَسِلَاحِي،ثُمَّ آتِيهِ، فَفَعَلْتُ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَصَعَّدَ إِلَيَّ الْبَصَرَ ثُمَّ طَأْطَأَ، ثُمَّ قَالَ: "يَا عَمْرُو، إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَبْعَثَكَ عَلَى جَيْشٍ فَيُغْنِمُكَ اللهُ، وَأَرْغَبُ لَكَ رَغْبَةً مِنَ الْمَالِ صَالِحَةً"، قُلْتُ: إِنِّي لَمْ أُسْلِمْ رَغْبَةً فِي الْمَالِ، إِنَّمَا أَسْلَمْتُ رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ فَأَكُونُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "يَا عَمْرُو، نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ".

اچھا مال اچھے آدمی کے لیے نعمت ہے

ترجمہ: حضرت موسیٰ ابن علی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں نے سنا کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے پاس پیغام بھیجا، اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے کپڑے پہن کر ہتھیار سجا کر (گویا

سفر کے لیے جو تیاری ہوسکتی ہے وہ کر کے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں) اس ہدایت کے مطابق میں سب تیاری کر کے کپڑے وغیرہ پہن کر اور ہتھیار سجا کر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جس وقت میں آپ کی خدمت میں پہنچا اس وقت حضور اکرم ﷺ وضو فرما رہے تھے، میں جب آپ کے پاس پہنچا تو نبیٔ کریم ﷺ نے وضو کرتے کرتے اپنی نگاہ میری طرف اٹھائی (جیسے کوئی آدمی نیچے دیکھ رہا ہو تو کھڑے آدمی کو یوں کر کے دیکھتا ہے اور پھر سر جھکا لے) اس طرح نبیٔ کریم ﷺ نے بھی میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور پھر آپ نے اپنی نگاہ جھکا لی اور اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: اے عمرو! میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجوں تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تم کو مال غنیمت کے طور پر کچھ دے اور تم کو اچھا مال حاصل ہو (حضور اکرم ﷺ نے کسی لشکر کا امیر بنا کر ان کو بھیجنے کے ارادہ کا اظہار فرمایا اور یہ اس لیے تھا تا کہ اس کے ضمن میں اسی کی وجہ سے مال غنیمت کے طور پر کچھ مال بھی حاصل ہو جائے، حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کے اس ارشاد کو سن کر میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں مال کی خاطر مسلمان نہیں ہوا (کیونکہ اس وقت تازہ تازہ اسلام لائے ہوئے تھے، صلح حدیبیہ کے بعد کا زمانہ تھا اور اس کے بعد ان کو حضور اکرم ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنایا تھا، کہا کہ مال کی خاطر میں اسلام نہیں لایا، میں تو اسلام کی محبت میں ایمان لایا ہوں اور یہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ کے ساتھ رہوں) اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اے عمرو! نیک آدمی کے لیے اچھا مال بڑا پسندیدہ ہے (یعنی اگر کسی نیک آدمی کو کسی جائز طریقے سے اور جائز راستے سے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتلائے ہوئے راستے سے کوئی مال مل جائے جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری میں استعمال کرے اور خرچ کرے یہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اس کے لیے گویا بڑی اچھی چیز ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی آدمی اگر شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق صحیح طریقے سے مال کماتا ہے اور وہ صالح آدمی ہے کہ اس مال کو اللہ کی خوشنودی ہی کے اندر خرچ بھی کرتا ہے، اس لیے کہ مال بھی ان چیزوں میں سے ہے کہ

جس کے متعلق خصوصیت کے ساتھ قیامت کے روز سوال کیا جائے گا۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

لا یزول قدما ابن آدم یوم القیامة حتیٰ یسئل عن خمس عن عمره فیما افناه وعن شبابه فیما ابلاه وعن ماله من اکتسبه وفیما انفقه وماذا عمل فیما علم

انسان کے پاؤں اللہ کے حضور سے قیامت کے روز ہٹ نہیں سکیں گے یہاں تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق اس کو سوال کیا جائے گا، ایک تو زندگی کے متعلق کہ زندگی کہاں پر گذاری اور جوانی کو کہاں خرچ کیا، مال کو کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو علم ملا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟۔ بہرحال اگر کوئی شخص مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے اور گویا اس کے لیے آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لا حسد الا فی اثنین کہ دو آدمی ایسے ہیں کہ ان پر رشک اور غبطہ کرنا جائز ہے، ایک تو وہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ کا علم دیا اور اس کے ذریعے وہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور وہ دن رات اس کی تلاوت بھی کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہے اور وہ مال کو دن رات اللہ کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ بہرحال نعم المال الصالح للمرأ الصالح ، مال فی نفسہ کوئی نفرت کی چیز نہیں ہے اگر اس کے ذریعے کوئی شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

تشریح: مال صالح یعنی وہ مال جو صحیح طریقہ سے اور جائز طریقے سے شریعت کے بتلائے ہوئے آداب وشرائط کی رعایت کرتے ہوئے حاصل کیا گیا ہو ایسے مال کو مال صالح کہتے ہیں، ایک نیک آدمی کے لیے جو اللہ کی اطاعت وفرماں برداری اور اللہ کے احکام کی بجا آوری کا اہتمام اپنی زندگی کے ہر شعبے میں کرتا ہے ایسے آدمی کو اگر اس طرح کا مال مل جائے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اور فرماں برداری کا اور مالی حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے تو یہ مال بھی اس کے حق میں بڑا با برکت ہے،

جیسے برے آدمی کے لیے مال برا ہے وہ غلط کاموں میں اس کا استعمال کرے گا، اس مال کے ذریعے سے اللہ کی نافرمانی کرے گا، گناہ کرے گا، اور نیک آدمی مال کو اللہ کی اطاعت، وفرماں برداری میں استعمال کرکے اجروثواب حاصل کرے گا۔

بَابُ مَنْ أَصْبَحَ آمِنًا فِي سِرْبِهِ

٣٠٠ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مَرْحُومٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي شُمَيْلَةَ الْأَنْصَارِيِّ الْقُبَائِيِّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مِحْصَنٍ الْأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَصْبَحَ آمِنًا فِي سِرْبِهِ، مُعَافًى فِي جَسَدِهِ، عِنْدَهُ طَعَامُ يَوْمِهِ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا".

اپنی جان مال میں امن وامان کے ساتھ صبح کرے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی جان و مال میں امن وامان کے ساتھ صبح کرے (یعنی ایسی حالت میں صبح کی کہ کوئی تکلیف نہیں ہے، کوئی پریشانی نہیں ہے، کوئی خطرہ نہیں ہے اپنی جان و مال کے متعلق) اور اس کا جسم بالکل عافیت سے اور تندرست ہے اور اس دن کی روزی اس کے پاس ہے (یعنی اس دن جو کھاتے ہیں ایک دن کا کھانا اس کے پاس موجود ہے تو اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گویا ساری خیر اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمیٹ کر اس کو دے دی گئی۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ

نعمتیں حاصل ہوں، کہ ان کو جان و مال کے اعتبار سے امن و امان حاصل ہے، جسم میں تندرستی ہے اور اس دن کی روزی ملی ہوئی ہے تو گویا دنیا کی ساری نعمتیں ان کو حاصل ہیں۔

روزی کے معاملہ میں اصل چیز یہ ہے کہ جتنا آج ملا ہے اس پر قناعت کرنی چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ جس اللہ نے آج دیا ہے کل بھی وہی دے گا، کل کی وجہ سے اپنے آپ کو آج غم اور فکر میں ڈالنا یہ کوئی دانش مندی نہیں ہے، آج اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لیے دیا ہے تو کل بھی اس کی طرف سے انتظام ہو جائے گا۔

بَابُ طِيبِ النَّفْسِ

٣٠١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ الْأَسْلَمِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاذَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ خُبَيْبٍ الْجُهَنِيَّ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَيْهِمْ وَعَلَيْهِ أَثَرُ غُسْلٍ، وَهُوَ طَيِّبُ النَّفْسِ، فَظَنَنَّا أَنَّهُ أَلَمَّ بِأَهْلِهِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، نَرَاكَ طَيِّبَ النَّفْسِ؟ قَالَ: "أَجَلْ، وَالْحَمْدُ لِلهِ"، ثُمَّ ذُكِرَ الْغِنَى، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِالْغِنَى لِمَنِ اتَّقَى، وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقَى خَيْرٌ مِنَ الْغِنَى، وَطِيبُ النَّفْسِ مِنَ النِّعَمِ".

آدمی کا ہشاش بشاش رہنا

ترجمہ: معاذ بن عبد اللہ بن خبیب الجہنی اپنے والد سے اور وہ ان کے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ان کے پاس ایسی حالت میں تشریف لے آئے کہ آپ کے

جسم مبارک پر غسل کا اثر تھا (گویا ابھی تازہ تازہ غسل فرما کر آ رہے ہیں) اور آپ ﷺ بالکل ہشاش بشاش تھے، خوش تھے، ہم نے یہ سمجھا کہ آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ ملاقات کر کے آئے ہوئے ہیں، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو ہشاش بشاش پا رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جی ہاں! اللہ کا شکر ہے۔ اس کے بعد مالداری کا تذکرہ ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی اللہ سے ڈرتا ہو اس کے لیے مالداری میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور جو آدمی اللہ سے ڈرتا ہو اس کے لیے تندرستی مالداری سے بھی بڑھ کر ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا ہشاش بشاش ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں۔

تشریح: آدمی کا ہشاش بشاش ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کو ہمیشہ fresh رہنا کہتے ہیں کہ کبھی اس کے اوپر غم طاری نہ ہو۔ ہشاش بشاش ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی چیز ہے، اس کا بھی آدمی کو اللہ سے سوال کرنا چاہیے، اسی طرح ایسی مالداری بھی مانگنی چاہیے جو مالداری آدمی کو اللہ کی نافرمانی میں مبتلا نہیں کرتی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی خشیت کے ساتھ تندرستی یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے، اور تندرستی والی نعمت مالداری سے بھی بڑھ کر ہے، اس لیے کہ ایک آدمی کے پاس پیسے ہیں لیکن تندرستی نہیں ہے تو وہ اپنی ساری دولت تندرستی کے لیے خرچ کرنے کے لیے تیار ہے۔ بہر حال تندرستی اس سے آگے کی نعمت ہے، اسی لیے ہمارے یہاں کہاوت مشہور ہے کہ تندرستی ہزار نعمت ہے۔

۳۰۲ - أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه، أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ؟ فَقَالَ: "الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ مَا حَكَّ فِي نَفْسِكَ

وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ".

ترجمہ: حضرت نواس ابن سمعان الانصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھے اخلاق نیکی ہے اور تمہارے دل کے اندر جو چیز کھٹکے وہ گناہ ہے اور جس کو تم ناپسند کرو کہ لوگ اس سے واقف ہوں گے تو اچھا نہیں یہ بھی گناہ ہے۔

تشریح: جو کام ایسا ہو کہ جس کے بارے میں تمہارا دل یہ چاہتا ہو کہ لوگوں کو اس کام کا پتہ نہ چلے تو سمجھ جاؤ کہ اس میں کوئی گڑبڑ ہے، یہ گویا گناہ ہونے کی علامت ہے اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

٣٠٣ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ، وَأَجْوَدَ النَّاسِ، وَأَشْجَعَ النَّاسِ، وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَانْطَلَقَ النَّاسُ قِبَلَ الصَّوْتِ، فَاسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ سَبَقَ النَّاسَ إِلَى الصَّوْتِ وَهُوَ يَقُولُ: "لَنْ تُرَاعُوا، لَنْ تُرَاعُوا"، وَهُوَ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ، مَا عَلَيْهِ سَرْجٌ، وَفِي عُنُقِهِ السَّيْفُ، فَقَالَ: "لَقَدْ وَجَدْتُهُ بَحْرًا، أَوْ إِنَّهُ لَبَحْرٌ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ لوگوں میں سب سے بہتر اور لوگوں میں آپ سب سے زیادہ سخی تھے اور لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت مدینہ والے ایک آواز سن کر گھبرا گئے جب صبح صادق ہوئی تو لوگ اس آواز کی طرف گئے حضور ﷺ نے لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں یعنی ایسی کوئی خطرے کی بات نہیں ہے واپس چلو اور اس وقت نبیٔ کریم ﷺ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا

ایک گھوڑا جس پر زین بھی نہیں تھا اس پر سوار تھے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گلے میں تلوار لٹک رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس گھوڑے کے متعلق فرمایا کہ ہم نے اس کو سمندر کی طرح پایا (یعنی اس کی چال بہت تیز ہے)۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھے، ایک حسن جسمانی ہوتا ہے اور ایک حسن اخلاق و عادات کی خوبیوں کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے گویا آپ جسمانی اعتبار سے بھی حسین و جمیل تھے اور اخلاق و عادات کے اعتبار سے بھی آپ سب سے اونچے اخلاق پر فائز تھے، آپ کا حسن و جمال ہر انسان پر فائق تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے زیادہ بہادر تھے آپ کی بہادری کی ایک مثال اس حدیث میں ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے آبادی سے باہر سے کوئی خطرناک آواز سنی جس کی وجہ سے سب پر ایک ڈر اور خوف کی کیفیت طاری ہوگئی، لوگوں نے سوچا کہ بستی سے نکل کر تحقیق کی جائے کہ یہ آواز کیسی ہے، جب لوگ باہر نکل کر جانے لگے تو دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ادھر سے تشریف لا رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ آدھی رات کے وقت ایسی خطرناک آواز سننے پر جبکہ اور لوگوں نے احتیاط کی بنیاد پر اس وقت نکلنا مناسب نہیں سمجھا، آپ تن تنہا وہاں تشریف لے گئے جس سے آپ کی بہادری معلوم ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی روایت میں یہ بھی اضافہ کیا گیا ہے کہ وہ آواز رات کے وقت سنی گئی تھی، تو رات کا وقت ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اس وقت اس آواز کی تحقیق اور تفتیش کے لیے جانا مناسب نہیں سمجھا، صبح کا انتظار کیا۔

آواز کی طرف جانے کے لیے وقتی طور پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوطلحہ

رضی اللہ عنہ کا گھوڑا مانگ لیا تھا اور عجلت اور جلدی کی وجہ سے اس پر زین ڈالنے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی، بغیر زین ڈالے ایسے ہی ننگی پیٹھ پر ہی سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی خطرہ وغیرہ ہو اور اس کی تحقیق کے لے آدمی کو فوراً جانا پڑے تو ایسے ہی نہ جائے بلکہ ہتھیار لے کر جائے، عام طور پر ہمارا مزاج ایسا ہے کہ خالی ہاتھ نکل جاتے ہیں، ایسا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ کچھ لے کر کے جانا چاہیے۔

٣٠٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، إِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ، وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ أَخِيكَ".

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نیکی صدقہ ہے اور اپنے ڈول میں سے اپنے بھائی کے لیے پانی ڈالو یہ بھی نیکی ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر نیک کام اپنے اندر صدقہ کا ثواب رکھتا ہے اور نیکی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے ملاقات کرو تو خندہ پیشانی کے ساتھ ہنستے ہوئے اپنے بھائی کی ملاقات کرو۔ یعنی اس طرح نہیں کہ منہ پھولا ہوا ہے، اپنے مسلمان بھائی کو ہنستے ہوئے ملنا یہ بھی نیکی ہے اور اس میں بھی صدقہ کا ثواب ہے۔

بَابُ مَا يَجِبُ مِنْ عَوْنِ الْمَلْهُوفِ

۳۰۵ - حَدَّثَنَا الْأُوَيْسِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِي مُرَاوِحٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَعْمَالِ خَيْرٌ؟ قَالَ: "إِيمَانٌ بِاللهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ"، قَالَ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "أَغْلَاهَا ثَمَنًا، وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا"، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَسْتَطِعْ بَعْضَ الْعَمَلِ؟ قَالَ: "تُعِينُ ضَائِعًا، أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ"، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ ضَعُفْتُ؟ قَالَ: "تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُهَا عَلَى نَفْسِكَ".

بے سہارا اور پریشان حال کی مدد کا ضروری ہونا

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اعمال میں کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا (گویا یہ وہ اعمال ہیں جو سب سے افضل ہیں) اس کے بعد دوسرا سوال یہ کیا کہ جو غلام آزاد کئے جاتے ہیں اس میں کونسا غلام آزاد کرنا سب سے بہتر ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو غلام قیمت کے اعتبار سے سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہو اور اس کے مالک کی نظر میں سب سے عمدہ ہو۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ اگر ان اعمال میں سے بعض اعمال میں نہ کرسکوں تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ اس پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسا آدمی جو بالکل بے یار و مددگار رہو ایسے آدمی کی مدد کر (یعنی ایسا آدمی کہ اگر اس کی خبر نہ لی جائے تو وہ بالکل ضائع اور برباد ہو جائے گا) یا کسی عاجز کا کام کر دے (تاکہ تیری مدد کے ذریعہ سے اس کو سہارا ملے) سوال کرنے والے نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ بھی مجھ سے

نہ ہوسکے تو؟ (میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس کو انجام دوں) تو فرمایا کہ اپنی برائی سے لوگوں کو بچالو یہ بھی اپنے اوپر ایک صدقہ ہے جو تم کررہے ہو۔

تشریح: یہ تو ظاہر ہے کہ اچھے اوصاف والے غلام کا آزاد کرنا آقا کے لیے زیادہ فضیلت والا عمل ہے اس لیے کہ ایسا غلام آقا کا محبوب ہوتا ہے اس کے باوجود آقا اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ قربانی دے کر اس کو آزاد کررہا ہے، قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصول بتلاہی دیا ہے ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ جو چیز تم کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو اس کو خرچ نہیں کروگے وہاں تک تم کو پورا ثواب نہیں ملے گا، پوری نیکی تم کو حاصل نہیں ہوگی۔

لیکن ہر شخص غلام آزاد کر نہیں کرسکتا تو ایسے آدمی کے لیے کسی کی مدد کرنا یہ بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے، کسی کی مدد کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کچھ کام کررہا ہے مگر اس کام کو اچھی طرح کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو ایسے آدمی کی مدد کرنا بھی فضیلت والا عمل ہے، مثلاً ایک آدمی کو کھانا کھانے کی ضرورت ہے، وہ کھانا پکارہا ہے مگر وہ کھانا پکانا اچھی طرح نہیں جانتا تو آپ ذرا اس میں اس کی مدد کردیجیے، اسی طرح ایک مسافر اپنا سامان باندھ رہا ہے مگر باندھ نہیں سکتا تو اس کا ہاتھ بٹائیے، سامان باندھنے میں مدد کردیجئے۔ مطلب یہ کہ کسی کو کوئی کام کرنے میں مدد کی ضرورت ہے تو پھر اس کا ہاتھ بٹاؤ تو اس پر آپ کو اجر وثواب ملے گا۔ اور اگر کوئی کسی کی مدد نہیں کرسکتا تو کم از کم اتنا تو کرلے کہ اپنی برائی سے لوگوں کو بچالے یہ بھی اپنے اوپر ایک صدقہ ہے، یعنی تم سے بھلائی نہیں ہوسکتی تو کم از کم یہ تو کرو کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور اپنے شر سے، اپنی برائی سے دوسرے کو محفوظ کرلو۔

طاقتِ نیکی نہ داری بد مکن۔

بھائی! تم کسی کے ساتھ بھلائی نہیں کر سکتے تو کم از کم کسی کے ساتھ برائی تو نہ کرو۔

٣٠٢ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ، سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ، عَنْ جَدِّي، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ''، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: ''فَلْيَعْمَلْ، فَلْيَنْفَعْ نَفْسَهُ، وَلْيَتَصَدَّقْ''، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: ''لِيُعِنْ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ''، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: ''فَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ''، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: ''يُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا لَهُ صَدَقَةٌ''.

ترجمہ: حضرت سعید ابن ابی بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے دادا یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے (یعنی ہر مسلمان کو چاہیے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا، صدقہ دینے کا اہتمام کرے) اس پر پوچھنے والے نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! صدقہ کرنے کے لیے اس کے پاس مال نہیں ہے تو پھر آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرنے کے لیے مال نہیں ہے تو مزدوری کرے تو اس سے جو آمدنی ہو گی اس سے اپنا فائدہ بھی ہو گا اور صدقہ کرنے کے لیے بھی راستہ کھلے گا (دونوں کام ہو جائیں گے، یہ سوچ کر کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے بیٹھا نہ رہے، اگر اپنے ہاتھ پیر ہلا سکتا ہے کچھ مزدوری کر سکتا ہے تو ضرور کرے) پوچھنے والے نے پوچھا کہ یہ بھی اگر نہ ہو سکے تو اس کے لیے آپ کیا ہدایت دیتے ہیں؟ اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی بے سہارا آدمی کی مدد کرے تو یہ بھی گویا اس کے لیے نیکی کا کام ہے، اس پر پوچھنے والے نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بھی نہ ہو سکے تو اس

کے لیے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی کو بھلی بات کا حکم دے۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! اگر یہ بھی کسی سے نہ ہو سکے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی برائی کو روک دے (یعنی کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، کسی کو اپنی ذات سے کوئی شر نہ پہنچائے یہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہے اتنا تو وہ کر سکتا ہے)۔

بَابُ مَنْ دَعَا اللهَ أَنْ يُحَسِّنَ خُلُقَهُ

٣٠٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعَمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رَافِعٍ التَّنُوخِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكْثِرُ أَنْ يَدْعُوَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ، وَالْعِفَّةَ، وَالْأَمَانَةَ، وَحُسْنَ الْخُلُقِ، وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ.

کوئی آدمی اس دعا کا اہتمام کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے اخلاق کو اچھا بنا دے

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کثرت سے یہ دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تندرستی کا (تندرستی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ ہے تو بندہ اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اللہ کے احکامات کو بجا لا سکتا ہے، ورنہ بہت ساری نعمتوں سے آدمی محروم ہو جاتا ہے) اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں پاک دامنی کا (یعنی وہ گناہ جو آدمی کی شرم گاہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے بچنے کا اہتمام ہو) اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں امانت داری کا (آدمی پر جن

کاموں کو انجام دینے کے سلسلے میں اعتماد اور بھروسا کیا جاتا ہے وہ امانت کہلاتے ہیں، آپ کسی کے یہاں ملازم ہیں اور آپ کو جو ذمہ داری حوالے کی گئی یہ ذمہ داری بھی آپ کے لیے امانت ہے، اب آپ کی ذمہ داری اور فرض ہے کہ آپ اس کام کو پورے طور پر انجام دیں، اس میں کسی کوتاہی کا ارتکاب نہ کریں، اسی طرح ہر وہ ذمہ داری جس میں اس پر اعتماد اور بھروسا کیا گیا ہو اس کو پورے طور پر انجام دینا بھی امانت کہلاتا ہے) اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اچھے اخلاق کا اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے فیصلے پر راضی رہنے کا (اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کر دیا اس پر آدمی دل سے راضی رہے یہ بھی گویا بہت اعلیٰ صفت ہے جس کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بہت قدر و قیمت ہے)۔

فائدہ: اخلاق کی درستگی کے لیے آدمی جہاں کوشش کرے، تدبیریں اختیار کرے، ریاضت و مجاہدہ کرے وہیں وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کا بھی اہتمام کرے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں چیزیں شرعاً مطلوب ہیں، اخلاق کی درستگی کے لیے مناسب تدبیریں بھی اختیار کرنی چاہئیں اور اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔

نبیٔ کریم ﷺ کثرت سے جن دعاؤں کو مانگنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اس میں اچھے اخلاق کا بھی سوال کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو نبیٔ کریم ﷺ کو اچھے اخلاق سے نواز رکھا تھا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ﴾.

بیشک آپ بڑے اونچے اخلاق کے مالک ہیں اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ. (مشکاۃ شریف باب الرفق والحیاء وحسن الخلق الفصل الثالث ص ۴۳۲)

کہ میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کو کمال تک پہنچاؤں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو آپ کو اخلاق کے بالکل اعلیٰ مقام پر پہنچایا تھا، یہ دعا جو آپ فرما رہے ہیں اس سے امت کو آپ تعلیم دے رہے ہیں کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس دعا کا اہتمام کرے۔

٣٠٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ قَالَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ بَابَنُوسَ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْنَا: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، مَا كَانَ خُلُقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ، تَقْرَؤُونَ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَتِ: اقْرَأْ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ [المؤمنون:١]، قَالَ يَزِيدُ: فَقَرَأْتُ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ [المؤمنون:١] إِلَى ﴿لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ المؤمنون، قَالَتْ: هَكَذَا كَانَ خُلُقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ وتشریح: حضرت یزید ابن بابنوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے ان سے پوچھا کہ: اے ام المؤمنین! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم آپ کا اخلاق ہے (یعنی قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن صفات کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے وہ ساری صفات اور خوبیاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھیں، قرآن میں جن صفات کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے وہ ساری حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھیں) چنانچہ یزید ابن بابنوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ پڑھو ﴿قَد اَفلَحَ المُؤمِنُونَ﴾ حضرت یزید ابن بابنوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد پر میں نے پڑھا ﴿قَد اَفلَحَ المُؤمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُم فِي صَلَاتِهِم خٰشِعُونَ ﴿٢﴾ وَ الَّذِينَ هُم عَنِ اللَّغوِ مُعرِضُونَ ﴿٣﴾ وَ الَّذِينَ هُم لِلزَّكٰوةِ

فٰعِلُوْنَ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ هُم لِفُرُوجِهِم حٰفِظُونَ﴾ یہاں تک میں نے پڑھا (ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والوں کی فلاح اور کامیابی کا وعدہ کیا ہے، ترجمہ: تحقیق کہ ایمان والے کامیاب ہو گئے، لفظ فلاح میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں شامل ہیں، ایمان والے وہ ہیں ﴿الَّذِينَ هُم فِي صَلَاتِهِم خٰشِعُونَ﴾ جو اپنی نمازوں میں خشوع اور خضوع کا اہتمام کرتے ہیں، خشوع سکون وطمانیت کو کہتے ہیں، قلب کا سکون یہ ہے کہ قلب ادھر ادھر خیالات کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اعضاء کا سکون یہ ہے کہ نگاہیں ہاتھ پاؤں جس طرح نماز میں رہنا چاہئیں اس طرح رہیں ﴿وَالَّذِينَ هُم عَنِ اللَّغوِ مُعرِضُونَ﴾ جو لوگ بیکار بات ہو یا بیکار کام ہو اس سے اعراض کرتے ہیں اس سے دور رہتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ هُم لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُونَ﴾ اور جو لوگ زکوۃ ادا کرتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ هُم لِفُرُوجِهِم حٰفِظُونَ﴾ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں) حضرت یزید ابن بابنوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہاں تک (وَالَّذِينَ هُم لِفُرُوجِهِم حٰفِظُونَ تک) یہ آیت تلاوت کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہی نبیٔ کریم ﷺ کے اخلاق تھے یعنی گویا آپ ان صفات سے متصف تھے۔

بَابُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ

٣٠٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شَيْبَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: مَا سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ لَاعِنًا أَحَدًا قَطُّ، لَيْسَ إِنْسَانًا. وَكَانَ سَالِمٌ يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُونَ لَعَّانًا".

مومن طعن و تشنیع کرنے والا نہیں ہوتا

ترجمہ و تشریح: حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ جو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحب زادے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کبھی کسی پر لعنت ملامت کرتے ہوئے نہیں سنا (نہ کسی جانور پر، نہ کسی انسان پر اور نہ ہی کسی اور چیز پر) اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک مومن کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ وہ لوگوں پر لعنت کرنے والا ہو۔

فائدہ: لعنت کہتے ہیں کسی کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری کی بددعا کرنا کہ فلاں پر لعنت ہو یعنی وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو، اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایک مومن کی شان اور عادت یہ نہیں ہے کہ وہ کسی پر طعن کرے جس کو taunting کرنا کہتے ہیں یعنی کسی کو طعنہ دینا یہ مومن کی صفت نہیں ہے اور یہ بھی نہیں کہ وہ کسی کے لیے اس طرح کی بددعا کرے اور بددعا کے الفاظ کہے۔

۳۱۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَزَارِيُّ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ مُبَشِّرٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ، وَلَا الصَّيَّاحَ فِي الْأَسْوَاقِ".

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فحش گوئی اور بے حیائی کی بات کہنے والے کو پسند نہیں فرماتا اور بازاروں میں چیخنے چلانے والے کو بھی اللہ پسند نہیں کرتا۔

فائدہ: ”فاحش“ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کا مزاج ہی طبعی طور پر بے شرمی کی باتیں کرنے کا ہو اور متفحش اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مزاج اور طبیعت تو اس طرح کی نہیں ہے لیکن وہ تکلف کر کے کبھی لوگوں کو خوش کرنے کے لیے یا کسی اور وجہ سے ایسا کر لیتا ہے، دونوں قسم کے لوگ چاہے وہ طبعی طور پر فحش گوئی کرتے ہوں اور بے حیائی کی باتیں کہتے ہوں یا بہ تکلف ایسا کرتے ہوں دونوں میں سے کسی کو بھی اللہ پسند نہیں کرتا۔

۳۱۱ - وَعَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ يَهُودًا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: وَعَلَيْكُمْ، وَلَعَنَكُمُ اللهُ، وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْكُمْ، قَالَ: "مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ"، قَالَتْ: أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ: "أَوَ لَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ؟ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ، فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ، وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ".

ترجمہ وتشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ یہودی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو السلام علیکم کہنے کی بجائے ”لا“ کو نکال کر السام علیکم کہا (سام عربی زبان میں موت کو کہتے ہیں تمہیں موت آئے بجائے اس کے کہ تم پر سلامتی ہو،) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں انہوں نے یہ سنا تو ان کو بہت طیش آیا، اور انہوں نے کہا تم کو بھی موت آئے، تم پر اللہ کی لعنت ہو، تم پر اللہ کا غضب ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ فرمائی کہ اے عائشہ! ذرا ٹھہرو یہ کیا؟ ذرا نرمی اختیار کرو اور سختی اور بدکلامی سے بچو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے

تنبیہ فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے کیا کہا آپ نے نہیں سنا؟ (شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھیں کہ حضور کو پتہ نہیں چلا کہ انہوں نے السام علیکم کہا) اس پر حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب میں فرمایا کہ میں نے کیا کہا وہ تم نے نہیں سنا؟ انہوں نے جو الفاظ مجھے کہے تھے وہی میں نے لوٹائے (انہوں نے کہا السام علیکم میں نے کہا وعلیکم، انہوں نے کہا کہ تم کو موت آئے، میں نے کہا تم کو بھی۔ جب کوئی آدمی تم کو السلام علیکم کہے اور تم کہو وعلیکم، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو دعا اس نے دی وہ دعا آپ اس کو دے رہے ہیں اور یہاں انہوں نے سلام کے بجائے موت کی بد دعا دی تھی تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں خالی وعلیکم فرمایا گویا انہوں نے جو بات مجھے کہی وہی بات میں نے ان کو لوٹا دی میں نے کچھ اور نہیں کہا) اور یہ بات یاد رکھو کہ ان کے سلسلے میں میری بد دعاء اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول کی جاتی ہے لیکن وہ میرے لیے بد دعا کرتے ہیں وہ قبول نہیں ہوتی، اس لیے یہ خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں (اگر یہ السام علیکم مجھے نہ کہتے تو جواب میں میں وعلیکم نہ کہتا اور ظاہر ہے ان کو یہ بد دعا نہ لگتی۔ بہر حال یہاں تو اس روایت کو لا کر یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے سخت رویہ اختیار کرنے پر تنبیہ فرمائی)۔

۳۱۲ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن نہ تو طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے (یعنی کسی کو taunt بھی نہیں کرتا اور نہ کسی پر لعن طعن کرتا ہے) اور نہ وہ بدکلامی کرتا ہے (یعنی بے حیائی کی بات اپنی زبان سے نہیں نکالتا) اور نہ وہ منہ پھٹ ہوتا ہے۔

٣١٣ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ سَلْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَنْبَغِي لِذِي الْوَجْهَيْنِ أَنْ يَكُونَ أَمِينًا".

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو رخ والا آدمی قابل اعتماد نہیں ہوتا (یعنی جو آدمی لوگوں سے دوغلی پالیسی اپناتا ہے، ایک کے سامنے اس کے مخالف کی برائی کرتا ہے اور اس کی ہمدردی کے الفاظ اختیار کرتا ہے اور پھر اس کے مخالف کے پاس جا کر اس کی برائی کرتا ہے اور اس کے مخالف کی ہمدردی کی باتیں کرتا ہے یہ ڈبل اور دوغلی پالیسی کرنے والا ذی الوجہین دو رخ والا ہے)۔

٣١٤ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: "أَلْأَمُ أَخْلَاقِ الْمُؤْمِنِ الْفُحْشُ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن کی صفات میں اور مومن کی عادات میں سب سے زیادہ بری عادت فحش گوئی اور بے حیائی کی باتیں کرنا ہے۔

فائدہ: جس آدمی کی زبان بے حیائی کی باتیں کہنے والی ہو وہ سب سے زیادہ برا آدمی ہے اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے، بعض لوگ تو بے حیائی کی باتوں کو اپنے لیے کمال سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

۳۱۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِيُّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، يَقُولُ: لُعِنَ اللَّعَّانُونَ "قَالَ مَرْوَانُ الَّذِينَ يَلْعَنُونَ النَّاسَ".

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جولوگوں پرلعنت کرتے ہیں خود ان پرلعنت ہوتی ہے،مروان نے کہاکہ اللَّعَّانُونَ سے مراد وہ لوگ ہیں جولوگوں پرلعنت کرتے ہیں (جودوسروں پرلعنت کرتے ہیں انہی پرلعنت کی گئی ہےاور وہی اللہ کی رحمت سے دور کیے جاتے ہیں)۔

فائدہ: حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی پرلعنت بھیجتا ہےتو وہ لعنت اوپر آسمان کی طرف جاتی ہے جب وہ آسمان پر پہنچتی ہےتو آسمان کے دروازے اس کے لیے بند کردئے جاتے ہیں پھر وہ زمین کی طرف لوٹتی ہےاور زمین میں اپنے لیے جگہ تلاش کرتی ہے جب کوئی جگہ نہیں ملتی توجس کےاوپر لعنت کی گئی اس کے پاس جاتی ہے، اگروہ اس کا حق دار ہےیعنی وہ اپنے کرتوتوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اس لائق ہے کہ اس پرلعنت بھیجی جائےتواس کو پڑتی ہےورنہ پھراس کے پاس سےلوٹ کرلعنت کرنے والے کے پاس جاتی ہےاوراسی پر پڑتی ہے۔جولعنت کرنے والے ہیں وہ دوسروں کواللہ کی رحمت سے دورنہیں کرتے بلکہ وہ خودہی اللہ کی رحمت سے دور ہوجاتے ہیں، اس لیےجس کا مزاج بددعا کا ہوتا ہےاور باربارلوگوں کے لیے بددعائیں کرتا ہےتو جس کے لیے بددعا کی گئی ہے اگروہ اس کا حق دارنہیں ہےتو یہ بددعاخوداس بددعا کرنے والے پر پڑتی ہےلہٰذااس سےاپنے آپ کوبچانے کااہتمام کرنا چاہیے۔

بَابُ اللِّعَانِ

٣١٦ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاءَ، وَلَا شُفَعَاءَ".

بہت زیادہ لعنت کرنے والا

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جولوگ کثرت سے لعنت کرنے والے ہیں وہ قیامت کے دن نہ تو گواہ بنیں گے نہ سفارشی۔

فائدہ: حدیث شریف میں لفظ اللَّعَّانَ استعمال کیا ہے یعنی جس کا مزاج اور طبیعت بن چکی ہو اور وہ کثرت سے لعنت ملامت کرتا رہتا ہو اس کے لیے یہ حکم ہے، اگر کسی سے کبھی کبھار اتفاقیہ طور پر کوئی لعنت کا جملہ نکل جاتا ہے تو اس پر یہ وعید نہیں ہے۔

اس امت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا ہے کہ وہ اگلی امتوں کے معاملہ میں گواہی دیں گے جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پوچھیں گے ہم نے اپنا پیغام اور اپنے احکام بندوں تک پہنچانے کا آپ کو ذمہ دار بنایا تھا، آپ کو یہ کام سونپا تھا، آپ نے ہمارے احکام اور پیغام ہمارے بندوں تک پہنچائے؟ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا جائے گا تو وہ عرض کریں گے کہ ہاں باری تعالیٰ آپ کا پیغام اور آپ کے احکام آپ کے بندوں تک پہنچائے۔ اس کے بعد آپ کی

امت اور آپ کی قوم سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو آپ کے پاس اپنا پیغام اور اپنے احکام پہنچانے کے لیے بھیجا تھا کیا انہوں نے ہمارا پیغام اور ہمارے احکام تم لوگوں تک پہنچائے؟ وہ جواب میں کہیں گے: ﴿مَا جَآءَنَا مِن بَشِيرٍ وَّ لَا نَذِيرٍ﴾ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا نہیں آیا اور کسی نے کوئی پیغام نہیں پہنچایا۔ تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مطالبہ ہوگا کہ آپ جو کہہ رہے ہیں کہ میں نے پیغام پہنچایا آپ کی قوم تو منع کر رہی ہے آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟ تو بطور گواہ کے حضرت نوح علی نبینا وعلیہ السلام امت محمدیہ کو پیش کریں گے اور امت محمدیہ گواہی دے گی کہ ہاں! باری تعالیٰ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کا پیغام اور آپ کے احکام آپ کے بندوں تک پہنچائے، وہاں گواہ پر جرح کی جائے گی کہ تم حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں کہاں موجود تھے؟ تم کیسے گواہی دیتے ہو؟ تو امت محمدیہ ﷺ کہے گی کہ اے باری تعالیٰ! آپ نے ہمارے نبی حضور اکرم ﷺ پر جو قرآن پاک اتارا اس کے اندر آپ نے خود ہی فرمایا ہے کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا اور انہوں نے پیغام پہنچایا اور قوم نے ان کو جھٹلایا، چنانچہ امت محمدیہ گواہی دے گی، لیکن کثرت سے لعنت کرنے والے گواہ نہیں بنیں گے یعنی دوسری امت کے خلاف گواہ بننے کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو سعادت اور فضیلت اس امت کو عطا فرمائی ہے اور ان کو جو خصوصی امتیاز بخشا ہے وہ بات ان کو حاصل نہیں ہوگی۔ بعضوں نے کہا کہ کثرت سے لعنت ملامت کرنے کے نتیجہ میں ان لوگوں کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اس لیے کہ کسی بھی معاملے کے گواہ بننے کے لیے اس کا عادل ہونا یعنی دیندار ہونا ضروری ہے اور جو شخص کثرت سے

لعنت ملامت کرنے والا ہووہ گویا عادل نہیں ہے یعنی عدالت والی صفت جو ایک گواہ کے لیے گواہی کے معتبر ہونے کے لیے ضروری ہوا کرتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے اس لیے گویا دنیا کے اعتبار سے بھی وہ گواہ بننے کے قابل نہیں ہوتا۔ بعضوں نے شہداء سے راہ خداہ میں شہادت کا مرتبہ مراد لیا ہے یعنی جو لوگ کثرت سے لعنت کرنے والے ہیں ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ شہادت کی سعادت عطا نہیں فرماتے۔

اور کثرت سے لعنت کرنے والے شفیع اور سفارشی نہیں بنیں گے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دوسرے مسلمانوں کے لیے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں گئے ہیں ان کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت دیں گے تو یہ جو کثرت سے لعنت کرنے والے ہیں ان کو یہ بات بھی حاصل نہیں ہوگی۔

۳۱۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَنْبَغِي لِلصِّدِّيقِ أَنْ يَكُونَ لَعَّانًا".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صدیق ہو اس کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ لعنت کرنے والا ہو۔

۳۱۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ، عَنْ حُذَيْفَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: مَا تَلَاعَنَ قَوْمٌ قَطُّ إِلَّا حُقَّ عَلَيْهِمُ اللَّعْنَةُ .

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی قوم جب آپس میں ایک

دوسرے پر لعنت بھیجتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کی حق دار ہو جاتی ہے۔

فائدہ: اپنے آپ کو لعن طعن والے الفاظ استعمال کرنے سے روکنا چاہیے۔ مسلم شریف میں روایت موجود ہے، ریاض الصالحین میں بھی یہ روایت گذری ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تشریف لیجارہے تھے کہ قافلہ میں ایک آدمی کا اونٹ چلتا نہیں تھا، سواری کے جانور کو چلانے کے لیے مالک کی طرف سے جو کوششیں کی جاتی ہیں وہ ساری کوششیں کرڈالنے کے باوجود جب اس کے اندر تیز رفتاری نہیں آئی تو تنگ آکر اس کی زبان سے یہ نکلا کہ لعنت ہو، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر جو سامان وغیرہ ہے وہ اتارلو اور اس جانور کو ہمارے قافلے سے الگ کردو جس پر لعنت کی گئی ایسا جانور ہمارے قافلے میں نہیں رہنا چاہیے۔

باب من لَعَنَ عَبْدَهُ فَأَعْتَقَهُ

٣١٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ رضى الله تعالىٰ عنها، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رضى الله تعالىٰ عنه لَعَنَ بَعْضَ رَقِيقِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا أَبَا بَكْرٍ، اللَّعَّانِينَ وَالصِّدِّيقِينَ؟ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ"، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَعْتَقَ أَبُو بَكْرٍ رضى الله تعالىٰ عنه يَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِيقِهِ، ثُمَّ جَاءَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا أَعُودُ.

اپنے غلام پر لعنت بھیجے تو اس کی تلافی یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی

اللہ عنہ اپنے کسی غلام سے اس کی کسی بات پر ناراض ہوئے تو اس پر لعنت بھیجی کہ لعنت ہو تم پر، یہ جملہ ان کی زبان سے نکل گیا تو یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر! لعنت کرنے والے اور صدیق دونوں جمع نہیں ہو سکتے، ہرگز نہیں رب کعبہ کی قسم (یعنی ایک آدمی صدیق بھی ہو اور پھر وہ لعنت بھی بھیجے یہ نہیں ہو سکتا، دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں) دو یا تین مرتبہ نبی کریم ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس جملے کے کفارے اور توبہ کے طور پر کچھ غلام آزاد کئے (بلکہ اس غلام کو بھی جس پر لعنت بھیجی تھی آزاد کیا) اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا (گویا آپ نے عہد کیا کہ آئندہ کبھی میری زبان سے ایسا جملہ اور ایسا لفظ نہیں نکلے گا)۔

فائدہ: حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہ خاص صفت تھی کہ کسی چیز پر ان کو اگر ٹوکا جاتا تو دوبارہ ان سے وہ کام سرزد نہیں ہوتا تھا۔

بَابُ التَّلَاعُنِ بِلَعْنَةِ اللهِ وَبِغَضَبِ اللهِ وَبِالنَّارِ

۳۲۰ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَتَلَاعَنُوا بِلَعْنَةِ اللهِ، وَلَا بِغَضَبِ اللهِ، وَلَا بِالنَّارِ".

اللہ کی لعنت، اللہ کا غضب اور اللہ کی آگ (جہنم میں جانے) کی لعنت بھیجنے کا باب

ترجمہ: حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

کہ آپس میں اللہ کی لعنت، اللہ کا غضب اور جہنم کی بد دعا نہ دیا کرو۔

فائدہ: ایک دوسرے کو اس طرح کہنا کہ اللہ کی لعنت ہو، یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہو گویا جس پر لعنت کی جا رہی ہے اس کو اللہ کی رحمت سے دور ہونے کی بد دعا دی جا رہی ہے، پہلے بھی بتلایا جا چکا ہے کہ زبان سے جو لعنت کے کلمات نکالے جاتے ہیں ان لعنتی کلمات نکالنے والوں کا انجام بہت برا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ لعنت اوپر آسمان کی طرف جاتی ہے اور آسمان کے دروازے اس کے لیے بند کر دئے جاتے ہیں، وہاں سے زمین کی طرف آتی ہے، زمین میں وہ اپنے لیے مناسب جگہ تلاش کرتی ہے، وہاں جگہ نہیں ملتی تو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے اس کے پاس جاتی ہے اگر وہ حق دار ہو یعنی اپنے برے اعمال کی وجہ سے اس لائق ہو کہ اللہ کی رحمت سے دور کیا جائے تو پھر اس پر پڑتی ہے اور اگر وہ اس کا حق دار نہیں ہے تو اس صورت میں لعنت کرنے والے پر پڑتی ہے۔ اسی لیے آپ نے عام طور پر دیکھا ہو گا کہ جو لوگ بد دعائیہ کلمات نکالتے رہتے ہیں وہ ہمیشہ خود ہی پریشان رہتے ہیں۔

بَابُ لَعْنِ الْكَافِرِ

٣٢١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ، قَالَ: "إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَلَكِنْ بُعِثْتُ رَحْمَةً".

کافر کے اوپر لعنت

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ سے درخواست کی گئی کہ اے اللہ کے رسول! آپ مشرکین کے لیے بد دعا کیجئے، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت بھیجنے والا یعنی بد دعا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

فائدہ: کافر کے کسی برے کرتوت کی وجہ سے لعنت بھیجی جائے تو اس کی گنجائش ہے لیکن اسمیں بھی بلا وجہ نہیں پڑنا چاہیے۔

بَابُ النَّمَّامِ

۳۲۲ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامٍ: كُنَّا مَعَ حُذَيْفَةَ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ رَجُلًا يَرْفَعُ الْحَدِيثَ إِلَى عُثْمَانَ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ".

چغلی کی قباحت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ہمام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو ان سے کسی نے کہا کہ فلاں آدمی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کی باتیں پہنچاتا ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبیٔ کریم ﷺ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا کہ چغلی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

فائدہ: نَمَّامٌ اور قَتَّاتٌ دونوں ہم معنی ہی ہے، ایک ہی مفہوم کے لیے

آتے ہیں اور بعض حضرات نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ نمام تو کہتے ہیں اس شخص کو جس نے خود اپنے کان سے کوئی بات سنی، اپنی آنکھوں سے دیکھی اور وہ بات دوسرے تک فساد کی غرض سے پہنچائی اور قتات کہتے ہیں اس شخص کو کہ اس نے خود دیکھا نہیں، صرف کسی سے سنا کہ فلاں فلاں کے متعلق یوں کہہ رہا ہے اب وہ اسے سن کر دوسرے تک پہنچا دے اس کو قتات کہتے ہیں۔

چغلی کسے کہتے ہیں؟

چغلی کہتے ہیں ایک آدمی کی بات دوسرے تک بغرض افساد یعنی خرابی اور فساد پھیلانے کی نیت سے پہنچانا، مثلاً کسی نے کوئی بات کہی، یا کسی کی برائی کر دی اب جس نے سنی تھی وہ جس کی برائی کی تھی اس کو کہہ رہا ہے کہ فلاں نے تمہارے متعلق یوں کہا حالانکہ کہنے والا اس کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اگر بات پہنچانے والے کی نیت یہی ہے کہ اس کی وجہ سے دونوں میں خرابی پیدا ہو، اور فساد پھیلے تو یہ چغلی ہے اور اگر اس کی نیت افساد کی نہیں ہے کوئی اور نیت ہے مثلاً یہ ہے کہ جس کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے اس کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ بھائی تمہارے متعلق ایسا کہا جاتا ہے ذرا احتیاط سے رہو، مقصد افساد نہیں ہے، خیر خواہی ہے تو اس صورت میں وہ چغلی میں داخل نہیں لیکن بہر حال اصلاح ہے یا افساد ہے نیتوں کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس لیے ہر حال میں ایسی چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

٣٢٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ

رضی اللہ تعالیٰ عنہاقالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟" قَالُوا: بَلَى، قَالَ: "الَّذِينَ إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ الله، أَفَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشِرَارِكُمْ؟" قَالُوا: بَلَى، قَالَ: "الْمَشَّاؤُونَ بِالنَّمِيمَةِ، الْمُفْسِدُونَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ، الْبَاغُونَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ".

ترجمہ وتشریح: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں جو سب سے بہترین لوگ ہیں ان کا پتہ نہ بتاؤں کہ وہ کون لوگ ہیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ضرور بتلائیے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے (یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں کی نگاہ ان کے چہرے پر پڑتی ہے تو اللہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں جو سب سے بدتر لوگ ہیں ان کا پتہ نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ضرور بتلائیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی چغلیاں کرتے ہیں (یعنی ایک کی بات دوسرے کو فساد کی غرض سے پہنچاتے ہیں) دوستوں کے درمیان فساد پیدا کرتے ہیں (دو دوست ہیں ایک کی بات دوسرے تک پہنچادی اور دونوں کی دوستی ختم کرادی اور تعلقات میں بگاڑ پیدا کردیا، دشمنی پیدا کردی، یہ سب سے بدتر لوگ ہیں) اور جو بَری یعنی کسی جرم سے بَری ہے ایسے لوگوں کو مشقت میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں (یعنی بعض لوگوں کا مزاج ہوتا ہے کہ کوئی آدمی کسی جرم میں ملوث نہیں ہے اس کے باوجود ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کو مصیبت میں پھانسے یہ سب سے بدتر لوگ ہیں)۔

بَابُ مَنْ سَمِعَ بِفَاحِشَةٍ فَأَفْشَاهَا

٣٢٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ أَيُّوبَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ كُرَيْبٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: الْقَائِلُ الْفَاحِشَةَ، وَالَّذِي يُشِيعُ بِهَا، فِي الْإِثْمِ سَوَاءٌ.

کسی کی سنی ہوئی بے حیائی کی بات کو پھیلانا

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ نقل کیا کہ جو آدمی اپنی زبان سے بے حیائی کی بات نکالتا ہے وہ اور دوسرا جو اس بات کو دوسروں تک پہنچاتا ہے (یعنی لوگوں میں پھیلاتا ہے کہ فلاں نے یوں کہا) تو دونوں گناہ میں برابر ہیں (اس لیے کہ بولنے والے نے تو بول کر بات ختم کردی تھی پھیلانے والے نے دوسروں تک پہنچا کر اس برائی کو گویا اور زیادہ تقویت پہنچائی)

تشریح: کسی کی زبان سے کوئی بری بات کسی کے متعلق سنی تو آپ اس کو بس اپنے تک محدود رکھیں، کسی دوسرے کے سامنے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں، کسی کی برائی آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی تو بھی اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اس برائی کو وہیں تک محدود رکھیں، کسی دوسرے کے سامنے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں، آپ دوسروں کے سامنے بیان کریں گے تو گویا آپ اس برائی کو پھیلا رہے ہیں، اس لیے کہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی برائی کا جب تذکرہ کیا جاتا ہے تو سن کر اس برائی کو کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس لیے ایسی برائی کا تذکرہ کرنا بھی برا ہے اس سے بھی منع کیا گیا۔

٣٢٥ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ شُبَيْلِ بْنِ عَوْفٍ رحمه الله قَالَ: كَانَ يُقَالُ: مَنْ سَمِعَ بِفَاحِشَةٍ فَأَفْشَاهَا، فَهُوَ فِيهَا كَالَّذِي أَبْدَاهَا.

ترجمہ: حضرت شبیل بن عوف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ بات گویا ان کے زمانہ میں عام طور پر سمجھی جاتی تھی اور کہی جاتی تھی کہ جس نے کوئی بری بات سنی اور پھر اس کو پھیلایا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس بری بات کو انجام دینے والا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس نے کوئی برائی تو نہیں کی مگر اسے ہوتے ہوئے دیکھا یا اس کے متعلق سنا اور پھر اس برائی کو لوگوں میں پھیلایا تو کرنے والا جیسا گنہگار ہے پھیلانے والا بھی ایسا ہی گنہگار ہے، اس لیے کہ برائی کا لوگوں میں تذکرہ کرنے کے نتیجہ میں بھی لوگوں کے دلوں میں اس برائی کی طرف رغبت اور میلان پیدا ہوتا ہے تو گویا یہ برائی کا تذکرہ اس برائی کے لوگوں میں پھیلنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

٣٢٦ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، رحمه الله أَنَّهُ كَانَ يَرَى النَّكَالَ عَلَى مَنْ أَشَاعَ الزِّنَا، يَقُولُ: أَشَاعَ الْفَاحِشَةَ.

ترجمہ وتشریح: حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ اکابرین تابعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی اگر کسی کے زنا کا تذکرہ لوگوں کے درمیان کرتا ہے کہ کسی نے زنا کیا (کسی آدمی نے کسی کے ساتھ بدفعلی کی اور دوسرا آدمی لوگوں کے اندر اس کا تذکرہ کرتا ہے) تو جس طرح اس زنا کا مرتکب سزا کا مستحق ہے اسی طریقہ سے جو اس برائی کو پھیلا رہا ہے اس کو بھی سزا دینی چاہیے۔

بَابُ الْعَيَّابِ

۳۲۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ ظَبْيَانَ، عَنْ أَبِي يَحْيَى حَكِيمِ بْنِ سَعْدٍ رحمه الله قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رضی الله عنه يَقُولُ: لَا تَكُونُوا عُجُلًا مَذَايِيعَ بُذُرًا، فَإِنْ مِنْ وَرَائِكُمْ بَلَاءً مُبَرِّحًا مُمْلِحًا، وَأُمُورًا مُتَمَاحِلَةً رُدُحًا .

لوگوں کے اندر عیب پیدا کرنے والا

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جلد باز اور لوگوں کی برائی کی باتوں کو لوگوں کے درمیان پھیلانے والے اور لوگوں کے بھیدوں کو کھولنے والے مت بنو اس لیے کہ تمہارے بعد ایسی بلائیں نازل ہونے والی ہیں جو بڑی سخت اور ترش رو (یعنی آدمی کو مشقت میں ڈالنے والی ہیں) اور ایسے فتنے ہیں جو طویل اور بڑے با مشقت وگراں ہیں۔

تشریح: لَا تَكُونُوا عُجُلًا ''عجول'' کہتے ہیں جلد باز اور ''مَذَايِيع'' یہ مِذْيَاع کی جمع ہے ''مِذْيَاع'' وہ جو کسی بات کو لوگوں کے اندر پھیلاتا ہو، اسی لیے ریڈیو کو بھی عربی زبان کے اندر مذیاع کہتے ہیں وہ باتیں پھیلانے کا کام کرتا ہے) بُذْراً یہ بَذَر کی جمع ہے وہ آدمی جس کے پیٹ کے اندر کوئی بات نہ رہتی ہو یعنی راز کو چھپاتا نہ ہو بلکہ لوگوں میں پھیلانے کا کام کرتا ہو۔ یہاں اس روایت کو اس لیے لائے کہ جو حضرات لوگوں کے عیب کو لوگوں کے درمیان پھیلاتے اور کھولتے ہیں وہ بھی برائی کا ارتکاب کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اُمُوراً مُتَمَاحِلَةً مُتَطاوِلة یعنی لمبے زمانہ تک چلنے والے ایسے فتنے جو لوگوں کو بڑی مشقت اور بڑی پریشانی

میں ڈالتے ہیں تو ایسے موقع پر اس قسم کے لوگ ان فتنوں کو مزید ہوا دینے کا ذریعہ بنتے ہیں اس لیے اس کام سے منع فرمایا۔

۳۲۸ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي يَحْيَى، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنه قَالَ: إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَذْكُرَ عُيُوبَ صَاحِبِكَ، فَاذْكُرْ عُيُوبَ نَفْسِكَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقولہ نقل کیا کہ جب تم یہ چاہو کہ اپنے ساتھی کے عیب کو خوب تلاش کرو یا یاد کرو تو اپنے عیوب یاد کرلو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہارے جی میں اگر دوسرے کے عیوب کو دیکھنے کا تقاضا پیدا ہو تو دوسروں کے عیوب کو دیکھنے کی بجائے اپنے عیوب کی طرف نظر کرو، اپنے عیوب کو دیکھنا دوسروں کے عیوب سے تمہاری نظروں کو ہٹانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۳۲۹ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مَوْدُودٍ، عَنْ زَيْدٍ مَوْلَى قَيْسٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ [الحجرات: ١١]، قَالَ: لَا يَطْعَنُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقولہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿لَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ کی تشریح میں نقل کیا کہ تم میں سے کوئی کسی پر طعن نہ کرے یعنی کسی پر عیب نہ لگائے۔

تشریح: ﴿لَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (برے ناموں سے مت پکارو)

قرآن کریم نے یہ انداز اختیار کیا کہ گویا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارا اپنے بھائی پر عیب لگانا ایسا ہی ہے جیسا اپنے اوپر عیب لگانا، اپنی عزت کی حفاظت کے اعتبار سے جو حیثیت آپ کو حاصل ہے وہ ہی حیثیت مسلمان بھائی کو بھی ہے تو جس طرح آپ اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کا بھی آپ اہتمام کریں اور اس پر عیب لگا کر گویا اپنے آپ پر عیب نہ لگائیں۔

٣٣٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا دَاوُدُ، عَنْ عَامِرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو جَبِيرَةَ بْنُ الضَّحَّاكِ رضى الله تعالىٰ عنه قَالَ: فِينَا نَزَلَتْ، فِي بَنِي سَلِمَةَ: ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ [الحجرات: ١١]، قَالَ: قَدِمَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ مِنَّا رَجُلٌ إِلَّا لَهُ اسْمَانِ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "يَا فُلَانُ"، فَيَقُولُونَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُ يَغْضَبُ مِنْهُ.

ترجمہ وتشریح: حضرت ابو جبیرہ ابن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ برے ناموں سے آپس میں ایک دوسرے کو مت پکارو، ہمارے یعنی انصار کے قبیلے بنو سلمہ ہی کے سلسلے میں نازل ہوئی، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہمارے یہاں ہر آدمی کے دو نام تھے (یعنی ایک تو اس کا جو اصلی نام ہے وہ اور دوسرا لوگوں نے اس کو چِڑانے کے لیے یعنی اس پر عیب لگانے کے لیے اور اسے بدنام کرنے کے لیے اس کا کوئی نام رکھ دیا۔ وہ تو اب ہر ایک کے اس طرح دو دو تین تین نام ہوتے تھے، اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم نہیں تھا کہ دوسرا نام جو اس کے

لیے استعمال کیا جاتا ہے وہ اس کو پسند نہیں ہے، یہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے) کبھی حضور اکرم ﷺ اس کو اسی نام سے جو اس کو ناپسند ہوا کرتا تھا پکار لیا کرتے تھے، تو آپ جب اس نام سے پکارتے تھے تو دوسرے حضرات حضرات صحابہ میں سے نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کرتے کہ (يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُ يَغْضَبُ مِنْهُ) آپ اس نام سے اس کو پکار رہے ہیں اس کو یہ پسند نہیں ہے (تب باری تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی کہ تم اس طرح کے نام رکھتے کیوں ہو؟ جو تم کو پسند نہ ہوں۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ کسی آدمی سے کوئی جرم ہوا اور وہ اس سے توبہ کر چکا ہے پھر بھی اس کو اسی نام سے یاد کیا جا رہا ہے، کسی نے چوری کا جرم کیا تھا، اس نے اس سے توبہ کر لی اور اب وہ اس کا بالکل ارتکاب نہیں کر رہا ہے اور وہ اس سے بچا ہوا ہے اس کے باوجود کوئی اس کو چور کہتا ہے، یا کوئی پہلے شراب پیتا تھا اب وہ تائب ہو چکا ہے اور اب بالکل اس سے باز رہتا ہے اس کے باوجود کوئی اس کو شرابی کہتا ہے تو یہ اس طرح اس پر عیب لگاتا ہے اس سے منع کیا گیا، بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ بندہ نے کسی گناہ سے توبہ کر لی اور اس کے باوجود اس گناہ کا تذکرہ کر کے اس گناہ کی عار دلائی جا رہی ہے تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کو موت نہیں دیں گے جب تک کہ وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے، اس لیے اپنے آپ کو اس سے بچانے کی ضرورت ہے۔

٣٣١ - حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَكِيمٍ، عَنِ الْحَكَمِ قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ يَقُولُ: لَا أَدْرِي أَيُّهُمَا جَعَلَ لِصَاحِبِهِ طَعَامًا، ابْنُ عَبَّاسٍ أَوِ ابْنُ عُمر، فَبَيْنَا الْجَارِيَةُ تَعْمَلُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ، إِذْ قَالَ أَحَدُهُمْ لَهَا: يَا زَانِيَةُ، فَقَالَ: مَهْ، إِنْ لَمْ تَحُدَّكَ فِي الدُّنْيَا تَحُدُّكَ فِي الْآخِرَةِ،

قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ كَذَاكَ؟ قَالَ: إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ . ابْنُ عَبَّاسٍ الَّذِي قَالَ: إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ .

ترجمہ وتشریح: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ (اکابر تابعین میں سے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں) فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ کس نے کھانا بنوایا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں میں سے کسی ایک نے کھانا بنوایا، وہاں ایک باندی خدمت انجام دے رہی تھی، تو کھانے والوں میں سے کسی ایک نے کہا: یا زانیۃ ، یہ سن کر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تم اس طرح مت کہو تم پر اگر دنیا میں حد جاری نہیں ہوسکتی تو آخرت میں تم پر ضرور حد جاری کی جائے گی۔ اس پر اس کہنے والے نے کہا کہ اگر وہ ایسی ہی ہے تو؟ یعنی واقعتاً اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اس لیے اس کو زانیہ کہا گیا ہے تب تو آخرت میں بھی حد جاری نہیں ہوگی نا؟ اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو آدمی برائی کی بات کرتا ہے اور اس کا اظہار کرتا ہے اس کو بھی اللہ پسند نہیں کرتا۔

تشریح: کوئی آدمی کسی کو زانی کہے اور اس نے اگر زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے اور وہ آزاد ہے تو یہ اس پر زنا کی تہمت لگانا ہوا جس کی وجہ سے تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے، جس کو حد قذف کہتے ہیں۔

جس پر زنا کی تہمت لگائی ہے اگر وہ غلام یا باندی ہے اور اس سے زنا کا صدور ہو چکا ہے تو اس صورت میں تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس کو تم نے زانیہ کہا اگرچہ یہ باندی ہے اور باندی ہونے کی وجہ سے یہاں دنیا میں تو تم پر وہ حد جاری نہیں کرواسکتی

یعنی اگر وہ تمہارے خلاف حاکم کے یہاں دعویٰ دائر کرے گی تب بھی تم پر حد جاری نہیں ہو سکے گی، لیکن تم اس تہمت کی وجہ سے آخرت کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔

اور اگر اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو بھی تم کو مناسب نہیں تھا کہ اس زنا والے فعل کو اس طرح تم لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے، یہ تفحش ہے یعنی گویا ایک برائی کا لوگوں کے سامنے اظہار ہے اس کو بھی اللہ پسند نہیں فرماتا۔

۳۳۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ، وَلَا الْبَذِيءِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن طعن و تشنیع کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ مومن کسی پر لعنت بھیجنے والا ہوتا ہے اور نہ مومن بے حیائی کی بات کرنے والا اور نہ منہ پھٹ ہوا کرتا ہے۔

تشریح: مومن کسی پر طعن کرے یہ مومن کی شان نہیں ہے جس کو انگریزی میں taunt کرنا کہتے ہیں، یہ چیزیں سامنے والے کو تکلیف اور ایذاء پہنچاتی ہیں اور یہ حرام ہے، اسی طرح کسی کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری کی بد دعا کرے مثلاً یوں کہے کہ تجھ پر اللہ کی لعنت ہو یعنی اللہ کی رحمت سے دور رہو، ایسی ہی بے شرمی اور بے حیائی کی باتیں لوگوں کے سامنے کرنا یہ بھی مومن کی شان نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک صاحب ایمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس طرح کی باتوں سے اپنے آپ کو بچانے اور دور رکھنے کا اہتمام کرے گویا ایمان کا یہی تقاضا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّمَادُحِ

۳۳۳ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ رضى الله تعالى عنه، أَنَّ رَجُلًا ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَثْنَى عَلَيْهِ رَجُلٌ خَيْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ، يَقُولُهُ مِرَارًا، إِنْ كَانَ أَحَدُكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ: أَحْسَبُ كَذَا وَكَذَا - إِنْ كَانَ يُرَى أَنَّهُ كَذَلِكَ - وَحَسِيبُهُ اللهُ، وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللهِ أَحَدًا".

کسی کی تعریف کرنے کے سلسلے میں

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد الرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی موجودگی میں آپ کے سامنے ایک آدمی کا تذکرہ ہوا تو ایک دوسرے آدمی نے اس کی بہت زیادہ تعریف کی، تو اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ افسوس ہے تم پر کہ تم نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی، یہ بات حضور اکرم ﷺ نے کئی مرتبہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی تم میں سے کسی کی تعریف کرنا ہی چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ انداز اختیار کرے یا یوں کہے کہ میں فلاں آدمی کو ایسا سمجھتا ہوں (یعنی میرا اس کے متعلق یہ گمان ہے) اگر واقعتاً دل میں بھی وہ ایسا ہی سمجھتا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا حساب لینے والا ہے اور اللہ کے معاملہ میں اپنی طرف سے کسی کی براءت نہ کرے۔

تشریح: "التَّمَادُحْ" عام طور پر کسی کی حد سے زیادہ تعریف کرنا یا اپنی کسی غرض کو حاصل کرنے کے لیے کسی کی تعریف کرنے کو کہتے ہیں، جب کسی کی تعریف کی

جاتی ہے تو عام طور پر تعریف سننے کے بعد اس سننے والے یعنی جس کی تعریف کی جارہی ہے اس کے دل میں غرور، یا عجب اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور یہ چیز آدمی کی ہلاکت کا ذریعہ بنتی ہے۔ بہت سی مرتبہ آدمی تعریف سننے کے بعد اپنے اعمال کے معاملہ میں مطمئن ہوجاتا ہے اور اسی بھروسے پر بیٹھا رہتا ہے اور آگے کچھ کرتا نہیں یہ چیز آدمی کی ترقی میں رکاوٹ بنتی ہے۔

بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کی تعریف کرتا ہے لیکن وہ خود اس کو اپنے دل سے ایسا نہیں سمجھتا یہ تو بالکل غلط اور جھوٹ ہے ایسا تو کرنا ہی نہیں چاہیے، لیکن اگر واقعتاً وہ خود بھی دل سے اس کو اسی طرح سمجھ رہا ہے جس طرح وہ بول رہا ہے تو اس صورت میں یوں کہے کہ میں فلاں آدمی کو ایسا سمجھتا ہوں، باقی اندر کا حال تو اللہ ہی بہتر جانے، اللہ ہی اس کے لیے کافی اور اس کا حساب لینے والا ہے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں دخل اندازی ہے

ہم کسی کے بارے میں قطعی طور پر یوں کہیں کہ اس کی اللہ نے مغفرت ہی کردی، وہ تو جنتی ہے، وہ یوں ہے، اس کے تو درجے بلند ہوں گے یہ تو اللہ کے معاملہ میں اور اللہ کے فیصلے میں ہم نے دخل اندازی کی، یہ انداز بالکل غلط ہے، ارے بھائی! جنت میں جانے کا فیصلہ میرے اور آپ کے ہاتھ میں ہے؟ جنتی ہونے کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کریں گے، اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں، یعنی جن چیزوں کا فیصلہ اللہ کرنے والا ہے اس کے متعلق، اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہ کہے، ہاں ہم دعا تو کرسکتے ہیں مگر اپنی طرف سے کوئی قطعی فیصلہ کرنا گویا اللہ کے مقابلے میں اپنی طرف

سے فیصلہ کرنے کی جرأت ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

٣٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا قَالَ: حَدَّثَنِي بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُثْنِي عَلَى رَجُلٍ وَيُطْرِيهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَهْلَكْتُمْ، أَوْ قال قَطَعْتُمْ، ظَهْرَ الرَّجُلِ".

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ دوسرے کی تعریف کر رہا ہے اور تعریف میں مبالغہ کر رہا ہے۔

(یعنی اس نے اس کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا دئے) اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کو ہلاک کر دیا، یا تم نے اس کی پیٹھ ماردی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہاری تعریف کے نتیجہ میں اگر وہ شخص غرور میں یا خود پسندی میں مبتلا ہو گیا یا اپنے انہی اعمال پر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا تو یہ چیز اس کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنے گی اور تم اس طرح بول کر اس کی ہلاکت کا ذریعہ بنے۔

٣٣٥ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عُمَرَ، فَأَثْنَى رَجُلٌ عَلَى رَجُلٍ فِي وَجْهِهِ، فَقَالَ: عَقَرْتَ الرَّجُلَ، عَقَرَكَ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس مجلس میں ایک آدمی نے دوسرے کی اس کے سامنے تعریف کی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ارے تم نے تو اپنے بھائی کو ہلاک کر دیا (یعنی تمہاری تعریف نے گویا اس کا بیڑا غرق کر دیا، تمہاری اس تعریف کے نتیجہ میں وہ عجب، خود پسندی اور غرور میں مبتلا ہو جائے گا اور اپنے اعمال پر مطمئن ہو کر بیٹھ جائے گا۔ گویا یہی تمہاری

تعریف اس کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنے گی اور اللہ تعالیٰ اس کے عوض تمہیں بھی ہلاک کرے)۔

٣٣٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ: "الْمَدْحُ ذَبْحٌ"، قَالَ مُحَمَّدٌ: يَعْنِي إِذَا قَبِلَهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد اسلم سے (یہ اسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور ہمیشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے تھے) سنا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ کسی کی تعریف کرنا گویا اس کو ذبح کرنا ہے (یعنی اس کو ہلاک کرنا ہے۔ عام طور پر تعریف کے نتیجہ میں جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ اس کی وجہ سے کبر اور غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے یا دھوکہ میں آجاتا ہے اس لیے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہلاکت سے تعبیر کیا) محمد رحمہ اللہ نے کہا (محمد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے) کہ جس کی تعریف کی جارہی ہے اس کے حق میں یہ موت کب ہے جبکہ وہ سننے والا اپنے حق میں قبول کرلے (یعنی خود بھی اپنے آپ کو ایسا سمجھنے لگے، اگر وہ اپنے آپ کو ایسا نہیں سمجھتا تو ان شاء اللہ اس کو کوئی نقصان نہیں ہوگا)۔

بَابُ مَنْ أَثْنَى عَلَى صَاحِبِهِ إِنْ كَانَ آمِنًا بِهِ

٣٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنهم، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "نِعْمَ الرَّجُلُ أَبُو بَكْرٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ عُمَرُ، نِعْمَ الرَّجُلُ أَبُو عُبَيْدَةَ، نِعْمَ الرَّجُلُ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ،

نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ"، قَالَ:"وَبِئْسَ الرَّجُلُ فُلَانٌ، وَبِئْسَ الرَّجُلُ فُلَانٌ" حَتَّى عَدَّ سَبْعَةً.

کسی کی اس کے منہ پر تعریف کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے فتنے میں پڑنے کا ڈر نہ ہو

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر بہت اچھے آدمی ہیں، عمر بہت اچھے آدمی ہیں، ابوعبیدہ بہت اچھے آدمی ہیں، اسید بن حضیر بہت اچھے آدمی ہیں، ثابت بن قیس بن شماس بہت اچھے آدمی ہیں، معاذ بن عمرو بن الجموح بہت اچھے آدمی ہیں، معاذ بن جبل بہت اچھے آدمی ہیں، اور فلاں شخص بہت برا آدمی ہے اور فلاں شخص بہت برا آدمی ہے اس طرح کل سات آدمی گنوائے (صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت تھی کہ اس طرح کی کوئی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتے تو نام کا تعین نہیں کرتے تھے)۔

تشریح: کسی کے سامنے تعریف کرنے سے تو منع کیا ہے، یہاں باب قائم کر کے امام بخاری رحمہ اللہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ آدمی بہت سنجیدہ، صاحب بصیرت، اپنی حالت سے باخبر، بلاوجہ غرور، کبر اور خود پسندی میں مبتلا ہونے والا نہیں ہے، دنیا جب اس کی تعریف کرتی ہے تو وہ اپنا محاسبہ اور جائزہ لیتا رہتا ہے کہ بھائی میں کہاں ہوں، کس پانی میں ہوں، ایسے آدمی کے سامنے اس کی تعریف کر سکتے ہیں بشرطیکہ واقعتاً اس میں یہ خوبی ہو۔ یہ نہیں کہ اس میں بھی بناوٹ کی اجازت دی جارہی ہے۔

عیاض قدر خود بشناس!

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اپنی حیثیت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ اس تعریف کرنے کی وجہ سے خود پسندی میں مبتلا ہونے والے نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے متعلق ہمیشہ ڈرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اپنی زبان کو مڑ ور رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اسی نے مجھ کو ہلاکتوں میں ڈالا اور تمنا کرتے تھے کہ کاش میں کسی درخت کی ٹہنی یا کوئی پتا ہوتا جسے کوئی جانور کھا جاتا تاکہ میرا کوئی حساب نہ ہوتا، یہ انسان ہیں جو دوبارہ پیدا کئے جائیں گے اور انہیں اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے متعلق بہت کچھ سن چکے تھے مگر یہ چیز ان کو غرور میں مبتلا کرنے والی نہیں تھی، ظاہر ہے جو آدمی اپنے متعلق غرور اور کبر میں مبتلا ہو بھلا وہ ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قرآن کے فیصلے کو ترجیح دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تہمت کا واقعہ پیش آیا تھا، اس بہتان لگانے میں جن لوگوں نے حصہ لیا تھا اس میں زیادہ تر تو منافقین تھے، بعض مخلص مومنین بھی ان منافقین کی باتوں میں آ کر اس آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے، ان میں سے ایک حضرت مسطح ابن اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کی ماں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن تھیں، حضرت مسطح رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ کے رشتہ دار تھے اور غریب بھی تھے اس لیے ان کا سارا خرچ حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھاتے تھے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوپر تہمت لگی اور پھر ان کی برأت کے سلسلے میں قرآن میں آیتیں نازل ہوگئیں اور یہ بات صاف ہوگئی کہ جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا تھا وہ غلط تھے، اور بہتان تراش تھے اور ان تہمت لگانے والوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کے وہ بھانجے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اتفاق سے شامل ہوگئے تھے تو اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا کہ میں اب سے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر خرچ نہیں کروں گا۔ اور بعض اہل دل نے یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے خرچ اس لیے بند نہیں کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بیٹی ہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبیٔ کریم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ ہیں اور ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا اسی لیے انہوں نے یہ قدم اٹھایا۔ جب انہوں نے یہ اعلان کیا تو قرآن میں آیت نازل ہوئی ﴿وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ تم میں جو لوگ فضیلت والے ہیں اور مالی گنجائش والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ خرچ نہیں کریں گے اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں پر بلکہ ان کو چاہیے کہ وہ ان سے درگذر کریں اور ان کو معاف کریں، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے گناہوں کو معاف کریں؟ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ میں تینوں صفتیں تھیں، وہ رشتہ دار بھی تھے، مہاجر بھی تھے اور مسکین بھی تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور نبیٔ کریم ﷺ

نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے سامنے یہ آیت تلاوت کی تو اسی وقت فرمانے لگے: بَلَىٰ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لِیْ کیوں نہیں! میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ میرے گناہوں کو معاف کرے، وہیں انہوں نے اعلان کیا کہ نہیں، اب میں ان کا خرچہ دوں گا بلکہ دوگنا دوں گا اور آئندہ کبھی بند نہیں کروں گا۔ دیکھو قرآن میں باری تعالیٰ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو فرما رہے ہیں جو تم میں فضیلت والے ہیں، اللہ جن کو اولوا الفضل کہے ان کا مقام کتنا بلند ہوسکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اپنی حیثیت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ عمر بڑے بہترین آدمی ہیں۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف فرما رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتے تو وہ عمر ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس گلی میں عمر جاتے ہیں اگر اس گلی میں شیطان آرہا ہوتا ہے تو وہ بھی اپنا راستہ بدل دیتا ہے لیکن ان ساری باتوں کو سننے کے باوجود کبھی بھی ان میں غرور پیدا نہیں ہوا، خود پسندی نہیں آئی، بلکہ وہ تو اتنے ڈرتے تھے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پوچھتے تھے کہ حذیفہ بتلاؤ کہیں عمر کا نام تو منافقین کی فہرست میں نہیں ہے۔

رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کا جب انتقال ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو مخلص مومن تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے باپ کا انتقال ہوگیا آپ اس کی جنازہ کی نماز

پڑھایئے اور اپنا کرتہ عنایت فرمایئے تا کہ میں اس میں اپنے باپ کو کفن دوں، آپ ﷺ نے دونوں باتیں مان لیں اور جب نماز پڑھانے کے لیے حضور ﷺ آگے بڑھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا دامن پکڑ لیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں؟ اس نے فلاں موقع پر یوں کیا، فلاں موقع پر یوں کیا، اس کے جو کارنامے اور حضور کے خلاف جو اس کی حرکتیں تھیں وہ گنوائیں، حضور ﷺ سب سنتے رہے اور مسکراتے رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں حالانکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ﴿اِستَغفِر لَهُم اَو لَا تَستَغفِر لَهُم اِن تَستَغفِر لَهُم سَبعِينَ مَرَّةً فَلَن يَّغفِرَ اللهُ لَهُم﴾ کہ آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں، اگر آپ ستر مرتبہ بھی دعاء مغفرت کریں گے تو بھی اللہ ان کو معاف کرنے والا نہیں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر سے زیادہ مرتبہ دعائے مغفرت کرنے سے اس کی مغفرت ہوگی تو میں وہ بھی کرتا۔

بہر حال آپ نے نماز جنازہ پڑھادی لیکن روایتوں میں ہے کہ آپ ابھی وہاں سے ہٹے بھی نہیں تھے کہ قرآن کی دوسری آیت نازل ہوئی ﴿وَ لَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنهُم مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُم عَلٰی قَبرِهٖ﴾ منافقین میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ بھی مت پڑھو اور اس کی قبر پر بھی نہ جاؤ۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے کسی بھی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو منافقین کے ناموں سے آگاہ کیا تھا اور پوری تفصیل اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بتلادی تھی، وہ تفصیل حضور ﷺ نے حضرت حذیفہ

رضی اللہ عنہ کو بتلائی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک حیات تھے اور کسی منافق کا انتقال ہوجاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ کی نماز کے لیے نہ جاتے، لیکن آپ کی وفات کے بعد جب کسی کا انتقال ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے کہ دیکھو! حذیفہ اس جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو گویا یہ اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ وہ مومن ہے، منافق نہیں، اس وجہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ حذیفہ بتاؤ تو سہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے جو نام تم کو دئے ہیں اس میں کہیں عمر کا تو نام نہیں؟ یہ وہ حضرات تھے کہ اتنی ساری بشارتیں سننے کے باوجود انہیں اپنے متعلق کوئی غرور، خود پسندی، خوش فہمی کچھ نہیں بلکہ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے تھے۔

اور ہمارا حال یہ ہے کہ کوئی جھوٹ موٹ بھی آکر کوئی یوں کہہ دے کہ میں نے رات کو خواب میں آپ کو جنت میں تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا تو بار بار اس سے پوچھے گا کہ کیا دیکھا؟ اور اس کو کہے گا کہ جو تم نے میرے متعلق بشارت دیکھی وہ دوسروں کو بھی سناؤ اور اپنے متعلق بہت ہی اطمینان کا اظہار کرے گا۔ بقول حضرت شاہ محمد معصوم صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ (یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے نمبر کے صاحب زادے ہیں جو حضرت کے جانشین بنائے گئے تھے) اگر خواب میں کسی کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا گیا تو اس سے کیا وہ بادشاہ بن گیا؟ لوگ اچھے اچھے خواب بیان کرتے ہیں تو میں ان کو کہتا ہوں کہ بھائی! بیداری کی بات کرو، بیداری میں ہمارا حال کیا ہے؟ خواب اچھے سے اچھا دیکھ لیا ٹھیک ہے بشارت اس کو کہا گیا ہے، لیکن اگر ہمارا بیداری کا حال اس کے موافق نہیں ہے تو اس خواب سے خوش ہونے سے کیا حاصل ہوگا؟ ضرورت اس کی ہے کہ اپنی بیداری کی حالت کا جائزہ لیا جائے۔

حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کا مقام

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ابوعبیدہ بہترین آدمی ہیں۔ آپ بھی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال سے پہلے لوگوں نے ان سے کہا تھا کہ آپ اپنے بعد کسی کو نائب مقرر کر دیجئے تو اس وقت انہوں نے یہ جملہ کہا کہ اگر ابوعبیدہ ہوتے تو میں آج ان کو اپنی جگہ پر مقرر کرتا، لیکن ان کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ثقیفۂ بنو ساعدہ میں جن دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑا تھا ان میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسرے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے فرمایا تھا کہ ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤ۔

حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس رضی اللہ عنہ کا مقام

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ثابت ابن قیس بہترین آدمی ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطیب تھے، چہرہ مہرہ زیادہ حسین نہیں تھا، لیکن بڑے فصیح و بلیغ تھے، انصار میں سے تھے، جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَرفَعُوا اَصوَاتَكُم فَوقَ صَوتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجهَرُوا لَه بِالقَولِ كَجَهرِ بَعضِكُم لِبَعضٍ اَن تَحبَطَ اَعمَالُكُم وَ اَنتُم لَا تَشعُرُونَ ﴾ اے ایمان والو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں بلند نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں، آپ کی آواز

ذرا بلند تھی، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد گھر میں بیٹھ گئے اور روتے ہی رہے کہ میرے تو اعمال ضائع ہو گئے، چند دن نظر نہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ثابت نظر نہیں آتے کہاں ہیں؟ کسی نے ان کے پاس جا کر معلوم کیا تو وہ کہنے لگے کہ میرے تو اعمال ضائع ہو گئے یعنی قرآن میں نازل ہونے والی اس آیت کا انہوں نے حوالہ دیا، اس آدمی نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ ان کو جنت کی بشارت سنا دو کہ تم تو جنتی ہو گئے اب کیوں گھبراتے ہو؟

اس حدیث سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ وہ حضرات تھے جن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے تعریف فرمائی کہ آپ کو اطمینان تھا کہ اس طرح کے کلمات کہنے سے وہ کسی خود پسندی میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں۔

٣٣٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي يُونُسَ مَوْلَى عَائِشَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتِ: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ"، فَلَمَّا دَخَلَ هَشَّ لَهُ وَانْبَسَطَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلُ اسْتَأْذَنَ آخَرُ، قَالَ: "نِعْمَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ"، فَلَمَّا دَخَلَ لَمْ يَنْبَسِطْ إِلَيْهِ كَمَا انْبَسَطَ إِلَى الْآخَرِ، وَلَمْ يَهِشَّ إِلَيْهِ كَمَا هَشَّ لِلْآخَرِ، فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قُلْتَ لِفُلَانٍ مَا قُلْتَ ثُمَّ هَشَشْتَ إِلَيْهِ، وَقُلْتَ لِفُلَانٍ مَا قُلْتَ وَلَمْ أَرَكَ صَنَعْتَ مِثْلَهُ؟ قَالَ: "يَا عَائِشَةُ، إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنِ اتُّقِيَ لِفُحْشِهِ".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

آپ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی اس کی آواز سن کر آپ پہچان گئے اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے، آپ نے آنے کی اجازت دی، جب وہ آپ کے پاس آئے تو نبیٔ کریم ﷺ بہت ہشاش بشاش اور خندہ پیشانی سے ان سے پیش آئے اور جب وہ چلے گئے تو دوسرے آدمی نے اجازت مانگی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اپنے قبیلے کا بڑا اچھا آدمی ہے، وہ جب آپ کے پاس آئے تو ان کے سامنے حضور اتنی خندہ پیشانی اور بشاشت سے پیش نہیں آئے جو اس سے پہلے آدمی کے ساتھ پیش آئے تھے (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی کے ساتھ محبت اور تعلق ہو، یا وہ اپنی جگہ پر اچھا آدمی ہو تو اس کے ساتھ اسی طرح بہترین معاملہ کیا جائے، وہ تو آدمی کے مزاج پر ہوتا ہے کبھی آدمی کے مزاج میں کبیدگی ہوتی ہے کوئی ایسے موقع پر آ گیا تو اچھا آدمی ہے تو بھی جیسا اس کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے نہیں کر پاتا) جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (نے دونوں باتیں سنیں بھی اور دونوں معاملے اپنی آنکھوں سے دیکھے بھی کیوں کہ اس روایت کی نقل کرنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود ہیں) فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے فلاں کے متعلق یہ جملہ کہا کہ بڑا برا آدمی ہے اور جب آپ کے پاس وہ آدمی آیا تو آپ اس کے ساتھ بڑے خندہ پیشانی اور ہشاش بشاش طریقے سے پیش آئے اور دوسرے آدمی کے متعلق آپ نے یوں فرمایا کہ بڑا اچھا آدمی ہے۔ اس کے لیے آپ نے یہ جملہ کہا اور اس کے باوجود اس کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا؟ اس خندہ پیشانی سے اور اتنے بہترین انداز سے جو پہلے شخص کے ساتھ پیش آئے تھے آپ ان کے ساتھ پیش نہیں آئے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی برائی سے بچنے کے لیے آدمی کوئی تدبیر کرے۔

تشریح: جس شخص کے ساتھ نبیٔ کریم ﷺ بہت ہشاش بشاش اور خندہ پیشانی سے پیش آئے تھے روایتوں میں ہے کہ ان کا نام عیینہ ابن حصن فزاری ہے جنہوں نے

ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا لیکن دل سے وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں نبیؐ کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب ارتداد پھیلا اس وقت اسلام سے ہٹ بھی گئے تھے، اس کے بعد اللہ نے انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور پھر وہ مخلص بھی بنے۔

پہلا آدمی جو تھا اس کی طرف سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا تو اس کی برائی سے بچنے کے لیے آپ ﷺ نے اس کے ساتھ اچھا معاملہ کیا۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح کا معاملہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آدمی اپنی جگہ پر اچھا ہے، کبھی کسی کے شر سے یا کسی کی طرف سے پہنچنے والے نقصان سے بچنے کے لیے بھی خندہ پیشانی سے ملا جاتا ہے۔

بَابُ يُحْثَى فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ

٣٣٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ يُثْنِي عَلَى أَمِيرٍ مِنَ الْأُمَرَاءِ، فَجَعَلَ الْمِقْدَادُ يَحْثِي فِي وَجْهِهِ التُّرَابَ، وَقَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَحْثِيَ فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ .

کسی کے منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالی جائے

ترجمہ: حضرت مجاہد حضرت ابو معمر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی حاکموں میں سے کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی تعریف کرنے لگا تو حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں وہ اس کے منہ پر مٹی چھڑکنے لگے اور فرمایا کہ ہم کو نبیؐ کریم ﷺ نے حکم کیا ہے کہ جو

کسی کے منہ پر تعریف کرنے والے ہیں ان کے منہ پر مٹی ڈالی جائے۔

تشریح: منہ پر مٹی ڈالنے کا ایک مطلب تو وہی ہے جو راوی نے لیا کہ اس کے منہ پر انہوں نے مٹی ڈالی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تعریف کرنے والا تعریف سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے کہ آپ اس کی غرض پوری کریں یا آپ اس کا جیب بھریں، تو آپ اس کو نا کام کر دیجئے، جس مقصد کے لیے یہ سارے پاپڑ اس نے بیلے تھے اس میں آپ نے اسے نا کام کر دیا تو گویا آپ نے اس کے منہ پر مٹی ڈال دی، اس کو بھی آئندہ کے لیے سبق مل جائے گا۔ بعضوں نے مٹی ڈالنے کا ایک مطلب یہ بھی لیا ہے کہ تعریف کرنے والے کے سامنے ناپسندیدگی کا اظہار کرو، یعنی کوئی آپ کی تعریف کر رہا ہے تو آپ اس کی تعریف سے کراہیت کا اظہار کریں یعنی ایسا انداز اختیار کیجئے کہ تعریف کرنے والے کو پتہ چل جائے کہ آپ خوش نہیں ہیں۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ تعریف کرنے والوں کے سامنے مٹی رکھو، مطلب یہ کہ جب کوئی تعریف کرے تو اپنے سامنے مٹی لے لو اور مٹی دیکھ کر یوں سوچو کہ بھائی بھلے یہ تعریف کر رہا ہے مجھے تو ایک دن مٹی میں جانا ہے، مٹی میں ملنا ہے، خاک ہونا ہے، اس کی تعریف سے کیا ہوگا۔

٣٤٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَمْدَحُ رَجُلًا عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَجَعَلَ ابْنُ عُمَرَ يَحْثُو التُّرَابَ نَحْوَ فِيهِ، وَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِينَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ".

ترجمہ: حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ اکابرین تابعین میں سے ہیں وہ

فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں دوسرے آدمی کی تعریف کررہا تھا حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کے منہ کی طرف مٹی پھینکنے لگے اور فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے منہ پر مٹی ڈالو۔

تشریح: لفظ "مَدّاح" یہ مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی جو زیادہ تعریف کرے، اگر کوئی کسی کے احسان اور واقعی اس کی خوبی کی وجہ سے بغیر مبالغہ کے کچھ تعریف کرے تو وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، یہ ممانعت ان لوگوں کے لیے ہے جن کی عادت ہی یہ ہے یعنی جنہوں نے لوگوں کی تعریف کرکے اپنے جیب بھرنے کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے ان کے لیے یہ حکم ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ کے سامنے کسی نے ان کی تعریف کی تو انہوں نے مٹی لیکر اس کے منہ پر ڈالی اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے۔

٣٤١ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ رَجَاءِ بْنِ أَبِي رَجَاءٍ، عَنْ مِحْجَنٍ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ رَجَاءٌ: أَقْبَلْتُ مَعَ مِحْجَنٍ ذَاتَ يَوْمٍ حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى مَسْجِدِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ، فَإِذَا بُرَيْدَةُ الْأَسْلَمِيُّ عَلَى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ جَالِسٌ، قَالَ: وَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: سُكْبَةُ، يُطِيلُ الصَّلَاةَ، فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، وَعَلَيْهِ بُرْدَةٌ، وَكَانَ بُرَيْدَةُ صَاحِبَ مُزَاحَاتٍ، فَقَالَ: يَا مِحْجَنُ أَتُصَلِّي كَمَا يُصَلِّي سُكْبَةُ؟ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ مِحْجَنٌ، وَرَجَعَ، قَالَ: قَالَ مِحْجَنٌ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِي، فَانْطَلَقْنَا نَمْشِي حَتَّى

صَعِدْنَا أُحُدًا، فَأَشْرَفَ عَلَى الْمَدِينَةِ فَقَالَ: "وَيْلُ أُمِّهَا مِنْ قَرْيَةٍ، يَتْرُكُهَا أَهْلُهَا كَأَعْمَرِ مَا تَكُونُ، يَأْتِيهَا الدَّجَّالُ، فَيَجِدُ عَلَى كُلِّ بَابٍ مِنْ أَبْوَابِهَا مَلَكًا، فَلَا يَدْخُلُهَا" ثُمَّ انْحَدَرَ حَتَّى إِذَا كُنَّا فِي الْمَسْجِدِ، رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّي، وَيَسْجُدُ، وَيَرْكَعُ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ هَذَا؟" فَأَخَذْتُ أُطْرِيهِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَذَا فُلَانٌ، وَهَذَا. فَقَالَ "أَمْسِكْ، لَا تُسْمِعْهُ فَتُهْلِكَهُ" قَالَ: فَانْطَلَقَ يَمْشِي، حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ حُجَرِهِ، لَكِنَّهُ نَفَضَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ، إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ" ثَلَاثًا.

ترجمہ و تشریح: حضرت رجاء ابن ابی رجاء رحمہ اللہ (تابعی ہیں حضرت محجن اسلمی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، یہ حضرت محجن رضی اللہ عنہ صحابی ہیں) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت محجن اسلمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلا یہاں تک کہ بصرہ کی مسجد پر پہنچے تو حضرت بریدہ ابن خصیب اسلمی رضی اللہ عنہ (یہ بھی صحابی ہیں) مسجد کے ایک دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، مسجد میں جو نمازی تھے ان میں ایک شخص تھے سکبہ، بڑی لمبی نماز پڑھا کرتے تھے، جب ہم مسجد کے دروازے پر پہنچے تو حضرت محجن رضی اللہ عنہ کے جسم پر ایک چادر لپٹی ہوئی تھی اور حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ جو دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے مزاج اور طبیعت میں ظرافت تھی انہوں نے حضرت محجن اسلمی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہو جیسے سکبہ پڑھتے ہیں؟ حضرت محجن رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہاں سے لوٹ آئے، اس کے بعد حضرت محجن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا اور ہم چل رہے تھے یہاں تک کہ احد پہاڑ پر ہم چڑھے اور وہاں چڑھ کر آپ نے پورے مدینہ شہر پر ایک نگاہ دوڑائی اور فرمانے لگے کہ اس بستی کی بڑی بدقسمتی ہے جس کے رہنے والے اس کو بہت آباد ہونے کی حالت میں اس کو چھوڑ کر جائیں گے (قرب قیامت میں جب دجال کا ظہور ہوگا تو بہت سارے لوگ جو مدینہ میں رہنے والے ہوں گے اور جن کی قسمت میں وہاں کی رہائش مقدر نہیں ہوگی وہ مدینہ آباد ہونے کے باوجود اس کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے رہنے والے اس کو بہت آباد ہونے کی حالت میں چھوڑ کر جائیں گے) اور دجال جب آئے گا تو وہ دیکھے گا کہ اس کے ہر دروازہ پر ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے، فرشتوں کی چوکیداری اور حفاظت کی وجہ سے دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکے گا، حضرت محجن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد پہاڑ سے نیچے تشریف لے آئے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا یہاں تک کہ ہم مسجد نبوی میں پہنچے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور رکوع سجدہ خوب کر رہے ہیں تو حضرت محجن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت محجن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آدمی کی میں بہت زیادہ تعریف کرنے لگا کہ یہ ایسا ہے، یہ ایسا ہے (یعنی یہ ایسی عبادتیں کرتا ہے، رات بھر جاگتا ہے دن بھر روزے رکھتا ہے، یعنی بہت تعریفیں کیں) تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ بس رک جاؤ اور ایسی تعریفیں نہ کرو کہ ان کے کان میں پہنچ جائیں اور ان کی ہلاکت کا ذریعہ بن جائیں (اس سے پہلے باب میں تعریف کرنے

والے کے منہ میں مٹی ڈالنے کا حکم دیا تھا اس لیے کہ جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ اپنے متعلق خوش فہمی میں مبتلا ہو کر ہلاکت تک پہنچ جاتا ہے اسی لیے تعریف کرنے سے روکا کیا گیا ہے) حضرت محجن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ وہاں سے چلے یہاں تک کہ جب اپنے مکانات کے صحن کے پاس پہنچے تو اپنے ہاتھ جھاڑے اور فرمایا کہ بہترین دین وہ ہے جو آسانی اور سہولت والا ہو، تین مرتبہ ارشاد فرمایا (یہ گویا اس آدمی کے عمل کی طرف اشارہ تھا کہ جو اعمال میں غلو کرتے ہوئے اتنا زیادہ اس میں آگے بڑھا ہوا ہے اس کو نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ کہیں یہ غلو اور زیادتی آگے جا کر اس کے لیے مزید اعمال میں رکاوٹ کا سبب نہ بن جائے بلکہ اعمال میں میانہ روی اختیار کرنا چاہیے، جس کے نتیجے میں آدمی اس پر پابندی کر سکے، یہی پسندیدہ ہے اور نبیٔ کریم ﷺ نے اسی کی تاکید فرمائی۔

بَابُ مَنْ مَدَحَ فِي الشِّعْرِ

٣٤٢ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيعٍ رضى الله عنه، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَدْ مَدَحْتُ اللهَ بِمَحَامِدَ وَمِدَحٍ، وَإِيَّاكَ . فَقَالَ: "أَمَا إِنَّ رَبَّكَ يُحِبُّ الْحَمْدَ"، فَجَعَلْتُ أُنْشِدُهُ، فَاسْتَأْذَنَ رَجُلٌ طُوَالٌ أَصْلَعُ، فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اسْكُتْ"، فَدَخَلَ، فَتَكَلَّمَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَجَ، فَأَنْشَدْتُهُ، ثُمَّ جَاءَ فَسَكَّتَنِي، ثُمَّ خَرَجَ، فَعَلَ ذَلِكَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا الَّذِي سَكَّتَنِي لَهُ؟

قَالَ: "هٰذَا رَجُلٌ لَا يُحِبُّ الْبَاطِلَ".

شعر میں کسی کی تعریف کرنے کے بارے میں

ترجمہ: حضرت اسود ابن سریع رضی اللہ عنہ (صحابی ہیں یہ بنو تمیم سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی تعریف کی تھی) وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! میں نے کچھ اشعار جمع کئے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی بھی حمد وثناء اور آپ کی تعریف بھی بیان کی ہے، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کو بہت پسند فرماتا ہے (یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے، حضرت اسود ابن سریع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بہر حال حضور اکرم ﷺ نے میری بات کے جواب میں یہ جملہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کو پسند فرماتا ہے) اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء میں اور حضور ﷺ کی تعریف میں جو اشعار کہے تھے وہ سنانا شروع کیا، کہا کہ میں حضور ﷺ کو اشعار سنا رہا تھا اسی دوران ایک آدمی لمبے قد والے جن کے سر کے اگلے حصے یعنی پیشانی پر بال کم تھے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی (یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے) تو حضرت اسود ابن سریع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اس سے کہا کہ خاموش ہو جاؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نبیٔ کریم ﷺ سے کچھ دیر گفتگو کی اور اس کے بعد وہ تشریف لے گئے، اسود ابن سریع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دوبارہ نبیٔ کریم ﷺ کو اشعار سنانا شروع کیا، پھر وہی شخص دوبارہ آئے پھر حضور ﷺ نے مجھے خاموش کر دیا کہ ٹھہرو، پھر وہ اپنی بات کر کے چلے گئے، ایسا دو تین مرتبہ ہوا (جب بھی وہ آتے ان کے آنے سے پہلے حضور ﷺ مجھے خاموش کر دیتے اور ان کے جانے کے بعد میں پھر اشعار سنانا شروع کر دیتا) حضرت اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پہچانتے تھے کیونکہ وہ

دوسرے قبیلے سے آئے تھے) میں نے پوچھا نبیٔ کریم ﷺ سے کہ اے اللہ کے رسول! جس آدمی کے آنے پر آپ مجھے خاموش کررہے تھے وہ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ آدمی جو اس طرح کی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بتلاتے ہیں کہ کوئی آدمی اشعار میں کسی کی تعریف کرے تو تعریف کے سلسلے میں تو اصولی بات بتلائی جا چکی کہ اگر اس تعریف کے نتیجے میں اس آدمی کا غرور، عجب، کبر یا خود پسندی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو نہیں کرنی چاہیے اور اگر اطمینان ہو اور کوئی مصلحت کا تقاضا ہو تو کی جا سکتی ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام حضور ﷺ سے بڑھ کر تھا؟ کیونکہ حضور اشعار سن رہے تھے تو ان کے لیے کیا رکاوٹ تھی؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ نبیٔ کریم ﷺ کی اپنی مصلحت تھی، آپ کی خدمت میں حضرت اسود رضی اللہ عنہ اشعار سنانے حاضر ہوئے تھے تو آپ ﷺ کو ان کی دل جوئی کرنی تھی، چونکہ ان کے اشعار میں خلاف شریعت کوئی بات نہ تھی اس لیے آپ نے خود تو ان اشعار کو سننا گوارا کیا اور مصلحتاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے پر خاموش کرا دیا۔

٣٤٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيعٍ رضى الله تعالىٰ عنه قُلْتُ: لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَدَحْتُكَ وَمَدَحْتُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ.

ترجمہ: حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اشعار میں آپ کی تعریف کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھی تعریف کی ہے۔

بَابُ إِعْطَاءِ الشَّاعِرِ إِذَا خَافَ شَرَّهُ

٣٤٤ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُجَيْدِ بْنِ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ الْخُزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي نُجَيْدٌ، أَنَّ شَاعِرًا جَاءَ إِلَى عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضى الله عنه فَأَعْطَاهُ، فَقِيلَ لَهُ: تُعْطِي شَاعِرًا؟ فَقَالَ: أُبْقِي عَلَى عِرْضِي .

شاعر کے شر کے خوف سے بچنے کے لیے اس کو کچھ دینا

ترجمہ: حضرت ابونجید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شاعر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں ان کے پاس آیا انہوں نے اس کو کچھ دیا تو کسی نے ان سے کہا کہ آپ شاعر کو دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنی عزت کی حفاظت کر رہا ہوں اس لیے کہ اگر اس کو نہیں دیا گیا تو اشعار کے اندر وہ میری برائی کرے گا۔

تشریح: شعراء کبھی کبھار اشعار میں برائی بھی کر دیا کرتے تھے تو اگر شاعر کے شر اور برائی سے بچنے کے لیے اس کو کچھ دے دیا جائے تو اس کی شرعاً گنجائش ہے، جیسے آج کل (صحافی حضرات) ایسی جھوٹی خبریں ثقہ اور شریف لوگوں کے متعلق چھاپتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو کسی طرح پریشان کریں تو ان کی زبان بند کرنے کے لیے ان کو کچھ دے دیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

بَابُ لَا تُكْرِمْ صَدِيقَكَ بِمَا يَشُقُّ عَلَيْهِ

٣٤٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ ابن سيرين قَالَ: كَانُوا يَقُولُونَ: لَا تُكْرِمْ صَدِيقَكَ

بِمَا يَشُقُّ عَلَيْهِ .

اپنے دوست کا ایسا اکرام نہ کرو جو اس پر دشوار ہو جائے

ترجمہ: حضرت محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر تابعین میں سے ہیں اور خواب کی تعبیر کے امام سمجھے جاتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ اپنے دوست کا ایسا اکرام نہ کرو کہ اس کو مشقت میں ڈال دو (یعنی تمہارے اس اکرام کی وجہ سے تمہارا دوست بیچارہ مصیبت میں پڑ جائے ایسا نہیں کرنا چاہیے)

تشریح: یہ عجیب باب قائم کیا ہے کہ اپنے دوست کا ایسا اکرام اور اس کی ایسی خدمت نہ کرو جو اس کے لیے باعث مشقت ہو، بعض لوگ غایت محبت میں جن کے ساتھ محبت کا تعلق ہوتا ہے ان کا ایسا اکرام کرتے ہیں کہ وہ جس کا اکرام کیا جا رہا ہے مصیبت اور تکلیف میں پڑ جاتا ہے (اس سے اس روایت میں منع کیا گیا ہے)۔

بَابُ الزِّيَارَةِ

٣٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سِنَانٍ الشَّامِيِّ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سَوْدَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا عَادَ الرَّجُلُ أَخَاهُ أَوْ زَارَهُ، قَالَ اللهُ لَهُ: طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ، وَتَبَوَّأْتَ مَنْزِلًا فِي الْجَنَّةِ".

کسی دوست کی ملاقات کے لیے جانے کی فضیلت

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات وزیارت کے لیے یا اس کی عیادت (یعنی بیمار ہے تو تیمارداری کے لیے) جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو کہا جاتا ہے کہ تو بڑا اچھا آدمی ہے، تیرا یہ چلنا بھی مجھے بڑا پسندیدہ ہے اور تو نے جنت کے اندر اپنا ٹھکانہ بنالیا (گویا کسی مسلمان بھائی کی ملاقات محض اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی بنا پر ہو، کسی اور غرض کی وجہ سے نہ ہو، صرف انسانیت یا اسلامی رشتہ کی بناء پر اگر کوئی آدمی کسی کی ملاقات کرتا ہے تو اس کے لیے جنت میں ٹھکانہ ہے۔

٣٤٧ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنِ ابْنِ شَوْذَبٍ قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ دِينَارٍ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي غَالِبٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِرضى الله عنها قَالَتْ: زَارَنَا سَلْمَانُ مِنَ الْمَدَائِنِ إِلَى الشَّامِ مَاشِيًا، وَعَلَيْهِ كِسَاءٌ وَانْدَرْوَرْدُ - قَالَ: يَعْنِي سَرَاوِيلَ مُشَمَّرَةً - قَالَ ابْنُ شَوْذَبٍ: رُؤِيَ سَلْمَانُ وَعَلَيْهِ كِسَاءٌ مَطْمُومُ الرَّأْسِ سَاقِطُ الْأُذُنَيْنِ، يَعْنِي أَنَّهُ كَانَ أَرْفَشَ. فَقِيلَ لَهُ: شَوَّهْتَ نَفْسَكَ، قَالَ: إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَةِ.

ترجمه: حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا (جو حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں) فرماتی ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن سے (جو عراق میں واقع ہے) شام تک پیدل چل کر ہمارے ہاں ملاقات کے لیے آئے، آپ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور اَنْدَرْوَرْ پہنا ہوا تھا، اَنْدَرْوَرْ ایسے پائجامہ کو کہتے ہیں جو نہ بہت لمبا ہو نہ چست ہو اور گھٹنے سے نیچے تک ہو (انڈرویر (underwear) کا لفظ شاید اسی سے بنا ہوگا) ابن شوذب جو روایت کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک چادر اوڑھے ہوئے ہیں، سر کے بال صاف کئے ہوئے ہیں، ان کے کان بڑے بڑے تھے، تو لوگوں نے یہ

ہیئت اور حلیہ دیکھ کر کہا کہ آپ نے تو اپنے آپ کو بالکل بدنما اور بھدّا بنا رکھا ہے (یعنی یہ کوئی طریقہ ہے جس طرح آپ رہتے ہیں؟ ذرا اچھے لباس میں رہنا چاہیے) اس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے۔ دنیا تو کسی بھی طرح گذر جائے گی کہاں تک آدمی دنیا کی زیب وزینت اور ٹپ ٹاپ میں پڑا رہے۔

ہر حق دار کا حق ادا کرو

تشریح: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا رشتۂ اخوت یعنی بھائی چارگی کا تعلق قائم کیا تھا، دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا اس لیے وہ وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرتے رہتے تھے چنانچہ انہی کا قصہ بخاری شریف میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات کے لیے ان کے گھر پر پہنچے وہ گھر پر تھے نہیں، ان کی بیوی ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ میلے کچیلے لباس میں ہیں، پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا کہ تمہارے بھائی ابو الدردا کو تو دنیا کے اندر کوئی رغبت ہی نہیں دن بھر روزہ رکھتے ہیں رات بھر عبادت کرتے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ آئے تو دیکھا کہ حضرت سلمان آئے ہیں تو ان کے اکرام کے طور پر باقاعدہ کھانا بنوایا، ورنہ خود تو روزے سے تھے اور گھر کا ذمہ دار آدمی روزے سے ہو تو ویسے بھی عورتیں پکایا نہیں کرتیں جو پہلے سے پکا ہوتا ہے اسی پر گذارا کر لیتی ہیں۔ جب کھانا تیار ہوا تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھا، انہوں نے کہا کہ تم بھی شریک ہو جاؤ، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا تو روزہ ہے، کہا کہ تم کھاؤ گے تو میں کھاؤں گا، چنانچہ انہیں اپنے ساتھ

بٹھایا اوران کا روزہ تڑوایا (چونکہ نفل روزہ تھا اور نفل روزہ مہمان کے لیے توڑا جا سکتا ہے، بعد میں قضاء کر لی جائے) پھر جب رات آئی تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بستر وغیرہ تیار کیا اور کہا کہ یہ تمہارا بستر ہے اور خود نماز کے لیے مصلیٰ پر جانا چاہتے تھے، انہوں نے کہا کہ تم بھی سو جاؤ، یہ کہہ کر سلا دیا، پھر کچھ دیر بعد اٹھنا چاہا تو پھر سلا دیا، جب رات کا آخری حصہ ہوا تب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ خود بھی اٹھے اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب اٹھو! اور اس کے بعد دونوں نے نماز پڑھی۔ پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بھائی! دیکھو اللہ تعالیٰ کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری ذات کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، ہر حق دار کا حق ادا کرو۔ پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ بعد میں جا کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا (وفی روایۃ الدارقطنی ثم خرجا الی الصلوٰۃ فدنا ابی الدرداء لیخبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالذی قال سلمان فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۶ کتاب الصوم) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے واقعہ نقل کرنے والے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدق سلمان، سلمان نے ٹھیک کہا۔

یہاں اس روایت کو اس لیے لائے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات کے لیے بغیر کسی دنیاوی غرض کے محض اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی نیت سے مدائن سے چل کر شام پہنچے تھے۔

بَابُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَطَعِمَ عِنْدَهُمْ

٣٤٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ

خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَارَ أَهْلَ بَيْتٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَطَعِمَ عِنْدَهُمْ طَعَامًا، فَلَمَّا خَرَجَ أَمَرَ بِمَكَانٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَنُضِحَ لَهُ عَلَى بِسَاطٍ، فَصَلَّى عَلَيْهِ، وَدَعَا لَهُمْ.

جو لوگوں سے ملنے جائے پھر ان کے ہاں کچھ کھائے

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری گھرانے کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے (دوسری روایتوں میں اس کی صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے گھر تشریف لے گئے تھے) ان گھر والوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کچھ کھانا تیار کر کے پیش کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ نوش فرمایا، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکان کے ایک حصے کے متعلق حکم دیا کہ اس کو صاف کردیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک چٹائی پر پانی چھڑکا گیا (اس لیے کہ وہ چٹائی پرانی تھی) پھر اس پر آپ نے نماز ادا فرمائی اور گھر والوں کے لیے دعا کی۔

تشریح: اسلامی بھائی چارگی کی بنیاد پر اگر کوئی آدمی کسی کی ملاقات کے لیے جائے تو اصل مقصد تو ان کی ملاقات ہی ہے، لیکن جہاں ملاقات کے لیے گیا وہاں انہوں نے کچھ تواضع بھی کرلی اور کھانے کے لیے کچھ پیش کیا تو اب کھانے سے انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ خود کھانے کے ارادہ سے گیا نہیں تھا، یہ تو ایک صحیح نیت کے ساتھ اور ایک صحیح مقصد لیکر گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے کھانے کا بھی انتظام کردیا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

۳٤۹ - (۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عُمَرَ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ أَبِي خَلْدَةَ قَالَ: جَاءَ عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُو أُمَيَّةَ إِلَى أَبِي الْعَالِيَةِ، وَعَلَيْهِ ثِيَابُ صُوفٍ، فَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: إِنَّمَا هَذِهِ ثِيَابُ الرُّهْبَانِ، إِنْ كَانَ الْمُسْلِمُونَ إِذَا تَزَاوَرُوا تَجَمَّلُوا .

ترجمہ: ابو امیہ عبد الکریم حضرت ابو العالیہ کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے (یہاں یہ روایت اسی لیے لائے ہیں) اس وقت ان کے جسم پر اونی کپڑے تھے، تو حضرت ابوالعالیہ نے کہا کہ یہ تو راہبوں والے کپڑے ہیں، مسلمانوں کا حال تو یہ ہے کہ جب کسی کی ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو ذرا اچھا لباس پہن کر جاتے ہیں۔

تشریح: کوئی آدمی کسی کی ملاقات کے لیے جائے تو مناسب لباس یعنی اپنی ہیئت ٹھیک ٹھاک کر کے جائے، بہت زیادہ ٹیپ ٹاپ نہیں، بس ٹھیک ٹھاک ہونا چاہیے یہ نہیں کہ پائجامہ کا ایک حصہ اوپر ہے اور ایک نیچے، ٹوپی آڑی ترچھی اور ڈاڑھی بے ڈھنگی۔ اپنا حلیہ ٹھیک بنا کر جانا چاہیے اسی کو جمال کہتے ہیں اور یہ اللہ کو پسند ہے۔ زیب وزینت اور تزئین وآرائش یعنی بناؤ سنگھار تو عورتوں کی خصوصیت ہے، مردوں کے لیے اس کو پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا۔

۳٤۹ - (۲) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ الْعَرْزَمِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ مَوْلَى أَسْمَاءَ قَالَ: أَخْرَجَتْ إِلَيَّ أَسْمَاءُ جُبَّةً مِنْ طَيَالِسَةٍ عَلَيْهَا لَبِنَةُ شِبْرٍ مِنْ دِيبَاجٍ، وَإِنَّ فَرْجَيْهَا مَكْفُوفَانِ بِهِ، فَقَالَتْ: هَذِهِ جُبَّةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَلْبَسُهَا لِلْوُفُودِ، وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں) روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے سامنے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے طیلسان (یہ ایک مخصوص سبز رنگ کا کپڑا ہوا کرتا تھا) کا بنا ہوا ایک جبہ نکالا جس کا گریبان دیباج یعنی ریشم کا بنا ہوا تھا اور اس کے دونوں کشادہ حصوں یعنی کناروں پر ریشم کی گوٹ لگی ہوئی تھی تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے روز اور جب دوسرے ممالک سے وفود اور سفارت کار آتے تھے تو ان سے ملاقات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصیت کے ساتھ اس کو پہنتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مخصوص ملاقات کے لیے اور کسی خاص مجلس میں حاضری کے لیے جائے تو مناسب اور اچھا لباس پہننا چاہیے، یہی اس کا ادب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے۔

۳۵۰ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَرضى الله عنه قَالَ: وَجَدَ عُمَرُ حُلَّةَ إِسْتَبْرَقٍ، فَأَتَى بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اشْتَرِ هَذِهِ، وَالْبَسْهَا عِنْدَ الْجُمُعَةِ، أَوْ حِينَ تَقْدِمُ عَلَيْكَ الْوُفُودُ، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: "إِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ"، وَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحُلَلٍ، فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ بِحُلَّةٍ، وَإِلَى أُسَامَةَ بِحُلَّةٍ، وَإِلَى عَلِيٍّ بِحُلَّةٍ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرْسَلْتَ بِهَا إِلَيَّ، لَقَدْ سَمِعْتُكَ تَقُولُ فِيهَا مَا قُلْتَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَبِيعُهَا، أَوْ تَقْضِي بِهَا حَاجَتَكَ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے بازار میں ایک ریشمی جوڑا دیکھا اور اس کو لیکر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا حضور اکرم ﷺ کو دکھلا کر درخواست کی کہ اللہ کے رسول! آپ اس کو خرید لیں اور جب آپ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے جائیں، یا آپ کی خدمت میں وفود حاضری دیں اس وقت آپ اسے زیب تن فرمائیں (چونکہ ریشم کا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ریشم کو مردوں پر حرام قرار دیا تھا اس لیے) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تو وہ آدمی پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں (مطلب یہ کہ مردوں کے لیے اس کو پہننے کی اجازت نہیں) اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ ریشمی جوڑے آئے تو نبیٔ کریم ﷺ نے ان میں سے ایک ایک ریشمی جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا (چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ریشمی جوڑے کے سلسلے میں حضور ﷺ کا ارشاد سن چکے تھے) جب یہ ریشمی جوڑا حضور ﷺ نے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے یہ ریشمی جوڑا میرے پاس بھیجا؟ حالانکہ آپ کی زبان مبارک سے ریشمی جوڑے کی ممانعت میں سن چکا ہوں کہ اس کو وہی آدمی پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں (آپ تو یہ فرما چکے تھے اور اب آپ خود ہی یہ جوڑا میرے پاس بھیج رہے ہیں؟) تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں نے بھیجا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ہی اسے پہنو بلکہ اس کو بیچ کر تم اپنی ضرورت پوری کرو، یا اپنے گھر کی عورتوں کو دے دو تا کہ اس کو وہ پہنیں، یا کسی اور کو دے دو تا کہ وہ اس سے اپنی کوئی ضرورت پوری کر لے۔

تشریح: بخاری شریف کی روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اخیافی یعنی ماں شریک بھائی تھا جو ابھی کافر تھا، اسلام نہیں لایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا اس کو ہدیہ میں بھیج دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ میں دی گئی چیز دوسرے کو

دی جا سکتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ہدیہ میں کوئی چیز آئی ہو جس کو ہمیں شریعت نے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، بیوی کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے تو اپنی بیوی کو دیدو یا اسے بیچ کر اپنی ضرورتیں پوری کرو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ میں آئی ہوئی چیز بیچی بھی جا سکتی ہے، بعض لوگ ہدیہ میں کوئی چیز کسی کو دیتے ہیں اور وہ آدمی اس چیز کو آگے کسی دوسرے کو دے دیتا ہے یا بیچ دیتا ہے تو ہدیہ دینے والا ناگواری کا اظہار کرتا ہے یہ ٹھیک نہیں۔ دیکھئے یہاں ہدیہ دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس کے باوجود آپ اجازت دے رہے ہیں کہ اس کو بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرو یا کسی اور کو ہدیہ دے دو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سونے کی انگوٹھی مرد کے لیے کسی بھی حال میں حلال نہیں چاہے سسرال کی طرف سے ہدیہ میں ملی ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو جوڑا بھیجا تھا اس کے بارے روایتوں میں آتا ہے کہ وہ اسے باقاعدہ پہن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب نگاہ پڑی تو آپ نے نگاہیں پھیر لیں اور ناراضگی کا اظہار فرمایا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فوراً میں واپس لوٹا اور اس کو عورتوں میں تقسیم کر دیا، آپ نے فرمایا کہ یہ تو ریشم کا ہے تمہیں نہیں پہننا چاہیے۔

دیکھو خالص ریشم پہننا تو ممنوع ہے، البتہ اگر کسی کرتہ وغیرہ کے اوپر ریشم کی یا زری کی کشیدہ کاری کی گئی ہے جیسے کی جاتی ہے وہ اگر چار انگل جتنی ہو تو اس کی اجازت ہے۔

اوپر جو جبہ یا اس میں ریشم کی کشیدہ کاری کا تذکرہ ہے اس سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اوپر تو ریشم کی اجازت ہے اور یہاں منع کیا گیا ہے (بلکہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے)۔

بَابُ فَضْلِ الزِّيَارَةِ

۳۵۱ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”زَارَ رَجُلٌ أَخًا لَهُ فِي قَرْيَةٍ، فَأَرْصَدَ اللهُ لَهُ مَلَكًا عَلَى مَدْرَجَتِهِ، فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قَالَ: أَخًا لِي فِي هَذِهِ الْقَرْيَةِ، فَقَالَ: هَلْ لَهُ عَلَيْكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا، إِنِّي أُحِبُّهُ فِي اللهِ، قَالَ: فَإِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكَ، أَنَّ اللهَ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ“.

اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کے لیے ایک بستی میں گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے راستے پر ایک فرشتے کو مقرر کر دیا جس راستے سے وہ اس بستی میں جا رہا تھا، وہ فرشتہ انسانی شکل میں تھا اس نے اس شخص سے جو ملاقات کے لیے جا رہا تھا سوال کیا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میرا ایک دینی بھائی اس بستی میں رہتا ہے میں اس کی ملاقات اور زیارت کے لیے جا رہا ہوں، اس فرشتے نے پوچھا کہ کیا اس کا کوئی احسان تم پر تھا جس کا تم بدلہ چکانے کے لیے جا رہے ہو یا تمہاری کوئی اور غرض ہے؟ اس نے کہا کہ کوئی احسان نہیں اور نہ ہی کوئی دوسری غرض ہے بس مجھے اس کے ساتھ اللہ کے واسطے محبت ہے اور اسی محبت کی بنیاد پر میں اس کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں اس پر اس فرشتے نے کہا کہ دیکھو! مجھے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر بھیجا ہے اور اللہ نے تیرے لیے یہ کہلوایا ہے کہ جس طرح تو نے اس کے ساتھ اللہ کے واسطے محبت کی ہے اللہ تعالیٰ تجھ سے بھی محبت رکھتے ہیں (اللہ کی نسبت پر جو تعلق رکھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں

اس کی بڑی قدر و قیمت ہے)۔

تشریح: اپنے بھائیوں اور جن کے ساتھ اللہ کی نسبت پر تعلق ہے ان کی زیارت اور ملاقات کے لیے جانے کی فضیلت اس باب میں بیان کی جارہی ہے، اللہ کی نسبت پر جو تعلق قائم کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر و قیمت ہے اور محض اس تعلق کی بنیاد پر اللہ تبارک و تعالیٰ ان تعلق رکھنے والوں کو بڑے بڑے درجات سے نوازتے ہیں، ان کی مغفرت فرماتے ہیں، اپنے عرش کے سائے کے نیچے ان کو جگہ عطا فرماتے ہیں، چنانچہ اس اللہ کی نسبت پر قائم کئے گئے تعلق کی بنیاد پر کوئی آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کی ملاقات کے لیے، زیارت کے لیے اور اس کی خبر پرسی کے لیے جائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر و قیمت ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يُحِبُّ قَوْمًا وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ

٣٥٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضى الله عنه قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَلْحَقَ بِعَمَلِهِمْ؟ قَالَ: "أَنْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ"، قُلْتُ: إِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، قَالَ: "أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ".

ایسے (نیک) حضرات سے محبت کا فائدہ جن کے مرتبے کو ابھی تک نہ پہنچا ہو

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ

دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک آدمی جو ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے (یعنی اہل اللہ، اہل علم اور نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہے) لیکن وہ عمل کے جس مقام پر ہیں اس مقام پر یہ عملی اعتبار سے ابھی تک پہنچا نہیں ہے (یعنی اس میں کمی ہے، عملی اعتبار سے اتنا مضبوط نہیں ہے جتنا کہ وہ لوگ جن کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہے۔ عام طور پر ہمیں اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ محبت کا تعلق ہوتا ہے لیکن وہ اللہ کے نیک بندے اپنے اعمال کے اعتبار سے جس مقام پر ہوتے ہیں ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے اس مقام پر نہیں پہنچ پاتے، ایسے موقع پر کیا ہوگا؟) اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! تم جس سے محبت رکھو گے تمہارا شمار بھی اسی کے ساتھ ہوگا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر! تم جس سے محبت رکھتے ہو اسی کے ساتھ رہو گے۔

تشریح: بہت سی مرتبہ آدمی اللہ والوں سے، نیک لوگوں سے اور جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے ان سے محبت رکھتا ہے لیکن خود اپنے عمل کے اعتبار سے اس مقام تک نہیں پہنچ سکا، خود تو عملی کمزوری میں مبتلا ہے لیکن اس کو ان لوگوں کے ساتھ محبت ہے تو اللہ تعالیٰ اس محبت کے بدلے میں اس کو بھی بلند مقام سے نوازے گا۔

۳۵۳ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنه، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، مَتَى السَّاعَةُ؟ فَقَالَ: "وَمَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟" قَالَ: مَا أَعْدَدْتُ مِنْ كَبِيرٍ، إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ: "الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ" قَالَ أَنَسٌ: فَمَا رَأَيْتُ الْمُسْلِمِينَ فَرِحُوا بَعْدَ الْإِسْلَامِ أَشَدَّ مِمَّا فَرِحُوا يَوْمَئِذٍ.

ترجمہ وتشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ (توحضور اکرم ﷺ نے بجائے اس کے کہ قیامت کے آنے کے متعلق جواب دیتے، نبیٔ کریم ﷺ نے دوسرا انداز اختیار فرمایا، جب اس نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ اس طرح کا سوال خود نبیٔ کریم ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے درمیان بھی ہوا ہے، حضرت جبرئیل کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کے پاس دین کی معلومات صحابہ کو بتلانے کے لیے بھیجا تھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو اس کے جواب میں نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کو پوچھا جارہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، یعنی قیامت کے آنے کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) حضور ﷺ نے پوچھا کہ تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ کوئی زیادہ تیاری تو میں نے نہیں کی البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ اس کا شمار ہوتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے نقل کرنے والے ہیں فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس دن نبیٔ کریم ﷺ کے اس جواب کو سن کر ہوئی (اس لیے کہ ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہر ایک کو نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ محبت تھی گویا ہر ایک کے لیے یہ جواب بڑی امیدیں دلانے والا تھا۔

بَابُ فَضْلِ الْكَبِيرِ

٣٥٤ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي صَخْرٍ، عَنِ ابْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا، فَلَيْسَ مِنَّا".

بڑے آدمی کی فضیلت کے بارے میں

یعنی عمر اور مرتبہ کے اعتبار سے جو بڑا ہے اس کی فضیلت کا خیال رکھنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ نہ کرے اور بڑوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ نہ کرے (ان کے حق کو نہ پہچانے، ان کے ساتھ جیسا ادب اور احترام کا سلوک کرنا چاہیے، نہ کرے) وہ ہم میں سے نہیں ہے

تشریح: اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ ہر ایک کا حق ادا کیا جائے، بڑے ہیں تو ان کے ساتھ ادب واحترام کے ساتھ پیش آئے، چھوٹے ہیں تو ان کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کرے، جو جیسا ہے اس کے ساتھ ویسا معاملہ کرنا چاہیے۔

٣٥٥ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي جُرَيْجٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا، فَلَيْسَ مِنَّا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے ہمارے چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ نہیں کیا اور بڑوں کے ادب واحترام کے حق کو نہیں پہچانا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تشریح: اگر بڑے چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کریں گے تو لامحالہ چھوٹے بڑوں کے ساتھ ادب کا معاملہ کریں گے، اسی طرح چھوٹے بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ کریں گے تو لامحالہ بڑے چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کریں گے۔ معاشرہ کے نظام کو باقی رکھنے کے لیے یہ دونوں چیزیں بے حد ضروری ہیں، بڑوں اور چھوٹوں دونوں کو تاکید کی جارہی ہے کہ اس ہدایت پر پوری طرح عمل پیرا ہوں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَامِرٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ .

یہ حدیث بھی اوپر بیان کی ہوئی حدیث کی طرح بڑوں کے ادب اور چھوٹوں پر شفقت کے متعلق ہے۔

٣٥٦ - حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رضى الله تعالىٰ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا، وَيَرْحَمْ صَغِيرَنَا“.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے ہمارے بڑوں کا حق نہیں پہچانا اس کے ادب واحترام کا لحاظ

نہیں کیا اور چھوٹوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تشریح: نبیٔ کریم ﷺ جب فرمارہے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے یہ بڑی سخت وعید ہے۔

٣٥٧ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ بْنُ جَمِيلٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيُجِلَّ كَبِيرَنَا، فَلَيْسَ مِنَّا".

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہمارے چھوٹوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت نہیں کی اور بڑوں کا اکرام نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بَابُ إِجْلَالِ الْكَبِيرِ

٣٥٨ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ، عَنْ زِيَادِ بْنِ مِخْرَاقٍ قَالَ: قَالَ أَبُو كِنَانَةَ، عَنِ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: إِنَّ مِنَ إِجْلَالِ اللهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ، غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ، وَلَا الْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ .

بڑے کا اکرام

ترجمہ وتشریح: ابوکنانہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سفید بالوں والے مسلمان کا ادب واحترام کرنا اور

جو قرآن کا حامل ہو (یعنی قرآن کا قاری، حافظ یا عالم ہو) بشرطیکہ قرآن کے حقوق کے معاملے میں نہ تو غلو سے کام لیتا ہو اور نہ بے التفاتی اور غفلت سے کام لیتا ہو (بلکہ اعتدال کے ساتھ ایک حافظ قرآن، عالم قرآن ہونے کی حیثیت سے جو حقوق اس پر ہیں ان کو پورے طور پر ادا کرتا ہے، اس کا اکرام اور اس کا ادب واحترام کرنا) اور انصاف کرنے والے بادشاہ کا اکرام اور ادب واحترام کرنا یہ اللہ کے ادب واحترام میں داخل ہے (یعنی اگر ان تین شخصیات کا کوئی ادب واحترام کرے گا تو گویا اس نے اللہ کے حق کو ادا کیا)۔

٣٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہمارے چھوٹوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت نہیں کی اور بڑوں کا اکرام نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بَابُ يَبْدَأُ الْكَبِيرُ بِالْكَلَامِ وَالسُّؤَالِ

٣٦٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى الْأَنْصَارِ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، رضی اللہ عنہما أَنَّهُمَا حَدَّثَا، أَوْ حَدَّثَاهُ، أَنَّ

عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ، وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ، أَتَيَا خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ، فَقُتِلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَهْلٍ، فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ، وَحُوَيِّصَةُ وَمُحَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَكَلَّمُوا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمْ، فَبَدَأَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ، وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَبِّرِ الْكِبَرَ" - قَالَ يَحْيَى: لِيَلِيَ الْكَلَامَ الْأَكْبَرُ - فَتَكَلَّمُوا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمْ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اسْتَحِقُّوا قَتِيلَكُمْ - أَوْ قَالَ: صَاحِبَكُمْ - بِأَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْكُمْ"، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، أَمْرٌ لَمْ نَرَهُ، قَالَ: "فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِأَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْهُمْ"، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، قَوْمٌ كُفَّارٌ. فَفَدَاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِهِ قَالَ سَهْلٌ: فَأَدْرَكْتُ نَاقَةً مِنْ تِلْكَ الْإِبِلِ، فَدَخَلْتُ مِرْبَدًا لَهُمْ، فَرَكَضَتْنِي بِرِجْلِهَا.

بڑا شخص بات اور سوال کی ابتداء کرے

ترجمہ: حضرت رافع ابن خدیج اور حضرت سہل ابن ابی حثمۃ رضی اللہ عنہما (یہ قصہ نقل کرنے والے دو صحابی ہیں) فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے دو صحابی عبد اللہ ابن سہل اور محیصہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما (یہ دونوں آپس میں چچا زاد بھائی ہوتے ہیں) اپنے باغات کی خیر خبر لینے کے لیے خیبر آئے (جب خیبر پہنچے اور دونوں کے باغات قریب آئے) تو دونوں اپنے اپنے باغوں میں چلے گئے، حضرت عبد اللہ ابن سہل رضی اللہ عنہ کو یہودیوں نے قتل کر دیا اور مدینہ آنے کے بعد حضرت عبد اللہ ابن سہل کے چھوٹے بھائی عبد الرحمٰن بن سہل اور ان کے دونوں چچا زاد بھائی حویصہ اور محیصہ یہ تینوں حضرات نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں یہ سارا مقدمہ لیکر

حاضر ہوئے، عبد الرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بڑے کو بڑا بناؤ (یعنی بڑے کی بڑائی کا لحاظ کرو اور گفتگو کے لیے اپنے سے بڑی عمر والے کو آگے کرو) حضرت یحیٰ فرماتے ہیں کہ بڑے آدمی کو کلام کا والی بننا چاہیے، پھر انہوں نے اپنے ساتھی کے معاملہ میں آپ ﷺ سے گفتگو کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے مقتول یا اپنے ساتھی کے خون کے حق دار صرف اس وقت بنو گے جب تمہارے پچاس آدمی قسم کھا کر اس بات کی گواہی دیں کہ یہود میں سے فلاں نے تمہارے مقتول کو قتل کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تو ایسا معاملہ ہے جو ہم نے نہیں دیکھا (تو ہمارے پچاس آدمی کیسے قسم کھا سکتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر یہود کے پچاس آدمی قسم کھا کر یہ کہیں گے کہ انہوں نے قتل نہیں کیا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہمیں ان سے قسمیں نہیں لینی، وہ تو کافر لوگ ہیں ان کی قسموں کا بھی کیا اعتبار، تو نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے یعنی بیت المال میں سے ان کا خون بہا یعنی مرنے والے کی جان کی قیمت جو سو اونٹ کی شکل میں دی جاتی ہے وہ ادا کی۔ اس روایت کے نقل کرنے والے حضرت سہل ابن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ (جو اونٹ حضور ﷺ نے ان لوگوں کو دیت کے طور پر دیے تھے) ان میں سے ایک اونٹنی کو میں نے بھی دیکھا ہے، ایک مرتبہ میں وہ اونٹنی جس باڑے میں باندھی جاتی تھی وہاں گیا تو اس نے مجھے لات بھی ماری تھی (گویا اس قصے کے پختہ یاد ہونے کی طرف اشارہ کیا)۔

تشریح:

فتح خیبر

خیبر مدینہ منورہ سے کچھ دور ایک بڑی آبادی تھی، وہاں کئی قلعے، کھجور کے باغات اور زمینیں تھیں، نبی کریم ﷺ نے سن ۷ ہجری کو محرم کے مہینے میں اس شہر پر چڑھائی کی جس کے نتیجے میں سارا شہر اور سارے قلعے فتح ہو گئے اور مسلمانوں کی ملکیت میں

آ گئے، بعد میں وہاں مقیم یہودیوں کی درخواست پر ان باغات اور زمینوں کی دیکھ بھال اور حفاظت کا کام انہی کے سپرد اس شرط پر کر دیا کہ ان باغات اور زمینوں کی نگرانی کی ذمہ داری ان کی ہوگی اور اس میں جو پیداوار ہوگی وہ آدھی انہیں دی جائے گی اور آدھی مسلمان لیں گے اور جب تک مسلمان چاہیں گے یہودیوں کو وہاں رہنے دیں گے اور جب چاہیں گے وہاں سے ہٹا دیں گے۔

یہود کی شرارت

خیبر یہود کے ہاتھ سے نکل گیا تھا لیکن اس کے باوجود موقع ملنے پر وہ مسلمانوں کے ساتھ شرارت سے باز نہ آتے، ان کی شرارت کا ایک واقعہ اوپر حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ دو صحابی رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ سے خیبر اپنے باغات کا حال معلوم کرنے کے لیے پہنچے، دونوں کے باغات الگ الگ تھے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا باغ ایک طرف اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کا باغ دوسری طرف تھا (جیسے کسی شہر میں دو شخص اکھٹے کسی کام کے لیے جاتے ہیں، کسی کو ایک دکان پر کام ہوتا ہے اور دوسرے کو دوسری دکان پر کام ہوتا ہے تو دونوں اپنا اپنا کام کر کے پھر ایک جگہ آ کر ملتے ہیں) وہاں پہنچ کر دونوں نے آپس میں طے کر لیا کہ ہم دونوں اپنے اپنے باغ کا حال معلوم کرنے کے بعد فلاں جگہ ملیں گے۔ چنانچہ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ اپنے کام سے فارغ ہو کر مقررہ جگہ پہنچ کر اپنے ساتھی حضرت عبداللہ ابن سہل رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنے لگے لیکن کافی دیر تک وہ نہ آئے تو ان کے باغ کی طرف گئے وہاں دیکھا تو وہ خون میں لت پت مرے ہوئے ملے، اکیلا دیکھ کر کسی نے ان کو قتل کر دیا تھا،

وہاں چونکہ یہودی ہی رہتے تھے اس لیے قاتل تو وہی تھے لیکن کسی نے اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ نہیں دیکھا تھا اس لیے ان کے خلاف باقاعدہ گواہ اور ثبوت مہیا کر کے مقدمہ چلا کر ان کے خلاف فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

بڑا بات کی ابتداء کرے

حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ جب واپس مدینہ منورہ آئے تو وہ مقتول کے چھوٹے بھائی عبدالرحمٰن ابن سہل اور اپنے بھائی حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ کو لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں معاملہ پیش کرنے کے لیے پہنچے اور حضور کی خدمت میں پہنچنے کے بعد معاملہ پیش کرنے کا کام حضرت عبدالرحمٰن ابن سہل رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اس لیے کہ وہ مرحوم کے حقیقی بھائی تھے اور وہ دونوں مرحوم کے چچا زاد بھائی تھے، لیکن عمر میں حضرت عبدالرحمٰن ابن سہل رضی اللہ عنہ ان دونوں سے چھوٹے تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمر میں جو بڑے ہیں وہ گفتگو کریں۔ بہر حال حضور کی ہدایت پر ان بڑوں نے واقعہ پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کا حاصل یہ تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ ہمارے بھائی کے قتل پر یہودیوں کو جوابی کاروائی کے طور پر قصاص میں قتل کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم قسم کھا کر یہ بات کہو کہ فلاں نے ہمارے بھائی کو قتل کیا ہے اس کے بعد آگے کی کاروائی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ یہ اہل ایمان ہیں انہوں نے جب اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں تو قسم کھا کر بات کرنے کو کہا جائے گا تو وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوں گے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! یہ ایک ایسی بات ہے جو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی، یعنی ہم نے یہودیوں کو حضرت عبداللہ ابن

سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تو پھر ہم قسم کھا کر کیسے کہہ سکتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی مطلب تھا کہ وہ خود انکار کریں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان یہودیوں سے پچاس قسمیں لی جائیں گی جو قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم نے قتل نہیں کیا، تو ہم ان کو بری ظاہر کریں گے۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ وہ تو کفار ہیں (دوسری روایتوں میں ہے کہ وہ تو ہم سب کو قتل کر کے بھی جھوٹی قسمیں کھالیں گے، ان کا کیا بھروسا) ان کی قسم پر ہمیں کوئی اعتبار نہیں، ہم تو ان سے قسمیں لینا بھی نہیں چاہتے۔

قسامہ کا طریقہ

شریعت اسلامی میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی جگہ میں ایک آدمی قتل کیا ہوا پایا جائے لیکن کسی نے بھی اس آدمی کو قتل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور قاتل کے متعلق معلوم نہ ہو تو اس سلسلہ میں شرعی اصول کے مطابق جس جگہ یا علاقہ میں وہ مقتول پایا گیا ہو اس علاقہ کے پچاس لوگوں کو بلایا جائے گا اور پچاس آدمی مقتول کے لواحقین اور ورثاء میں سے دعویٰ کریں گے کہ فلاں جگہ یا علاقہ میں ہمارا آدمی قتل کیا ہوا پایا گیا اور یہ لوگ اس کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ احناف کے اصول کے مطابق اس قسامت کا طریقہ یہ ہے کہ مقتول کے لواحقین کے دعویٰ کے مطابق جس علاقہ میں قتل ہوا ہے اس علاقہ کے پچاس آدمی قسمیں کھا کر یہ کہیں گے بِاللہ ما قَتَلْنَاہ وَلَا نَعْلَمُ قَاتِلاً یعنی اللہ کی قسم میں نے نہ تو اس کو قتل کیا اور نہ مجھے اس کے قاتل کا علم ہے۔ یہ قسمیں کھلانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کو معلوم ہو تو بات باہر آئے، ظاہر ہے

جھوٹی قسمیں تو کھائیں گے نہیں، بہر حال اگر وہ پچاس آدمی اس طرح قسمیں کھالیں گے تو پھر ان کے پاس سے دیت یعنی مرنے والے کا خون بہا لیا جائے گا، یعنی ان کو قتل نہیں کریں گے بلکہ ان سے خون بہا لیں گے۔

چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ جب انہوں نے یہودیوں سے قسمیں لینے سے بھی انکار کیا تو اب ظاہر ہے کہ یہ صحابی جو قتل کئے گئے تھے ان کا خون یوں ہی ضائع ہو جاتا اور اسلام میں ایسے اصول مقرر کئے گئے ہیں کہ کسی کا خون ضائع نہ جائے، اگر قاتل کا علم ہے تو قصاص میں اس کو قتل کیا جائے ورنہ دیت یعنی خون بہا لینا چاہیے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المال میں سے سو اونٹوں کی دیت اسی لیے ادا کی۔

بَابُ إِذَا لَمْ يَتَكَلَّمِ الْكَبِيرُ هَلْ لِلْأَصْغَرِ أَنْ يَتَكَلَّمَ؟

٣٦١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ مَثَلُهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ، تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا، لَا تَحُتُّ وَرَقَهَا"، فَوَقَعَ فِي نَفْسِي النَّخْلَةُ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ، وَثَمَّ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا لَمْ يَتَكَلَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هِيَ النَّخْلَةُ"، فَلَمَّا خَرَجْتُ مَعَ أَبِي قُلْتُ: يَا أَبَتِ، وَقَعَ فِي نَفْسِي النَّخْلَةُ، قَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَقُولَهَا؟ لَوْ كُنْتَ قُلْتَهَا كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: مَا مَنَعَنِي إِلَّا لَمْ أَرَكَ، وَلَا أَبَا بَكْرٍ تَكَلَّمْتُمَا، فَكَرِهْتُ.

جب بڑا نہ بولے تو کیا چھوٹا بول سکتا ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک سوال کیا کہ وہ کونسا درخت ہے جس کا حال ایسا ہی ہے جیسا کہ مسلمان کا اسکا پھل ہمیشہ میسر ہوتا ہے اور اس کے پتے نہیں جھڑتے، ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرا ذہن فوراً کھجور کے درخت کی طرف گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں لیکن میں نے بولنا مناسب نہیں سمجھا کیوں کہ وہاں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے۔تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود ہی فرمایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، اور جب اس مجلس کے ختم ہونے کے بعد ہم باہر نکلے تو میں نے ابا سے کہا کہ جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سوال کیا اس وقت میرے دل میں آیا تھا کہ اس سے مراد کھجور کا درخت ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تمہارے دل میں یہ جواب آیا تھا تو تم کو بولنے سے کس نے منع کیا؟ اگر تم یہ جواب دیتے تو میرے نزدیک یہ اتنا پسندیدہ ہوتا جتنا اتنے اتنے اونٹوں کا ملنا۔اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ دونوں خاموش ہیں تو پھر آپ کے وہاں موجود ہوتے ہوئے میں نے بولنا مناسب نہیں سمجھا۔

تشریح: اس حدیث کے راوی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جب یہ واقعہ پیش آیا تو اس مجلس میں تقریباً آٹھ دس آدمی موجود تھے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے کھجور کے درخت کا گوند (کھجور کے درخت میں سے چکنا اور میٹھا مادہ نکلتا ہے جس کو کھایا بھی جاتا ہے) پیش کیا گیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سوال پوچھا جو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث شریف سے ایک تو یہ پتہ چلتا ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں کی موجودگی میں گفتگو کی ابتداء اور عجلت نہیں کرنی چاہیے، ہاں، جہاں بولنے کی ضرورت ہے وہاں بڑے خاموش ہیں تو چھوٹے کچھ دیر انتظار کے بعد بڑوں کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے اور ان کی اجازت سے بولیں تو اس کی گنجائش ہے۔

اس حدیث شریف سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ مسلمان شخص کی مثال کھجور کے درخت جیسی ہے جس طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز کار آمد ہے اسی طرح مسلمان ہر طرح اپنے اردگرد کے لوگوں اور معاشرہ کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے اور اس کی ذات سے کسی کو ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

بَابُ تَسْوِيدِ الْأَكَابِرِ

٣٦٢ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ: سَمِعْتُ مُطَرِّفًا، عَنْ حَكِيمِ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ، أَنَّ أَبَاهُ أَوْصَى عِنْدَ مَوْتِهِ بَنِيهِ فَقَالَ: اتَّقُوا اللهَ وَسَوِّدُوا أَكْبَرَكُمْ، فَإِنَّ الْقَوْمَ إِذَا سَوَّدُوا أَكْبَرَهُمْ خَلَفُوا أَبَاهُمْ، وَإِذَا سَوَّدُوا أَصْغَرَهُمْ أَزْرَى بِهِمْ ذَلِكَ فِي أَكْفَائِهِمْ . وَعَلَيْكُمْ بِالْمَالِ وَاصْطِنَاعِهِ، فَإِنَّهُ مَنْبَهَةٌ لِلْكَرِيمِ، وَيُسْتَغْنَى بِهِ عَنِ اللَّئِيمِ . وَإِيَّاكُمْ وَمَسْأَلَةَ النَّاسِ، فَإِنَّهَا مِنْ آخِرِ كَسْبِ الرَّجُلِ. وَإِذَا مُتُّ فَلَا تَنُوحُوا، فَإِنَّهُ لَمْ يُنَحْ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَإِذَا مُتُّ فَادْفِنُونِي بِأَرْضٍ لَا يَشْعُرُ بِدَفْنِي بَكْرُ بْنُ وَائِلٍ، فَإِنِّي كُنْتُ أُغَافِلُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ .

بڑوں کو سیادت اور سرداری حوالے کرنا

یعنی سرداری بڑوں کے حوالے کی جائے یہ بھی بڑوں کے آداب میں سے ہے

ترجمہ: مُطرِّف حکیم ابن قیس بن عاصم سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے (یہ صحابی ہیں اور عرب میں ''بڑے سمجھ دار'' کے نام سے مشہور تھے) اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور اپنے میں جو بڑا ہو سرداری اس کے حوالے کرنا (یعنی اپنا سردار بڑے کو بنانا) اس لیے کہ اولاد اپنے میں سے بڑے کو سیادت اور سرداری حوالے کرتی ہے تو گویا وہ اپنے باپ کی حقیقی جانشینی کا حق ادا کرتی ہے (لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ اپنے میں سے جو بڑا ہو اس کو بڑا بنائیں، گویا ایسا کریں گے تو یوں سمجھا جائے گا کہ انہوں نے حقیقتاً باپ کی جانشینی کا حق ادا کیا) اور اگر وہ اپنے میں سے چھوٹے کو سردار بنائیں گے تو یہ چیز ان کے لیے عیب ہوگی (یعنی ان کا اپنے میں سے چھوٹے کو سردار بنانا ان کے حق میں یعنی پورے خاندان کے لیے دوسروں کی نگاہوں میں عیب کا ذریعہ بنے گا) اور پھر انہوں نے یہ وصیت بھی کی کہ مال کی حفاظت کرنا اور صحیح جگہوں پر مال کو خرچ کرنا (یعنی مال کو حفاظت سے رکھنا اور نیکی کے کاموں میں اور جہاں جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ کرنا) اس لیے کہ مال شریف آدمی کی نشانی ہے اور پہچان ہے اور اسی مال کے ذریعے آدمی کمینوں سے مستغنی ہوتا ہے (یعنی کمینہ صفت کے لوگوں کے پاس جانے کی نوبت نہیں آتی، مال سے اپنی ضرورت پوری ہو جاتی ہے) پھر اپنے بیٹوں کو یہ بھی وصیت کی کہ لوگوں سے سوال مت کرنا (یعنی مانگنا مت) اس لیے کہ مانگنا اور سوال کرنا یہ آدمی کی کمائی کا آخری ذریعہ ہے (یعنی کسی طرح کی کوئی تدبیر اپنی ضرورت کو حاصل کرنے کی نہ رہے، تمام تدبیروں سے آدمی عاجز ہو جائے تو سوال کرنا آخری درجہ ہے اس لیے سوال کرنے سے بچنا) اور میرا جب انتقال ہو جائے تو میرے اوپر نوحہ مت کرنا، اس لیے کہ نبیؐ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی عظیم شخصیت پر بھی نوحہ نہیں کیا گیا اور جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے ایسی جگہ پر دفن کرنا کہ قبیلۂ بنی بکر ابن وائل کے لوگوں کو میرے دفن کی جگہ یعنی میری قبر کا پتہ نہ چلے اس لیے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کے اوپر میں بے خبری میں حملہ کیا کرتا تھا اس لیے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ان حملوں کے انتقام میں میری لاش کے ساتھ کوئی نامناسب سلوک نہ کریں اس لیے میری قبر کو چھپائے رکھنا اور اس کا اظہار نہ ہونے دینا۔

تشریح: نوحہ ایک مخصوص انداز سے رونے کو کہتے ہیں، پرانے لوگ جانتے ہیں کہ بعض پیشہ ور رونے والیاں ہوتی ہیں جو باقاعدہ حلقہ بنا کر اونچی آواز میں روتی ہیں، چھاتی کوٹتی ہیں اور بال بکھر دیتی ہیں۔ عرب میں نوحہ ایک خاص طریقے کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے، ہاں کسی کی موت پر قلبی غم کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر آنکھوں میں آنسو آ گئے تو اس کی ممانعت نہیں ہے، یہ جو کپڑے پھاڑے جاتے ہیں اور بال نوچے جاتے ہیں اس سے منع کیا گیا، عربوں میں مرنے والا جتنا بڑا آدمی ہوتا تھا اس کا اتنا ہی زیادہ نوحہ کیا جاتا تھا، یعنی زیادہ رویا جانا مرنے والے کے بڑے ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

بَابُ يُعْطِي الثَّمَرَةَ أَصْغَرَ مَنْ حَضَرَ مِنَ الْوِلْدَانِ

٣٦٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِالزَّهْوِ قَالَ: "اللهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا وَمُدِّنَا، وَصَاعِنَا، بَرَكَةً مَعَ بَرَكَةٍ"، ثُمَّ نَاوَلَهُ أَصْغَرَ مَنْ يَلِيهِ مِنَ الْوِلْدَانِ.

موسم کا پہلا پھل موجود بچوں میں سے سب سے چھوٹے بچے کو دے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب موسم کا پہلا پھل لایا جاتا تھا تو اولاً تو آپ لیکر دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! تو ہمارے لیے برکت ڈال دے ہمارے شہر میں بھی اور ہمارے مد اور صاع میں بھی برکت پر برکت، یہ دعا کرنے کے بعد جو بچے وہاں موجود ہوتے تھے ان میں جو سب سے چھوٹا ہوا کرتا تھا اس کو وہ پھل آپ عنایت فرما دیتے تھے (کیونکہ موسم کا نیا پھل ہے یہ بچہ بھی گویا انسانی اعتبار سے نیا ہی ہے اس لیے سب سے چھوٹے بچے کو منتخب کیا جاتا تھا)۔

تشریح: مد اور صاع یہ پیمانے تھے جن کے ذریعے سے غلہ وغیرہ تولا جاتا تھا، ساڑھے تین کیلو کا ایک صاع ہوتا ہے اور صاع کے چوتھے حصے کو مد کہتے ہیں۔ ناپ میں برکت رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز ان پیمانوں کے ذریعہ سے ناپی جاتی ہے اس میں برکت ڈال دے۔

بَابُ رَحْمَةِ الصَّغِيرِ

٣٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا.

چھوٹے کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ کرنا

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا جو آدمی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ نہ کرے اور بڑوں کے ادب واحترام کے حق کو نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تشریح: اسلامی تعلیم یہ ہے کہ چھوٹوں کے ساتھ شفقت ہونی چاہیے اور چھوٹوں کو چاہیے کہ بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ کریں۔

بَابُ مُعَانَقَةِ الصَّبِيِّ

٣٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَدُعِينَا إِلَى طَعَامٍ فَإِذَا حُسَيْنٌ يَلْعَبُ فِي الطَّرِيقِ، فَأَسْرَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَامَ الْقَوْمِ، ثُمَّ بَسَطَ يَدَيْهِ، فَجَعَلَ يَمُرُّ مَرَّةً هَاهُنَا وَمَرَّةً هَا هُنَا، يُضَاحِكُهُ حَتَّى أَخَذَهُ، فَجَعَلَ إِحْدَى يَدَيْهِ فِي ذَقْنِهِ وَالْأُخْرَى فِي رَأْسِهِ، ثُمَّ اعْتَنَقَهُ فَقَبَّلَهُ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، سِبِطَانِ مِنَ الْأَسْبَاطِ .

چھوٹے بچوں کو گلے لگانا (محبت کی وجہ سے)

ترجمہ: حضرت یعلیٰ ابن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ باہر نکلے اور ہمیں ایک جگہ پر کھانے کی دعوت تھی تو حضور اکرم ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ (جو اس وقت چھوٹے بچے تھے) کو راستے میں کھیلتے ہوئے دیکھا تو حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب ساتھ جارہے تھے لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو

دیکھ کر نبی کریم ﷺ ذرا تیزی کے ساتھ آگے تشریف لے گئے اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ اب حضرت حسین بھاگ رہے ہیں (تو جس طرف وہ بھاگتے حضور ﷺ اس طرف ہاتھ کر دیتے تا کہ ان کو پکڑ لیں اور نہ جانے دیں) اور حضور ﷺ اس طرح ان کو ہنسا رہے ہیں یہاں تک کہ حضور نے ان کو پکڑ لیا اس کے بعد آپ نے ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی کے نیچے اور یک ہاتھ سر کے اوپر رکھ کر کے ان کو اپنے گلے سے لگا لیا، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں حسین سے ہوں اور حسین مجھ سے ہے، جو حسن اور حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے، حسن اور حسین نواسے ہیں۔ (سبط کہتے ہیں نواسے کو یعنی بیٹی کی اولاد کو)۔

بَابُ قُبْلَةِ الرَّجُلِ الْجَارِيَةَ الصَّغِيرَةَ

٣٦٦ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما يُقَبِّلُ زَيْنَبَ بِنْتَ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، وَهِيَ ابْنَةُ سَنَتَيْنِ أَوْ نَحْوَهُ.

چھوٹی بچی کو اس کے ساتھ شفقت اور پیار کی وجہ سے بوسہ دینا

ترجمہ: مخرمہ ابن بکیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت عمر ابن ابوسلمۃ کی بیٹی زینب کو جبکہ وہ کم وبیش دو سال کی بچی تھی بوسہ دیا۔

چھوٹے بچوں کی تربیت کا اہتمام

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے، اولین اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور پھر ہجرت کر

کے مکہ مکرمہ سے حبشہ چلے گئے۔ حبشہ میں جتنے بھی مسلمان ہجرت کر کے پہنچے تھے ان سب کے یہی سردار تھے، حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سامنے باقاعدہ دعوت اسلام پیش کی اور وہ مسلمان ہوا اور ایک مدت تک وہاں رہے اس کے بعد سنہ ۷ ہجری میں ہجرت کر کے واپس مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت عبداللہ ان کے صاحب زادے ہیں، یہ بھی صحابی ہیں، صغار صحابہ میں سے ہیں اور شکل وصورت میں ان کی مشابہت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ تھی، اپنے زمانہ کے مشہور سخیوں میں انکا شمار ہوتا تھا۔

عمر ابن ابوسلمہ ام المؤمنین حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے ہیں اور ان کے شوہر ابوسلمہ سے پیدا ہوئے، ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں مسلمان ہونے کے بعد ہجرت کر کے حبشہ گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو ان کے بچے بھی ان کے ساتھ تھے تو عمر ابن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت میں رہے ہیں چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن ابوسلمۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا جبکہ میں چھوٹا بچہ تھا، میرا ہاتھ پوری پلیٹ میں گھوم رہا تھا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے بچے! جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ، حضرت عمر بن ابوسلمۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرے کھانے کا وہی طریقہ رہا یعنی پھر اس میں کبھی فرق نہیں آیا۔ یہ خاص شان تھی اور انداز تھا حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا، چھوٹا ہو، بڑا ہو، مرد ہو، عورت ہو، کوئی بھی ہو ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرما دی اس کے بعد پھر دوبارہ انہیں کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

٣٦٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ خُطَّافٍ، عَنْ حَفْصٍ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا تَنْظُرَ إِلَى شَعْرِ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِكَ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَهْلَكَ أَوْ صَبِيَّةً، فَافْعَلْ .

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم سے یہ ہو سکے (یعنی تم اتنا ضرور کرو) کہ اپنے گھر کی عورتوں میں سے کسی کے بالوں پر تمہاری نظر نہ پڑے سوائے اس کے کہ وہ تمہاری بیوی ہو یا چھوٹی بچی ہو۔

تشریح: گھر کی عورتوں میں بیوی اور چھوٹی بچی کے بالوں پر نظر پڑنا تو ٹھیک ہے مگر اس کے علاوہ کسی اور کے بالوں پر نظر نہیں پڑنی چاہیے، ویسے اگر محرم عورت ہے یعنی ماں یا بہن ہے تو اس کے بالوں کو دیکھنے کی گنجائش ہے لیکن پھر بھی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بطور احتیاط اس سے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَسْحِ رَأْسِ الصَّبِيِّ

٣٦٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي الْهَيْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ: حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَّامٍ قَالَ: سَمَّانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوسُفَ، وَأَقْعَدَنِي عَلَى حِجْرِهِ، وَمَسَحَ عَلَى رَأْسِي .

محبت اور پیار کی وجہ سے چھوٹے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنا

ترجمہ: حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا، مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بچوں کو آپ کے پاس لایا جاتا تھا، آپ

ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے اور دعا دیتے تھے، یہ طریقہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ چھوٹے بچوں کو بڑوں کے پاس پیش کیا جاتا ہے، ان کی دعائیں لیجاتی ہیں، ان سے سر پر ہاتھ پھروایا جاتا ہے، اب تو بڑے بھی سر پر ہاتھ پھرواتے ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد پر حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی خوشی

راویٔ حدیث یوسف بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں، حضرت عبد اللہ مشہور صحابی ہیں، یہودیوں کے بڑے عالم تھے۔آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے باغ میں کھجور کے درخت کے اوپر کھجور چن رہا تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے ہیں تو میں نے مارے خوشی کے وہیں سے نیچے چھلانگ لگادی، میری پھوپھی وہاں تھیں انہوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگئے ہیں، تو اس پر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں یہ اسی گروہ اور اسی جماعت سے ہیں جس جماعت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق تھا، پھر حضرت عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد جو پہلا کلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا اور میرے کان میں پڑا وہ یہ تھا

اَیُّھاالنَاسُ اَفْشُوالسَّلَامَ وَاَطْعِمُواالطَّعَامَ وَصِلُواالْاَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُواالْجَنَّۃَ بِسَلَامٍ، اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز ادا کرو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کا عجیب واقعہ

آپ کا اسلام لانے کا قصہ بھی عجیب ہے بخاری شریف کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپ سے تین چیزوں کا سوال کرتا ہوں جس کا جواب نبی ہی دے سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کرو، انہوں نے پہلا سوال کیا کہ قرب قیامت کی سب سے پہلی علامت کیا ہے؟ دوسرا سوال یہ کیا کہ جنت والوں کو سب سے پہلا کھانا کیا کھلایا جائے گا؟ اور تیسرا سوال یہ کیا کہ بچہ شکل وصورت میں کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے وہ کونسی چیز ہے جو بچے کو کبھی ماں کے مشابہ بناتی ہے اور کبھی باپ کے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر مجھے اس کا جواب بتلایا (حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جبرئیل؟ وہ تو ہمارے یہودیوں کے دشمن ہیں یہودی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ دراصل وحی کا سلسلہ بنی اسرائیل میں باقی رہنا تھا تو یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی کو بنو اسماعیل میں منتقل کردیا اسی پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ جو اپنے آپ کو جبرئیل کا دشمن بتلاتا ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے) پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرب قیامت کی علامتوں میں سب سے پہلی علامت ایک آگ ہوگی جو مشرق سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو ہنکا کر مغرب کی جانب لے جائے گی۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جنت والوں کو سب سے پہلا کھانا جو دیا جائے گا وہ مچھلی کا جگر گوشہ یعنی

مچھلی کے کلیجے کے ساتھ والا چھوٹا ٹکڑا ہوگا۔ ہر جانور کے کلیجہ کے ساتھ دوسرا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے، اس کو عربی میں زِیَادَۃُ الْکَبِد اور اردو میں جگر گوشہ کہتے ہیں وہ جنتیوں کو سب سے پہلے کھانے کے لیے دیا جائے گا۔ اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شوہر جب اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے اور دونوں کا مادۂ منویہ نکل کر جب بیوی کے رحم میں یعنی بچہ دانی میں پہنچتا ہے تو اگر پہلے شوہر کا مادۂ منویہ پہنچ گیا تو بچہ شوہر کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر پہلے بیوی کی منی مادر رحم میں پہنچ گئی تو بچہ بیوی کے مشابہ ہوتا ہے، یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھ لیا اور اسلام قبول کرلیا۔

یہود کا اعتراف اور پھر انکار

اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ یہودی بڑے الزام تراش اور جھوٹے لوگ ہیں، اگر ان کو میرے مسلمان ہونے کا پتہ چل گیا تو میرے اوپر الزام لگائیں گے، ان کو میرے مسلمان ہونے کا علم ہونے سے پہلے آپ ان سے میرے متعلق پوچھ لیجیے کہ میں کیسا ہوں؟ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کو ایک کمرے میں چھپا دیا اور پھر کچھ یہودیوں کی جماعت آپ کی خدمت میں آئی، ان کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کمرے میں ہیں، حضور ﷺ نے ان یہودیوں سے پوچھا کہ عبداللہ ابن سلام کیسے آدمی ہیں؟ کہا کہ خَیْرُنَا وَابْنُ خَیْرِنَا وَسَیِّدُنَا وَابْنُ سَیِّدِنَا، ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے اور ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ ایمان لے آئیں تو تم ایمان لے آؤ گے؟ کہا کہ وہ اسلام قبول کر ہی

نہیں سکتے، بار بار حضور ﷺ نے پوچھا، ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ وہ اسلام قبول کر ہی نہیں سکتے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام کمرے میں یہ گفتگوسن رہے تھے، وہ سمجھ گئے کہ یہ لوگ اس سے آگے نہیں بڑھیں گے تو وہ کمرے میں سے باہر نکل آئے اور زور سے کلمۂ شہادت پڑھا جس سے ان کو پتہ چل گیا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں، فوراً یہود کہنے لگے شَرُّنَا، اِبْنُ شَرِّنَا، ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتر کے بیٹے، حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے یہی ڈر تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت سنائی۔

٣٦٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَنْقَمِعْنَ مِنْهُ، فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ، فَيَلْعَبْنَ مَعِي.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنی ہم عمر سہیلیوں اور لڑکیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلا کرتی تھی (یہ اس وقت ہوتا تھا جب نبیٔ کریم ﷺ گھر میں نہیں ہوتے تھے) جب حضور ﷺ تشریف لاتے تو وہ لڑکیاں حضور کو دیکھ کر بھاگ جاتی تھیں، حضور ﷺ ان کو بلا کر پھر میرے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ میرے ساتھ کھیلیں۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب رخصت ہو کر نبیٔ کریم ﷺ کے یہاں گئیں اس وقت آپ کی عمر نُو ۹ سال کی تھی اور نو سال تک وہ حضور ﷺ کے ساتھ رہیں اس کے بعد آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا، گویا انتقال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی،

اب نو سال کی عمر میں بہر حال کھیل کا شوق تو ہوتا ہی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ جو محلہ میں سے آتی تھیں کھیلا کرتی تھی۔

آج کل کی گڑیوں کو رکھنے کی ممانعت

گڑیوں کے لیے یہاں لفظ بنات آیا ہے، اس سے آج کل کی گڑیاں جو باقاعدہ چلتی پھرتی، بولتی، کھیلتی کودتی ہیں ایسی گڑیوں کے ساتھ کھیلنے اور گھر میں رکھنے کے جواز پر اس روایت سے بعض حضرات استدلال کرتے ہیں، حالانکہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے زمانے میں بلکہ آج بھی دیہاتوں میں جو گڑیاں ہوتی ہیں وہ ایسی نہیں ہوتیں جن کی شکل وصورت ہو، وہ تو ایک آدھ کپڑے کا ٹکڑا ہے اور لکڑی کے اوپر کپڑے کو لپیٹ کر گڑیا بنا دی جاتی ہے۔ دیہاتوں میں آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بچیاں اسی طرح بناتی ہیں ان سے جو آج کل کی گڑیاں جو کہ شکل وصورت والی ہیں ان کے جواز پر استدلال نہ کیا جائے۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جیسی عمر ہو اس کے مطابق بچوں کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا جائے۔

بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلصَّغِيرِ: يَا بُنَيَّ

۳۷۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ أَبِي غَنِيَّةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي الْعَجْلَانِ الْمُحَارِبِيِّ قَالَ: كُنْتُ فِي جَيْشِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَتُوُفِّيَ ابْنُ عَمٍّ لِي، وَأَوْصَى بِجَمَلٍ لَهُ

فِي سَبِيلِ اللهِ، فَقُلْتُ لِابْنِهِ: ادْفَعْ إِلَيَّ الْجَمَلَ، فَإِنِّي فِي جَيْشِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقَالَ: اذْهَبْ بِنَا إِلَى ابْنِ عُمَرَ حَتَّى نَسْأَلَهُ، فَأَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، إِنَّ وَالِدِي تُوُفِّيَ، وَأَوْصَى بِجَمَلٍ لَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَهَذَا ابْنُ عَمِّي، وَهُوَ فِي جَيْشِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، أَفَأَدْفَعُ إِلَيْهِ الْجَمَلَ؟ قَالَ ابْنُ عُمَرَ: يَابُنَيَّ، إِنَّ سَبِيلَ اللهِ كُلُّ عَمَلٍ صَالِحٍ، فَإِنْ كَانَ وَالِدُكَ إِنَّمَا أَوْصَى بِجَمَلِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِذَا رَأَيْتَ قَوْمًا مُسْلِمِينَ يَغْزُونَ قَوْمًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَادْفَعْ إِلَيْهِمُ الْجَمَلَ، فَإِنَّ هَذَا وَأَصْحَابَهُ فِي سَبِيلِ غِلْمَانِ قَوْمٍ أَيُّهُمْ يَضَعُ الطَّابَعَ.

کسی چھوٹے بچے کو اے بیٹے! کہنا

ترجمہ: ابوعجلان محاربی (قبیلۂ بنومحاربہ عرب کا ایک قبیلہ ہے اس سے یہ تعلق رکھتے ہیں) کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر میں تھا کہ میرے ایک چچازاد بھائی کا انتقال ہوا اور اس نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ اونٹ اللہ کے راستے میں دے دینا، میں نے اس کے بیٹے سے کہا کہ یہ اونٹ مجھے دے دو کیونکہ میں حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر میں ہوں۔ اس نے کہا کہ چلیے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جاتے ہیں ان سے پوچھتے ہیں اگر وہ کہیں گے تو دے دوں گا (جیسے ہمارے درمیان کبھی اختلاف ہوتا ہے تو ہم مفتی صاحب کے پاس جاتے ہیں) ابوعجلان محاربی کے بھتیجے نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا اے ابوعبدالرحمٰن! (یہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے) میرے ابا کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرا فلاں اونٹ اللہ کے راستے میں دے دیا جائے اور یہ میرے چچازاد بھائی ہیں وہ عبداللہ ابن الزبیر کے لشکر میں ہیں، میرے ابا نے اپنا اونٹ اللہ کے راستے میں دینے کی وصیت کی تھی کیا میں میرے چچازاد بھائی ابوعجلان کو

دے دوں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر نیک کام اللہ کے راستے میں شمار ہوتا ہے (اللہ کا راستہ کسی ایک چیز کے لیے خاص نہیں ہے ہر نیک کام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جہاد میں ہو، طلب علم میں ہو، حج میں ہو، عمرہ میں ہو، تبلیغ میں ہو، درس و تدریس میں ہو نیکی کے ہر کام کو اللہ کے راستے میں ہونا کہا جائے گا) اگر تمہارے ابا نے اپنا اونٹ اللہ کے راستے میں دینے کی وصیت کی ہے تو تم دیکھو کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت کافروں کی کسی جماعت کے ساتھ مقابلہ کر رہی ہے تو ان کو یہ اونٹ دے دینا، باقی یہ تیرا چچا زاد بھائی ہے نا وہ اور اس کے دوسرے ساتھی تو خاندانی جھگڑے میں ہیں (یعنی اپنی قوم کے نوجوانوں کا جھگڑا ہے) کہ ان میں سے کون حکومت کی مہار پر قبضہ کر لے (مطلب یہ ہے کہ ابن الزبیر کے لشکر کے لیے دینے کی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اجازت نہیں دی)۔

بیٹے کا لفظ کس کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟

تشریح: یہاں اس حدیث کو اسی لیے لائے ہیں کہ کسی اور کے بیٹے کو بھی ابني یعنی میرا بیٹا کہہ سکتے ہیں، دیکھو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابو عجلان کے چچا زاد بھائی کو یا بني یعنی اے میرے پیارے بیٹے! کہہ کر پکارا۔ ایک تو آدمی اپنے حقیقی بیٹے کو اے بیٹے! کہہ کر پکارتا ہے، اس کی تو اجازت ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی اور کا بیٹا ہے اور اپنے سے عمر میں چھوٹا بھی ہے کہ اس جیسا اس کا بیٹا ہو سکتا ہے تو پیار کی وجہ سے اور مانوس کرنے کے لیے اس کو بھی بیٹا کہتے ہیں، اس کی بھی اجازت ہے۔ آج کل تو اپنے سے عمر میں بڑوں کو بھی بیٹا کہتے ہیں، ہمارے ایک ملنے والے بمبئی میں رہتے ہیں اور نو جوان ہیں وہ ہر ایک کو بیٹا کہتے ہیں، میرے سامنے ایک بوڑھے کو جب بیٹا کہا تو میں نے کہا کہ یہ تو تمہارے باپ کی عمر کا ہے۔ ہر ایک کو بیٹا بیٹا کہنے کی عادت پڑ گئی ہے تو ذرا دیکھا تو کرو کہ کس کو بیٹا کہتے ہو؟

حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے مختصر حالات

حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے یزید کی موت کے بعد خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور مکہ مکرمہ میں لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔حجاز،عراق اور شام کے کچھ لوگوں نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی،اس لیے کہ شام کا کچھ علاقہ تو وہ تھا جہاں بنو امیہ آباد تھے انہوں نے تو مروان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور مروان نے الگ خلافت کا دعویٰ کیا تھا پھر مروان نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے عبدالملک ابن مروان کو اپنا جانشین بنایا اور پھر دھیرے دھیرے عبدالملک ابن مروان نے اپنی سوجھ بوجھ اور ہوشیاری سے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑ کر سارے علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔حجاج ابن یوسف عبدالملک ابن مروان ہی کی طرف سے کوفہ یعنی عراق کا گورنر مقرر کیا گیا تھا،اسی کو عبدالملک ابن مروان نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے سپہ سالار مقرر کیا تھا،چنانچہ وہ لشکر لے کر حضرت عبداللہ ابن زبیر کے مقابلہ میں مکہ مکرمہ پہنچا اور اس نے ان کا محاصرہ کیا،اسی جنگ میں منجنیقوں کے ذریعہ پتھر پھینکے جاتے تھے اور اسی منجنیق سے پھینکا ہوا ایک پتھر خانۂ کعبہ کو بھی لگا تھا جس سے خانۂ کعبہ متاثر ہوا تھا،پھر دوبارہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تعمیر کروائی تھی،اس کے بعد دوبارہ محاصرہ ہوا تھا اور اسی میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط

جس زمانہ میں حجاج نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف لشکر کشی

کرر کھی تھی اس زمانہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں اور بڑے مشہور صحابی ہیں) کو بعض لوگوں نے اس معاملہ میں شامل کرنا چاہا لیکن انہوں نے اس میں حصہ نہیں لیا، بلکہ مسلمانوں کی آپس کی جتنی بھی جنگیں تھیں ان میں سے کسی میں بھی انہوں نے حصہ نہیں لیا، آپ مسلمانوں کی آپس کی جنگ کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

٣٧١ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَرِيرًا رضی الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ لَا يَرْحَمِ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ".

ترجمہ: حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا (یعنی ان کے ساتھ مہربانی اور پیار کا معاملہ نہیں کرتا) تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں کرتا۔

تشریح: جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اللہ ہمارے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے تو اس کا سب سے آسان طریقہ اور بہترین تدبیر یہ ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے) حدیث میں آتا ہے اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، زمین والوں پر تم رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

٣٧٢ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ قَالَ: سَمِعْتُ قَبِيصَةَ بْنَ جَابِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ، وَلَا يُغْفَرُ مَنْ لَا يَغْفِرُ، وَلَا يُعْفَ عَمَّنْ لَمْ يَعْفُ،

وَلَا يُوقَّ مَنْ لَا يَتَوَقَّ .

ترجمہ: قبیصہ بن جابر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں کیا جاتا (قدرت کا قانون یہی ہے) اور جو دوسروں کو معاف نہیں کرتا اس کو بھی معاف نہیں کیا جاتا اور جو دوسروں سے درگذر نہیں کرتا اس کے ساتھ درگذر کا معاملہ نہیں کیا جاتا اور جو خود کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے بچایا نہیں جاتا (ہاں وہ خود بچنے کا اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی مدد کی جائے گی)۔

بَابُ ارْحَمْ مَنْ فِي الْأَرْضِ

٣٧٣ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ عُمَرَ قَالَ: لَا يُرْحَمُ مَنْ لَا يَرْحَمُ، وَلَا يُغْفَرُ لِمَنْ لَا يَغْفِرُ، وَلَا يُتَابُ عَلَى مَنْ لَا يَتُوبُ، وَلَا يُوقَّ مَنْ لَا يُتَوَقَّ .

زمین والوں پر رحم کرو

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو آدمی دوسروں کے ساتھ محبت، شفقت اور مہربانی کا معاملہ نہیں کرتا اس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ نہیں کیا جاتا (یہ قدرت کا ایک قانون ہے اسی کو بتلایا جارہا ہے) اور جو دوسروں کو معاف نہیں کرتا اس کے ساتھ بھی معافی کا معاملہ نہیں کیا جاتا اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے خود اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتا تو پھر اس کو توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی اور جو آدمی اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کو بچایا نہیں جاتا۔

تشریح: قدرت کی طرف سے آدمی کے ارادے پر فیصلے ہوتے ہیں، ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی مدد کی جائے گی اور جب وہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا ارادہ کرے گا اور بچنے کے لیے جو تدبیریں ہیں وہ عملی طور پر اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی مدد ہوگی اور اسے گناہوں سے بچایا جائے گا۔

٣٧٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ مِخْرَاقٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ أَبِيهِ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي لَأَذْبَحُ الشَّاةَ فَأَرْحَمُهَا، أَوْ قَالَ: إِنِّي لَأَرْحَمُ الشَّاةَ أَنْ أَذْبَحَهَا، قَالَ: "وَالشَّاةُ إِنْ رَحِمْتَهَا، رَحِمَكَ اللهُ" مَرَّتَيْنِ .

ترجمہ: حضرت معاویہ بن قرۃ اپنے والد حضرت قرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میں بکری ذبح کرنے جارہا ہوں تو اس کے ساتھ رحمت وشفقت کا معاملہ کروں؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں اگر بکری کے ساتھ تم رحمت وشفقت کا معاملہ کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی رحمت وشفقت کا معاملہ کریں گے، یہ جملہ دومرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا۔

تشریح: جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے جانوروں کو انسان کی مختلف ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے انہی ضرورتوں میں سے ایک اس کی غذائی ضرورت بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کے گوشت کو حلال قرار دیا ہے ان جانوروں کو اگر انسان ذبح کر کے اپنی غذائی ضرورت کو پورا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اب بکری کو ذبح کرنے جارہے ہیں تو

ذبح ہونے والی بکری کے ساتھ رحمت کا کیا مطلب؟ جواب یہ ہے جیسا کہ دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ جانور ذبح کرنے سے پہلے چھری کو اچھی طرح تیز کرلیا جائے تاکہ ذبح کرنے میں اس کے لیے دشواری نہ ہو، اگر چھری کند ہوگی تو اس صورت میں ذبح کرنے میں دیر ہوگی اور یہ چیز اس جانور کے لیے تکلیف کا باعث ہوگی تو گویا یہ اس کے ساتھ رحمت اور مہربانی کے خلاف معاملہ ہوا، تو حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس ذبح کی جانے والی بکری کے ساتھ بھی اگر آپ مہربانی کا معاملہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی مہربانی کا معاملہ کرے گا۔

٣٧٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضى الله عنه يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو جو اپنے کلام میں سچے ہیں اور اللہ کی طرف سے آپ کی تصدیق بھی کی گئی ہے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ رحمت اور مہربانی کا مادہ نہیں نکالا جاتا مگر ایسے آدمی کے دل سے جو بد بخت ہو۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں مہربانی اور رقت کا جذبہ پیدا کیا ہے اس جذبہ کو شریعت نے جو طریقے بتلائے ہیں ان طریقوں سے عملی جامہ پہنانا ہے اور جو آدمی بد بخت ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا ہے ایسے آدمی کے دل سے مہربانی کا جذبہ نکال دیا جاتا ہے۔

نواسے کی موت پر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو

بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ایک چھوٹا بچہ تھا جو جاں کنی کے عالم میں تھا یعنی اس کی روح نکلنے والی تھی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت نبیٔ کریم ﷺ پر پیغام بھیجا کہ آپ تشریف لائیے میرا بچہ آخری حالت میں ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں سلام کہلوایا اور کہا کہ ان سے کہو صبر سے کام لیں اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَه مَااَعْطیٰ وَكُلٌّ اِلٰی اَجَلٍ مُسَمّیٰ فَلْتَصْبِرْ وَالْتَحْتَسِبْ (بخاری شریف، حدیث ۶۶۴۸) جو دیا وہ بھی اللہ ہی کا ہے اور جو لے رہا ہے وہ بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے اور ہر ایک کے لیے اللہ کے یہاں ایک وقت مقرر ہے اور یہ مقررہ وقت ہر جاندار اور بے جان کو ہر حال میں پورا کرنا ہے۔ بہرحال نبیٔ کریم ﷺ نے تسلی کے کلمات کہلوائے اور تشریف نہیں لے گئے، پھر دوبارہ آپ کی صاحب زادی نے آدمی بھیجا اور قسم دی کہ آپ کو آنا ہے، چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ تشریف لے گئے، حضرت اسامہ ابن زید یا حضرت زید یا حضرت ابی ابن کعب اور حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور کچھ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور جب آپ اپنی صاحب زادی کے یہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنا وہ بچہ جو جان کنی کی حالت میں تھا نبیٔ کریم ﷺ کے ہاتھوں میں دیا اور وہ ایسی حالت میں آپ کو دیا گیا کہ اس کی سانس تیزی کے ساتھ چل رہی تھی، اس منظر کو دیکھ کر نبیٔ کریم ﷺ کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے، حضور ﷺ کے آنسوؤں کو دیکھ کر حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے

عرض کیا کہ مَاهٰذا یَا رَسُوْلَ اللهِ! اے اللہ کے رسول! یہ کیا؟ گویا حضور ﷺ کی مبارک آنکھوں میں آنسوؤں کا آنا انہوں نے شاید شان نبوت کے خلاف سمجھا اس لیے انہوں نے یہ سوال کیا، تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ تو رحمت کا ایک مادہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے دل میں رکھا ہے، اس رحمت کے مادے کا تقاضا یہ ہے کہ جب آدمی کسی کو تکلیف میں دیکھتا ہے تو اس کا دل بھر آتا ہے چاہے اپنا بچہ ہو یا کسی دوسرے کا ہو۔ جب کوئی کسی دوسرے کو تکلیف کی حالت میں دیکھتا ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا جذبۂ رحمت جوش مارتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں اور پھر حضور ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَاْیَرْحَمْ لَاْیُرْحَمْ یاد رکھو جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحمت وشفقت اور مہربانی کا معاملہ نہیں کرتا اس کے ساتھ بھی رحمت کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔ کسی کی تکلیف کو دیکھ کر دل کا بھر آنا اور اسی کے نتیجہ میں آنکھوں سے کوئی ایک آدھ آنسو بھی ٹپک جائے تو یہ کوئی خلاف شان بات نہیں بلکہ یہ تو اسی جذبۂ رحمت کا تقاضا ہے۔ بہر حال یہاں پر بھی نبیٔ کریم ﷺ یہی فرماتے ہیں کہ جو بد بخت ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہے گویا اسی کے دل سے یہ جذبہ نکال لیا جاتا ہے ورنہ اللہ نے ہر انسان کے دل میں یہ کیفیت رکھی ہے۔

۳۷٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: أَخْبَرَنِي قَيْسٌ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَرِيرٌ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللهُ".

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگوں کے ساتھ رحمت کا معاملہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ نہیں کرتا۔

تشریح: قدرت کا یہ قانون ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، جب کوئی آدمی لوگوں کے ساتھ محبت و رحمت اور شفقت کے ساتھ پیش نہیں آتا تو قدرت کی طرف سے بھی اس کے لیے ایسے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں کہ وہ بھی لوگوں کی طرف سے شفقت و محبت سے محروم رہتا ہے۔حالات ایسے پیش آتے ہیں کہ اس کے ساتھ بھی پھر مہربانی کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

وہ رحمت وشفقت جو شریعت نے بتلائی

بھائی! آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ رحمت وشفقت اور مہربانی کا معاملہ کیا جائے تو آپ بھی لوگوں کے ساتھ رحمت و شفقت کا معاملہ کیجئے۔اب رحمت وشفقت کا معاملہ کیسے کرنا ہے؟ شریعت نے لوگوں کے ساتھ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے جیسا مہربانی اور رحمت کا طریقہ بتلایا اس طرح کا معاملہ کیجئے، مثلاً آپ کسی بچے کی تربیت کے لیے ذرا سختی سے انہی حدود کے ساتھ جو شریعت نے بتلائی ہیں پیش آرہے ہیں تو یہ کوئی رحمت کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ تو عین رحمت کا تقاضا ہے، اگر یہ معاملہ نہیں کریں گے تو اس کی تربیت نہیں ہوگی اور یہ ایسے ہی کندۂ ناتراش کی طرح بڑا ہو جائے گا اور پھر یہی چیز اس کے لیے ہلاکت کا باعث ہوگی، اس کو ایسا ہی چھوڑ دیا جائے یہ رحمت نہیں ہے۔آج کل تو لوگوں نے رحمت اور شفقت کے جتنے مفاہم ہیں ان سارے مفاہم کو بھی اپنے ذہن سے متعین کرلیا ہے، ہر چیز کے لیے طریقہ وہی اختیار کرنا چاہیے جو شریعت نے بتلایا۔

بَابُ رَحْمَةِ الْعِيَالِ

٣٧٧ - حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْحَمَ النَّاسِ بِالْعِيَالِ، وَكَانَ لَهُ ابْنٌ مُسْتَرْضَعٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَدِينَةِ، وَكَانَ ظِئْرُهُ قَيْنًا، وَكُنَّا نَأْتِيهِ، وَقَدْ دَخَنَ الْبَيْتُ بِإِذْخِرٍ، فَيُقَبِّلُهُ وَيَشُمُّهُ.

اہل وعیال کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرنا

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں) فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عیال کے ساتھ بہت محبت، شفقت اور مہربانی فرمانے والے تھے (اپنے ماتحت اور گھر میں جو لوگ ہیں وہ سب عیال کہلاتے ہیں، مثلاً اولاد، اولاد کی اولاد، اور جو اس کے گھر میں اس کی پرورش میں ہیں جن کا سارا انتظام یہی کرتا ہے وہ سب بھی عیال میں داخل ہیں) آپ کا ایک بیٹا تھا جس کو مدینہ شہر سے باہر ایک جگہ پر دودھ پلایا جاتا تھا۔ آپ کے بیٹے کی رضاعی ماں کا شوہر پیشے کے اعتبار سے لوہار تھا اور گھر میں اذخر گھاس سے آگ جلاتا تھا، ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وہاں جاتے تو وہ گھر دھوئیں سے بھرا ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹے کو بوسہ دیتے اور سونگھتے تھے۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور تقریباً ڈھائی تین سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے ان کو دودھ پلانے کی غرض سے مدینہ سے کچھ باہر ایک

عورت کے حوالے کیا گیا تھا۔ اس عورت کا شوہر لوہار پیشہ تھا اور اپنے گھر میں ایک خاص قسم کی گھاس جس کو عربی میں اذخر کہتے ہیں جلاتا تھا، اذخر ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جس کے بڑے بڑے پتے ہوتے ہیں اور وہ گھاس خاص طور پر عرب کے علاقے میں پیدا ہوتی ہے جو اس زمانے میں گھروں کی چھتوں پر بچھانے کے بھی کام آتی تھی اور اس کو لوہار اور سنار اپنی بھٹیوں میں جلانے کے لیے بھی استعمال کرتے تھے جس سے بہت دھواں پیدا ہوتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث میں یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی لطیف طبیعت کے باوجود دھویں کی بو سے ناگواری کا اظہار نہیں فرماتے تھے بلکہ اسی حالت میں اپنے بیٹے کو گلے لگاتے، بوسہ دیتے اور سونگھتے تھے۔ آدمی چھوٹے بچے کو لیکر ناک کے ساتھ لگاتا ہے جیسے پھول کو ناک کے ساتھ لگاتے ہیں اور سونگھتے ہیں بچوں کو بھی سونگھا جاتا ہے، یعنی چھوٹے بچوں کے جسم کو ناک کے ساتھ لگا کر جو محبت کا معاملہ کیا جاتا ہے اس کو سونگھنے سے تعبیر کرتے ہیں جیسے پھول کو سونگھا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے گھر کے چھوٹے بچوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کرنا یہ عین سنت ہے۔

٣٧٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ كَيْسَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَمَعَهُ صَبِيٌّ، فَجَعَلَ يَضُمُّهُ إِلَيْهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتَرْحَمُهُ؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: "فَاللهُ أَرْحَمُ بِكَ مِنْكَ بِهِ، وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں ایک آدمی حاضر ہوا اور اس کے ساتھ اس کا چھوٹا سا بچہ بھی تھا وہ آدمی اپنے اس بچے کو اپنے سے چمٹا تا تھا (چھوٹا بچہ ہوتا ہے تو آدمی اس کو لیے ہوئے اپنے جسم سے چمٹائے رہتا ہے) تو حضور ﷺ نے اس کی اس چمٹانے والی کیفیت کو دیکھ کر اس سے سوال کیا کہ کیا تو اپنے اس بچے کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کرتا ہے؟ (یعنی تجھے اپنے اس بچے کے ساتھ پیار ہے؟) اس نے کہاں کیوں نہیں؟ جی ہاں پیار ہے۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو اپنے بچے کے ساتھ جتنا پیار اور محبت ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ تیرے ساتھ پیار اور محبت ہے، وہ مہربانی کرنے والوں، محبت کرنے والوں، پیار کرنے والوں میں سب سے زیادہ مہربانی اور پیار کرنے والا ہے۔

ایک قیدی عورت کا اپنے بچے کے ساتھ مہربانی کا قصہ

تشریح: دیکھو! حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ ایسے مواقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ رحمت، شفقت، مہربانی اور پیار کا جو تعلق ہے اس کو ظاہر کیا کرتے تھے، بخاری شریف میں روایت ہے ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس چند قیدی لائے گئے اور ان قیدیوں میں ایک ایسی عورت تھی جو اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی یعنی جس کا بچہ دودھ پیتا تھا، اس وقت اس کا بچہ اس سے بچھڑا ہوا تھا یعنی کہیں ادھر ادھر ہو گیا تھا، اب اس کی چھاتی میں دودھ جوش مارنے لگا (اور جب چھاتی میں دودھ جوش مارتا ہے تو وہ بچے کو دودھ پلانے کے لیے بے چین ہو جاتی ہے)، وہ ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی کہ اتنے میں اس کو اس کا بچہ نظر آیا اس نے جلدی سے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے چمٹا لیا، اس منظر کو دیکھ کر نبیٔ کریم ﷺ نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ بتلاؤ کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ اس کے جواب میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول!

اگر یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں نہ ڈالنے پر قادر ہو تو ہرگز نہیں ڈالے گی، اس پر نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وَهِيَ تَقْدِرُ عَلٰى اَنْ لَا تَطْرَحَه وہ قدرت رکھتی ہو کہ اس کو آگ میں نہ ڈالے (بخاری شریف، کتاب الادب، حدیث ۵۹۹۹) مطلب یہ ہے کہ جتنا اس ماں کو یعنی اس عورت کو اپنے بچے کے ساتھ پیار ہے، محبت اور مہربانی کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔

حضرت عامر رام رضی اللہ عنہ کا پرندوں کے بچوں کو پکڑنے کا قصہ

ایک اور روایت ہے حضرت عامر رام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جو چادر اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جس پر چادر ڈھانپ رکھی تھی اس نے آکر نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایک درختوں کے جھنڈ کے پاس سے گذر رہا تھا وہاں مجھے اندر سے پرندوں کے بچوں کے بولنے کی آوازیں آئیں، میں اندر گیا تو دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کے بچے ہیں، میں نے ان کو لیکر ان پر چادر ڈال دی اور جب باہر نکلا تو ان بچوں کی ماں میرے سر پر منڈلانے لگی میں نے وہ چادر ہٹا دی تو وہ آکر اپنے بچوں پر پڑ گئی اب وہ جانے کا نام نہیں لیتی بچے تو بہر حال کمزور ہیں اڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لیے نہیں اڑ سکتے ماں تو اڑنے کی طاقت رکھتی ہے لیکن اپنے بچوں کی محبت کی وجہ سے وہ بھی یہاں سے جانے کا نام نہیں لیتی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا کہ یہ وہ پرندے ہیں آپ نے فرمایا نیچے رکھو اس نے چادر ہٹا کر بچوں کو نیچے رکھا ماں بھی وہیں تھی اور جانے کا نام نہیں لیتی تھی، اس منظر کو دیکھ کر نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوال کیا اَتَعْجَبُوْنَ لِرَحِمِ اُمِّ الْاَفْرَاخِ بِفِرَاخِها وَالَّذِیْ بَعَثَنِی بِالْحَقِّ لَلّٰہِ اَرْحَمُ بِعِبادِہٖ مِنَ الْاَفْرَاخِ بِفِرَاخِها (سنن ابی داؤد) کیا تمہیں ان بچوں کی ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ جو تعلق ہے اس پر تعجب ہوتا ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دین حق لیکر بھیجا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ پیار و محبت ہے جتنا اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ۔

بہر حال یہاں پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی چیز کو فرما رہے ہیں کہ وھو ارحم الراحمین وہ تمام مہربانی کرنے والوں میں سب سے زیادہ مہربانی کرنے والا۔

بَابُ رَحْمَةِ الْبَهَائِمِ

٣٧٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ اشْتَدَّ بِهِ الْعَطَشُ، فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا، فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ، يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَنِي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ، ثُمَّ أَمْسَكَهَا بِفِيهِ، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ"، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ: "فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ".

چوپایوں کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ ایک آدمی ایک راستے پر سے گذر رہا تھا اس کو سخت پیاس لگی چنانچہ اس نے ایک کنواں پایا تو اندر اترا اور اتر کر اس نے پانی پیا، جب وہ پانی پی کر باہر آیا تو اس نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے اور اس کی زبان باہر نکل رہی ہے، اس آدمی نے اپنے دل میں یوں سوچا کہ پیاس کی جو شدت مجھے محسوس ہوئی تھی اس کتے کو بھی اسی طرح کی پیاس کی شدت کا احساس ہے چنانچہ وہ آدمی دوبارہ کنویں میں اترا اس کے پاس چمڑے کا موزہ تھا اس کو اس نے پانی سے بھرا پھر اس موزے کو اپنے دانتوں میں دبایا (اس لیے کہ ہاتھوں کو تو وہ چڑھنے کے لیے استعمال کرے گا) اور باہر آیا اور کتے کو وہ پانی پلایا اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبولیت عطا فرما کر اس کی مغفرت فرمادی (بخاری شریف میں بھی یہ روایت موجود ہے) یہ قصہ سن کر حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ ہم جانوروں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کریں کیا اس پر بھی ہمیں اجر ملے گا؟ (سوال پیدا ہونا قدرتی بات تھی اس لیے انہوں نے پوچھا کہ کیا جانوروں کے ساتھ بھلائی پر بھی اجر ملے گا؟ اس لیے کہ آدمی یوں سوچتا ہے کہ انسان ہی کے ساتھ بھلائی کی جائے) تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر تر جگر یعنی ہر ذی روح کے ساتھ بھلائی پر اجر ملنا یقینی ہے۔

مکھی کا خیال رکھنے پر مغفرت ہوگئی

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر جاندار کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا ہے، یہ صرف انسان ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔ ایک بڑے عالم تھے جو درس و تدریس، تالیف تصنیف، تقریر اور وعظ وغیرہ سے دین کی مختلف طریقوں سے خدمت کرتے تھے، ان کا جب انتقال ہوا تو انتقال کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ

کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کردی لیکن بڑی عجیب بات ہوئی، وہ یہ کہ میں ایک مرتبہ ایک کتاب تصنیف کرر ہا تھا میں نے قلم کو دوات کے اندر ڈبویا اور نکال کر لکھنا چاہتا تھا کہ اتنے میں ایک مکھی آ کر اس کی نب یعنی نوک پر بیٹھ گئی اور وہ اس کی روشنائی پینے لگی تو میں نے لکھنے کا عمل روک دیا، ٹھہر گیا، تا کہ یہ مکھی اپنی پیاس بجھالے، چنانچہ جب وہ جتنا پینا تھا پی کر اڑ گئی تو اس کے بعد میں نے لکھنا شروع کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے اس عمل پر میری مغفرت فرمادی۔

٣٨٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "عُذِّبَت امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا، فَدَخَلَتِ فِيهَا النَّارَ، يُقَالُ، وَاللهُ أَعْلَمُ: لَا أَنْتِ أَطْعَمْتِيهَا، وَلَا سَقَيْتِيهَا حِينَ حَبَسْتِيهَا، وَلَا أَنْتِ أَرْسَلْتِيهَا، فَأَكَلَتْ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا گیا اور اسی وجہ سے وہ جہنم میں گئی۔ اس نے بلی کو پال کر روک رکھا تھا یعنی باندھ کر رکھا ہوا تھا اور اس کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھتی تھی چنانچہ بھوک کی وجہ سے وہ بلی مرگئی اور اس کے بدلے میں وہ جہنم میں داخل ہوئی، اس کو کہا گیا (باقی اللہ ہی بہتر جانتا ہے) کہ نہ تو تو نے اس کو کھلایا پلایا، جب تو نے اس کو پالا تھا اور باندھ دیا تھا تو اس کو کھلانے پلانے کا انتظام بھی کرتی یا پھر یہ کہ اسے کھلا چھوڑ دیتی اور وہ اپنی مرضی سے زمین کے اندر کیڑے مکوڑے کھا کر اپنی ضرورت پوری کر لیتی۔

تشریح: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس عورت کو عذاب میں مبتلا کیا گیا

اس لیے کہ اس نے بلی کو نہ تو چھوڑا کہ وہ از خود اپنے کھانے پینے کے لیے کوئی کوشش کر لے اور نہ ہی اس نے بندھے ہوئے ہونے کی حالت میں اس کے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ ایک آدمی جب کسی پرندے کو پالتا ہے اور اسے پنجرے میں بند رکھتا ہے تو یہ جائز ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کھانے پینے اور اس کی ضرورتوں کا انتظام کرے اور اس کو بیجا تکلیف نہ پہنچائے۔

۳۸۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْقُرَشِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا جرير قَالَ: حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ زَيْدٍ الشَّرْعَبِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ارْحَمُوا تُرْحَمُوا، وَاغْفِرُوا يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ، وَيْلٌ لِأَقْمَاعِ الْقَوْلِ، وَيْلٌ لِلْمُصِرِّينَ الَّذِينَ يُصِرُّونَ عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ".

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگوں کے ساتھ مہربانی، شفقت اور رحم کا معاملہ کرو تمہارے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کیا جائے گا اور تم لوگوں کی خطائیں معاف کرو اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف کریں گے، وہ لوگ جو بات سن کر اس کو قبول نہیں کرتے ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت ہو (اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جن کے کان میں کوئی بات نہ رہتی ہو، جو بھی بات سنی غلط ہو یا صحیح وہ دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں ایسے لوگوں کو اقمع القول کہتے ہیں) اور ہلاکت ان لوگوں کے لیے بھی جو ایسے غلط کام پر جمے ہوئے ہیں اور اصرار کرتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ غلطی پر ہیں۔

تشریح: لفظ اقماع یہ قِمَعٌ کی جمع ہے، بعض مرتبہ کسی برتن میں کوئی چیز ڈالنی ہوتی ہے اور اس کا منہ تنگ ہوتا ہے تو اس کے اوپر دوسرا برتن رکھا جاتا ہے اور پھر وہ چیز

ڈالی جاتی ہے جیسے بوتل میں تیل وغیرہ ڈالنا ہوتو پہلے نارچہ (گرنی) رکھتے ہیں پھر اس کے ذریعہ سے تنگ منھ والے برتن میں وہ چیز پہنچاتے ہیں جس کو قیف کہتے ہیں اور عربی زبان میں اسے قمع کہا جاتا ہے،اس برتن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ساری چیزیں اس سے گذرتی ہیں لیکن اس میں خود کچھ نہیں رہتا، اسی طرح وہ شخص ہے جو ساری چیزیں لوگوں سے سنتا ہے مگر خود عمل نہیں کرتا ایسے لوگوں کے لیے اقماع القول کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح آج کل عام طور پر اس چیز کا بھی مزاج بنتا جارہا ہے کہ کسی کی غلط روش اور غلط رویہ کے اوپر ہمارے بڑے سرزنش کرتے ہیں کہ آپ جو کچھ کررہے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق نہیں ہے اس کے خلاف ہے، تو کہتے ہیں کہ مولوی صاحب برابر ہے لیکن کیا کریں؟ یعنی سامنے والے کا قصور نکال کر خود بھی اسی غلطی پر باقی رہنا چاہتے ہیں تو ایسے لوگ جو اپنی اس غلط چیز پر اصرار کرتے ہیں جمے رہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ہم جو کچھ کررہے ہیں وہ غلط ہے تو ایسے لوگوں کے لیے بھی ہلاکت ہے۔ایک آدمی نادانی کی وجہ سے اپنی غلطی کو نہیں جانتا اور اس کو احساس نہیں ہے کہ میں غلط کررہا ہوں تو وہ کسی معنی میں معذور قرار دیا جاتا ہے اگرچہ وہ بھی گنہگار تو ہے ہی، اللہ کے یہاں اس کی بھی پوچھ ہوگی، مواخذہ ہوگا، لیکن ایک آدمی جاننے کے باوجود غلطی پر اصرار کرے اور جمارہے یہ اور خطرناک صورت حال ہے ایسے لوگوں کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہلاکت کی دعا فرمائی ہے۔

حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوی کہ آدمی جس طرح کا سلوک اور معاملہ اللہ کے بندوں کے ساتھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی طرح کا سلوک اور معاملہ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے، آدمی اپنے ساتھ اللہ کی طرف سے جو سلوک چاہتا ہوا سے

اسی طرح کا معاملہ اللہ کے بندوں کے ساتھ کرنا چاہیے۔

٣٨٢ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ بْنُ جَمِيلٍ الْكِنْدِيُّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''مَنْ رَحِمَ وَلَوْ ذَبِيحَةً، رَحِمَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی رحم اور مہربانی کا معاملہ کرے گا چاہے ذبح کئے جانے والے جانور کے ساتھ کیوں نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کریں گے۔

تشریح: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جانوروں کو انسانوں کی ضرورت کے لیے پیدا فرمایا ہے کہ انسان کی ضرورتیں ان سے پوری ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی ان کو پیدا کیا تو جانوروں کو بھی پیدا کیا، اب یہ جانور انسان کی مختلف ضرورتوں میں استعمال ہوتے ہیں، بعض جانور سواری کے لیے اور بعض کھانے کے لیے، اسی لیے شریعت نے انسانوں کو ایسے جانوروں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت دی اس لیے ذبح کرنے میں تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ ہے کہ بوقت ذبح ان کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کیا جائے مثلاً ذبح کرنے کے لیے جو آلہ ہے وہ تیز دھار والا ہو تا کہ ذبح میں دیر ہو کر اس کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو، اسی طرح ایک جانور کو ذبح کرنا ہے تو دوسرے جانور کو اس کے سامنے ذبح نہ کیا جائے بلکہ اس کی نگاہوں سے بچا کر ذبح کیا جائے تا کہ اس کو ذبح ہوتا دیکھ کر اس دوسرے جانور کے دل میں خوف پیدا نہ ہو۔

بَابُ أَخْذِ الْبَيْضِ مِنَ الْحُمَّرَةِ

۳۸۳ - حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمَسْعُودِيُّ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ،رضى الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ مَنْزِلًا فَأَخَذَ رَجُلٌ بَيْضَ حُمَّرَةٍ، فَجَاءَتْ تَرِفُّ عَلَى رَأْسِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "أَيُّكُمْ فَجَعَ هَذِهِ بِبَيْضَتِهَا؟" فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَا أَخَذْتُ بَيْضَتَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ارْدُدْ، رَحْمَةً لَهَا".

چڑیا کے انڈے لینا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک سفر میں کسی منزل پر پڑاؤ ڈالا اور اسی پڑاؤ کے دوران کسی آدمی نے ایک پرندے کے انڈے اس کے گھونسلے میں سے نکال لیے (اس پرندے کو عربی میں حمرہ کہا جاتا ہے، یہ ایک چھوٹی سی چڑیا ہوتی ہے تو اس کا انڈا ایک آدمی نے لے لیا تھا) وہ پرندہ نبیٔ کریم ﷺ کے اوپر آکر اپنے پر پھڑ پھڑانے لگا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کا یہ معاملہ دیکھ کر فرمایا کہ بھائی کس نے اس پرندے کے انڈے لیکر اس کو وحشت، پریشانی اور تکلیف میں ڈال دیا، ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں اس کے انڈے لے آیا ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا اے بھائی اس پرندے کے ساتھ مہربانی، شفقت اور محبت کا معاملہ کرتے ہوئے اس کے انڈے واپس کر۔

تشریح: ''اس پرندے کے ساتھ مہربانی، شفقت اور محبت کا معاملہ کرتے ہوئے اس کے انڈے واپس کر'' یہ ترجمہ اس وقت ہوگا جبکہ یہ سمجھا جائے گا کہ

"اُرْدُدْهُ رَحْمَةً لَهَا" یہ پورا جملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔اگر یہ سمجھا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو صرف اُرْدُدْهُ اتنا ہی فرمایا،اب آگے رَحْمَةً لَهَا یہ راوی کا اضافہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رَحْمَةً لَهَا نہیں فرمایا،اس وقت ترجمہ ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کے انڈے واپس کردے،راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس پرندے کے ساتھ محبت اور مہربانی کے طور پر تھا۔گویا رَحْمَةً لَهَا کا تعلق اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت اور تاکید کے ساتھ ہوگا۔

بَابُ الطَّيْرِ فِي الْقَفَصِ

٣٨٤ - حَدَّثَنَا عَارِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ: كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ وَأَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُونَ الطَّيْرَ فِي الْأَقْفَاصِ.

پرندے کو پنجرے کے اندر رکھنا

ترجمہ: حضرت ہشام ابن عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما جس زمانہ میں مکہ میں تھے (وہاں کے حاکم بھی رہے ہیں) اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اس وقت پرندوں کو پنجروں میں اٹھائے ہوئے ہوتے تھے۔

تشریح: پرندے کو پنجرے میں رکھنا کیا یہ رحمت اور مہربانی کے خلاف ہے یا اس کی گنجائش ہے؟ تو فرمایا کہ پرندوں کو پنجروں میں ڈال کر رکھنا یہ کوئی مہربانی کے خلاف نہیں ہے بشرطیکہ ان کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھا جائے اور ان کو کوئی تکلیف اور ایذاء نہ پہنچائی جائے۔

٣٨٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى ابْنًا لِأَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ: أَبُو عُمَيْرٍ، وَكَانَ لَهُ نُغَيْرٌ يَلْعَبُ بِهِ، فَقَالَ: "يَاأَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ - أَوْ أَيْنَ - النُّغَيْرُ؟".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک بچے کو دیکھا جس کو ابوعمیر کہا جاتا تھا، اس کی ایک چڑیا تھی وہ اس نے پال رکھی تھی جس سے وہ کھیلا کرتا تھا (سرخ چونچ کی چھوٹی چڑیا ہوا کرتی ہے جس کو کو نغیر کہتے ہیں، وہ چڑیا مرگئی اور مرنے کی وجہ سے وہ بچہ اس کے فراق میں غمگین بیٹھا ہوا تھا، تو دل لگی کے طور پر اس کا غم دور کرنے کے لیے) آپ ﷺ نے اس سے فرمایا اے ابوعمیر تمہارا وہ لال کا کیا ہوا یعنی تمہاری اس چڑیا کا کیا ہوا یوں کہہ کر حضور ﷺ اس کے ساتھ دل لگی کر رہے تھے اور اس کا غم دور کرنا چاہتے تھے۔

تشریح: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے یہ بیٹے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ کا نکاح حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا انہی سے یہ بچہ پیدا ہوا تھا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ پرندوں کو اگر پالنے کے لیے پنجروں میں رکھا جائے تو اس کی اجازت ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی اور ایذاء رسانی کا معاملہ نہ کیا جائے۔ ورنہ جیسا کہ پہلے باب میں مذکور ہے کہ ایک عورت نے بلی پال رکھی تھی اور اس کے ساتھ زیادتی کا معاملہ کرنے پر اس کو جہنم میں جانا پڑا۔

بَابُ يَنْمِي خَيْرًا بَيْنَ النَّاسِ

٣٨٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أُمَّهُ أُمَّ كُلْثُومٍ ابْنَةَ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَيَقُولُ خَيْرًا، أَوْ يَنْمِي خَيْرًا"، قَالَتْ: وَلَمْ أَسْمَعْهُ يُرَخِّصُ فِي شَيْءٍ مِمَّا يَقُولُ النَّاسُ مِنَ الْكَذِبِ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ: الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ، وَحَدِيثِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ، وَحَدِيثِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا.

لوگوں کے درمیان خیر پھیلانے کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت حمید بن عبد الرحمٰن (جو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے ہیں) وہ اپنی والدہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان تعلقات کو ہموار کرنے کے لیے یعنی درست کرنے کے لیے کوئی بھلی بات کسی دوسرے کو پہنچاتا ہے (مطلب یہ کہ وہ گنہگار نہیں ہے، اس کو کذاب نہیں کہیں گے) پھر یہی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں کی گفتگو میں غلط بات کہنے کی گنجائش دینے کو کبھی نہیں سنا سوائے تین موقعوں کے، ایک تو لوگوں کے درمیان تعلقات کو درست کرنے کے لیے۔ اسی طرح عورت کا شوہر کو توریہ والی بات کرنا (یعنی بیوی کو کبھی شوہر خوش کرنے کے لیے کوئی توریہ والی بات کرے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

تشریح: دو جماعتوں میں یا دو آدمیوں میں تعلقات کشیدہ اور ٹوٹے ہوئے ہیں اور آپ ان کو ٹھیک کرنے کے لیے ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو کہیں کہ میں نے سنا وہ آدمی تو آپ کے لیے دعا کرتا ہے، وہ تو آپ کی خیر خواہی کرتا ہے اور آپ کی بھلائی چاہتا ہے، تاکہ اس کے دل میں اس کے متعلق جو میل ہے وہ دور ہو جائے، جو دوری ہے وہ ختم ہو جائے تو اس طرح کے عمل کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی ہے۔ مگر اس میں بھی توریہ کرے یعنی بظاہر الفاظ ایسے استعمال کئے جائیں کہ اگر اس میں ذرا تاویل کریں تو وہ بات اپنی جگہ درست ہو جائے، جیسا کہ یہ کہے کہ وہ تو تمہارے لیے دعا کرتا ہے اور یہ کوئی جھوٹی بات بھی نہیں کہ وہ آپ کے لیے دعا کرتا ہے کیونکہ ہر مسلمان باقی مسلمانوں کے لیے دعا تو کرتا ہے ہی اور مسلمانوں کا ایک فرد یہ بھی ہے یہ معنیٰ لے کر اس طرح کہنا درست ہے، اور بھی اس کی شکلیں ہیں، یعنی آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ توریہ والی بات کرنا مثلاً شوہر کا معاملہ بیوی کے ساتھ ذرا پیچیدہ رہتا ہے، کبھی اس کی دل جوئی کے لیے ایسی توریہ والی بات کرنی پڑتی ہے تو اس کی اجازت ہے۔

عقبہ بن ابی معیط کی شرارت اور اللہ کی پکڑ

اس حدیث کی راویہ عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں، عقبہ بن ابی معیط مکہ کا بڑا سخت قسم کا کافر تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سخت تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا، ایک موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم شریف میں بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے وہاں ابو جہل اپنی ٹولی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس کو شرارت سوجھی، اس نے کہا کہ فلاں محلہ میں اونٹ ذبح ہوا ہے کون ہے جو اس کی اوجھری اٹھا کر لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

پیٹھ پر رکھ دے، چنانچہ یہی عقبہ بن ابی معیط گیا اور وہ اوجھری اٹھا کر لایا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب سجدہ میں تھے اسی حالت میں اس نے آپ کی پیٹھ پر رکھ دی، اس کے بوجھ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سر اٹھانا مشکل ہو گیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دور سے یہ منظر دیکھا تو دوڑی ہوئی، لوگوں کو کوستی ہوئی آئیں اور آ کر اونٹ کی اوجھری کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سے ہٹایا پھر آپ اٹھے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر جو ستر قیدی پکڑے گئے تھے ان میں عقبہ بن ابی معیط بھی تھا لیکن راستے ہی میں مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی مقام روحہ پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی گستاخیوں کی بنا پر اس کی گردن مروادی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا قریب البلوغ تھیں اور انہوں نے ایمان قبول کیا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر مکہ والوں سے جو صلح کی تھی اس صلح میں اور شرطوں کے ساتھ ایک شرط یہ بھی کی تھی کہ کوئی آدمی مکہ کا رہنے والا چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو مکہ چھوڑ کر مدینہ آئے گا تو مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے واپس مکہ والوں کے حوالے کریں چنانچہ اس صلح کی بنیاد پر جو مرد آئے تھے ان کو تو واپس کیا گیا اور یہ اسی زمانہ میں مسلمان ہوئی تھیں اور مسلمان ہو کر اکیلی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں، ان کے بھائی انہیں لینے کے لیے مدینہ پہنچے کہ ہماری بہن آئی ہے اسے واپس کیجیے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں واپس نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ اس شرط کا تعلق مردوں سے ہے عورتوں سے نہیں ہے، اس وقت ان کا نکاح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، بعد میں انہوں نے طلاق دی، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا انہی سے یہ حمید پیدا ہوئے ہیں۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان دوری ہے تو کوئی شخص

ان دونوں کے درمیان صلح کی نیت سے ایک کی اچھی بات دوسرے کو کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو تمہارے لیے بہت دعا کر رہا تھا، وہ تمہاری بہت تعریف کر رہا تھا اور اس مقصد سے کہے تا کہ اس کو سن کر اس کے متعلق کوئی اگر میل یا کدورت ہے تو وہ دور ہو جائے اور کوئی دوری ہے تو وہ ختم ہو جائے اور نزدیکی پیدا ہو جائے تو اس کی اجازت ہے۔

بَابُ لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ

٣٨٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، رضى الله عنه وعنهم عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ يَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَالْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا".

جھوٹ جائز نہیں ہے

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سچائی کو لازم پکڑو (یعنی ہمیشہ سچ بولو) اس لیے کہ سچائی آدمی کو نیکی کی طرف لیجاتی ہے (یعنی سچ بولنے کی برکت یہ ہوگی کہ آدمی نیکی پر قائم ہوگا اور نیک اعمال کی توفیق ملےگی) اور نیکی آدمی کو جنت تک لیجاتی ہے۔ اور آدمی سچ کی پابندی کرتا ہے، ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی اس کا شمار صدیقین اور سچوں میں ہوتا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جھوٹ سے بچو یہ جھوٹ آدمی کو بدعملی کی طرف لیجاتا ہے (فجور یعنی

گناہ، سب نافرمانی کے کام کو فجور سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا جھوٹ کی یہ خاصیت ہے کہ جھوٹ کی وجہ سے آدمی ہمیشہ گناہوں میں مبتلا ہوگا) اور گناہ اس کو جہنم تک لے جائیں گے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں باقاعدہ جھوٹوں میں شمار ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ کے یہاں جھوٹوں میں شمار ہوگیا تو معاملہ بڑا سنگین ہوجاتا ہے، پھر تو گویا مہر لگ گئی۔

تشریح: نیک بننے کا بہت آسان نسخہ نبیٔ کریم ﷺ نے بتلایا، تجربہ کرکے دیکھ لو، جو لوگ اپنے آپ کو نیک بنانا چاہتے ہیں، اعمال خیر پر مداومت کرنا چاہتے ہیں وہ طے کرلیں کہ کچھ بھی ہوجائے ہمیشہ سچ ہی بولیں گے چاہے بظاہر سچ بولنے میں کتنا ہی بڑا نقصان ہوتا ہو اور جان تک کا خطرہ معلوم ہوتا ہو تو بھی یہ طے کرلیں کہ ہم ہمیشہ سچ بولیں گے، اگر آپ اس کا اہتمام کرلیں گے تو نبیٔ کریم ﷺ کا وعدہ ہے کہ سچائی آدمی کو نیکی تک لیجاتی ہے، اس سے تمام خیر کے کاموں کی توفیق ہوگی۔

سچ سارے گناہوں سے نجات دلاتی ہے

بہر حال روایتوں میں اس نوع کے قصے بھی موجود ہیں ایک واقعہ ہے کہ کسی نے آکر نبیٔ کریم ﷺ سے اپنے متعلق کہا کہ مجھے بری عادتیں پڑی ہوئی ہیں چوری، زنا کاری اور جھوٹ بھی بولتا ہوں، ان میں سے کوئی ایک کام چھوڑنے کے لیے تیار ہوں، تو حضور ﷺ کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ سچ بولا کرو، جھوٹ مت بولو، وعدہ کرلیا چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب جب چوری کرنے کا ارادہ کیا اور سوچا کہ میں نے تو سچ بولنے کا وعدہ کیا ہے، چوری کر رہا ہوں اگر بعد میں پوچھا جائے گا اور میں بتلاؤں گا کہ میں نے چوری کی ہے تو ایک ہاتھ کاٹا جائے گا چوری نہیں کروں گا، جب زنا کا خیال آیا تو سوچا کہ میں نے سچ بولنے کا وعدہ کیا ہے اب اگر میں زنا کرتا ہوں اور بعد میں مجھے

پوچھا گیا اور میں بتلاؤں گا کہ میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو زنا کی جو سزا ہے وہ جاری ہوگی، گویا یہ سچ سارے گناہوں سے بچاؤ کا ذریعہ بن گیا۔

یہ ایک طریقہ بھی اپنا کر دیکھ لو

حقیقت یہی ہے، یہاں اس روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ کی خاصیت بتلائی یہ تو عملی طور پر حدیث میں قصہ موجود ہے ورنہ آپ سچ کا اہتمام کریں گے تو سارے گناہوں سے حفاظت کی دولت ضرور نصیب ہوگی یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا کہ سچ کا نتیجہ یہی کہ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے میں تو ہمیشہ اپنے طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ آپ نیکی کی طرف اگر لگنا چاہتے ہیں تو اس کا آسان طریقہ سچ بولنا ہے آپ لوگ سارے دوسرے طریقے اپنا چکے یہ ایک طریقہ بھی اپنا کر دیکھ لو اور طے کر لو کہ کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے ہمیشہ سچ ہی بولیں گے ان شاء اللہ یہ آسان ہوجائے گا، اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔

٣٨٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ فِي جِدٍّ وَلَا هَزْلٍ، وَلَا أَنْ يَعِدَ أَحَدُكُمْ وَلَدَهُ شَيْئًا ثُمَّ لَا يُنْجِزُ لَهُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے نہ تو حقیقت کے طور پر اور نہ ہی مذاق کے طور پر (یعنی مذاق میں بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے، مذاق میں بھی بولے گا تو بھی گنہگار ہوگا) یہاں تک کہ کوئی آدمی اپنے بچے سے کوئی ایسا وعدہ نہ کرے جس کو پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

تشریح: جھوٹ موٹ بچوں کو بہلانے، پھسلانے اور ان سے کچھ کام

کروانے کے لیے ماں باپ کہتے ہیں کہ تم ایسا کروتو تم کو یہ دیں گے، تمہارے ساتھ ایسا کریں گے حالانکہ اس وعدہ کو پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا یہ بھی جھوٹ ہے۔ ابوداود شریف کی روایت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا کسی اور کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک ماں نے اپنے بیٹے کو کہا ادھر آؤ میں تم کو کچھ دیتی ہوں تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نے یہ کہا تو کیا واقعتاً تمہارا اس کو کچھ دینے کا ارادہ تھا؟ کہا کہ ہاں! ایک کھجور تھی میرے پاس اور میرا ارادہ تھا کہ یہ آئیگا تو میں کھجور دوں گی، نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہارے اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ بہت سی مرتبہ آدمی اس طرح کی باتیں کر کے بھی اپنے آپ کو جھوٹ میں مبتلا کر لیتا ہے، ضرورت ہے کہ اس سے بھی بچنے کا اہتمام کیا جائے۔

بَابُ الَّذِي يَصْبِرُ عَلَى أَذَى النَّاسِ

٣٨٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ وَثَّابٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ، وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ، خَيْرٌ مِنَ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ، وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ".

جو آدمی لوگوں کی ایذاء رسانیوں پر صبر سے کام لیتا ہے

(اس کی بھی بڑی فضیلت ہے)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکلیف پر صبر سے کام لیتا ہے وہ آدمی اس آدمی کے مقابلہ میں بہتر ہے جو نہ تو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور نہ ان کی ایذاءرسانی پر صبر کرتا ہے۔

تشریح: بعض لوگوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ ان کا جی سب سے منقطع ہو کر الگ گھر کے کونہ میں تنہائی میں بیٹھے رہنے کو چاہتا ہے، نہ کسی کی ملاقات اور نہ کسی سے ملنا جلنا، اب جب کسی سے ملاقات ہی نہیں تو کسی کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں جو آدمی لوگوں سے ملتا جلتا ہے وہاں یہ صورت پیش آسکتی ہے کہ لوگوں کی طرف سے اس کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کیا جائے جس سے اس کو تکلیف ہو، غیر تو کیا بلکہ اپنوں سے یعنی بیوی بچوں سے اور گھر کے دیگر لوگوں سے بھی تکلیف پہنچے گی۔آدمی کا اپنے معاشرے میں معاشرے کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے رشتہ داروں کے ساتھ ملاقات کرنا اور صلہ رحمی کے تقاضوں کو پورا کرنا، قطع رحمی سے اپنے آپ کو بچانا، پڑوسیوں کے ساتھ ملنا جلنا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا، معاشرہ اور سماج میں جو بیمار ہیں ان کی تیمارداری کرنا، جو بھوکے ہیں ان کو کھانا کھلانے کا انتظام کرنا، جو اور تکالیف میں مبتلا ہیں ان کی تکلیفوں کو دور کرنے کے لیے کوشش کرنا، مطلب یہ کہ ایک معاشرے میں رہتے ہوئے ان سارے تقاضوں اور سارے حقوق کو پورا کرنے کا اہتمام کرنا، ظاہر ہے ان حقوق کو ادا کرنے میں اس کو تکلیفیں بھی برداشت کرنی پڑیں گی، مشقت بھی بڑھے گی تو ان مشقتوں کو بھی وہ خوش دلی کے ساتھ اٹھاتا ہے تو اس کا مرتبہ بڑا اونچا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو بڑا اجر و ثواب ملے گا بہ نسبت اس کے جو اپنے گھر میں بیٹھا رہتا ہے اور کسی کے حقوق ادا نہیں کرتا۔

بَابُ الصَّبْرِ عَلَى الْأَذَى

۳۹۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ أَبِي مُوسَى رضی الله تعالیٰ عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ أَحَدٌ - أَوْ لَيْسَ شَيْءٌ - أَصْبَرَ عَلَى أَذًى يَسْمَعُهُ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِنَّهُمْ لَيَدَّعُونَ لَهُ وَلَدًا، وَإِنَّهُ لَيُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ".

ایذاءرسانی کے اوپر صبر

(یعنی کوئی آدمی کسی کو تکلیف پہنچائے تو جس کو تکلیف پہنچائی جارہی ہے اس کو صبر کرنا چاہیے اس کی بڑی فضیلت ہے)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تکلیف پہنچانے والی چیز کو سن کر اس پر صبر کرنے والا اللہ سے زیادہ اور کوئی نہیں کہ دنیا میں بہت سے لوگ وہ ہیں جو اللہ کے لیے اولاد کو مانتے ہیں (جیسے مشرکین مکہ اللہ کے لیے فرشتوں کو بیٹیاں قرار دیتے تھے یا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، یا یہودی حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، حالانکہ نہ تو اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی وہ خود کسی سے پیدا ہوا ہے ﴿لَم يَلِد وَ لَم يُولَد﴾.

یہ تو اللہ کی شان ہے، اللہ ان ساری چیزوں سے پاک اور منزہ ہیں لیکن اس کے باوجود دنیا میں ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کو مانتے ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ماننے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو عافیت بھی دے رہے ہیں اور روزی بھی دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر تحمل اور صبر کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟

تشریح: اگر آج ہمارے اور آپ کے اختیار میں روزی ہو اور کوئی آدمی ہمارے خلاف کچھ کر رہا ہو تو کیا ہم اس کا دانہ پانی بند نہیں کر دیں گے؟ کوئی بڑے سے بڑا ہو وہ بھی ایک دو دن تک تو صبر کرلے گا، پھر وہ بھی اس کو خبر دار کر دیگا، لیکن اللہ کی طرف سے موت تک برابر روزی اور عافیت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر صبر و تحمل کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟ انسان اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھارہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی کوئی چیز بند نہیں کر رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی شان صبر ہے۔

صَبُوْرٌ کی تشریح

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے "صَبُوْرٌ" بہت زیادہ صبر کرنے والا، اللہ بہت زیادہ صبر کرنے والا ہے، گویا اللہ تعالیٰ بھی اپنے خلاف جو باتیں کہی جارہی ہے اس پر صبر کرتے ہیں، فوراً انتقام نہیں لیتے، اسی طرح ہمارے خلاف بھی کوئی بات کہی جائے تو اس پر ہمیں صبر کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ ہمیں حکم دیا گیا تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ، اللہ تعالیٰ والی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کا اہتمام کرو۔

موسیٰ علیہ السلام پر وحی

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! مخلوق کی زبان میرے بارے میں جو چاہے بولتی ہے تو اسے بند کر دے، (آج کل

ہر ایک کو اپنے متعلق یہی شکایت رہتی ہے) اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! مخلوق کی زبان کو میں نے اپنے لیے بند نہیں کیا ہے تو تمہارے لیے کہاں سے بند کروں، لوگ جو چاہتے ہیں مجھے بولتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کوئی بھی شخص جب اپنی زبان سے اللہ کے خلاف کوئی بات نکالتا تو فوراً اس کی زبان کٹ جاتی، سڑ جاتی، اس میں بدبو پیدا ہو جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ کچھ نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر قدرت ہونے کے باوجود انسان کی گرفت نہیں کی بلکہ اسے مہلت دی ہے۔

اس حدیث شریف سے ہمیں یہ تعلیم اور ترغیب دی جا رہی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ صبر کرتا ہے (یعنی فوراً انتقام نہیں لیتا) اس طرح انسانوں کو بھی چاہیے کہ دوسرے لوگوں کی طرف سے انہیں جو ایذائیں پہنچتی ہیں ان پر صبر سے کام لیں۔

٣٩١ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ شَقِيقًا يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ:رضى الله عنه وعنهم قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِسْمَةً، كَبَعْضِ مَا كَانَ يَقْسِمُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: وَاللهِ، إِنَّهَا لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، قُلْتُ أَنَا: لَأَقُولَنَّ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَيْتُهُ، وَهُوَ فِي أَصْحَابِهِ، فَسَارَرْتُهُ، فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ، وَغَضِبَ، حَتَّى وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَخْبَرْتُهُ، ثُمَّ قَالَ: "قَدْ أُوذِيَ مُوسَى بِأَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَصَبَرَ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس کچھ مال آیا تو اس کو آپ نے کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیا جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی (کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی آتا تھا تو آپ اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے تھے)

آپ کی اس تقسیم پر انصار میں سے ایک آدمی (جو منافقین میں سے تھا) بولا کہ یہ ایسی تقسیم ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ بات میں حضور ﷺ تک ضرور پہنچاؤں گا، چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چپکے سے آپ تک یہ بات پہنچائی۔ یہ سن کر نبیٔ کریم ﷺ کو بڑی گرانی ہوئی، مارے غم اور غصے کے حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں دل میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش کے میں نے یہ بات حضور ﷺ کو نہ کہی ہوتی تو اچھا ہوتا، اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں یہ کہہ کر نبیٔ کریم ﷺ نے صبر سے کام لیا (یعنی آپ ﷺ نے اس پر کوئی کاروائی نہیں کی)۔

اس کو چغلی نہیں کہیں گے

تشریح: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے محض خیر خواہی کی نیت سے آپ ﷺ کو کہا تھا لیکن جب دیکھا کہ اس کو سن کر حضور ﷺ کو تکلیف ہوئی تو ظاہر ہے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہر ایسی چیز کو جس میں حضور ﷺ کو تکلیف ہو کسی بھی طرح گوارہ نہیں کر سکتے تھے۔بعض لوگ اس حدیث پر یہ اشکال کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کسی کی بات آپ ﷺ تک پہنچانا یہ چغلی نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چغلی نہیں ہے اس لیے کہ چغلی میں جو بات پہنچائی جاتی ہے اس میں فتنہ وفساد کی نیت ہوتی ہے اور اگر آپ کی نیت خیر خواہی کی ہے اور کسی کی برائی مقصود نہیں ہے تو نیت کے بدل جانے کی وجہ سے وہ چغلی نہیں

رہے گی، اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت پر یہ عنوان قائم کیا ہے کہ اگر کسی کی خیر خواہی کی غرض سے کوئی بات اس کے متعلق کہی گئی تو اس صورت میں اس کو چغلی نہیں کہیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل پر اعتراض کرتے ہیں، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ جملے کہنے والے موجود ہیں کہ اس عمل میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا ملحوظ نہیں رکھی گئی تو آج میرے اور آپ کے متعلق کوئی ایسی بات کہتا ہے تو ہم کیوں برا مانتے ہیں؟ ہماری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے؟ اس لیے ہمیں بھی ایسی باتوں پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اسی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجات کی بلندی کی خوشخبری ہے۔

تکلیف دہ بات سن کر دل پر اثر ہونا یہ تقویٰ کے منافی نہیں ہے

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیر خواہی کی غرض سے وہ بات کہی جس سے آپ کے دل پر اثر ہوا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح تکلیف پہنچانے والی بات سننے سے دل پر اثر ہونا تو انسانی فطرت کا تقاضا ہے، بھائی! اللہ تعالیٰ نے آدمی کو حساس دل عطا فرمایا ہے، یہ تقویٰ، بزرگی اور نیکی کے خلاف نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر نہ ہوتا۔ شعر:

دل ہی تو ہے نہ ہے سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

بس نیک و بد لوگوں میں فرق اتنا ہے کہ نیک بندے پھر اس پر انتقامی کارروائی

نہیں کرتے، یعنی اس پر کوئی ایکشن نہیں لیتے اور دوسرے لوگ ایکشن لیتے ہیں باقی اثر ہر ایک کے دل پر ہوتا ہے۔

حدیث شریف کا مطلب

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایسی کوئی تکلیف اگر کسی کی طرف سے آپ کو پہنچے، چاہے اپنوں کی طرف سے یا غیروں کی طرف سے تو نبیٔ کریم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ایسی چیزوں پر آدمی کو صبر کرنا چاہیے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو بڑا اجر وثواب ملتا ہے، مراتب بلند ہوتے ہیں اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی شریعت کے احکام کا اور حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کا کتنا لحاظ، خیال اور پاس رکھتا ہے۔ ویسے تو ہم سب شریعت اور آپ ﷺ کی اتباع کے دعوے بہت کرتے ہیں لیکن حضور ﷺ کی تعلیمات پر عمل اور حضور ﷺ کے طریقوں کو اپنی زندگی میں لانا ہی اصل میں پابندیٔ شریعت اور حب رسول ﷺ کی علامت ہے۔ آپ ﷺ سے محبت کا پتہ ایسے ہی موقعوں پر چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

بَابُ إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ

٣٩٢ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِدَرَجَةٍ أَفْضَلَ مِنَ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ؟" قَالُوا: بَلَى، قَالَ: "صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ".

باہمی تعلقات اور رشتوں کو درست رکھنا

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ نماز، روزے اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے بھی بڑھ کر ایک عمل ہے وہ میں تمہیں نہ بتلاؤں؟ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب میں عرض کیا کہ ضرور بتلائیے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا باہمی تعلقات کو ٹھیک اور درست رکھنا، ایک دوسرے کے ساتھ محبت خیر خواہی اور بھلائی سے پیش آنا یہ ہے سب سے بہتر عمل اور آپس کے تعلقات کا نادرست ہونا، اس میں بگاڑ کا پیدا ہونا یہ مونڈنے والا ہے (دوسری روایت میں ہے لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ دین کو مونڈ ڈالتا ہے)۔

تشریح: باہمی تعلقات اور آپس کے رشتوں کو درست رکھنے کا مطلب آپس میں میل محبت، تعلق، ایک دوسرے کا اکرام، خیر خواہی، ایک دوسرے کے ساتھ ایثار اور قربانی سے پیش آنا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دوسرے کو ضرر اور نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے، آپس میں ایک دوسرے کے متعلق کینہ اور بغض رکھا جائے اس سے اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہوئے باہمی تعلقات کو درست اور استوار رکھنا اس کو اصلاح ذات البین کہتے ہیں، اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔

باہمی تعلقات کی درستگی کا نماز، روزہ اور صدقہ سے بھی بہتر ہونے کے دو مطلب

اس حدیث میں باہمی تعلقات کو درست اور استوار رکھنا نماز، روزے اور صدقے

سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے، اس کا ایک مطلب تو عام طور پر حضرات شراح یہی فرماتے ہیں کہ یہ عمل نفل نماز، روزے اور صدقہ وغیرہ سے بڑھ کر ہے نہ کہ فرض نماز، روزہ اور صدقہ سے۔

لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باہمی تعلقات فرض نماز، روزہ اور صدقہ سے بھی افضل ہیں اس لیے کہ آپس کے تعلقات جب بگڑتے ہیں اور ایک دوسرے کے متعلق دل میں عداوت، دشمنی اور مخالفت پیدا ہوتی ہے تو اس کے نتیجہ میں آپس میں دشمنی ہوتی ہے، لڑائی ہوتی ہے اور قتل وخون کی نوبت آتی ہے، ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی برائیاں کی جاتی ہیں، غیبتیں ہوتی ہیں، بہتان تراشیاں ہوتی ہیں، الغرض ایک چیز کی وجہ سے بے شمار کبائر کا ارتکاب وجود میں آتا ہے، گویا باہمی تعلقات کے بگڑنے سے بہت سارے حقوق العباد ضائع ہوجاتے ہیں جس کی بعد میں تلافی مشکل سے ہو پاتی ہے، اس کے برعکس اگر فرائض کی ادائیگی میں بھی کسی سے کوتاہی ہوئی ہے اور بعد میں اس کو اپنی کوتاہی اور کمی کا احساس ہو اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو چونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے تو وہ نماز کی قضاء کر کے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر کے اپنے آپ کو اس ذمہ داری اور مسؤولیت سے بری کر سکتا ہے لیکن باہمی حقوق کے بگاڑ کے نتیجے میں جو نقصانات اٹھائے ہیں بعد میں عام طور پر ان کی تلافی نہیں ہو پاتی اس لیے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے باہمی تعلقات کو فرائض صلوٰۃ اور صیام اور صدقات سے افضل قرار دیا ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپس کے تعلقات

کی درستگی کو بڑی اہمیت دی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ آپس کے تعلقات درست ہوں گے تب ہی دین کے معاملات بھی درست ہوں گے، آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام ہوگا تو عبادت کی ادائیگی میں بھی آدمی یکسوئی کے ساتھ مشغول رہے گا، اگر آپس میں عداوتیں، اختلافات اور لڑائی جھگڑے ہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بھی ادا نہیں کر پائے گا، اس لیے آپس کے تعلقات کی درستگی بہت اہم ہے۔

٣٩٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ الْحُسَيْنِ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم: ﴿فَاتَّقُوا اللهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [الأنفال: ١]، قَالَ: هَذَا تَحْرِيجٌ مِنَ اللهِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَتَّقُوا اللهَ وَأَنْ يُصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِهِمْ.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (جو اکابر تابعین میں سے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد ہیں) وہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے (آیت کریمہ ﴿فَاتَّقُوا اللهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو اور آپس کے تعلقات کو ٹھیک اور درست کرو اس کی تفسیر اور تشریح کے طور پر) نقل کرتے ہیں کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں پر گویا پابندی عائد کی گئی اور لازم قرار دے دیا گیا کہ وہ اللہ سے ڈریں اور تقویٰ اختیار کریں اور آپس کے تعلقات کو درست رکھیں۔

تشریح: اس روایت میں بھی باہمی تعلقات کو درست رکھنے والے شخص کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس سے پہلی روایت میں بھی باہمی تعلقات درست کرنے

والے کی فضیلت آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ شخص جو لوگوں کی طرف سے ایذاء رسانیوں پر صبر کرے اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے اور لوگوں کی طرف سے پہنچائی جانے والی ایذاء رسانیوں پر صبر نہیں کرتا۔ایک روایت اوپر بیان ہوئی جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ صفت بیان کی تھی لَيْسَ أَحَدٌ - أَوْ لَيْسَ شَيْءٌ - أَصْبَرَ عَلَى أَذًى يَسْمَعُهُ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِنَّهُمْ لَيَدَّعُونَ لَهُ وَلَدًا، وَإِنَّهُ لَيُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُم ترجمہ: جو ایذاء اللہ عز وجل کو پہنچائی جاتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں مثلاً لوگ اللہ کے لیے بیٹا پکارتے ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ لوگوں کو عافیت بھی دیتا ہے اور روزی بھی دیتا ہے۔

شکل وصورت کا اختلاف یہ بھی فطری چیز ہے

﴿وَاِن مِّن شَیءٍ اِلَّا عِندَنَا خَزَآئِنُه﴾ ہر چیز کے اللہ کے یہاں خزانے ہیں، ان خزانوں میں سے شکل وصورت کے بھی اللہ کے یہاں خزانے ہیں اور یہ ایسے خزانے ہیں جن کی کوئی انتہاء نہیں، دنیا جب سے پیدا ہوئی ہے اور جب تک باقی رہے گی وہاں تک جتنے بھی انسان آئیں گے ہر ایک کا چہرہ دوسرے سے الگ، ہر ایک کی آنکھیں دوسرے سے الگ، ہر ایک کی ناک دوسرے سے الگ، ہر ایک کے ہاتھ اور انگلیاں بلکہ پورے بھی الگ، سائنس دانوں کی تحقیق ہے کہ کسی ایک انسان کے پوروں کے نشانات بھی دوسرے سے مختلف ہیں حالانکہ پورا چوڑائی میں ایک انچ سے کم اور لمبائی میں ڈیڑھ انچ بھی نہیں ہے، اتنا چھوٹا سا پورا، وہ بھی کڑوروں اور اربوں آدمیوں کا ایک دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے۔

طبیعتوں کا الگ الگ ہونا یہ بھی فطری چیز ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی ظاہری شکل وصورت الگ بنائی ہے اسی طرح انسان کا مزاج، اور طبیعتیں بھی الگ الگ بنائی ہیں اوران طبائع کے اختلاف کی وجہ سے ہر ایک کی پسند و ناپسند، ہر ایک کا مزاج، ہر ایک کی سوچ کا اپنا اپنا انداز اور دوسرے سے الگ مزاج ہوتا ہے، اسی کے نتیجے میں کبھی نہ چاہنے کے باوجود دوسرے کو ہماری ذات سے کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں طبیعتوں کا اختلاف اوراس کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کا ہونا یہ بھی فطری چیز ہے، حدیث میں آتا ہے کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ !تم مجھ سے خوش ہوتی ہوتو مجھے پتہ چل جاتا ہےاور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہوتو بھی مجھے پتہ چل جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کیسے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ سے کسی بات پر خوش ہوتی ہواور تم کو اس وقت کسی بات پر قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہےتو تم یہ الفاظ کہتی ہو ''لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ'' کہ محمد کے رب کی قسم اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہواور کسی بات پر قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہےتو تم یوں کہتی ہو ''لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ'' اے ابراہیم کے رب کی قسم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تو صرف زبان سے ناراضگی کا اظہار کرتی ہوں ورنہ دل میں تو آپ کی محبت بھری ہوئی ہے۔ بلکہ تمام ازواج مطہرات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو محبت تھی

ان کی نظیر نہیں ملتی۔

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے نظیر محبت تھی

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی محبت تھی اس کا ایک اور واقعہ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی ہیں، صلح حدیبیہ کے بعد ایک موقع ایسا آیا تھا کہ قریش نے صلح حدیبیہ کی شرائط کی خلاف ورزی کی اور اس کے نتیجے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام خط بھیجا اور اطلاع دی کہ آپ لوگوں کی طرف سے صلح حدیبیہ کی شرائط کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور آپ کو اِن اِن چیزوں کا اہتمام کرنا ہے ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان صلح ختم ہو جائے گی، تو قریش کے بعض نادانوں نے کہہ دیا کہ ہمیں صلح ختم کرنی ہے، بعد میں قریش کو احساس ہوا اور کہا کہ نہیں، ہمیں تو صلح باقی رہنی چاہیے، اس صلح کو برقرار رکھنے کے لیے قریش نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بھیجا، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو اپنی صاحب زادی ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں گئے، جب اپنی بیٹی کے حجرے میں داخل ہوئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بچھا ہوا تھا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محسوس کیا کہ ابا اس پر بیٹھیں گے تو جلدی سے آگے بڑھیں اور بستر لپیٹ کر رکھ دیا، ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

پوچھا کہ بیٹی ایسا کیوں کیا؟ یہ بستر میرے لائق نہیں ہے یا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں؟ جیسا کبھی کوئی بڑا آدمی ہمارے ہاں آتا ہے اور گھر میں معمولی چیز بچھی ہوتی ہے تو ہم اس کو ہٹا دیتے ہیں، اچھی چیز بچھاتے ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صاف صاف جواب دیا کہ ابا! یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں، آپ اس پر نہیں بیٹھ سکتے۔

دیکھو! ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کتنی محبت تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جتنی محبت تھی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ اتنی محبت نہیں تھی، پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ناراض ہونا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اے عائشہ تم جب مجھ سے خوش اور راضی ہوتی ہو تو مجھے پتہ چل جاتا ہے اور ناراض ہوتی ہو تو وہ بھی پتہ چل جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح ظاہری شکلوں اور صورتوں کو الگ الگ بنایا ہے اسی طرح مزاج اور طبائع کو بھی الگ الگ بنایا ہے، ہر ایک کی پسند، سوچ، میلان الگ الگ ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی نادانستہ طور پر بھی ایک آدمی کو دوسرے سے تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ اسی موقع پر گویا ہمیں یہ تعلیم دی گئی کہ دوسرے سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس کو لیکر مت بیٹھے رہو بلکہ اس کو معاف کردو، درگذر اور صبر وتحمل سے کام لو، اللہ تبارک وتعالیٰ سے بڑھ کر صبر کرنے والا کون ہوگا، اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوق کی طرف سے تکالیف پہنچتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر صبر کرتے ہیں اور ہمیں بھی یہ حکم دیا گیا کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ، اللہ تعالیٰ ان ساری چیزوں کے باوجود لوگوں کو عافیت دیتے ہیں، روزی دیتے ہیں اسی طرح ہمیں بھی آپس میں اسی

طرح کا معاملہ کرنا چاہیے، کسی کی طرف سے تکلیف پہنچے تو بھی اپنے دل کو اس کی طرف سے صاف رکھنا چاہیے، اصلاح ذات البین یعنی باہمی تعلقات کی درستگی کے لیے انہی تعلیمات اور ہدایات کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو معاملہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔

بَابُ إِذَا كَذَبْتَ لِرَجُلٍ هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ

٣٩٤ - حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، عَنْ ضُبَارَةَ بْنِ مَالِكٍ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، أَنَّ سُفْيَانَ بْنَ أُسَيْدٍ الْحَضْرَمِيَّ رضی الله تعالیٰ عنه حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ، وَأَنْتَ لَهُ كَاذِبٌ".

جب تم کسی آدمی کے سامنے جھوٹ بیان کرو حال یہ کہ وہ تم کو سچا سمجھ رہا ہے

ترجمہ: حضرت سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی کو کوئی بات بیان کرو اس طور پر کہ وہ آپ کو اس بات میں سچا سمجھ رہا ہے اور آپ اس کے ساتھ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کسی جھوٹی بات کو اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ سامنے والا آدمی اس جھوٹی بات کو بالکل صحیح اور درست سمجھے حالانکہ کہنے والے کو خود پتہ ہے کہ سامنے والا آدمی اس کو سچا سمجھ رہا ہے اور وہ اس کے

ساتھ جھوٹ بول رہا ہے۔جیسا کہ پہلے بابوں میں آچکا کہ مطلق جھوٹ گناہ اور ممنوع ہے لیکن جھوٹ کی یہ قسم اور زیادہ خطرناک صورت حال ہے۔آج کل ہمارے معاشرے میں اور آپس کے تعلقات میں جو خرابیاں ہیں ان خرابیوں کے جو اسباب ہیں اس میں ایک یہ بھی ہے۔بعض مرتبہ ایک آدمی کسی کے متعلق دوسرے کو یوں کہتا ہے کہ فلانے نے تمہارے متعلق ایسا کہا حالانکہ یہ کہنے والا جانتا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کہا ہے اور یہ کہنے والا یہ بھی سمجھ رہا ہے کہ میں جس کو یہ بات کہہ رہا ہوں وہ مجھ کو سچا سمجھ رہا ہے ایسا کرنا بہت بڑی خیانت ہے اور یہی چیز آپسی تعلقات کے بگاڑ کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔ آپسی تعلقات کے بگاڑ کے جو اسباب ہو سکتے تھے نبی کریم ﷺ نے اس حدیث کے ذریعے سے ایک اہم سبب کی طرف نشان دہی کی ہے۔

بَابُ لَا تَعِدْ أَخَاكَ شَيْئًا فَتُخْلِفَهُ

۳۹۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُحَارِبِيُّ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالیٰ عنهما وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُمَازِحْهُ، وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ".

اپنے بھائی سے ایسی چیز کا وعدہ نہ کرو جس کو پورا کرنے کا ارادہ نہ رکھتے ہو

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا مت کرو اور اس سے ٹھٹھا نہ کرو اور اپنے بھائی سے کوئی

ایسا وعدہ نہ کرنا جس کی تم خلاف ورزی کرنے والے ہو۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں خاص طور پر تین چیزوں سے منع کیا ہے

(ا) نمبر ایک ممارات یعنی نزاع سے منع کیا ہے، زبانی طور پر جو جھگڑا ہوتا ہے اس کو ممارات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات لوگوں میں کسی چیز کی خرید و فروخت یا لین دین میں اختلاف ہو جاتا ہے تو بجائے اس اختلاف کو حل کرنے کے آپس میں بحث وتکرار شروع کر دیتے ہیں جو جھگڑے کا باعث بنتی ہے اس بات سے منع فرمایا گیا ہے۔

(۲) نمبر دو ٹھٹھا سے منع کیا ہے، یعنی اپنے بھائی کا ایسا مذاق کرنا جو اس کی بے عزتی کا ذریعہ بنتا ہو، جس میں وہ اپنی خفت محسوس کرے۔ اور ایک ہوتا ہے مزاح، مزاح کا مقصد ہوتا ہے خوش طبعی، سامع کے دل کو خوش کرنا، اس کی اجازت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مزاح فرمایا ہے، لیکن مزاح میں اس بات کا خیال کرنا ہے کہ کوئی غلط بات زبان سے نہ کہی جائے جس سے سامنے والے کے دل کو ٹھیس پہنچے، اور وہ اپنی تحقیر اور خفت محسوس کرے۔ ہمارے یہاں جو مزاح ہوتا ہے وہ مزاح نہیں، بلکہ ٹھٹھا ہوتا ہے، یعنی اپنے بھائی کو لوگوں کے سامنے گرانا اور بے عزت کرنا مقصود ہوتا ہے اس کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں یہ تو بالکل حرام ہے، ایک مسلمان کی تحقیر کرنا یا اس کو لوگوں کے سامنے بے عزت کرنا، اس کی ہماری شریعت اجازت نہیں دیتی، یہ ساری چیزیں بھی باہمی تعلقات کے بگاڑ کا ذریعہ ہیں اسی لیے خاص طور پر یہاں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) نمبر تین ایسے وعدے سے منع کیا ہے جس کا پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو، یعنی جس وقت وعدہ کر رہے ہو اسی وقت ہمارے دل میں یہ ہے کہ یہ وعدہ ہمیں پورا نہیں کرنا ہے، اگر وعدہ کرتے وقت پورا عزم اور ارادہ ہے کہ وعدے کو پورا کروں گا اور

بعد میں حالات ایسے ہوئے کہ آپ اپنے اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے اس میں تو کوئی حرج کی بات نہیں یہ شرعاً معذوری ہے، لیکن جب وعدہ کیا جا رہا ہے اسی وقت دل میں یہ ارادہ ہے کہ خالی طفل تسلی دے دو، دل خوش کر دو کہاں اس پر عمل کرنا ہے؟ یہ چیز بھی آپس کے تعلقات کے بگاڑ کا ذریعہ بنتی ہے اسی لیے بھی خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔

بَابُ الطَّعْنِ فِي الْأَنْسَابِ

۳۹۶ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "شُعْبَتَانِ لَا تَتْرُكُهُمَا أُمَّتِي: النِّيَاحَةُ وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ".

کسی کے نسب میں عیب لگانا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں میری امت نہیں چھوڑے گی، ایک ہے نوحہ کرنا اور دوسرا ہے حسب ونسب میں طعنہ دینا۔

نوحہ کرنے کی ممانعت

تشریح: النِّيَاحَةُ، یہ غم کے اظہار کی ایک مخصوص شکل ہوتی تھی اس میں عورتیں سینہ کوبی کرتیں، اپنے رخساروں پر طمانچے مارا کرتیں اور بال نوچا کرتی تھیں اور یہ زمانہ قدیم میں باقاعدہ ایک خاص انداز میں ہوتا تھا بلکہ آج بھی دیہاتوں میں عورتیں ایک مخصوص انداز سے باقاعدہ حلقہ بنا کر گھومتی ہیں، سینہ کوٹتی اور چہرا نوچتی ہیں اس سے

منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر کسی کے انتقال پر غیر اختیاری طور پر آنکھوں میں آنسو آ جائیں اور دل غمگین ہو تو اس کی اجازت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یَااِبْرَاهِیْمُ اِنَّا بِفِرَاقِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ، اے ابراہیم! ہم آپ کی جدائی پر غمگین ہیں۔

دوسروں کے حسب ونسب پر طعن کرنا

دوسری چیز جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ ہے خاندانی اور نسبی اعتبار سے کسی کی تحقیر کرنا، جو لوگ اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے مزاج میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ وہ کم درجہ کے خاندان سے تعلق رکھنے والوں کی تحقیر کیا کرتے ہیں، ان کو گھٹیا اور حقیر سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ حجرات میں اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَّاُنثٰی وَجَعَلْنٰكُم شُعُوبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَكرَمَكُم عِندَ اللّٰهِ اَتقٰكُم اِنَّ اللّٰهَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ﴾ کہ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمہاری مختلف شاخیں اور خاندان بنائے ہیں وہ صرف آپس کے تعارف اور پہچان کے لیے ہے (یعنی سب ہی ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، بعد میں اس میں شاخیں پھیلیں ورنہ تو سب ہی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں) تم میں اللہ کی نظر میں باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو اور سب سے زیادہ اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا ہو۔ دیکھیے! جب سارے خاندان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں تو ایک دوسرے پر فوقیت کیا معنی رکھتی ہے۔ خاندان کے

ذریعہ سے بھی آپس میں امتیاز ہوتا ہے اس لیے یہ خاندان اور قبیلے رکھے گئے جیسے ایک بستی اور ایک محلہ کی وجہ سے آپس میں تعارف اور امتیاز پیدا ہوتا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ﴾ اس جملے میں اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بتلادیا کہ اللہ کے نزدیک تم میں باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا ہو اور جو جتنا زیادہ تقویٰ والا ہوگا اتنا ہی وہ اللہ کے یہاں باعزت اور باکرامت ہے، کوئی شخص صرف خاندانی شرافت کی وجہ سے معزز نہیں ہوسکتا، حدیث میں نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ بَطَّئَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ جس شخص کو اس کا عمل پیچھے رکھے گا اس کا گھرانا، خاندان اور نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا، یعنی جو آدمی عمل کے اعتبار سے کمزور ہو اور شریعت کے احکام کا اہتمام نہ کرتا ہو چاہے وہ کتنے ہی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتا ہو اس سے وہ باعزت نہیں ہوسکتا، اصل تو اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی ان کا نسب پوچھتا تو کہتے: سَلْمَانُ اِبْنُ الْاِسْلَامِ سلمان اسلام کا بیٹا ہے یعنی باپ کا کیا پوچھتے ہو ہمارے عمل کو دیکھو۔ ہاں اگر کوئی آدمی اعمال کے اعتبار سے بھی اونچے مقام پر فائز ہے اور ساتھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نسبی شرافت بھی عطا فرما رکھی ہے تو پھر تو نور علیٰ نور، اس لیے کہ شریعت کے یہاں عزت کے لیے جو چیز مطلوب ہے وہ چیز اس میں پائی جاتی ہے اور ساتھ میں نسبی شرافت بھی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوہری فضیلت سے اس کو نوازا ہے۔ چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، خِيَارُهم فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهم فِي الْاِسْلَامِ،

لوگوں کا حال ایسا ہے جیسا کہ سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، یعنی زمین کے اندر جو قدرتی دھاتیں پیدا ہوتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جہاں سونا رکھا وہاں سے سونا نکلے گا اب وہاں سے لوہا تو نکلنے والا نہیں اور جہاں لوہا رکھا ہے وہاں سے سونا نہیں نکلے گا گویا یہ چیزیں کوئی قیمتی اور کوئی کم درجے کی دھاتیں قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں رکھیں ہیں وہاں سے نکلیں گی ایسے ہی خاندانی شرافت کا بھی حال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: خِيَارُهمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْ، زمانۂ جاہلیت میں جو اونچے گھرانے تھے اسلام کے اندر بھی وہی اونچے سمجھے جائیں گے بشرطیکہ وہ دین کا علم اور دین کی سمجھ حاصل کرلیں، اگر یہ نہیں ہے تو پھر یہ خاندانی شرافت کسی کام کی نہیں ہے۔ عرب کے اندر چونکہ خاندانی شرافت کو بہت اہمیت دی جاتی تھی اور جو اونچے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے وہ دوسرے کم درجہ کے لوگوں کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھتے تھے اس لیے قرآن اور حدیث میں اس سلسلے میں بڑی تاکید آئی ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد دوسرے روز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خطبہ دیا اس میں بھی خاص طور پر اسی چیز کی طرف متوجہ کیا، زمانۂ جاہلیت میں خاندانوں پر جو فخر کیا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم کردیا: اَلنَّاسُ مِنْ آدمَ وآدمُ مِنْ تراب کہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔

بَابُ حُبِّ الرَّجُلِ قَوْمَهُ

٣٩٧ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ الرَّبِيعِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبَّادٌ الرَّمْلِيُّ قَالَ: حَدَّثَتْنِي امْرَأَةٌ يُقَالُ لَهَا:

فُسَيْلَةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ يُعِينَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى ظُلْمٍ؟ قَالَ: "نَعَمْ".

آدمی کا اپنی قوم اور قبیلہ سے محبت رکھنا

ترجمہ: حضرت فُسیلہ رحمہا اللہ تعالیٰ (تابعیہ ہیں) وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے (یعنی میرے والد نے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہ عصبیت ہے کہ کوئی آدمی ظلم پر (شریعت کے خلاف) اپنی قوم کی مدد کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں!۔

تشریح: ''عصبیت'' یعنی کسی کی ناجائز طریقے سے حمایت کرنا، جس کو گروہ بندی بھی کہتے ہیں، یعنی ایک آدمی کسی کی حمایت حق کی بنیاد پر نہ کرے بلکہ صرف قوم اور خاندان ایک ہونے کی بنیاد پر ناحق اس کی مدد کرے۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ آپ کا بھائی اگر حق پر ہے تو آپ اس کا تعاون کیجئے، اگر حق پر نہیں ہے یعنی غلطی پر ہے تو آپ اس کو اس غلطی سے روکئے یہی اس کا تعاون ہے، یہ نہیں کہ اس غلطی میں بلاوجہ اس کا ساتھ دیں، حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِماً أَوْ مَظْلُوماً، اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، پوچھنے والے نے پوچھا: أَنْصُرُه مَظْلوماً فكيف أَنْصُرُه ظالماً؟ اے اللہ کے رسول! اگر وہ مظلوم ہے تو میں اس کی مدد کروں یعنی مظلوم ہونے کی صورت میں اس کی مدد کرنا سمجھ میں آنے والی بات ہے، ظالم ہے تو کیسے مدد کروں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو ظلم سے روکو۔ اگر ایک بچہ زہر کی پڑیا لیکر کھانا چاہتا ہے تو اس کی مدد یہ ہے کہ اسے زہر کھانے سے روکیں، ایک آدمی غلط کام کرتا ہے اس کو اس غلط کام کرنے

سے روکنا بھی اس کی مدد ہے، اس میں اس کی حمایت کرنا اور ساتھ دینا یہ مدد نہیں، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ جو لوگ محض خاندان کی بنیاد پر کہ فلاں آدمی میری برادری سے تعلق رکھتا ہے، فلاں آدمی میرے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور وہ غلط ہے تو بھی آپ اس کی حمایت کریں تو یہ جائز نہیں ہے، یہ حرام ہے، یا کوئی آدمی کسی خاص پارٹی یا گروہ سے تعلق رکھتا ہے اس لیے آپ اس کی حمایت کرتے ہیں، یا وطن کی نسبت پر اس کی حمایت کرتے ہیں مثلاً وہ سورت کا ہے، گجرات کا یا ہندوستان کا ہے اس لیے آپ اس کی حمایت کرتے ہیں یا وہ آپ کے محلے کا ہے اس لیے آپ اس کی حمایت کرتے ہیں چاہے وہ غلط ہے۔ محض برادری یا اپنے خاندان کی بنیاد پر غلط بات میں کسی کی حمایت کرنے پر قرآن واحادیث میں کئی جگہوں پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسے آدمی کو سخت سب وشتم کرو یعنی ایسے آدمی کو گالی دینے تک کا حکم ہے۔ حدیث میں عصبیت کی بنیاد پر کسی کی حمایت کرنے کی ممانعت بہت سختی اور صراحت سے آئی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی غلط بات میں حمایت نہیں کرتا ہاں محض برادری یا اپنے خاندان کی وجہ سے اس سے جائز حد میں رہ کر محبت رکھتا ہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، ہر آدمی کو اپنے خاندان اور اپنی برادری سے طبعی اور فطری تعلق ہوتا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں۔

بَابُ هِجْرَةِ الرَّجُلِ

٣٩٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَوْفِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الطُّفَيْلِ،

وَهُوَ ابْنُ أَخِي عَائِشَةَ لِأُمِّهَا، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حُدِّثَتْ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ قَالَ فِي بَيْعٍ - أَوْ عَطَاءٍ - أَعْطَتْهُ عَائِشَةُ: وَاللهِ لَتَنْتَهِيَنَّ عَائِشَةُ أَوْ لَأَحْجُرَنَّ عَلَيْهَا، فَقَالَتْ: أَهُوَ قَالَ هَذَا؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَهُوَ لِلهِ نَذْرٌ أَنْ لَا أُكَلِّمَ ابْنَ الزُّبَيْرِ كَلِمَةً أَبَدًا، فَاسْتَشْفَعَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِالْمُهَاجِرِينَ حِينَ طَالَتْ هِجْرَتُهَا إِيَّاهُ، فَقَالَتْ: وَاللهِ، لَا أُشَفِّعُ فِيهِ أَحَدًا أَبَدًا، وَلَا أُحَنِّثُ نَذْرِي الَّذِي نَذَرْتُ أَبَدًا. فَلَمَّا طَالَ عَلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ كَلَّمَ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْأَسْوَدِ بْنِ عبديَغُوثَ، وَهُمَا مِنْ بَنِي زُهْرَةَ، فَقَالَ لَهُمَا: أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ إِلَّا أَدْخَلْتُمَانِي عَلَى عَائِشَةَ، فَإِنَّهَا لَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ تَنْذِرَ قَطِيعَتِي، فَأَقْبَلَ بِهِ الْمِسْوَرُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ مُشْتَمِلَيْنِ عَلَيْهِ بِأَرْدِيَتِهِمَا، حَتَّى اسْتَأْذَنَا عَلَى عَائِشَةَ فَقَالَا: السَّلَامُ عَلَيْكِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، أَنَدْخُلُ؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: ادْخُلُوا، قَالَا: كُلُّنَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، ادْخُلُوا كُلُّكُمْ. وَلَا تَعْلَمُ عَائِشَةُ أَنَّ مَعَهُمَا ابْنَ الزُّبَيْرِ، فَلَمَّا دَخَلُوا دَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فِي الْحِجَابِ، وَاعْتَنَقَ عَائِشَةَ وَطَفِقَ يُنَاشِدُهَا يَبْكِي، وَطَفِقَ الْمِسْوَرُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ يُنَاشِدَانِ عَائِشَةَ إِلَّا كَلَّمَتْهُ وَقَبِلَتْ مِنْهُ، وَيَقُولَانِ: قَدْ عَلِمْتِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَمَّا قَدْ عَلِمْتِ مِنَ الْهِجْرَةِ، وَأَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ. قَالَ: فَلَمَّا أَكْثَرُوا التَّذْكِيرَ وَالتَّحْرِيجَ طَفِقَتْ تُذَكِّرُهُمْ وَتَبْكِي وَتَقُولُ: إِنِّي قَدْ نَذَرْتُ وَالنَّذْرُ شَدِيدٌ، فَلَمْ يَزَالُوا بِهَا حَتَّى كَلَّمَتِ ابْنَ الزُّبَيْرِ، ثُمَّ أَعْتَقَتْ بِنَذْرِهَا أَرْبَعِينَ رَقَبَةً، ثُمَّ كَانَتْ تَذْكُرُ بَعْدَ مَا أَعْتَقَتْ أَرْبَعِينَ رَقَبَةً فَتَبْكِي حَتَّى تَبُلَّ دُمُوعُهَا خِمَارَهَا.

کسی آدمی سے قطع تعلق کرنا

ترجمہ وتشریح: حضرت عوف ابن حارث ابن طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ (طفیل کے بیٹے حارث ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی ہیں، ان کے بیٹے حضرت عوف ہیں، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے ہوتے ہیں) وہ نقل کرتے ہیں ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کسی چیز کے فروخت کرنے یا کسی کو زیادہ مال بخش دینے پر یوں کہا کہ وہ جو بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر مال خرچ کرتی ہیں اس سے رک جائیں ورنہ میں ان پر پابندی لگادوں گا (عربی زبان میں حجر کا معنیٰ حاکمِ وقت کی طرف سے کسی پر کسی معاملہ میں پابندی لگانا ہے) کسی نے جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتا دیا کہ آپ کے بھانجے آپ کے متعلق یہ کہہ رہے ہیں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ کیا انہوں نے واقعی ایسا کہا ہے؟ تو کہا کہ ہاں بالکل کہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بات پر قسم کھالی اور کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر نذر لازم ہے کہ میں کبھی ان سے بات نہیں کروں گی (نذر مطلق ہو تو وہ قسم کے معنیٰ میں ہوتی ہے) جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قطع تعلق کا زمانہ طویل ہو گیا تو حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرات مہاجرین کو آپ کے پاس سفارش کے لیے بھیجا تا کہ آپ بات مان جائیں اور راضی ہو جائیں، سفارش کے لیے جب لوگ گئے تو آپ نے قسم کھالی کہ اللہ کی قسم ان کے ساتھ بات کرنے کے معاملہ میں کسی کی سفارش قبول نہیں کروں گی اور میں

اپنی نذر بھی نہیں توڑوں گی۔اس زمانہ میں جو بڑے لوگ تھے ان میں حضرت مسوَر ابن مخرمہ اور عبدالرحمٰن ابن اسود ابن عبد یغوث رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے اور ان کا تعلق قبیلۂ بنوزہرہ سے تھا (بنوزہرہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کا خاندان تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس رشتہ کی وجہ سے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ کا خاندان ہونے کی وجہ سے ان خاندان والوں کا بڑا لحاظ کرتی تھیں) حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بات کی کہ میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ وہاں لیجانے کی کوئی بھی تدبیر کرو اور مجھے کسی بھی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لیجاؤ اس لیے کہ میرے نزدیک قطع تعلق کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، یہ دونوں حضرات اپنی چادر اوڑھے ہوئے حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر لے گئے (اس زمانہ میں چادر اوپر پہنی جاتی تھی ان دونوں نے اپنے چادر کے بیچ میں حضرت عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لیا اور اپنی چادر اوڑھ لی اس طرح کہ حضرت عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نظر نہ آئیں اور اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پہنچے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پہنچ کر سلام کیا اور داخل ہونے کی اجازت مانگی کہ ہم اندر آسکتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ٹھیک ہے آسکتے ہیں، کہا کہ اے ام المؤمنین کیا ہم سب آسکتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سب آجاؤ، آپ کو معلوم نہیں تھا کہ ان لوگوں نے اپنی چادر میں ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چھپا رکھا ہے، جب اندر داخل ہوئے تو حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پردہ کے اندر چلے گئے (گھر میں ایک

پردہ تھا، پردہ کے باہر وہ دونوں حضرات بیٹھے اور حضرت عبداللہ اندر چلے گئے اس لیے کہ وہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے تھے) اور جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گلے سے لپٹ گئے اور رونے لگے اور ان کو رو رو کر قسمیں دینے لگے اور مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود رضی اللہ عنہما پردے کی آڑ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قسمیں دلاتے رہے اور درخواست کرتے رہے کہ ان کا عذر قبول کرلیں، ان کو معاف کردیں، ان سے بات کرلیں اور کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قطع تعلق سے منع کیا ہے کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے یہ تو آپ کے بھانجے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت زیادہ اصرار کیا اور تاکید کی اور قطع تعلق کی وعید ذکر کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ان دونوں حضرات کو نصیحتیں کرنے لگیں، رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ میں نے تو قسم کھالی ہے اور قسم کا معاملہ بڑا سخت ہے (میری قسم کیسے توڑی جائے؟) لیکن یہ دونوں حضرات برابر لگے رہے اور تاکید کرتے رہے اور سمجھاتے رہے یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مان لیا اور حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بات کرلی اور اپنی قسم کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کئے اور بعد میں بھی وہ اپنی اس قسم کو یاد کرتی تھیں کہ مجھے اپنی یہ قسم توڑنی پڑی اور اس کو یاد کرکے بہت روتی تھیں اتنا روتی تھیں کہ اس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اوڑھنی آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی (وہ حضرات قسم کے معاملہ میں بہت ڈرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گویا یہ سوچتی تھیں کہ میں نے ایک چیز کی نذر مانی اور قسم کھائی، پھر میں نے اس کو توڑا حالانکہ اس قسم کو توڑنے کی

تلافی میں چالیس غلام بھی آزاد کئے، پھر بھی یہ واقعہ جب یاد آتا تھا تو روتی تھیں)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخاوت کا واقعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں سخاوت بہت تھی، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد (نبیٔ کریم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ، ام المؤمنین اور آپ کے حضور ﷺ کی محبت اور تعلق کی وجہ سے) حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ آپ کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتے تھے، خلفائے راشدین اور صاحب حیثیت صحابہ آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ بڑی بڑی رقمیں بھیجا کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عادت یہ تھی کہ وہ فوراً خرچ کر دیتی تھیں اور اپنے لیے کچھ نہیں رکھتی تھیں، ایک مرتبہ کسی نے آپ کی خدمت میں بہت بڑی رقم بھیجی تو صبح سے شام تک بیٹھ کر تقسیم کرتی رہیں اور ساری رقم تقسیم ہوگئی یہاں تک کہ عصر کا وقت آیا تو آپ کی باندی نے کہا کہ آج آپ کا روزہ ہے، روزہ افطار کرنے کے لیے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے اگر ایک دو درہم باقی ہوں تو ان سے افطاری کا کچھ انتظام کروں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی بندی! پہلے یاد دلاتی اب تو سارے درہم تقسیم ہو گئے، یعنی ان کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ گھر میں افطار کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی

حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھانجے ہوتے ہیں اور آپ ان سے بڑی محبت فرماتی تھیں، حضرت عائشہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ سے درخواست کی کہ سب کی کنیتیں ہیں میری کنیت کیوں نہیں؟ (کنیت کا مطلب ہے باپ یاماں کی پہچان اولاد کی طرف نسبت کرتے ہوئے کرنا جیسا کہ فلاں کا باپ، یا فلاں کی ماں، عورت کو ام فلاں، باپ کو ابو فلاں کہتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی اولاد تو تھی نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی کنیت ام عبداللہ رکھو اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے بڑی محبت کرتی تھیں اور بیٹے کی طرح رکھتی تھیں اس لیے ان کی کنیت بھی نبیٔ کریم ﷺ نے ام عبداللہ رکھی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بڑے ہدایہ بھیجا کرتے، تاکہ آپ خود استعمال کریں، ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی بڑی رقم آئی تھی آپ نے اس کو خرچ کر دیا، جب حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو ان کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس طرح رقم لوگوں کو ہدیہ کر دینا ناگوار ہوا اور ان کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی اس حرکت سے باز آجائیں ورنہ میں ان پر پابندی لگا دوں گا۔

باب کا مقصد

بلاوجہ کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی، ہاں اگر کسی نے آپ کو تکلیف پہنچائی، یا آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا تو ایک آدمی کی فطرت اور مزاج ہے کہ جب کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو طبیعت اس سے ہٹ جاتی ہے تو شریعت نے آدمی کے اس فطری تقاضے کی رعایت کی ہے، شریعت فطری احساسات

اور تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرتی بلکہ اس کا لحاظ کرتی ہے، چنانچہ کوئی آپ کو ستائے، تکلیف پہنچائے، برا بھلا کہے تو فطری طور پر آپ کو تکلیف ہوگی، اس تکلیف کی وجہ سے ایک دو دن اس سے ناراض ہو اور بات نہ کرے تو اجازت ہے لیکن تین دن سے زائد یہ معاملہ نہیں جانا چاہیے، اگر کوئی آدمی کسی شرعی وجہ سے کسی سے تعلق قطع کرے، یعنی وہ آدمی جس سے تعلق قطع کیا ہے وہ اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہے اور منع کرنے پر بھی وہ باز نہیں آتا، یا اس نے کوئی ایسا کام کیا جو شریعت کے خلاف ہے اس کی وجہ سے اس نے اس سے قطع تعلق کیا ہے، بیٹا نماز نہیں پڑھتا اس لیے باپ نے اس کے ساتھ بات کرنا چھوڑ دیا اس کی اجازت ہے کہ تم نماز پڑھو تو تمہارے ساتھ بات کروں گا ورنہ میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ایسا کر سکتے ہیں۔

بَابُ هِجْرَةِ الْمُسْلِمِ

٣٩٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ".

کسی مسلمان کے ساتھ قطع تعلق کرنا

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپس میں بغض وعداوت اور دشمنی نہ رکھو اور آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کو پیٹھ نہ دکھلاؤ، اے اللہ کے بندو! بھائی بن کے رہو، کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی

کے ساتھ تین راتوں سے زیادہ کے لیے قطع تعلق کرے۔

دو طرح کی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

تشریح: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بہت سی نعمتیں تو ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دے رکھی ہیں، مثلاً جسم، آنکھیں، کان، زبان، ناک، ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء، تقریباً ہر ایک اس سے مالا مال ہے اور ہر ایک ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی بعض ظاہری اور باطنی نعمتیں ایسی بھی ہیں جو کسی کو ملی ہیں کسی کو نہیں، کسی کو زیادہ تو کسی کو کم، ظاہری نعمتوں میں مال، عہدہ اور منصب وغیرہ ہیں اور باطنی نعمتوں میں علم، صلاح، تقویٰ، جمال اور خوبصورتی وغیرہ ہیں، یہ ساری نعمتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے اکثر کے حاصل ہونے میں بندے کی سعی، محنت اور کوشش کو کوئی دخل نہیں ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطاء، بخشش اور دین ہے ﴿ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ۚ وَ اللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ﴾ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں، وہ مالک ہے۔

نعمت ملنے اور نہ ملنے دونوں میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں

جس طرح کسی کو نعمت عطا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں اسی طرح ان نعمتوں میں سے کوئی نعمت نہ دینے میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں، ایسا تو ہے نہیں کہ اس کو اگر دیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کے خزانے نعوذ باللہ کم ہو جاتے یا اللہ کے پاس اتنا مال نہیں تھا کہ سب آدمیوں کو دے سکے، اللہ تعالیٰ کے خزانے تو بھرے ہوئے ہیں، اگر ساری دنیا کے انسانوں کو سب کچھ دے ڈالے تب بھی اس کے خزانوں میں کمی

آنے والی نہیں ہے، بلکہ کسی انسان کی بھلائی بعض مرتبہ اسی میں ہوتی ہے کہ اس کو کوئی نعمت نہ دی جائے، کبھی ایک آدمی کو مال ملتا ہے تو ہوسکتا ہے اس مال کے نتیجے میں کچھ ایسی حرکتیں کرڈالے جس کی وجہ سے خود اسی پر مصیبتیں آجائیں اور یہ مال بجائے نعمت کے زحمت بن جائے اور یہ اس انسان کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔

حسد کی عام فہم تعریف

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے ایک بندے کو ایک چیز عطاء فرمائی اور وہ آپ کے پاس نہیں ہے تو آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اس کو وہ نعمت کیوں ملی؟ کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت کی وجہ سے دل میں جلن اور رقابت کا پیدا ہونا اور یہ سوچنا کہ یہ نعمت اس کے پاس سے چھن جائے اسی کو حسد سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے جیسا کہ قرآن پاک میں واضح ارشاد ہے ﴿اَمْ یَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰی مَا اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ کیا وہ لوگوں سے اس بات کی وجہ سے حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے؟۔ دینے والی ذات اللہ کی ہے، وہ مختار ہے، جس طرح چاہے، جس کو چاہے، جتنا چاہے عطا کردے اس میں ہمارے اختیار کو کیا دخل؟ ﴿وَ لَا تَتَمَنَّوا مَا فَضَّلَ اللهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ﴾ اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر۔

ہمارے کئی غلام اور نوکر ہوں اب ہم کسی کو کچھ دیں تو دوسرا یوں کہے کہ اس کو کیوں دیا؟ تو آپ اس خیال کو اور اس کے اس جذبے کو برداشت کریں گے؟ نہیں، آپ ناراض ہوجائیں گے اور کہیں گے کہ بھائی! میری چیز ہے جس کو چاہوں دوں

تمہیں اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟

حسد کا مہلک پن

حسد بڑا خطرناک گناہ ہے حدیث میں آتا ہے اِیّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَأکُلُ الْحَسَناتِ کَمَا تَأکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ، اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے، اس لیے کہ حسد کے نتیجے میں اس طرح کی چیزیں پیش آتی ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

یہ حسد نہیں ہے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آ گیا اس طرح کا خیال آنے میں آدمی کے اپنے ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہوتا اس لیے وہ حسد میں داخل نہیں ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، اب اس کی وجہ سے طبیعت پر جو بوجھ پڑتا ہے تو اس بوجھ کو دور کیا جائے، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے، اس کے تقاضے پر عمل نہ کیا جائے، اور اس کے لیے دعائے خیر کرتا رہے اور اس سے سلام میں پہل کرتا رہے اور اس سے ملاقات کرتا رہے تو یہ جذبہ بھی دل سے ختم ہو جائے گا۔

ہاں مؤاخذہ اس وقت ہوگا کہ جب ان خیالات پر عمل کرے گا اور اس کو گھٹانے کے لیے، لوگوں میں اس کی وقعت کم کرنے کے لیے کوشش کرے گا، اس کی غیبت کرے گا، اس پر تہمتیں لگائے گا، اس کو بدنام کرے گا، ان ساری چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے تو ایک بھائی جس طرح دوسرے بھائی کے ساتھ رہتا ہے، اس کی بھلائی چاہتا ہے، اس کی ترقی کا خواہاں ہوتا ہے، اس کی ترقی کے لیے سعی کرتا ہے تم بھی کرو۔

قطع تعلق کی حد

ایک مسلمان بھائی کے لیے اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق درست نہیں، تین دن یا اس سے کم کی اجازت دی گئی وہ بھی انسانی جذبات کا خیال رکھتے ہوئے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے کی طرف سے کوئی ناروا اور نامناسب سلوک ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے، کوئی ہمیں تکلیف پہنچاتا ہے اس تکلیف پہنچانے کی وجہ سے ہمارا دل بھر آتا ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ساتھ بات نہ کریں تو شریعت نے آدمی کے ان طبعی جذبات کی بھی رعایت کی کہ ٹھیک ہے لیکن یہ کیفیت زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہنی چاہیے، ایک دو دن، تین دن میں یہ کیفیت ختم ہو جانی چاہیے، ہاں اگر یہ چیز اللہ کے واسطے ہے اور اپنی ذات کے لیے نہیں یعنی کوئی ایسا آدمی ہے جو دین کو نقصان پہنچا رہا ہے اور باوجود اس کو سمجھانے اور کوشش کرنے کے وہ اپنی اس حرکت سے باز نہیں آتا اس لیے کوئی آدمی اس سے قطع تعلق کرتا ہے تو اس کی اجازت ہے، تین دن سے زیادہ بھی، بلکہ پوری زندگی بھی اگر اس سے قطع تعلق کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن یہ کہ کونسا قطعِ تعلق اللہ کے واسطے ہے؟ کونسا اپنے نفس کے لیے ہے؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حسد اور قطع تعلق سے اپنے آپ کو دور رکھو، حسد اور قطع تعلق تک

پہنچانے والے اسباب سے بھی دور رکھو، اس لیے کہ اسی کے نتیجے میں بغض، عداوت اور دشمنی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

٤٠٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ ثُمَّ الْجُنْدَعِيِّ، أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيَصُدُّ هَذَا وَيَصُدُّ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ.

ترجمه: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث روایت کرتے ہوئے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے (یعنی اس سے قطع تعلق کرے) یہ دونوں ایک دوسرے سے ایسے ملتے ہیں کہ یہ اس سے منھ موڑتا ہے اور وہ اس سے منھ موڑتا ہے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں ابتداء کرے اور جو سلام میں ابتداء کرے گا وہ گویا سبقت لے گیا اور وہ دونوں میں بہتر ہے۔

تشریح: راویٔ حدیث حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی اور آپ کے میزبان ہیں، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو جب تک آپ نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے حجرے نہیں بنائے تھے تب تک آپ نے ان کے مکان میں قیام کیا، آپ انہی کے مہمان رہے ہیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میزبان ہیں۔

٤٠١ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سُهَيْلٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بغض، عداوت، دشمنی اور بیر نہ رکھو اور آپس میں ایک دوسرے سے مقابلہ نہ کرو اور اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں دوری کے جو اسباب ہیں یعنی بغض، عداوت وغیرہ سے بھی اپنے آپ کو دور رکھو اور دنیوی معاملات میں ایک دوسرے سے مقابلہ نہ کرو مثلاً اپنا بھائی مال دار ہے تو میں مال میں اس سے بڑھ جاؤں، یہ اس لیے منع کیا گیا کہ اسی کے نتیجے میں پھر آپس میں دشمنی اور حسد جیسے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یہی چیز آگے جا کر آدمی کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنتی ہے، اس لیے کہا کہ اس طرح دنیوی امور میں ایک دوسرے سے مقابلہ نہ کرو۔

٤٠٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سِنَانِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا تَوَادَّ اثْنَانِ فِي اللهِ جَلَّ وَعَزَّ أَوْ فِي الْإِسْلَامِ، فَيُفَرِّقُ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِذَنْبٍ يُحْدِثُهُ أَحَدُهُمَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی خاطر یا مسلمان ہوتے ہوئے اسلام میں دو آدمی جب ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں تو پھر ان دونوں کے درمیان پہلا قصور جدائی کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے۔

تشریح: اگر آپس میں اللہ کے واسطے تعلق قائم کیا ہے تو اس صورت میں اگر ان میں سے کسی ایک کی طرف سے کوئی ایسی بات گناہ کی، اللہ کی نافرمانی کی پیدا ہو گئی

تو محض ایک بات کی وجہ سے اس کے ساتھ قطع تعلق نہ کرے بلکہ اس کو تنبیہ کرے اور اپنے تعلق کو باقی رکھے، ہاں اگر وہ بار بار اس کا ارتکاب کرتا ہے اور اصلاح کی کوشش کے باوجود بھی باز نہیں آتا اس صورت میں اگر اس کو تنبیہ کے لیے تعلق قطع کرے تو اس کی اجازت ہے۔

٤٠٣ - حَدَّثَنَا أَبُومَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ يَزِيدَ قَالَ: قَالَتْ مُعَاذَةَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عَامِرٍ الْأَنْصَارِيَّ، ابْنَ عَمِّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم، وَكَانَ قُتِلَ أَبُوهُ يَوْمَ أُحُدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُصَارِمَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَإِنَّهُمَا نَاكِبَانِ عَنِ الْحَقِّ مَا دَامَا عَلَى صِرَامِهِمَا، وَإِنَّ أَوَّلَهُمَا فَيْئًا يَكُونُ كَفَّارَةً عَنْهُ سَبْقُهُ بِالْفَيْءِ، وَإِنْ مَاتَا عَلَى صِرَامِهِمَا لَمْ يَدْخُلَا الْجَنَّةَ جَمِيعًا أَبَدًا، وَإِنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَ تَسْلِيمَهُ وَسَلَامَهُ، رَدَّ عَلَيْهِ الْمَلَكُ، وَرَدَّ عَلَى الْآخَرِ الشَّيْطَانُ".

ترجمہ: حضرت ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی ہیں اور ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی مسلمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ تعلقات توڑے رکھے (تین دن یا اس سے کم کی اجازت ہے وہ بھی ضرورت کے موقع پر، بلاوجہ نہیں) جب تک کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق توڑے ہوئے ہیں وہ گویا حق سے ہٹے ہوئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر اسی حالت میں یعنی قطع تعلقی کی حالت میں اگر ان کا انتقال ہوا تو ان دونوں میں سے کوئی بھی جنت میں نہیں جائے گا (اتنی سخت وعید ہے) اور اگر یہ تعلق توڑے ہوئے ہیں ان میں سے ایک نے دوسرے کو سلام کیا اور دوسرے

نے اس کا سلام قبول کرنے سے انکار کیا یعنی سلام کا جواب نہیں دیا تو فرشتہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور دوسرے کو شیطان جواب دیتا ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کبھی آپس میں ایک دوسرے سے دوری ہوگئی تو ہر ایک کو چاہیے کہ وہ جلدی سے تعلقات کو درست کرنے کا اہتمام کرے اور جو ابتداء کرے گا وہ سبقت لے گیا اور اس کا ابتداء کرنا اس کے گناہ کے لیے کفارہ ہو جائے گا۔

جب تک آپس کا تعلق دونوں کا درست نہیں ہے تو یوں سمجھو کہ وہ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں، اور ان میں جو سب سے پہلے اپنے تعلق کو جوڑنے کی ابتداء کرے گا تو گویا اس کا تعلق کو جوڑنے میں سبقت کرنا اس کے اس گناہ کے لیے کفارہ بن جائے گا یعنی جو تعلق توڑا تھا اور تعلق توڑنے کی وجہ سے جو گناہ ہوا تھا یہ جب تعلق کو قائم کرنے میں اپنی طرف سے یہ ابتداء کرنا اس کے گناہ کے لیے کفارہ بن جائے گا، گویا اس کے اس عمل کی وجہ سے وہ گناہ اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے۔

٤٠٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي لَأَعْرِفُ غَضَبَكِ وَرِضَاكِ"، قَالَتْ: قُلْتُ: وَكَيْفَ تَعْرِفُ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "إِنَّكِ إِذَا كُنْتِ رَاضِيَةً قُلْتِ: بَلَى، وَرَبِّ مُحَمَّدٍ، وَإِذَا كُنْتِ سَاخِطَةً قُلْتِ: لَا، وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ"، قَالَتْ: قُلْتُ: أَجَلْ، لَسْتُ أُهَاجِرُ إِلَّا اسْمَكَ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میں تمہاری ناراضگی اور تمہاری رضامندی دونوں کو خوب اچھی طرح جان لیتا ہوں (یعنی تم مجھ سے خوش ہو وہ بھی مجھے پتہ چل جاتا ہے اور تم ناراض ہوتی ہو وہ بھی میں سمجھ لیتا ہوں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیسے آپ کو پتہ چل جاتا ہے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو تم کہتی ہو کہ محمد ﷺ کے پروردگار کی قسم اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو تم کہتی ہو ابراہیم کے پروردگار کی قسم (یعنی تم میرا نام نہیں لیتیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں (یعنی زبان پر نام نہیں لاتی ورنہ دل میں تو آپ سے محبت ہے)۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتخاب اس لیے کیا کہ وہ حضور ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں اور حضور ﷺ انبیاء میں سب سے زیادہ انہی سے مشابہ ہیں تو گویا آپ کا نام نہ لینے میں بھی حضور ہی کے تعلق کو دخل ہے۔

قریبی آدمی سے ناراضگی کے لیے ضروری نہیں کہ اس سے سلام کلام اور بات چیت چھوڑ دے لیکن پہلے جس خندہ پیشانی سے پیش آتا تھا اس خندہ پیشانی سے پیش نہیں آتا ہے، پہلے محبت کا جو تعلق ہوتا تھا، تنبیہ کے لیے اس میں ذرا کمی کر دی جاتی ہے۔ اگر ضرورت کی وجہ سے اس کو اختیار کیا ہے تو اس کی گنجائش ہے گویا یہ بھی ترک تعلق کی ایک قسم ہے۔

بَابُ مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً

٤٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَيْوَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عُثْمَانَ الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ الْمَدَنِيُّ، أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ أَبِي أَنَسٍ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِي خِرَاشٍ السُّلَمِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً، فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ".

کسی کا اپنے مسلمان بھائی سے سال بھر قطع تعلق کرنا

(یہ کتنا بڑا گناہ ہے)

ترجمہ: حضرت ابی خراش اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کو ایک سال کے لیے چھوڑ دے (یعنی اس کے ساتھ ایک سال کے لیے تعلق ختم کر دے یا قطع تعلق کرے) وہ ایسا ہے کہ اس نے اس کا خون بہایا۔

تشریح: ایک مسلمان کو قتل کرنے کا گناہ جتنا بڑا ہے ایک سال تک اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ قطع تعلق کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے، یہ وعید تو ایک عام مسلمان بھائی کے ساتھ قطع تعلق کی ہے، جو لوگ اپنے حقیقی بھائی، اپنے گھر کے لوگوں کے ساتھ سال سال تو کیا پوری زندگی تعلق نہیں رکھتے اندازہ لگائیے اس کا کتنا بڑا گناہ ہوگا؟

٤٠٦ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ الْمَدَنِيُّ، أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ أَبِي أَنَسٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "هِجْرَةُ الْمُسْلِمِ سَنَةً كَدَمِهِ"،

وَفِي الْمَجْلِسِ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي عَتَّابٍ، فَقَالَا: قَدْ سَمِعْنَا هَذَا عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت عمران ابن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کے ایک صحابی جو قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتے ہیں، سنا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان کے ساتھ سال بھر تک کے لیے تعلق ختم کرنا ایسا ہی ہے جیسے اس کو قتل کرنا۔ اور اس مجلس میں محمد بن منکدر اور عبداللہ بن ابی عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے انہوں نے بھی فرمایا کہ ہم نے بھی قبیلۂ اسلم کے شخص سے اسی طرح سنا ہے۔

تشریح: مسلمان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اسی طرح اپنے مسلمان بھائی سے ایک سال کے لیے قطع تعلق کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے، اس کو گناہ بے لذت سمجھ لیجیے، یعنی اس سے نہ تو کسی کا دنیا کا کوئی فائدہ اور نہ ہی آخرت کا، اس لیے اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے بچانے کا اہتمام کیا جائے، اگر اپنے بھائی سے قطع تعلق ہو گیا ہے تو اس کے ساتھ سلام و کلام کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تو اس کی برکت سے قطع تعلق ختم ہو جائے گا۔

بَابُ الْمُهْتَجِرَيْنِ

٤٠٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ".

دو مسلمان بھائیوں کا ایک دوسرے سے قطع تعلق کرنا (اس کا گناہ)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ کے لیے ترک تعلق کرے، دونوں آپس میں ایک دوسرے سے اس طرح ملتے ہیں کہ یہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہے اور وہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہے (معلوم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے تعلق قطع کئے ہوئے ہیں یہ وعید ان دونوں کے لیے ہے) ان میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

تشریح: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بھائی اپنے دوسرے ناراض بھائی سے تعلق جوڑنا چاہتا ہے یعنی ایک بھائی تو باقاعدہ اپنے دوسرے ناراض بھائی کو سلام کلام کرتا ہے وہ اس وعید کا حق دار نہیں ہوگا لیکن دوسرا بھائی اس کا جواب نہیں دیتا وہ اس وعید کا حق دار ہوگا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق قطع کئے ہوئے ہیں تو دونوں کے لیے یہ وعید ذکر کی گئی ہے۔

٤٠٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ مُعَاذَةَ، أَنَّهَا سَمِعَتْ هِشَامَ بْنَ عَامِرٍ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُصَارِمَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَإِنَّهُمَا مَا صَارَمَا فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَإِنَّهُمَا نَاكِبَانِ عَنِ الْحَقِّ مَا دَامَا عَلَى صِرَامِهِمَا، وَإِنَّ أَوَّلَهُمَا فَيْئًا يَكُونُ كَفَّارَةً له سَبْقُهُ بِالْفَيْءِ، وَإِنْ هما مَاتَا عَلَى صِرَامِهِمَا لَمْ يَدْخُلَا الْجَنَّةَ جَمِيعًا.

ترجمہ: ہشام ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی مسلمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ تعلقات توڑے رکھے اس لیے کہ جب تک آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق توڑے ہوئے ہیں وہ گویا راہ حق سے اور ہدایت کے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں جب تک وہ اس قطع تعلق پر جمے رہیں گے، (بہت سارے لوگ اپنی ضد کی وجہ سے قطع تعلق کئے ہوئے رہتے ہیں اس کے باوجود یوں سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں) اور ان میں سے جو تعلقات کو استوار کرنے میں ابتداء کرے گا اور اپنی اس حرکت سے باز آئے گا تو اس کا اپنے بھائی کے ساتھ ٹوٹے ہوئے تعلق کو جوڑنے میں سبقت کرنا اور پہل کرنا یہ اس کے گناہ کے لیے کفارہ بن جائے گا (یعنی اس کا گناہ اس عمل کی وجہ سے معاف ہو جائے گا) اور اگر اسی قطع تعلقی کی حالت میں ان کی موت واقع ہوگئی تو دونوں جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

بَابُ الشَّحْنَاءِ

٤٠٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالىٰ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا".

کسی کے متعلق دل میں بیر رکھنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بیر نہ رکھو، دشمنی نہ رکھو، ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بن کے رہو۔

تشریح: کسی کے متعلق عداوت رکھنا جس کو کینہ کہتے ہیں، یہ دل کی ایک بیماری ہے اس سے نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ کسی کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آیا ہو تو ظاہری طور پر ایک دو دن کے واسطے قطع تعلق کیا تو کوئی حرج کی بات نہیں لیکن دل میں اس کے متعلق میل نہیں ہونا چاہیے۔

٤١٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ، الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ، وَهَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے یہاں لوگوں میں سب سے برا آدمی وہ ہے جو دو رُخ والا ہے کہ ایک سے ملتا ہے تو ایک رخ سے ملتا ہے یعنی ایک طرح کی بات کرتا ہے اور دوسرے سے ملتا ہے تو دوسرے رخ سے ملتا ہے۔

تشریح: دورخا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اگر زید سے ملتا ہے تو کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں اور عمر سے ملتا ہے تو کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں اور دونوں میں لگائی بجھائی کا کام کرتا رہتا ہے تو ایسا دورخا آدمی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا خطرناک سمجھا جاتا ہے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا حق دار بنے گا۔

٤١١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ

أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم بدگمانی سے بچو، بدگمانی بڑی جھوٹی بات ہے (یعنی آدمی ایک جھوٹ اپنے بھائی کے متعلق سوچ لیتا ہے اسی کو بدگمانی سے تعبیر کیا گیا ہے) اور کسی چیز کے خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو اس پر بھاؤ مت بڑھاؤ (مثلاً بولی بولی جارہی ہے، کسی چیز کو فروخت کرنے کے لیے نیلام ہو رہا ہے اب ایک آدمی کا خریدنے کا ارادہ نہیں ہے اس کے باوجود وہ بھاؤ بڑھا رہا ہے تاکہ دوسرے لوگ زیادہ بھاؤ سے خریدیں اسے عربی میں نجش کہتے ہیں اور یہ بغض اور عداوت کے اسباب میں سے ہے اس لیے اس سے منع کیا گیا) آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے ساتھ بیر نہ رکھو، ایک دوسرے کے ساتھ دنیاوی چیزوں میں مقابلہ نہ کرو، ایک دوسرے کو پیٹھ نہ دکھلاؤ اور اے اللہ کے بندو! بھائی بن کے رہو۔

تشریح: اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے آپس میں بیر رکھنے سے منع فرمایا ہے، آپس کی عداوت اور دشمنی کے جو اسباب ہو سکتے ہیں ان سے اپنے آپ کو دور رکھنے کا اہتمام کیا جائے، دل کو ہر مسلمان بھائی کی طرف سے پاک رکھنا، میل سے صاف رکھنا یہ بہت بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا قیمتی عمل ہے اس پر جنت کا وعدہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبیٔ کریم ﷺ کے خادم ہیں ان کو ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے نصیحت فرمائی: يَابُنَيَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ بِأَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ يَابُنَيَّ اِنَّ ذٰلِكَ سُنَّتِيْ وَمَنْ اَحِبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ اے میرے پیارے بیٹے! اگر تم سے یہ ہوسکتا ہے کہ صبح یا شام ایسی حالت میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے

متعلق میل نہیں ہے تو ایسا ضرور کرو اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: اے میرے پیارے بیٹے! یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے محبت رکھے گا گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اچھا گمان رکھنا یہ کتنا اونچا عمل ہے اور یہ بہت آسان اور سستا ہے لیکن لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے، اپنے قلب کو ہر ایک کی طرف سے پاک اور صاف رکھنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

٤١٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا، إِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں، ہر وہ اللہ کا بندہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اس کی مغفرت کی جاتی ہے، البتہ جو آدمی ایسا ہے کہ اس کے اور اس کے مسلمان بھائی کے درمیان کینہ ہے (عداوت، بیر اور دشمنی ہے تو باری تعالیٰ کی طرف ایسے دو آدمیوں کا معاملہ جب پیش کیا جاتا ہے) تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان کو چھوڑے رکھو یہاں تک کہ صلح کرلیں (گویا جب تک صلح نہ کرلیں وہاں تک ان کے لیے مغفرت کا فیصلہ نہیں ہوتا، کتنا خطرناک گناہ ہوا کہ آدمی کی مغفرت اس کی وجہ سے رک جاتی ہے)۔

٤١٣ - حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا الدَّرْدَاءِ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم يَقُولُ: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِمَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّيَامِ؟ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، أَلَا وَإِنَّ الْبُغْضَةَ هِيَ الْحَالِقَةُ.

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، دوسری روایتوں میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے) میں تمہارے لیے صدقہ اور روزے سے بھی بڑھ کر عمل بتلاؤں؟ (یعنی ایسا عمل جس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں صدقہ کرنے اور روزہ رکھنے سے بھی زیادہ ہے) وہ ہے آپس میں تعلقات کو ٹھیک رکھنا (آپس کے تعلقات کو درست رکھنے کا اہتمام کرنا) آپس کی عداوت یہ مونڈنے والی ہے۔

تشریح: آپس کی عداوت کے نتیجے میں آدمی کا دین برباد ہو جاتا ہے اور ساری نیکیاں رخصت ہو جاتی ہیں، روایت میں ہے کہ لَا أَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔

٤١٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ، عَنْ كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي فَزَارَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ثَلَاثٌ مَنْ لَمْ يَكُنَّ فِيهِ، غُفِرَ لَهُ مَا سِوَاهُ لِمَنْ شَاءَ، مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا، وَلَمْ يَكُنْ سَاحِرًا يَتَّبِعُ السَّحَرَةَ، وَلَمْ يَحْقِدْ عَلَى أَخِيهِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل

کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تین برائیاں ایسی ہیں کہ اگر کسی کے اندر ان تینوں میں سے کوئی برائی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ان تینوں کے علاوہ گناہوں میں جس کو چاہتے ہیں معاف کر دیتے ہیں، اگر کوئی ایسی حالت میں دنیا سے گیا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، دوسرا وہ آدمی جو جادوگر نہیں تھا کہ جادوگروں کی پیروی کرتا یعنی انہی کے ساتھ رہتا (گویا سحر اور جادو سے اپنے آپ کو بچاتا رہا) اور تیسرا وہ شخص جو اپنے بھائی کے متعلق دل میں کینہ نہیں رکھتا۔

تشریح: اگر کسی کی زندگی میں مذکورہ تین گناہوں میں سے کوئی نہیں ہے اور ایسی حالت میں اگر اس کی موت آئی تو اللہ تعالیٰ اس کے باقی تمام گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

باب کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنے قلب و دل کو اس طرح کی گندگیوں سے پاک رکھے، خاص کر کے اپنے مسلمان بھائی کے متعلق دل میں میل نہیں رکھنا چاہیے۔ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔

بَابُ إِنَّ السَّلَامَ يُجْزِئُ مِنَ الصَّرْمِ

٤١٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ هِلَالِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ مَوْلَى ابْنِ كَعْبٍ الْمَذْحِجِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، فَإِذَا مَرَّتْ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَلْيَلْقَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَكَا فِي الْأَجْرِ، وَإِنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَرِئَ الْمُسْلِمُ مِنَ الْهِجْرَةِ".

آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنا ٹوٹے ہوئے تعلقات کو جوڑنے کا ذریعہ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ تعلقات توڑے رکھے، جب تین دن پورے ہو جائیں تو باقاعدہ اس سے ملاقات کر کے اس کو سلام کرے، اب اگر اس نے یعنی سامنے والے نے سلام کا جواب دے دیا تو ثواب میں دونوں شریک رہیں گے (اور تعلقات قطع کرنے والا جو گناہ تھا اس سے دونوں نکل آئیں گے) اگر سامنے والے نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تو جس نے سلام کیا ہے وہ قطع تعلقی کے گناہ سے بری ہو جائے گا (البتہ سامنے والا جس نے جواب نہیں دیا وہ ابھی اس گناہ میں مبتلا ہے)۔

بَابُ التَّفْرِقَةِ بَيْنَ الْأَحْدَاثِ

٤١٦ - حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَغْرَاءَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُبَشِّرٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم، كَانَ عُمَرُ رضي الله تعالىٰ عنه يَقُولُ لِبَنِيهِ: إِذَا أَصْبَحْتُمْ فَتَبَدَّدُوا، وَلَا تَجْتَمِعُوا فِي دَارٍ وَاحِدَةٍ، فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَقَاطَعُوا، أَوْ يَكُونَ بَيْنَكُمْ شَرٌّ.

نو عمروں کے درمیان جدائی کر دینا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ صبح ہونے پر اپنے صاحب زادوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ سب الگ الگ رہو (یعنی اپنے اپنے کام میں الگ الگ چلے جاؤ، ایک گھر میں جمع مت ہونا) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ ایک گھر میں جمع رہو گے تو وہ جھگڑے اور قطع تعلق کا ذریعہ بنے گا یا تمہارے درمیان کوئی برائی پیدا ہو جائے گی۔

تشریح: نوجوانوں کے جذبات جوان العمری کی وجہ سے گرم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ان کے درمیان جھگڑے، قطع تعلق کی نوبت آنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اس لیے بڑوں کو ان کی تربیت کرنی چاہیے اور ان کو یہ ہدایت دینی چاہیے کہ زیادہ آپس میں میل جول نہ رکھو، اپنے اپنے کام میں لگے رہو اس لیے کہ اگر میل جول رکھیں گے اور آپس میں بات چیت کریں گے تو اس کے نتیجے میں بحث وتکرار کی نوبت آئے گی، جھگڑا ہوگا اور تعلقات ٹوٹیں گے، اس لیے ہر نوجوان کو یہ ہدایت کردی جائے کہ صبح ہوتے ہی اپنے اپنے کام میں لگ جائے تاکہ لڑائی جھگڑے کی نوبت ہی نہ آئے۔

ہاں جب شام کو واپس اپنے گھر تھکے ہوئے آئیں گے تو ہر ایک کو آرام کا تقاضا ہوگا تو تھوڑی دیر آپس میں ضروری گفتگو ہوگی اور کچھ کھا پی کر ہر ایک سونے کی فکر کرے گا اس لیے شام کے وقت جھگڑے کی نوبت آنے کے امکانات کم ہوں گے۔

بڑوں کو اپنے چھوٹوں کی تربیت کرنی چاہیے

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کو بھی اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ چھوٹوں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کے جو اسباب اور وجوہات ہیں انہیں ان کا سد باب کرنا چاہیے۔ اسی لیے کبھی بڑے اپنے چھوٹوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کا تعلق

کسی ایسے ہم عمر کے ساتھ ہے جو کسی بڑے گناہ کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس لیے بڑے اس تعلق سے روک دیتے ہیں کہ بھائی! فلاں کے ساتھ تعلق مت رکھنا۔

چھوٹوں کا بڑوں کی نصیحت کو ماننا

چھوٹوں کی خدمت میں بھی درخواست ہے کہ جب بڑے کسی تعلق سے ہمیں روکیں تو ہمیں فوراً اس سے رک جانا چاہیے، چاہے ہمیں اس کے روکنے کی کوئی بھی وجہ سمجھ میں نہ آتی ہو۔ ایسے موقع پر چھوٹوں کو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور وہ ہمارے پاس مسئلہ پوچھنے آتے ہیں کہ ہمارے بڑے نے ہمیں ہمارے دوست سے قطع تعلق کا حکم دیا ہے اور حدیث میں تین دن سے زیادہ قطع تعلق سے منع کیا گیا ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ سب شیطانی دھوکا ہے، بڑے جس کے ساتھ تعلق رکھنے سے روک رہے ہیں وہ تو اللہ ہی کی خاطر گناہ سے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لیے روک رہے ہیں اس کے اندر تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

اور ایک جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ ویسے تو ساری دنیا سے جھگڑے کر کے تعلق قطع کئے ہوئے ہیں اور وہاں ان کو یہ حدیث یاد نہیں آتی، اصل میں جن کے ساتھ قطع تعلق کا حکم دیا گاوہ ہے اس کے ساتھ دوستی کرنا اور ملنا چاہتا ہے اس لیے اس حدیث کو سہارا بنا رہا ہے۔

بَابُ مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَشِرْهُ

٤١٧ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ،

أَنَّ وَهْبَ بْنَ كَيْسَانَ أَخْبَرَهُ - وَكَانَ وَهْبٌ أَدْرَكَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ - أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی الله تعالیٰ عنهما رَأَى رَاعِيًا وَغَنَمًا فِي مَكَانٍ قَبِيحٍ وَرَأَى مَكَانًا أَمْثَلَ مِنْهُ، فَقَالَ لَهُ: وَيْحَكَ، يَا رَاعِي، حَوِّلْهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "كُلُّ رَاعٍ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ".

کسی کو مشورہ دینا اگرچہ اس نے مشورہ طلب نہیں کیا

ترجمہ: حضرت وہب بن کانے ن رحمۃ اللہ علیہ (جنہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صحبت پائی ہے) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا کہ ایک چرواہا اپنی بکریوں کو ایک بنجر جگہ میں چرا رہا ہے اور آپ نے قریب ہی ایک اچھی جگہ دیکھی اس چرواہے کی خیر خواہی کرتے ہوئے یوں کہا کہ اے چرواہے! تیرا برا ہو (تنبیہ کے لیے ایسا جملہ کہا جاتا ہے) اپنی بکریوں کو وہاں لے جا جہاں اچھا سبزہ ہے، یہاں سے وہاں ان کے لیے فائدہ کی جگہ ہے اس لیے کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نگران سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

تشریح: امام بخاری رحمہ اللہ اس واقعے کو لاکر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر آپ اپنے کسی بھائی کو یا اپنے ماتحتوں کو دیکھیں کہ وہ اس وقت اپنے کاروبار یا کسی اور کام میں جو شکل اختیار کئے ہوئے ہے اس کے مقابلے میں دوسری شکل دنیا اور آخرت کے اعتبار سے بہتر ہے تو چاہے اس نے اپنی طرف سے کوئی مشورہ طلب نہ کیا ہو آپ اپنے طور پر سامنے چل کر اس سلسلے میں رہنمائی کریں تو اس کی اجازت ہے، اس وقت یہ نہ سوچیں کہ وہ پوچھنے نہیں آیا تو میں کیوں کہوں؟ جب وہ پوچھے گا تو بتاؤں گا۔ مطلب یہ کہ اپنے ماتحتوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو کمی پر اکتفاء نہیں

کرنا چاہیے بلکہ فائدہ کی جو بہتر شکل ہو اختیار کرنی چاہیے، ہاں اگر خود سے مشورہ دینے میں کسی فتنے کا اندیشہ ہو تو احتیاط برتی جا سکتی ہے۔

بَابُ مَنْ كَرِهَ أَمْثَالَ السَّوْءِ

٤١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنهما، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ، الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ، كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِي قَيْئِهِ".

اپنے لیے کوئی بُرا نمونہ ناپسند کرنا
(یعنی اپنے لیے کوئی ایسی شکل اختیار نہ کرنا جو اچھی نہیں سمجھی جاتی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے لیے بری مثال (برا نمونہ) نہیں ہے کہ کسی کو ہدیہ اور بخشش کے طور پر کوئی چیز دے کر واپس لے لیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کتے نے قے کی اور پھر اس نے وہ قے واپس کھالی۔

حدیث شریف کا مقصد

تشریح: کسی کو کوئی چیز ہدیہ دے کر واپس لے لینا ایسا ہی ہے جیسے کہ کتا قے کر کے واپس کھالے، اس حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بخشش اور ہدیہ کے طور پر دی ہوئی چیز کو واپس لینے کے معاملے میں کتے کے اس گھناونے فعل کے ساتھ تشبیہ دی ہے، ایک مؤمن کو ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے کہ جس میں اس کی کتے کی

اس حرکت کے ساتھ مشابہت ہوتی ہو یعنی ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے کہ اس کام کو کرنے سے کسی کو ہمارے متعلق کوئی بری تشبیہ دینے کا موقع ملے کہ یہ تو ایسا ہے، یعنی ہم نے کوئی ایسا کام کیا جس سے کوئی کہے کہ یہ تو گدھے جیسا یا کتے جیسا ہے۔

کتے کی بری عادت

کتا جب زیادہ کھالیتا ہے تو اس کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ جھاڑی میں چلا جاتا ہے اور جھاڑی کی لکڑی یا پودے کا اوپر کا سرا اپنے منھ میں ڈالتا ہے (جیسے ایک انسان بھی اپنے منھ میں انگلی ڈالتا ہے تو اس کے نتیجے میں قے والی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اندر کی چیز نکل آتی ہے) جس کی وجہ سے اس کو قے ہوتی ہے اور اس نے جو کھانا کھایا تھا وہ قے کے ذریعے سے باہر نکل آتا ہے اور اس قے کو وہاں اندر چھپائے رکھتا ہے، پھر جب اس کو دوبارہ بھوک لگتی ہے تو جا کر پھر اس کو کھالیتا ہے یہ بہت برا اور گھناونا کام ہے۔

کیا ہدیہ واپس لوٹا سکتے ہیں؟

مسئلہ: کیا ہدیہ میں دی ہوئی چیز کو واپس لوٹا سکتے ہیں؟ اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی نے کسی کو کوئی چیز ہدیہ میں دی اور سامنے والے نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ اس کا مالک بن چکا جیسے ایک آدمی نے کسی کو کوئی چیز ہدیے میں دی اور وہ ہدیہ دے کر واپس لے رہا ہے، مثلاً کسی کو گھڑی ہدیے میں دی، اس کے بعد دونوں میں جھگڑا پیش آیا تو دینے والے نے کہا کہ میری گھڑی واپس کر دو اور اب واپس طلب کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، مگر واپس طلب کر سکتے ہیں جبکہ وہ اپنی مرضی سے آپ کو واپس کرنے کے

لیے تیار ہو جائے یا یہ کہ یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں اور وہ فیصلہ کرے کہ اس کو واپس دو تو واپس لے سکتے ہیں، اگر وہ اپنی مرضی سے واپس نہ دے تو اب اس کی مرضی کے بغیر زبردستی اس سے چھیننا درست نہیں ہے، وہ نہیں دینا چاہتا اور اس کے پاس سے چھین لیا تو چھیننے والا مالک نہیں بنے گا اس لیے کہ اس کی ملکیت سے وہ چیز نہیں نکلی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب قائم کیا ہے اس کا تعلق صرف ہدیہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دوسرے معاملات میں بھی آدمی کو کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے کہ جس کی وجہ سے اس کو کسی بری چیز کے ساتھ مشابہت کی نوبت آئے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الْمَكْرِ وَالْخَدِيعَةِ

٤١٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَجَّاجِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَسْبَاطِ الْحَارِثِيُّ وَاسْمُهُ بِشْرُ بْنُ رَافِعٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيمٌ، وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيمٌ".

کسی آدمی کا کسی کے ساتھ دھوکے اور فریب کا معاملہ کرنا

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بھولا اور شریف ہوتا ہے اور فاجر چالاک اور کمینہ ہوتا ہے۔

بھولا پن کا مطلب

تشریح: مومن ایمان سے ہے اور ایمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے مزاج میں شرافت اور بھولا پن ہوتا ہے اور بھولے پن کا مطلب یہ ہے کہ اکثر اوقات کوئی شخص آکر اس کے سامنے غلط بات کرتا ہے تو وہ اس غلط بات کو سن کر اور سمجھ کر مان بھی لیتا ہے لیکن اپنی شرافت کی وجہ سے سامنے والے کو اس کی غلطی پر نہیں ٹوکتا، اسی طرح اس کے ساتھ کوئی غلط معاملہ کرنا چاہتا ہے تو اگر وہ معاملہ شریعت کے خلاف نہیں ہے تو اس کو بھی گوارا کرلیتا ہے۔ حدیث شریف میں خَبٌّ کا لفظ آیا ہے "خَبٌّ" کہتے ہیں دھوکے باز کو، یعنی دھوکا دیکر کمینے پن کا اظہار کرتا ہے، اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو دھوکا دینا اور کسی کے ساتھ فریب کا معاملہ کرنا یہ مومن کی شان نہیں ہے، یہ فاجر یعنی بدکار آدمی کی علامت ہے۔

بَابُ السِّبَابِ

٤٢٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أُمَيَّةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ مُوسَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَبَّ أَحَدُهُمَا وَالْآخَرُ سَاكِتٌ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ، ثُمَّ رَدَّ الْآخَرُ. فَنَهَضَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقِيلَ: نَهَضْتَ؟ قَالَ: "نَهَضَتِ الْمَلَائِكَةُ فَنَهَضْتُ مَعَهُمْ، إِنَّ هَذَا مَا كَانَ سَاكِتًا رَدَّتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى الَّذِي سَبَّهُ، فَلَمَّا رَدَّ نَهَضَتِ الْمَلَائِكَةُ".

گالی گلوچ کرنا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دو آدمیوں میں آپس میں کسی وجہ سے ناچاقی ہوئی تو ایک نے دوسرے کو گالیاں دیں اور برا بھلا کہا، دوسرے نے اس کی گالیوں کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ خاموشی اختیار کی اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے، تھوڑی دیر بعد دوسرے نے بھی جواب دینا شروع کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے، کسی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ یہاں سے اٹھ گئے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے بھی اٹھ گئے تو میں بھی اٹھ گیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک کہ یہ خاموش تھا فرشتہ اس کی طرف سے جواب دے رہا تھا لیکن جب اس نے جواب دینا شروع کیا تو فرشتہ ہٹ گیا۔

تشریح: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کوئی آدمی کسی کے ساتھ گالی گلوچ کا یا طعن و تشنیع کا معاملہ کرے تو دوسرے کو خاموشی اختیار کرنی چاہیے اسی میں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر ہے۔

٤٢١ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا رُدَيْحُ بْنُ عَطِيَّةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي عَبْلَةَ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ رضی الله تعالیٰ عنها وعنهم أَنَّ رَجُلًا أَتَاهَا فَقَالَ: إِنَّ رَجُلًا نَالَ مِنْكِ عِنْدَ عَبْدِ الْمَلِكِ، فَقَالَتْ: إِنْ نُؤْبَنَ بِمَا لَيْسَ فِينَا، فَطَالَمَا زُكِّينَا بِمَا لَيْسَ فِينَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمہ اللہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آکر ان سے کہا کہ فلاں آدمی نے خلیفۂ وقت عبدالملک ابن مروان کے پاس تمہاری برائی کی تو اس پر حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسی ہماری

برائی کرتا ہے جو ہمارے اندر نہیں ہے تو ناراض ہونے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ بہت سی مرتبہ کوئی ہماری تعریف بھی ایسی کرتا ہے جو ہمارے اندر نہیں ہے۔

تشریح: بعض لوگ کبھی لوگوں کے سامنے ہماری خوبیاں بیان کرتے ہیں حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ جو خوبیاں بیان کی جارہی ہیں وہ ہمارے اندر نہیں ہیں یہ غلط تعریف کررہا ہے اس کے باوجود ہم اس پر خوش ہوتے ہیں اور اس تعریف کرنے والے کو منع نہیں کرتے، تو جیسے ہمارے اندر خوبیاں نہ ہونے کے باوجود جب کوئی ہماری خوبیوں کو بیان کرتا ہے تو ہم خاموشی کے ساتھ اس کو سن لیتے ہیں اسی طرح اگر کوئی ہماری ایسی برائی بیان کرے کہ وہ برائی ہماری زندگی میں نہیں ہے تو اس کو بھی خاموشی کے ساتھ سن لینا چاہیے۔

یہ بھی پڑھ لیں اس میں حرج کی کیا بات ہے

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی جب بینائی چلی گئی تو اس زمانے میں حضرت کے یہاں جو خطوط آتے تھے انہیں حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد تھے وہ سناتے بھی تھے اور وہی حضرت کے ارشاد کے مطابق جواب بھی تحریر کرتے تھے، ان خطوط میں بہت سے خطوط مخالفین کی طرف سے بھی ہوتے تھے، خاص طور پر ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے حضرت کی تکفیر کی تھی۔ ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بہت دن ہوگئے ہمارے دوستوں نے ہمیں یاد نہیں کیا؟ تو کہا کہ حضرت کیا ہوا؟ تو فرمایا کہ بہت دن

ہو گئے آپ نے ایسا کوئی خط نہیں سنایا جس میں ہمارے خلاف باتیں ہوتی ہیں؟ تو فرمایا کہ حضرت ایسے خطوط آتے تو ہیں لیکن ایسی بری اور سخت باتیں لکھی ہوتی ہیں کہ مجھ سے پڑھی نہیں جاتیں، تو فرمایا کہ نہیں! وہ خطوط بھی پڑھ کر سناؤ، اگر ہم میں وہ بات ہے تو ہم ہی اپنی اصلاح کر لیں گے اور پھر یہ فرمایا کہ بھائی خطوط میں بہت سی ایسی باتیں اور ہمارے نام پر ایسے القاب بھی آتے ہیں کہ ہم اس کے اہل نہیں ہیں، انہیں تو ہم پڑھ لیتے ہیں یہ بھی پڑھ لیں اس میں حرج کی کیا بات ہے؟

٤٢٢ - حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ الرُّؤَاسِيُّ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِصَاحِبِهِ: أَنْتَ عَدُوِّي، فَقَدْ خَرَجَ أَحَدُهُمَا مِنَ الْإِسْلَامِ، أَوْ بَرِئَ مِنْ صَاحِبِهِ قَالَ قَيْسٌ: وَأَخْبَرَنِي بَعْدُ أَبُو جُحَيْفَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ قَالَ: إِلَّا مَنْ تَابَ .

ترجمہ: حضرت قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے ساتھی سے یوں کہتا ہے کہ تو میرا دشمن ہے تو ایسا کہنے کے نتیجے میں ان میں سے ایک اسلام کی حقیقی خوبیوں سے نکل گیا یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایسا کہہ کر اس نے اپنے ساتھی سے برأت اور علحیدگی اختیار کی، حضرت قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں ابو جحیفہ رحمہ اللہ بھی موجود تھے، انوتس نے بدہ مس باہ یا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ جو آدمی اپنی اس حرکت سے توبہ کر لے تو ٹھیک ہے۔

تشریح: اپنے مسلمان بھائی کو اپنا دشمن کہنے سے اپنے آپ کو باز رکھنا چاہیے۔ اگر کہنے والا واقعی سچا ہے یعنی جس کو دشمن کہا ہے اس نے کہنے والے کے ساتھ دشمنی اور

عداوت کا معاملہ کیا ہے تو ظاہر ہے جس نے عداوت کا معاملہ کیا ہے اس نے اسلامی تقاضوں کو پورا نہیں کیا یعنی اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ جو معاملہ، رویہ اور روش اپنانی چاہیے تھی وہ گویا اس نے چھوڑ دی اس لیے وہ اسلام کی خوبیوں سے نکل گیا۔ اگر کہنے والا غلط کہہ رہا ہے یعنی جس کو دشمن کہا جا رہا ہے حقیقت میں اس نے کوئی عداوت والا کام نہیں کیا ہے تو کہنے والا یہ کہہ کر اس پر ایک طرح کا الزام یا تہمت لگا رہا ہے تو یہ گویا اسلام کے تقاضوں سے نکل گیا۔

بَابُ سَقْيِ الْمَاءِ

٤٢٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم، أَظُنُّهُ رَفَعَهُ - شَكَّ لَيْثٌ - قَالَ: فِي ابْنِ آدَمَ سِتُّونَ وَثَلَاثُمِائَةِ سُلَامَى - أَوْ عَظْمٍ، أَوْ مَفْصِلٍ - عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ، كُلُّ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ صَدَقَةٌ، وَعَوْنُ الرَّجُلِ أَخَاهُ صَدَقَةٌ، وَالشَّرْبَةُ مِنَ الْمَاءِ يَسْقِيهَا صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ.

پانی پلانا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے، راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی (یعنی حضور کے ارشاد کے طور پر نقل کیا) کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ یا ہڈیاں یا پٹھے ہیں اور جب صبح کو آدمی سلامتی کے ساتھ اٹھتا ہے تو ہر آدمی پر اپنے ہر جوڑ کی سلامتی کی وجہ سے ایک صدقہ واجب ہے، کوئی بھلی

بات کسی کو کہنا بھی اپنے اندر صدقہ کا ثواب رکھتا ہے، آدمی کا اپنے بھائی کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے، کسی کو پانی کا ایک گھونٹ پلا دینا بھی صدقے کا ثواب رکھتا ہے اور راستے میں سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔

چھوٹے چھوٹے کاموں کا مقام

تشریح: جس جگہ ایک ہڈی دوسری ہڈی سے ملتی ہے اس کو جوڑ کہتے ہیں تو پورے جسم میں تین سو ساٹھ ہڈیاں یا جوڑ ہیں، اگر تین سو ساٹھ جوڑوں کی سلامتی کے ساتھ صبح کی تو تین سو ساٹھ صدقے اس پر واجب ہوئے، جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کون اتنے زیادہ صدقے کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس کے جواب میں نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ بھائی! صدقہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خالی کوئی کسی کو مال ہی دیدے، بلکہ کوئی آدمی بوجھ اٹھا رہا ہے اور وہ بوجھ اٹھانے سے عاجز ہے تو آپ نے اس کا ہاتھ بٹا دیا، کسی کے پاس بھاری سامان ہے تو آپ نے اسے اٹھانے میں اس کی مدد کر دی، کوئی گر رہا تھا آپ نے اس کو سہارا دے دیا یا کسی بھی طرح سے کسی کی مدد کر دی تو یہ آپ کے بھائی کی مدد کرنا ہے، چاہے وہ جسمانی ہو یا مالی، یا ایسے ہی زبان سے تقویت پہنچا کر ہو، اگر راستہ میں کانٹا پڑا ہے اور یہ سوچ کر کہ کسی کو چبھ نہ جائے، راستے میں پتھر پڑا ہوا ہے، یہ سوچ کر کہ کسی کو ٹھوکر لگے گی آپ نے اسے ہٹا دیا، شیشے کا یا کانچ کا کوئی ٹکڑا پڑا ہوا ہے آپ نے وہاں سے ہٹا دیا۔ مطلب یہ کہ راستے میں سے کسی تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا بھی اپنے اندر صدقہ کا ثواب رکھتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ چاشت کی دو رکعت

بھی صدقہ کا ثواب رکھتی ہے، یعنی تین سو ساٹھ صدقوں کا حق اس سے ادا ہو جاتا ہے۔
اوپر جتنے کام ذکر کئے ہیں یہ ایسے کام ہیں جن کو آدمی دن بھر میں بہت سارے کر سکتا ہے
جب بھی موقع آئے ان کاموں کو کرتا رہے ان سے گویا یہ حق ادا ہو جائے گا۔

بَابُ الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْأَوَّلِ

٤٢٤ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِئِ، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ".

دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کریں اس کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہے

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں دو گالی گلوچ کرنے والے آدمیوں نے جو کچھ کہا اس سب کا وبال شروع کرنے والے پر ہوگا جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔

تشریح: اگر مظلوم نے زیادتی کی ہے پھر تو وہ بھی گنہگار ہوگا، مثلاً ابتداء کرنے والے نے کہا کہ بے وقوف، اس نے کہا تو بے وقوف، تیرا باپ بے وقوف تیرا بھائی بے وقوف تو ظاہر ہے اس صورت میں وہ بھی گنہگار ہوگا، اگر اتنا ہی جواب دیا کہ تو بے وقوف یہ تو ٹھیک ہے۔

٤٢٥ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سِنَانِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا، فَعَلَى الْبَادِئِ، حَتَّى يَعْتَدِيَ الْمَظْلُومُ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپس میں گالیاں دینے والے دو آدمیوں نے جو کچھ کہا اس سب کا وبال شروع کرنے والے پر ہوگا جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔

٤٢٦ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتَدْرُونَ مَا الْعَضْهُ؟" قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "نَقْلُ الْحَدِيثِ مِنْ بَعْضِ النَّاسِ إِلَى بَعْضٍ، لِيُفْسِدُوا بَيْنَهُمْ".

ترجمہ: نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہے چغلی کس کو کہتے ہیں؟ تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ کسی کی بات دوسرے تک اس لیے نقل کرنا کہ ان کے درمیان آپس میں بگاڑ ہو۔

٤٢٧ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا، وَلَا يَبْغِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ".

ترجمہ: نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی کہ تواضع اختیار کرو اور تم میں سے کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے۔

حقیقی تواضع

تشریح: تواضع اختیار کرو اس کا مطلب فروتنی، انکساری اختیار کرو، اپنے

آپ کو بڑا نہ سمجھو، اپنے آپ کو کمتر سمجھو۔ ایک ہے کمتر سمجھنا اور ایک ہے کم تر کہنا، اپنے آپ کو کمتر کہنا تواضع نہیں بلکہ سمجھنا حقیقی تواضع ہے۔

بَابُ الْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَهَاتَرَانِ وَيَتَكَاذَبَانِ

٤٢٨ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِمْرَانُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، الرَّجُلُ يَسُبُّنِي؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَهَاتَرَانِ وَيَتَكَاذَبَانِ".

آپس میں گالی گلوچ کرنے والے دو آدمی شیطان ہیں جو بہتان تراشی اور جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں

ترجمہ: حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کوئی آدمی اگر مجھے گالیاں دے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں دونوں گالی گلوچ کرنے والے شیطان ہیں جو ایک دوسرے پر بہتان بھی باندھ رہے ہیں اور جھوٹ بھی باندھ رہے ہیں۔

صبر و تحمل سے کام لیں

تشریح: اگر کوئی کسی کو برا بھلا کہے، یا کوئی زیادتی کا معاملہ کرے تو حدود اور قیود کی رعایت کرتے ہوئے بدلہ لینے کی شریعت نے اجازت تو دی ہے، مگر عام طور اس طرح جھگڑے کی نوبت جب آتی ہے تو حدود اور قیود سے آدمی نکل جاتا ہے اور دونوں ہی

غصہ میں آکر ایک دوسرے کو گالی بکنا شروع کرتے ہیں تو نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ایسی بات از قبیلِ بہتان جو نہیں کہنی چاہیے کہتے ہیں، آپس میں ایک دوسرے پر جھوٹ باندھتے ہیں، اس لیے حقیقت تو یہ ہے کہ کسی کی طرف سے ایسا کوئی معاملہ ہو، کوئی نا روا سلوک ہو تو صبر و تحمل سے کام لیکر اس کا جواب دینے سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

٤٢٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ، عَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رضى الله تعالىٰ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا سَبَّنِي فِي مَلَأٍ هُمْ أَنْقُصُ مِنِّي، فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ، هَلْ عَلَيَّ فِي ذَلِكَ جُنَاحٌ؟ قَالَ: "الْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَهَاتَرَانِ وَيَتَكَاذَبَانِ" قَالَ عِيَاضٌ: وَكُنْتُ حَرْبًا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدَيْتُ إِلَيْهِ نَاقَةً، قَبْلَ أَنْ أُسْلِمَ، فَلَمْ يَقْبَلْهَا وَقَالَ: "إِنِّي أَكْرَهُ زَبْدَ الْمُشْرِكِينَ".

ترجمہ: حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی (یعنی گویا بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا) کہ آپس میں تواضع اختیار کرو چنانچہ اس تواضع کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کوئی کسی کے خلاف سرکشی نہ کرے، کوئی کسی کے مقابلے میں فخر اور غرور سے پیش نہ آئے (عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کوئی آدمی جو مجھ سے مقام اور مرتبے میں کم حیثیت کا ہے لوگوں کے سامنے مجھے برا بھلا کہتا ہے (گویا اس کے برا بھلا کہنے کے نتیجے میں میری توہین وتحقیر

ہوتی ہے) تو اگر میں ان کی اس بات کا جواب دوں تو میرے لیے کوئی گناہ ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں، گالی گلوچ کرتے ہیں تو یوں سمجھو کہ دونوں شیطان ہیں جو آپس میں بہتان تراشی کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، ایک دوسرے پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ عیاض ابن حمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے میں نبئ کریم ﷺ کا دشمن تھا اسی زمانے میں میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک اونٹنی ہدیہ کے طور پر پیش کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ مشرکین کے ہدایا قبول کرنا مجھے ناپسند ہے۔

تشریح: حدیث شریف میں لوگوں کو آپس میں تواضع اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے، تواضع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کمتر سمجھے اور صبر و تحمل سے کام لے، اس لیے کہ اگر تواضع نہیں ہوگی تو سامنے والے کے ساتھ آدمی غرور سے پیش آتا ہے، سرکشی کرتا ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کئے بغیر جواب دینے کی اجازت ہے مگر بہتر خاموش رہنا ہی ہے۔

غیر مسلم کے ہدیہ قبول کرنے کے سلسلے میں ایک اہم اصول

آپ ﷺ کا بعض مشرکین کے ہدایا کو قبول کرنا بھی روایتوں میں آتا ہے، جہاں آپ نے دیکھا کہ اس کا ہدیہ رد کرنے کے نتیجے میں اس کے دل پر اثر ہوگا اور وہ اسلام قبول کرے گا تو آپ نے ہدیہ قبول نہیں کیا، موقع اور مصلحت کے مطابق آپ نے عمل فرمایا۔

بَابُ سِبَابِ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ

٤٣٠ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ

أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ زَكَرِيَّا، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رضى الله تعالى عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ .

مسلمان کو گالی دینا فسق و فجور کی بات ہے (یعنی بڑا گناہ ہے)

ترجمہ: حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کو گالی دینا فسق و فجور ہے (یعنی کبیرہ گناہ ہے، آدمی ایسا کرنے کی وجہ سے اللہ کا نافرمان بنتا ہے، فاسق قرار دیا جاتا ہے)۔

٤٣١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا، وَلَا لَعَّانًا، وَلَا سَبَّابًا، كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ: ”مَا لَهُ تَرِبَ جَبِينُهُ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ تو فحش گو تھے (یعنی کوئی بے حیائی کی بات آپ کی زبان مبارک پر نہیں آتی تھی) اور نہ کسی پر لعنت ملامت کرنے والے اور کسی کو سب وشتم اور گالی گلوچ کرتے تھے ہاں کسی کو سرزنش کرنی ہوتی، ڈانٹ ڈپٹ یا تنبیہ کرنی ہوتی تو آپ کی زبان مبارک پر یہ جملہ ہوتا تھا ”کیا ہو گیا اس کو؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو“۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان مبارک پر کوئی قبیح بات آتی ہی نہیں تھی

تشریح: ”مَا لَهُ تَرِبَ جَبِينُهُ“ یہ عربی زبان کا محاورہ ہے اس کی پیشانی

خاک آلود ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تواضع عطا فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ اور آپ کے پاکیزہ اخلاق ایسے تھے کہ کوئی قبیح بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر آتی ہی نہیں تھی، گویا غصے اور ناراضگی کے موقع پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر ان الفاظ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ ہر مومن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات بابرکات کو نمونہ بنانا چاہیے۔

٤٣٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ زُبَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ مسعود رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ".

ترجمه: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو گالی دینا یہ فسق و فجور کا حصہ ہے اور اس کے ساتھ جنگ کرنا یہ تو گویا کفر تک پہنچانے والی چیز ہے۔

تشریح: ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو کسی بھی مومن کے ساتھ بدسلوکی کا معاملہ کرنے سے بچائے، اس لیے کہ کسی مومن کو گالی دینا گویا اس کی عزت وآبرو پر ہاتھ ڈالنا اور جنگ کرنا ہے اور حدیث میں آتا ہے کہ مومن کی جان، مال اور عزت وآبرو تینوں چیزیں محفوظ ہیں، ان کو چھیڑنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔

٤٣٣ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْمُرَ، أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ الدِّيلِيَّ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا ذَرٍّ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ، وَلَا يَرْمِيهِ

بِالْكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ .

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی کسی دوسرے پر بہتان نہ لگائے، اگر کوئی آدمی کسی پر کفر کا بہتان لگائے گا یعنی کافر کہے گا تو اگر جس کو کہا گیا ہے وہ اس کا اہل نہیں ہے تو یہ جملہ خود کہنے والے کی طرف لوٹے گا۔

کسی کو کافر کہنے کی مثال

تشریح: حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کو کافر کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک گیند، جب گیند کسی سخت دیوار کی طرف پھینکیں گے تو وہ دیوار گویا گیند کو اپنے اندر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، جتنی قوت سے ادھر گیند پھینکی اتنی ہی قوت سے آپ کی طرف لوٹ کر آئے گی، جس کی آپ نے تکفیر کی ہے، اگر اس میں کفر کی کوئی بات نہیں ہے تو یہ جملہ آپ ہی کی طرف لوٹ کر آئے گا، کسی نے کسی کو کافر کہا اور اس میں کفر والی کوئی بات نہیں پائی جاتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ جملہ کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے گویا اس جملے کے اثرات اس کی ذات میں پیدا ہوں گے اور اس کی وجہ سے اس کو نقصان پہنچے گا۔ حضرات شوافع میں سے امام غزالی اور احناف میں سے امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی ایسے آدمی کو، جس میں کفر کی کوئی چیز پائی نہیں جاتی، کافر کہے تو کہنے والا خود ہی کافر ہو جاتا ہے، اس لیے اپنے آپ کو ایسے جملے استعمال کرنے سے بچانے کی ضرورت ہے۔

٤٣٤ - وَبِالسَّنَدِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضى الله تعالىٰ عنه، سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنِ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ فَقَدْ كَفَرَ،

وَمَنِ ادَّعَى قَوْمًا لَيْسَ هُوَ مِنْهُمْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ، أَوْ قَالَ: عَدُوُّ اللهِ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ إِلَّا حَارَتْ عَلَيْهِ".

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کو میں نے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کسی آدمی نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ جس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کررہا ہوں میرا باپ نہیں ہے میرا باپ تو دوسرا آدمی ہے گویا اس نے کفر اختیار کیا۔ کسی نے اپنے آپ کو کسی ایسی قوم میں شمار کرایا جس سے اس کا تعلق نہیں ہے (یعنی ایک آدمی سید نہیں ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں سید ہوں، صدیقی، فاروقی نہیں ہے اس کے باوجود کہتا ہے کہ میں صدیقی اور فاروقی ہوں، شیوخ میں سے ہوں) اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے، اور اگر کسی آدمی کو کافر کہہ کر پکارا یا یوں کہا کہ اے اللہ کے دشمن! حالانکہ جس کو اس طرح کہا جارہا ہے وہ ایسا نہیں ہے (یعنی اس میں کفر کی کوئی بات نہیں پائی جاتی، کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے شرعی اعتبار سے وہ کافر ہوجاتا ہو ایسے کو اگر کوئی کافر کہے گا تو) نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات اس کی طرف لوٹے گی (یعنی اس کا اثر آئے گا)۔

منھ بولے بیٹے کو اپنی طرف منسوب کرنے کی ممانعت

تشریح: بعض لوگ نسبی تفاخر کی غرض سے کسی نیچ خاندان کے ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کسی اونچے خاندان کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کے حق میں یہ وعید ہے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیں، اسی طرح بعض لوگ کسی کو اپنا منھ بولا بیٹا بناتے ہیں اور منھ بولا بیٹا بنانے کی صورت میں سرکاری کاغذات میں اور اس کے نام میں اپنا نام باپ کی حیثیت سے جوڑتے ہیں حالانکہ قرآن میں اس کی ممانعت آئی ہے ﴿اُدْعُوهُم

لِاٰبَآئِهِم هُوَ اَقسَطُ عِندَ اللهِ﴾ ان کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے بلایا کرو یہی اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف کی بات ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ کوئی آدمی کسی کو اپنا منھ بولا متبنیٰ بیٹا بنالیتا تھا جس کو لے پالک کہتے ہیں، وہ بچہ گویا اسی گود لینے والے کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور باپ کے طور پر اسی کا نام بولا جاتا تھا۔ چنانچہ جب نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنا منھ بولا بیٹا بنایا تو لوگ ان کو زید ابن محمد (ﷺ) پکارنے لگے، اسی طرح حضرت سالم ابن معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی اور آزاد شدہ غلام ہیں ان کو آزاد کرنے والی مالکن کے شوہر حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا منھ بولا بیٹا بنایا تو لوگ ان کو سالم ابن ابی حذیفہ کہتے تھے پھر بعد میں قرآن میں اس کی ممانعت آئی کہ ایسا مت کرو، ان کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے بلایا کرو یہی اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف کی بات ہے۔ آج کل بھی بہت سے لوگ قرآن کے اس صریح حکم سے ناواقف ہیں اور مسلمان ہونے کے باوجود اتنی زیادہ غفلت کہ جس کام کی ممانعت اور حرمت قرآن میں آئی پھر بھی اس سے واقف نہیں اور اس طرح اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ہاں کسی کو لے پالک اس لیے بنایا کہ میں اس کی پرورش کروں گا اور ایک حقیقی بیٹے یا بیٹی کو ایک باپ جو محبت دیا کرتا ہے وہ محبت دوں گا اور اسی لاڈ و پیار کے ساتھ اس کی پرورش کروں گا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے لیکن اس کی نسبت تو اس کے سگے باپ ہی کی طرف ہونی چاہیے، اسی طرح اگر لڑکا یہ جانتے ہوئے کہ میرا حقیقی باپ فلاں ہے، اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے گا تو وہ اس وعید کا حق دار بنے گا۔

کسی غیر کافر کو کافر کہنے سے اپنے آپ کو بچائیں

اسی طرح اگر کسی نے کسی کو جو حقیقت میں کافر نہیں ہے، کافر کہا تو بعض ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک اس طرح کہنے سے وہ کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ گالی کے طور پر ایسا کہا ہے تو کافر تو نہیں ہوگا، لیکن یہ کبیرہ گناہ ہے اور اس کے برے اثرات بھی ہیں، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے اس جملے کی وجہ سے اس کی ذات میں بھی کچھ انقلاب اور تبدیلی ایسی ہوگی جو کسی بڑے گناہ کی طرف اس کو مائل کرنے والی بنے گی، جیسا کہ تازہ گوبر ہوتا ہے اس میں پتھر پھینکو گے تو چھینٹے اڑیں گے اور اس کے اثرات پہنچیں گے۔

٤٣٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ صُرَدٍ رضی الله تعالىٰ عنه - رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَضِبَ أَحَدُهُمَا، فَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتَّى انْتَفَخَ وَجْهُهُ وَتَغَيَّرَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ الَّذِي يَجِدُ"، فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ الرَّجُلُ، فَأَخْبَرَهُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: تَعَوَّذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، وَقَالَ: أَتَرَى بِي بَأْسًا، أَمَجْنُونٌ أَنَا؟ اذْهَبْ.

ترجمہ: حضرت سلیمان ابن صُرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں (دو آدمیوں میں تو تو میں میں ہوگئی) اور ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرنے لگے چنانچہ ان میں سے ایک کو اتنا غصہ آیا کہ غصہ کی شدت میں ان کا چہرہ پھول گیا اور چہرے کا رنگ

سرخ ہوگیا، یہ کیفیت دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایک کلمہ ایسا معلوم ہے کہ اگر وہ بول دے تو سارا غصہ رفو چکر ہو جائے گا (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لے) چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بات سنی تیسرے آدمی نے ان جھگڑا کرنے والوں میں جو بہت غصہ میں تھا اس کو اطلاع کی کہ دیکھو حضور ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اعوذ باللہ پڑھ لے تو غصہ کا اثر چلا جائے گا (اس لیے فرمایا شیطان مردود سے اللہ کی پناہ حاصل کرو اور اب وہ غصہ ہی میں تھا عقل ختم ہوگئی تھی) تو کہا کہ کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ میں کوئی پاگل ہوں چل یہاں سے۔

غصہ بہت بری چیز ہے

تشریح: غصہ بہت بری چیز ہے دیکھئے اس حدیث میں کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو غصہ کا علاج بتلایا لیکن اس کا غصہ اتنا زیادہ بڑھا ہوا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ اپنی خیر اور بھلائی بھی بھول گیا اور حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا جا رہا ہے اس کا بھی انکار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں یہ انکار اس لیے کیا کہ وہ منافق تھا، بعض کہتے ہیں کہ نہیں، وہ صحابی ہی تھے، اصل میں مغلوب الغضب ہونے کی وجہ سے ہوش حواس ٹھکانے نہیں رہے۔ بہر حال ایسی باتوں سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے، دو آدمیوں میں آپس میں جب تو تو میں میں ہوگی اور جھگڑا ہوگا تو شروع میں اتنا غصہ نہیں ہوگا، شروعات دھیرے دھیرے ہوتی ہے ایک نے کچھ کہا اب دوسرا اس کے جواب میں کچھ کہے گا اس طرح دھیرے دھیرے غصہ بڑھتا ہے یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے دونوں مغلوب الغضب ہو کر ہوش و حواس کھو دیتے ہیں اور پھر عقل کے خلاف حرکتیں کرتے ہیں، شروع ہی سے آدمی اپنے اوپر قابو کر لے تو یہاں تک نوبت نہیں پہنچے گی۔

٤٣٦ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ إِلَّا بَيْنَهُمَا مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ سِتْرٌ، فَإِذَا قَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ كَلِمَةَ هَجْرٍ فَقَدْ خَرَقَ سِتْرَ اللهِ، وَإِذَا قَالَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ: أَنْتَ كَافِرٌ، فَقَدْ كَفَرَ أَحَدُهُمَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر دو مسلمانوں کے درمیان اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پردہ ہوتا ہے اب جب ان میں سے ایک دوسرے کو کوئی غلط بات کہتا ہے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے اس پردہ کو پھاڑ دیا اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو یوں کہتا ہے کہ تم کافر ہو تو ان میں کوئی ایک ضرور کافر ہو جاتا ہے

تشریح: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا مسلمان ہونے کی وجہ سے اور حقوق اسلام کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں، ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہیں اور جب تک کہ لحاظ اور پردے کو ملحوظ رکھا جائے آدمی بچا رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اللہ کی طرف سے قائم کئے گئے اس پردے اور رکاوٹ کو کبھی بھی دور کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، اپنے آپ کو اس طرح ابتداءاً ایسی بات کرنے سے بچانا چاہیے۔ مثلاً کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان کو کافر کہہ دیا تو جس کو کہا گیا اگر واقعتاً اس میں کفر کی کوئی بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے شرعی اعتبار سے وہ کافر ہے تو وہ کافر ہی ہے اور اگر اس میں وہ بات نہیں ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ چیز کہنے والے کی طرف لوٹے گی، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يُوَاجِهِ النَّاسَ بِكَلَامِهِ

٤٣٧ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا، فَرَخَّصَ فِيهِ، فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ، فَحَمِدَ اللهَ، ثُمَّ قَالَ: "مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ؟ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَعْلَمُهُمْ بِاللهِ، وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً".

غلطی کرنے والے کے منہ پر ٹوکنے سے پرہیز کرنا

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے کوئی کام کیا (کیا کام کیا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی تشریح نہیں فرمائی، ہاں ایک بات فرمائی کہ آپ نے جو کام کیا تھا اس میں عزیمت کے بجائے رخصت کا پہلو اختیار کیا) بعض لوگوں نے اپنے آپ کو اس سہولت والے پہلو پر عمل کرنے سے بچایا، پہلوتہی کی، جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے باقاعدہ خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور پھر فرمایا: کیا حال ہے ان لوگوں کا جو اس کام سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں، اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے زیادہ اللہ کی رضامندی اور ناراضگی کو جانتا ہوں اور میں ان لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں (اگر اللہ سے ڈرنے کا تقاضا وہ ہوتا جو انہوں نے کیا تو میں وہ کرتا، لیکن میں نے وہ نہیں کیا بلکہ میں نے تو سہولت والا پہلو اختیار کیا، معلوم ہوا کہ خشیت کا یہ بھی تقاضا ہے)۔

باب کا مقصد

بعض مرتبہ کسی کو کوئی ٹوکنے کی بات ہوتی ہے تو ایک طریقہ یہ ہے کہ سیدھا اس کو مخاطب کر کے ٹوکا جائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خاص طور پر اس کو مخاطب نہ کیا جائے بلکہ عام انداز میں کوئی بات پیش کی جائے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مزاج مبارک میں حیاء کا غلبہ تھا اور آپ رحمۃ للعالمین بھی تھے، شفقت اور رأفت ورحمت کا مظہر تھے اس لیے کبھی کسی کی غلط بات پر ٹوکنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو براہ راست اس کو مخاطب کرنے کی بجائے عام انداز میں اس کی اصلاح کا اہتمام فرماتے تھے، گویا یہ عمدہ طریقہ ہے۔ بعض مرتبہ براہ راست مخاطب کر کے ٹوکنے میں بجائے فائدے کے نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر کوئی بڑا آدمی ہو جس کے ساتھ لوگوں کو محبت اور عشق کا تعلق ہو وہ لوگوں کے سامنے ٹوکے تو بھی لوگ برا نہیں مناتے، خاص طور پر اگر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی کے متعلق کوئی بات فرمائیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اپنے جی میں برا خیال نہ لاتے لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مزاج مبارک میں حیاء کا غلبہ ہونے کی وجہ سے آپ اس طرح منہ در منہ یعنی براہ راست مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ ایک عام انداز میں اس کی غلطی اور کوتاہی پر تنبیہ کر دیا کرتے تھے۔ یہ باب قائم کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ براہ راست ٹوکنے کے بجائے گویا یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے، خاص کر اس زمانہ میں تو اس کی ضرورت اور زیادہ پیش آتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رخصت پر عمل اور امت کو بھی اس کی تاکید

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ آپ

بڑے بڑے مجاہدے فرماتے تھے اور مشکل سے مشکل کام بھی آپ کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا، مثلاً راتوں کو آپ کا تہجد کے لیے اٹھنا اور آپ کے پاؤں پر ورم کا آجانا اور پاؤں مبارک پر شگاف کا پڑ جانا، ان کاموں کو عزیمت کہتے ہیں مگر آپ اپنی امت کی آسانی اور سہولت کے لیے بہت سی مرتبہ عزیمت کو چھوڑ کر رخصت پر بھی عمل کرتے تھے۔ اس روایت کی راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں آپ نے ایک مرتبہ کسی کام میں عزیمت کے اعلیٰ درجے کو اختیار کرنے کی بجائے رخصت اور آسانی والے پہلو پر عمل کیا، اس سے آپ امت کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ آپ اس رخصت اور سہولت والے پہلو پر بھی عمل کر سکتے ہیں، اور یہ امت کے لیے عین رحمت کا تقاضا تھا کہ وہ اس کو اختیار کرتی تا کہ پتہ چلتا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو طریقہ امت میں رائج کرنا چاہتے ہیں، جس کی تعلیم دینا چاہتے ہیں اور جو آسانی امت کے لیے پیدا فرما رہے ہیں امت بھی اس آسانی کو قبول کر رہی ہے، لیکن ہوا یہ کہ امت نے بجائے اس سہولت اور آسان انداز کو اختیار کرنے کے، اس عمل میں جو سختی اور مجاہدے والا پہلو تھا اس کو اختیار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب پتہ چلا کہ میں نے یہ کام اس طرح آسان طریقہ سے رخصت اور سہولت والے انداز میں کر کے بتلایا اس کے باوجود فلاں فلاں حضرات نے اس کے اندر اس سہولت والے پہلو کو اختیار کرنے کی بجائے اپنے اوپر گویا مزید سختی اور مجاہدہ کرتے ہوئے جو عزیمت والا پہلو تھا اس کو اختیار کیا، یہ چیز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ناگوار گذری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ضرورت محسوس کی کہ اس ذہنیت اور اس نظریہ کی اصلاح ضروری ہے ورنہ تو آپ کا امت کو تعلیم دینے کا جو مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس ذہنیت کی اصلاح اور اس نظریہ کو ٹھیک کرنے کے لیے باقاعدہ خطبہ دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظریاتی غلطی کو درست کرنا کتنا اہم ہے اور اس کی اصلاح کتنی ضروری ہے۔

ہر کام میں آدمی اپنی عقل کی پیروی نہ کرے شریعت کی پیروی کرے

بہت سی مرتبہ کسی عمل کے معاملے میں آدمی اپنی سوچ سے یہ طے کرلیتا ہے کہ ایسا کرنے سے اللہ اس سے زیادہ راضی ہوں گے، اس میں گویا اللہ کے ڈر کا پہلو زیادہ ہے مثلاً ایک آدمی سفر میں ہے اور سفر کے دوران اللہ تبارک وتعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ آپ فرض پر اکتفاء کرلیں سنتیں پڑھنے کی ضرورت نہیں، ایک آدمی اس کے باوجود سنتیں اور نوافل سب پڑھ رہا ہے۔ سفر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اجازت دی کہ اگر وضوء کرنے میں تکلیف ہے تو موزے پر مسح کر لیجیے یہ سہولت اور رخصت ہے، اب ایک آدمی باوجود اس رخصت کے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر، تکلیف اٹھا کر پاؤں ہی دھوتا ہے تو گویا یہ آدمی اپنے عمل سے یہ بتلانا چاہتا ہے کہ میں بڑا مضبوط ہوں، اللہ تعالیٰ نے جب رخصت دے دی تو اپنے آپ کو بہادر کیوں بتلاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ شریعت میں موجود سہولت سے فائدہ اٹھایا جائے، اس سہولت کو چھوڑ کر آپ اپنی مضبوطی اور بہادری دکھلانا چاہتے ہیں یہ اللہ کو پسند نہیں۔

اللہ کس بات سے زیادہ راضی ہوتا ہے، اللہ کے ڈر کا پہلو کس عمل میں زیادہ ہے یہ طے کرنا ہمارا کام نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ نے عمل کر کے امت کو اس کا طریقہ بتلادیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر کام افراط وتفریط سے پاک تھا

نکاح کے سلسلے میں بخاری شریف میں روایت ہے کہ کچھ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات کے متعلق پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات کیا ہیں؟ یعنی آپ کی رات کی عبادت کیسی ہے؟ دن میں روزہ کس طرح رکھتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتلایا کہ رات میں آپ سوتے بھی ہیں، آرام بھی کرتے ہیں اور نماز کے لیے بھی اٹھتے ہیں، تہجد بھی پڑھتے ہیں، مطلب یہ کہ کچھ وقت اللہ کی عبادت میں بھی گذارتے ہیں اور کچھ وقت جو انسانی طبیعت کا تقاضا ہے یعنی آرام کرنا، اس کو بھی پورا کرتے ہیں، اسی طرح مہینے کے کچھ دنوں میں آپ روزہ بھی رکھتے ہیں، ایسا نہیں کہ پورا مہینہ روزہ ہی رکھتے ہوں اور آپ عورتوں سے نکاح بھی کرتے ہیں۔

بڑے ہونے کا یہ مطلب نہیں

جب کوئی شخص کسی کو اپنا بزرگ سمجھتا ہو اور ان کی بزرگی کی وجہ سے ان سے عقیدت ہو تو اس کے ذہن میں ان کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت عبادات میں مصروف رہتے ہوں گے، بڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ رات بھر ان کو سونا نہیں چاہیے، اب اگر ان کو رات کو سوتا ہوا دیکھے، تو سوچتا ہے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں؟ پھر اپنے دل کو کہتا ہے کہ چلو اللہ بہتر جانتا ہے مگر ہم کو تو جاگنا ہی چاہیے۔

یہ میرا طریقہ نہیں ہے

جب ان حضرات نے یہ بات سنی تو ان میں سے ایک نے کہا کہ آج کے بعد میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ہر رات عبادت میں گذاروں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں آج کے بعد اپنی تمام عمر بغیر نکاح گذاروں گا۔ بعد میں حضور اکرم ﷺ کے آنے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ واقعہ حضور ﷺ کو بیان کیا جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا طریقہ نہیں ہے، میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، راتوں کو آرام بھی کرتا ہوں اور عبادت بھی، نکاح بھی کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اس کے بعد فرمایا کہ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے ہٹے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید	کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

نبیٔ کریم ﷺ کے طریقے کے خلاف جس نے راستہ اختیار کیا چاہے رات بھر عبادت کرتا ہو اور دن بھر روزے رکھتا ہو اگر وہ خلاف سنت ہے تو کبھی منزل تک نہیں پہنچے گا۔ اسی لیے بدعت کو سب سے برا قرار دیا گیا حالانکہ بدعت میں آدمی اللہ ہی کی عبادت کی نیت سے بہت کچھ کرتا ہے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ کونسی چیز سے اللہ راضی ہوتا ہے؟ کونسے کام اللہ کی خشیت اور تقوی کا تقاضا ہیں؟ کونسا کام اس کا متقاضی نہیں ہے، یہ طے کرنا ہمارا کام نہیں بلکہ نبیٔ کریم ﷺ کا ہے۔ آپ ﷺ کا ہر فعل اور عمل امت کے لیے ایک نمونہ ہے، آپ جب اپنے عمل کے ذریعے امت کو

رخصت سکھلا رہے ہیں تو امت کو بھی چاہیے کہ اس رخصت کو اختیار کرے اور بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے ہمیں جو سہولت دی ہے ہم اس سہولت پر خوش ہیں اور اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

٤٣٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ سَلْمٍ الْعَلَوِيِّ، عَنْ أَنَسٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَّ مَا يُوَاجِهُ الرَّجُلَ بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ يَوْمًا رَجُلٌ، وَعَلَيْهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ، فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: "لَوْ غَيَّرَ - أَوْ نَزَعَ - هٰذِهِ الصُّفْرَةَ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر کسی کی کوئی چیز ناپسند ہوتی تو اس کو سیدھا ٹوکتے نہیں تھے (یعنی براہ راست نہیں کہتے تھے، ہاں ایسے انداز سے تنبیہ فرماتے تھے جو آسان ہو) ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے کپڑوں پر زردی (یعنی پیلے رنگ کا نشان تھا) جب وہ اٹھ کر گیا تو آپ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو وہاں موجود تھے ان کے سامنے ارشاد فرمایا کہ یہ آدمی اس کو صاف کر لیتا یا اس کو بدل لیتا تو اچھا تھا (یعنی اس کے کپڑے پر جو رنگ لگا ہوا ہے اس کو اگر بدل لیتا یا اس کو دھو کر دور کر دیتا تو مناسب تھا)۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حال

تشریح: "صُفْرَة" ایک خوشبو کو کہتے ہیں جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے جس کا استعمال مردوں کے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، ہاں عورتوں کے لیے اس کی اجازت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر پیلے رنگ کا نشان دیکھا

تو آپ نے براہ راست اس کو منع نہیں فرمایا، اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانے کے بعد آپ نے دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے جو وہاں بیٹھے تھے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ظاہر ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ کی اس ناپسندیدگی کو اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچا دیا ہوگا اور انہوں نے اس کے بعد کبھی نہیں پہنا ہوگا۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حال تو یہ تھا کہ ان کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی منشاء کا پتہ چل جاتا تو پھر وہ کبھی اس پر باقی نہیں رہ سکتے۔

ایک صحابیؓ کا اپنا مکان ڈھا دینے کا واقعہ

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک قبہ نما مکان بنایا تھا ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گذر ان کے مکان کے پاس سے ہوا تو آپ نے پوچھا کہ یہ قبہ نما مکان کس کا ہے؟ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان کا نام لیا کہ فلاں صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت کچھ نہیں بولے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دن اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے اور وہ صحابی آئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے بے رخی برتی، جب انہوں نے حضور کی یہ بدلی ہوئی نظریں دیکھیں تو وہ پریشان ہو گئے، انہوں نے باقی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے آج نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کچھ ناراض محسوس کرتا ہوں؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا کہ چند دن پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گذر آپ کے مکان کے پاس سے ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا تھا کہ یہ قبہ نما مکان کس کا ہے؟ ہم نے

جواب میں آپ کا نام لیا کہ یہ مکان آپ کا ہے، جب انہوں نے سنا کہ آپ ﷺ کی ناراضگی کی وجہ قبہ نما مکان ہے پھر تو کیا تھا، سیدھے گئے اور اس مکان کو ڈھا دیا اور پھر آ کر بتایا بھی نہیں کہ آپ کی جو ناراضگی کی وجہ تھی وہ دور کر کے آیا ہوں (اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو اس طرح احسان جتلاتے کہ حضرت! آپ کو جو تکلیف تھی وہ میں نے دور کر دی، آپ کے دل کا کانٹا نکال دیا) کچھ دنوں بعد جب نبیٔ کریم ﷺ کا دوبارہ وہاں سے گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ قبہ نما مکان وہاں نہیں ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہاں جو قبہ نما مکان تھا اس کا کیا ہوا؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بتلایا کہ وہ صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ کی ناگواری کو محسوس کر کے ہم لوگوں سے ناراضگی کی وجہ پوچھی، ان کو بتلایا گیا کہ ناراضگی کی وجہ یہ لگتی ہے اس پر انہوں نے فوراً جا کر اس مکان کو گرا دیا۔ یہ ہیں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کا اتباع سنت کا جذبہ۔

آج کل ہمارا مزاج تو یہ ہے کہ اگر کسی کو سیدھا کہا جائے کہ بھائی! حدیث میں یا قرآن میں اس کی ممانعت آئی ہے تب بھی نہیں مانتے اور جواب میں کہتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے مگر میں تو اسی پر قائم رہوں گا۔

بہر حال اس حدیث شریف سے یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ، آپ کا مزاج اور آپ کی تربیت کا انداز منھ در منھ ٹوکنے کا نہیں تھا، اگر چہ اس کی بھی شریعت نے اجازت دی ہے، حضور ﷺ کا یہ انداز خصوصاً صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے کافی تھا۔ تو بہر حال نبیٔ کریم ﷺ کا جو مزاج

مبارک تھا اور آپ کی طبیعت مبارکہ میں جو حیا اور شرم کا غلبہ تھا اس کے پیش نظر آپ کسی کو اس کے منھ پر نہیں ٹوکتے تھے۔

بَابُ مَنْ قَالَ لِآخَرَ: يَا مُنَافِقُ، فِي تَأْوِيلٍ تَأَوَّلَهُ

٤٣٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللہ عَنْهُ يَقُولُ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ، وَكِلَانَا فَارِسٌ، فَقَالَ: "انْطَلِقُوا حَتَّى تَبْلُغُوا رَوْضَةَ كَذَا وَكَذَا، وَبِهَا امْرَأَةٌ مَعَهَا كِتَابٌ مِنْ حَاطِبٍ إِلَى الْمُشْرِكِينَ، فَأْتُونِي بِهَا"، فَوَافَيْنَاهَا تَسِيرُ عَلَى بَعِيرٍ لَهَا حَيْثُ وَصَفَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْنَا: الْكِتَابُ الَّذِي مَعَكِ؟ قَالَتْ: مَا مَعِي كِتَابٌ، فَبَحَثْنَاهَا وَبَعِيرَهَا، فَقَالَ صَاحِبِي: مَا أَرَى، فَقُلْتُ: مَا كَذَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأُجَرِّدَنَّكِ أَوْ لَتُخْرِجِنَّهُ، فَأَهْوَتْ بِيَدِهَا إِلَى حُجْزَتِهَا وَعَلَيْهَا إِزَارُ صُوفٍ، فَأَخْرَجَتْ، فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ عُمَرُ: خَانَ اللہ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ، وَقَالَ: "مَا حَمَلَكَ؟" فَقَالَ: مَا بِي إِلَّا أَنْ أَكُونَ مُؤْمِنًا بِاللہِ، وَأَرَدْتُ أَنْ يَكُونَ لِي عِنْدَ الْقَوْمِ يَدٌ، قَالَ: "صَدَقَ يَا عُمَرُ، أَوَ لَيْسَ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، لَعَلَّ اللہ اطَّلَعَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ"، فَدَمَعَتْ عَيْنَا عُمَرَ وَقَالَ: اللہ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ.

کوئی آدمی کسی کو اپنی سمجھ کے مطابق منافق کہے

(یعنی دوسرے کو منافق کہنے کے لیے اس کے پاس کوئی ایسی وجہ ہے جو سامنے والے کے اندر پائی جاتی ہو)

ترجمہ: حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ (جو تابعی ہیں اور بڑے قاری بھی ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہما کو ایک مہم پر بھیجا، ہم دونوں گھوڑے سوار تھے۔ ہمیں یہ حکم دیا کہ فلاں مقام یعنی روضۂ خاخ میں ایک عورت تم کو ملے گی اس کے پاس حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام لکھا ہوا ایک خط ہے وہ لے آؤ، چنانچہ ہم نے اسی مقام پر جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اس عورت کو دیکھا کہ وہ اونٹنی پر سوار ہے فوراً اس کو ٹھہرایا اور اس کے سامان اور اونٹ کی تلاشی لی لیکن خط نہیں ملا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے ساتھی نے کہا کہ خط تو نظر نہیں آتا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلط بات کہہ ہی نہیں سکتے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یا تو اس کو ننگا کرو یا وہ خط دے دے (جب اس نے دیکھا کہ اگر میں خط نہیں دوں گی تو واقعتاً یہ اپنی اس دھمکی پر عمل کریں گے) چنانچہ وہ اپنا ہاتھ نیفے کی طرف لے گئی وہ اون کا تہہ بند باندھے ہوئی تھی اس میں سے اس نے وہ خط نکالا، ہم وہ خط لیکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے خیانت کی (ان کا راز مشرکین کے سامنے ظاہر کرنے کی کوشش کی) آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان کی گردن اڑا دوں (اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی سے یہ بھی بتادیا تھا کہ انہوں نے یہ خط کیوں بھیجا) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ بھائی تم نے ایسا کیوں کیا؟ کہا کہ میں تو مؤمن ہوں (پکا ایمان والا ہوں، میرے ایمان میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا) میں نے یہ کام اس لیے کیا کہ کہ میرا ان (مکہ والوں) پر ایک احسان ہو جائے (اور وہ میرے بچوں کو نہ چھیڑیں) اس لیے میں نے ایسا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! انہوں نے صحیح کہا، کیا یہ بدر کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے؟ (یہ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدریین میں سے ہیں) بیشک اللہ تعالیٰ بدر والوں کے حالات سے بخوبی واقف ہیں اس لیے فرمایا جو چاہے کرو تمہارے لیے جنت لازم ہو چکی، راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مختصر تعارف

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں، حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے بہادر تھے، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور حواری الرسول ﷺ ہیں، حواری یعنی خاص مددگار، حضور ﷺ فرماتے ہیں: لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيْ اَلزُّبَيرُ، ہر نبی کا ایک خصوصی مددگار اور معاون ہوتا ہے اور میرا خصوصی مددگار حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

باب کا مقصد

کسی نے ایسا کوئی کام کیا جو شرعی اعتبار سے ٹھیک نہیں ہے یعنی اس کام کے اندر نفاق کی کوئی بات پائی گئی، اس کی وجہ سے کوئی آدمی اگر ایسا کام کرنے والے کو

منافق کے لقب سے مخاطب کرتا ہے تو اس منافق کے لقب سے مخاطب کرنے والے کو معذور قرار دیا جائے گا، اگرچہ جس نے نفاق والا کام کیا ہے اس نے وہ کام اپنی کسی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے کیا ہو اس صورت میں وہ کام کرنے والا بھی معذور اور اسے منافق کہنے والے کو بھی معذور قرار دیا جائے گا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع کے لیے خط لکھنا بظاہر اسلام کے اصولوں کے خلاف تھا، اس عمل کو دیکھ کر کوئی آدمی یوں کہے کہ یہ منافق ہے تو اس طرح کہنے کی گنجائش ہے اگرچہ ان کی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی وضاحت کے مطابق وہ حقیقت میں منافق نہیں تھے۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا تفصیلی واقعہ

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان اور مکہ والوں کے درمیان چند شرائط پر صلح ہوئی تھی، مکہ والوں نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے حملے کی تیاری اس طرح شروع کی کہ مکہ والوں کو اس کا پتہ نہ چلے اور اچانک حملہ کر دیا جائے تاکہ مکے والوں کی طرف سے مزاحمت اور مقاتلہ نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا بھی کی تھی کہ اے اللہ! مکے والوں کو ہماری روانگی کا پتہ نہ چلے اور دعا کے ساتھ آپ نے اس بات کو یقینی بنانے کے لیے انتظامات بھی کیے کہ مکہ والوں کو مسلمانوں کے لشکر کے پہنچنے کا علم نہ ہو، اس لیے کہ اگر مکہ والوں کو اس کا پہلے سے پتہ چل جاتا تو وہ بھی جوابی تیاری کر لیتے

اور پھر ظاہر ہے دونوں لشکر ٹکراتے تو خون خرابا ہوتا، آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر مکہ والے ڈر جائیں اور گھبرا کر وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں، جیسے رات کو اگر کوئی حملہ کر دے تو اس سے بچاؤ مشکل ہو جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جنگ کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ حضور ﷺ کی عام عادت شریفہ یہ تھی کہ جنگ کی جگہ آپ بتلاتے نہیں تھے اور یہ جنگی حکمت عملی کا تقاضا بھی ہے، آج کل بھی یہی ہوتا ہے کہ پہلے سے نہیں بتایا جاتا کہ فلاں مہم پر جانا ہے۔ یہاں پر بھی نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق تفصیل نہیں بتائی، لیکن مکے والوں کی طرف سے صلح کی شرائط کی خلاف ورزی اور جو واقعات اس سے پہلے پیش آئے تھے اس کی وجہ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اندازہ تھا کہ یہ مکہ مکرمہ پر حملہ کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔ جب آپ ﷺ نے تیاری کا حکم دیا تو ایک صحابی حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مہاجرین میں سے ہیں، آپ اصلاً مکہ مکرمہ کے باشندے نہیں تھے، آپ کے اہل وعیال اور باقی خاندان کے لوگ مکہ میں رہتے تھے، قریش سے ان کا رشتہ داری کا تعلق نہیں تھا صرف موالات یعنی معاہدہ کا تعلق تھا، آپ مسلمان ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ جو مہاجرین ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے تھے وہ صرف مرد حضرات تھے اور ان میں سے بیشتر اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے پیچھے مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہجرت کے وقت اپنے بیوی بچوں کو مکہ میں چھوڑ کر آئے تھے۔ جب مکہ مکرمہ پر حملے کا منصوبہ بن رہا تھا تو ان کو اپنے بال بچوں کی فکر ہوئی، اس لیے کہ جب کسی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو حملہ آور کے جو رشتہ دار

اس ملک میں ہوتے ہیں اس ملک والے اپنی حفاظت کے لیے ان کے رشتہ داروں کو اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں تا کہ اس طرح سے حملہ کرنے والے کو روکا جا سکے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے بال بچے بھی مکہ میں تھے ان کو اپنے بال بچوں کی فکر ہوئی، ان کے علاوہ دوسرے مہاجرین کا حال یہ تھا کہ ان کے خاندان کے لوگ مکہ میں موجود تھے، کسی کا بھائی، کسی کا باپ، کسی کا چچا، کسی کا ماموں، کسی کا دادا، اس لیے ان کو تو کوئی اندیشہ نہیں تھا، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو یہ خیال آیا کہ جب مکہ پر حملہ ہوگا تو مکہ والے میرے بال بچوں کو قدرتی طور پر چھیڑیں گے اور میرے خاندان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے، تو میں کوئی ایسی تدبیر کروں جس سے میرے بال بچوں کا تحفظ ہو جائے، تو ان کے ذہن میں یہ تدبیر آئی کہ چونکہ مکہ والوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ پر حملہ کرنے کا علم نہیں ہے تو میں خط لکھ کر ان کو اطلاع دے دوں اس طرح میرا مکہ والوں پر ایک احسان ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے، میرے اس طرح خط لکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی نقصان تو ہونے والا نہیں ہے، اور میرا کام بن جائے گا، یہ سوچ کر انہوں نے مکے والوں پر خط لکھا۔ بعض روایتوں میں خط کا مضمون بھی آیا ہے کہ ایک ایسا لشکر جورات کی طرح کالا اور سیلاب کی طرح تیزی سے چلنے والا ہے، لیکر آرہے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا بھی تم پر حملہ کرتے تو بھی اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرتا چہ جائے کہ اتنا بڑا لشکر لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرہے ہیں، تم اپنی حفاظت کا بندوبست کرو، یہ خط لکھ کر ایک عورت کے حوالے کیا جب وہ عورت روانہ ہوگئی تو ادھر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کر دی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس عورت کی طرف روانہ کیا

اور پورا پتہ بھی بتلایا کہ وہ کہاں ملے گی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خط لیکر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اس طرح خط بھیجا تھا تو نبیٔ کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے خیانت کی، ان کا راز مشرکین کے سامنے ظاہر کرنے کی کوشش کی آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان کی گردن اڑا دوں؟ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان کے اس خط کو بھیجنے کی وجہ بھی بتلا دی تھی، حضور ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور پوچھا کہ بھائی! تم نے ایسا کیوں کیا؟ کہا کہ میں تو مؤمن ہوں، پکا ایمان والا ہوں، میرے ایمان میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا، میں نے محض اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کی خاطر یہ سب کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے عذر کو قبول فرمایا اور فرمایا کہ انہوں نے صحیح کہا اور پھر حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدر والوں کو فرما دیا گیا ﴿اِعْمَلُوْا مَاْ شِئْتُمْ﴾ جو چاہے کرو تمہارے لیے جنت لازم ہو چکی، حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدریین میں سے ہیں بدر والوں نے اللہ کے لیے جو قربانیاں دی تھیں ان کی وجہ سے اللہ نے اپنی خوشی بھی ہمیشہ کے لیے ان کو عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے لیے خوشنودی کا اعلان فرما دے تو آئندہ اس بندے سے ایمان کو ختم کرنے والا کوئی کام صادر ہو ہی نہیں سکتا ہاں ذرا سی کوتاہی ہو، پھر اس پر ندامت ہو سکتی ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔

بَابُ مَنْ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ

٤٤٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَيُّمَا رَجُلٌ قَالَ لِأَخِيهِ: كَافِرٌ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا".

کسی کا اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہنا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے بھائی کو (یعنی کوئی مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو) کافر کہتا ہے تو گویا ان میں سے کسی ایک پر یہ جملہ لوٹتا ہے۔

تشریح: کسی کو کافر کہنا، اس سلسلے میں فقہاء نے بھی بہت زیادہ احتیاط کی تاکید فرمائی ہے، کسی مسلمان کو کافر کہنا بہت خطرناک چیز ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ آپ کسی کو کسی قول یا فعل کی وجہ سے کافر قرار دے رہے ہیں کہ اگر اس کی کہی ہوئی بات کے سو مطلب بن سکتے ہوں اور ان میں سے ننانوے مطلب ایسے ہوں جن کی وجہ سے اس کو کافر کہا جا سکتا ہو اور ایک مطلب ایسا ہو جس کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہوتا تو پھر بھی اس کی تکفیر نہیں کریں گے۔ گویا کسی مسلمان کی تکفیر یعنی اس کو کافر قرار دینے کے معاملے میں بہت زیادہ احتیاط برتی گئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نصوص میں، حدیث میں اس سلسلے میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ یہ تو اس وقت ہے کہ جو بات اس نے کہی ہے اس کے سو مطلب ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے کیا مطلب لیا؟ ہاں اگر وہ خود ہی بتلا دے کہ میں نے جو کہا اس سے میری مراد یہ تھی اور وہ جو مراد لے رہا ہے وہ

وہ چیز ہے جس کی وجہ سے وہ کافر ہو جاتا ہے تو پھر اس کی تکفیر کی جا سکتی ہے۔
حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس کو کافر کہا گیا ہے واقعتاً وہ اپنے کسی قول اور فعل کی وجہ سے کافر ہو چکا ہے تب تو وہ بات جو کہی جارہی ہے وہ اپنی جگہ پر درست ہے اور وہ کافر ہے ہی اور اگر وہ اپنے کسی قول یا فعل کی وجہ سے کافر نہیں ہے تو اس صورت میں یہ جملہ کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے گویا ایسا جملہ کہنے والا خود کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ شوافع میں سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، احناف میں سے علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اسی طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی ایسے آدمی کو جو کفر کا حق دار نہیں ہے کافر کہے تو کہنے والا خود ہی ایسا کہنے کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اور اگر کافر کہنے سے اس کی مراد تکفیر کی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی بہر حال یہ کبیرہ گناہ ہے اور اس سے بچنے کی اشد ضرورت ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تو ایک مثال سے اس کو اس طرح سمجھاتے ہیں کہ بھائی! تکفیر اور لعنت ایسی چیزیں ہیں کہ جس کے لیے استعمال کی گئیں اگر وہ ان کا حق دار ہے تب تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ کہنے والے کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ اس کی مثال ایک ربڑ کی گیند کی طرح ہے کہ اگر اسے نرم جگہ کی طرف پھینکا جائے جو اسے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تب تو ٹھیک ہے اور اگر اس میں قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو جس قوت سے پھینکی گئی تھی اسی قوت سے وہ گیند واپس آپ کی طرف لوٹ کر آئے گی، تکفیر کا بھی یہی مسئلہ ہے۔

٤٤١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ دَاوُدَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، أَنَّ نَافِعًا حَدَّثَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنهما وعنهم أَخْبَرَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا قَالَ لِلْآخَرِ: كَافِرٌ، فَقَدْ كَفَرَ أَحَدُهُمَا،

إِنْ كَانَ الَّذِي قَالَ لَهُ كَافِرًا فَقَدْ صَدَقَ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَمَا قَالَ لَهُ فَقَدْ بَاءَ الَّذِي قَالَ لَهُ بِالْكُفْرِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے کوئی ایک تو ضرور کفر میں مبتلا ہوتا ہے اگر جس کو کافر کہا گیا ہے اس میں کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے (یعنی واقعتاً اس نے زبان سے ایسی کوئی بات کہی ہے یا کوئی ایسا کفریہ کام کیا ہے جس کی وجہ سے وہ کافر ہوجاتا ہے) تب تو کہنے والے نے صحیح کہا اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ کفر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے (گویا اس کا وبال اس پر پڑتا ہے)۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کسی کو کافر کہنے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔لعنت کو بھی اسی قبیل سے قرار دیا گیا ہے،لعنت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اللہ کی رحمت سے دور ہونے کی بددعا دینا،چونکہ بددعا بھی اسی قبیل سے ہے اس لیے بددعا دینے کے معاملے میں بھی بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے،جس کو بددعا دی جارہی ہے اگر وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ایسی بددعا کا اہل ہے پھر تو ٹھیک ہے ورنہ بددعا دینے والے کو اس کا نقصان بھگتنا پڑتا ہے،اسی لیے عام طور پر جو لوگ اپنی زبان سے اس طرح کے کلمات کثرت سے نکالتے رہتے ہیں وہ ہمیشہ اسی طرح پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔

بَابُ شَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ

٤٤٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ النَّبِيَّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْ سُوءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ .

دشمن کے خوشی منانے سے پناہ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بری تقدیر سے اور دشمنوں کے خوشیاں منانے سے پناہ مانگتے تھے۔

تشریح: نبی کریم ﷺ اپنی دعاؤں میں جہاں بہت ساری چیزوں سے پناہ مانگا کرتے تھے وہاں ان دو چیزوں سے بھی پناہ مانگتے تھے۔

نمبر ایک بری تقدیر سے یعنی تقدیر میں کوئی ایسا فیصلہ ہو جائے جس کی وجہ سے ہمیں غضب اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔

ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ بھائی! اس دعا سے کیا اثر پڑے گا؟ اس لیے کہ تقدیر میں جو لکھا ہے اس میں تو کوئی تبدیلی آنے والی نہیں ہے؟ تو اس کا جواب علماء کرام نے یہ لکھا ہے کہ اس دعا سے یہ ہوگا کہ مثلاً اگر کسی کے لیے اس کی تقدیر میں بیماری کا فیصلہ ہو چکا ہے تو دعا کی وجہ سے وہ تو بدلنے والا نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس بیماری کے آنے پر بھی اس کے لیے ایسے حالات پیدا کریں گے جس میں اس کو صبر کی توفیق ملے گی اور اس کا معاملہ ایسا رہے گا کہ یہ بیماری بھی اس کے حق میں رحمت بن جائے گی۔

دوسرے نمبر پر دشمنوں کے خوشیاں منانے سے پناہ مانگی گئی ہے، اس کا مطلب یہ کہ عام طور پر دشمن تو خوشی اس وقت مناتا ہے جب ہمیں کوئی تکلیف پہنچے یا ہمارے اوپر پریشان کن حالات آئیں، تو گویا اللہ تعالیٰ سے اس بات کی پناہ چاہی گئی کہ اے اللہ! ہمارے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ ہو جس کو دیکھ کر ہمارے دشمنوں کو خوشیاں منانے کا

موقع ملے اس سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ایسی دعاء کا بھی آدمی کو اہتمام کرنا چاہیے۔

بَابُ السَّرَفِ فِي الْمَالِ

٤٤٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ اللهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا، يَرْضَى لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا، وَأَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللهُ أَمْرَكُمْ، وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ".

مال کے اندر فضول خرچی

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے لیے تین باتوں کو پسند فرماتا ہے اور تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے۔ جن چیزوں سے اللہ راضی ہوتا ہے وہ یہ ہیں صرف اللہ ہی کی عبادت کرنا اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانا، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا، تمہارے امور کا جس کو اللہ نے ذمہ دار بنایا ہو اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا۔ اور تین چیزیں جو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ یہ ہیں۔ قیل وقال یعنی ادھر ادھر کی بیجا باتیں کرنا، کثرت سے سوال کرنا اور مال کو ضائع کرنا۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو مسلمانوں کے لیے پسند کیا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے، جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے بندۂ مؤمن کے لیے پسند کیا ہے ایسی چیزوں کو اختیار کرنے اور اپنانے کا اہتمام کرنا چاہیے اور

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے ان سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ پہلی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے پسند کیا ہے وہ اللہ ہی کی عبادت اور اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر مل جل کر عمل کریں اور اتفاق اور اتحاد کے ساتھ رہیں۔ تیسری چیز یہ ہے کہ جس کو اللہ نے تمہارے امور کا ذمہ دار بنایا ہو یعنی تمہارے اوپر جو نگران ہو اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرو۔

اور تین چیزیں جو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے وہ یہ ہیں، نمبر ایک قیل وقال سے منع کیا گیا ہے۔ قیل وقال کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بعض لوگ ہر وقت دوسروں کے معاملے میں لگے رہتے ہیں یعنی دوسروں کے حالات کو کریدتے رہتے ہیں، ان کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ فلاں کا کیا ہوا؟ فلاں کا کیا ہوا؟ قیل وقال کا دوسرا مطلب فضول بحث ومباحثہ کرنا ہے اس کو بھی ناپسند کیا گیا ہے۔ دوسری چیز: بہت زیادہ سوالات یعنی فضول سوالات کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یا دوسرے لوگ سوال کیا کرتے تھے، اکثر اوقات تو ضرورت کی چیز پوچھی جاتی تھی اور بہت سی مرتبہ فضول قسم کے سوالات بھی ہوا کرتے تھے، اس پر قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ اے ایمان والو! ایسی چیزوں کا سوال نہ کیا کرو کہ اگر تمہارے سامنے ان کو واضح کیا جائے تو تمہیں ناگوار گذرے۔ بہر حال اس کے بعد حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔ بہت زیادہ سوال کرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ

ایسے فضول سوالات کئے جائیں جن سے دین اور دنیا دونوں کا کوئی فائدہ نہ ہو جیسے کوئی یہ پوچھے کہ یزید کی نجات ہوگی یا نہیں؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ سوال کیا تو حضرت نے فرمایا کہ جب مجھے اپنی نجات کے متعلق یقین نہیں ہے تو اس کی نجات کے متعلق کیا جواب دوں؟ کثرت سوالات کا ایک اور مطلب یہ بھی ہے کہ کوئی آدمی لوگوں سے مانگتا رہے، ویسے بھی کسی سے مانگنے یا سوال کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی اب اگر کوئی آدمی کثرت سے لوگوں سے مانگتا رہتا ہو تو ایسے آدمی کے لیے حدیث میں وعید آئی ہے کہ جو شخص سوالات کرتا رہتا ہے یعنی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے اسے قیامت کے روز ایسی حالت میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔ تیسری چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے وہ مال کو ضائع کرنا ہے یعنی مال کو ایسی جگہ خرچ کرنا جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

یہاں اسراف اور فضول خرچی کی ممانعت کے متعلق بتانے کے لیے اس روایت کو پیش کیا۔

اسراف اور تبذیر میں فرق

ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کے بارے میں دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ایک ہے اسراف، دوسرا تبذیر، بعض حضرات نے دونوں کا ایک ہی معنی بیان کیا ہے اور بعض حضرات نے ان دونوں میں فرق کیا ہے، نافرمانی اور گناہ کے کام میں مال خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں، تبذیر کا لفظ قرآن کریم میں بھی ہے ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

یعنی تبذیر کرنے والے اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔

اگر مال کسی جائز کام میں خرچ کرتا ہے لیکن ضرورت سے زیادہ خرچ کرتا ہے مثلاً کھانے کی ضرورت پندرہ بیس روپے میں پوری ہو جاتی ہے تو وہاں دو سو خرچ کرتا ہے، یا کھانے کی ضرورت ایک مقررہ مقدار سے پوری ہو سکتی ہے اور وہ اس مقدار سے زیادہ کھانا بنا کر یا خرید کر اس کھانے کو ضائع اور برباد کرتا ہے، تو اس کو اسراف سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسے وضو میں ہر عضو کو تین مرتبہ دھونے کا حکم ہے اور اگر چار مرتبہ دھوئے گا تو اس سے پانی ضرورت سے زیادہ خرچ ہو گا اس کو اسراف قرار دیا گیا ہے یہ بھی گناہ ہے۔

٤٤٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَاسَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ الْمُلَائِيِّ، عَنِ الْمِنْهَالِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ قَالَ: فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ، وَلَا تَقْتِيرٍ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بدل عطا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی دینے والے ہیں، لیکن بندہ جب خرچ کرے تو اس وقت نہ تو فضول خرچی کرے اور نہ ہی بخل سے کام لے۔

تشریح: راوئ حدیث حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو مفسر قرآن ہیں، قرآن کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص مہارت عطا فرمائی تھی اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لیے دعا بھی کی تھی: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَفَقِّهْهُ فِي

الدِّيْنِ کہ اے اللہ! ان کو کتاب اللہ کا علم دیجیے اور دین کی سمجھ عطا فرمائیے، اسی لیے تفسیر قرآن کے سلسلے میں ان سے بہت ساری چیزیں منقول ہیں، اس حدیث میں بھی قرآن کریم کی آیت ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ کی تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کا حکم دیا ہے چاہے اپنی ضرورتوں میں خرچ کرو یا اپنے گھر والوں پر یا دوسری جگہوں پر اس کا اللہ تعالیٰ معاوضہ اور بدل دیگا لیکن دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ ضرورت سے کم خرچ نہ کرے اور دوسری شرط یہ کہ خرچ ضرورت سے زیادہ بھی نہ ہو، ضرورت کے مطابق خرچ کرے گا تو گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ وہ اس کا بدل دے گا۔

بَابُ الْمُبَذِّرِينَ

٤٤٥ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ، عَنْ أَبِي الْعُبَيْدَيْنِ قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ عَنِ الْمُبَذِّرِينَ، قَالَ: الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي غَيْرِ حَقٍّ.

فضول خرچی کرنے کی ممانعت

دو لفظ عربی میں آتے ہیں، ایک ہے اسراف، دوسرا ہے تبذیر، دونوں الفاظ کے معانی میں علماء کرام نے فرق کیا ہے لیکن بعض علماء کرام نے دونوں کا معنیٰ ایک ہی قرار دیا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو العبیدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ مبذرین کون ہیں؟ قرآن میں آیا ہے ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيٰطِينِ﴾ کہ مبذرین شیاطین کے بھائی ہیں (فرمایا کہ جو ناحق جگہ پر مال خرچ

کریں (یعنی جہاں شریعت نے خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی مثلاً گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا تبذیر ہے)۔

٤٤٦ - حَدَّثَنَا عَارِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، سُئِلَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم: ﴿الْمُبَذِّرِينَ﴾ الإسراء:، قَالَ: الْمُبَذِّرِينَ فِي غَيْرِ حَقٍّ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مبذرین کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ مبذرین وہ ہیں جو ناحق جگہ پر مال خرچ کریں۔

تشریح: مال کو ناحق جگہ پر خرچ کرنے کی تو اجازت قطعاً ہے ہی نہیں ایک پائی بھی خرچ نہیں کی جا سکتی اور جہاں خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو وہاں بھی ضرورت کے مطابق خرچ کرے، ضرورت سے زائد خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بَابُ إِصْلَاحِ الْمَنَازِلِ

٤٤٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَجْلَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ عُمَرُ رضی الله تعالیٰ عنه يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَصْلِحُوا عَلَيْكُمْ مَثَاوِيكُمْ، وَأَخِيفُوا هَذِهِ الْجِنَّانَ قَبْلَ أَنْ تُخِيفَكُمْ، فَإِنَّهُ لَنْ يَبْدُوَ لَكُمْ مُسْلِمُوهَا، وَإِنَّا وَاللهِ مَا سَالَمْنَاهُنَّ مُنْذُ عَادَيْنَاهُنَّ .

اپنے مکانات کو درست کرنا

ترجمہ: حضرت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ

غلام ہیں) وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممبر پر یہ بات فرمایا کرتے تھے اے لوگو! اپنے ٹھکانوں (یعنی اپنی رہائش گاہوں) کو ٹھیک رکھو اور یہ کہ جنان کو ڈراؤ اس سے پہلے کہ وہ تم کو ڈرائیں (یعنی ان کی طرف سے ڈرانے کی صورتیں پیدا ہوں اس سے پہلے تم ان کو مکان سے نکال دو) اس لیے کہ ان میں جو مسلمان ہیں وہ تو تمہارے سامنے ظاہر نہیں ہوں گے، اللہ کی قسم جب سے ہم نے ان کے ساتھ دشمنی کی ہے آج تک صلح نہیں کی (یعنی ان کے ساتھ جب سے ہماری عداوت ہوئی آج تک صلح کی نوبت نہیں آئی)۔

گھر میں نکلنے والے سانپوں کو مارنے کا طریقہ

تشریح: حدیث شریف میں ایک لفظ جنان آیا ہے، یہ جان کی جمع ہے اور جان چھوٹے سفید رنگ کے سانپوں کو کہتے ہیں جو مکانات کے اندر رہائش اختیار کرتے ہیں، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ جن ہیں جو سانپ کی شکل میں آتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے اگر اس طرح کے سانپ جو جن ہوا کرتے ہیں اور سانپ کی شکل اختیار کرتے ہیں اگر مکان میں نظر آئیں تو پہلے ان کو متنبہ کیا جائے، چنانچہ ابوداود وغیرہ کی روایتوں میں ہے کہ اس طرح اگر کوئی جن سانپ کی شکل میں نظر آئے تو اس کو یاددہانی کرائی جائے کہ میں اس عہد و پیمان کو تجھے یاد دلاتا ہوں جو حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا اور حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا اس عہد و پیمان کے واسطے سے کہتا ہوں کہ تم ہمارے مکان کو چھوڑ دو یعنی یہاں سے چلے جاؤ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تین روز تک ان کو اس طرح تنبیہ کی جائے اس کے بعد بھی نہ جائے تو اس کو ماردیا جائے۔ بعض حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس سلسلے میں یہ بھی منقول ہے کہ اس طرح تنبیہ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن بہت

سارے حضرات نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ایک ارشاد ہے جو آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اس طرح اگر گھر میں یہ سانپ ظاہر ہوتے ہیں تو ان کو متنبہ کیا جائے اور متنبہ کرنے کے بعد بھی اگر وہ نہیں جاتے تو ان کو مار دیا جائے اور ان کے انتقام سے ڈر کر ان کو چھوڑا نہ جائے۔ بعض جنات سانپ کی شکل میں آتے ہیں تو بعض حضرات یوں کہتے ہیں کہ اگر انکو مارا جائے گا تو وہ انتقام لیں گے تو نبیٔ کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ انتقام کے ڈر سے باز رہنے کی ضرورت نہیں۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مکانوں کو اس انداز سے رکھو کہ اس میں ان سانپوں کو رہنے کا موقع نہ ملے۔ اگر کسی مکان میں اس طرح سانپ ظاہر ہوں تو آپ اپنی طرف سے ان کو متنبہ کریں اور تنبیہ کے باوجود نہ جائیں تو پھر ان کو مار ڈالیں۔

بَابُ النَّفَقَةِ فِي الْبِنَاءِ

٤٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ، عَنْ خَبَّابٍ قَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيُؤْجَرُ فِي كُلِّ شَيْءٍ، إِلَّا الْبِنَاءَ.

تعمیرات میں خرچ کی جانے والی رقم کے بارے میں شریعت کا حکم

ترجمہ: حضرت خباب ابن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو شروع میں اسلام لائے تھے اور اسلام کی خاطر بہت ساری اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں) فرماتے ہیں کہ آدمی اپنی ہر ضرورت کی چیز میں خرچ کرتا ہے اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف

سے اجر ملتا ہے، ثواب ملتا ہے، سوائے تعمیرات میں خرچ کرنے کے۔

تشریح: اس سے پہلے یہ روایت آ چکی ہے کہ اپنے کھانے اور اپنے پوشاک کے لیے جو خرچ کرے گا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے البتہ تعمیر میں جو خرچ کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب نہیں ملتا۔ تعمیر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ وہ تعمیر جو سردی، گرمی اور بارش سے بچانے کے لیے کی ہے اس میں جو خرچ کیا جاتا ہے اس پر تو کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں ہوگی اور اگر تعمیر کا مقصد نمائش ہے، فخر و مباحات ہے، اپنی بڑائی ظاہر کرنا اور مال کی نمائش کرنا ہے تو اس صورت میں اس پر یہ وعید آئی ہے یعنی اس پر گرفت ہوگی۔

بَابُ عَمَلِ الرَّجُلِ مَعَ عُمَّالِهِ

٤٤٩ - حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصِ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ وَهْبٍ الطَّائِفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا غُطَيْفُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ، أَنَّ نَافِعَ بْنَ عَاصِمٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم قَالَ لِابْنِ أَخٍ لَهُ خَرَجَ مِنَ الْوَهْطِ: أَيَعْمَلُ عُمَّالُكَ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي، قَالَ: أَمَا لَوْ كُنْتَ ثَقَفِيًّا لَعَلِمْتَ مَا يَعْمَلُ عُمَّالُكَ، ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيْنَا فَقَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا عَمِلَ مَعَ عُمَّالِهِ فِي دَارِهِ - وَقَالَ أَبُو عَاصِمٍ مَرَّةً: فِي مَالِهِ - كَانَ عَامِلًا مِنْ عُمَّالِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ .

آدمی کا اپنے کارندوں کے ساتھ کام کرنا

ترجمہ: حضرت نافع ابن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہوں حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن

العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ اپنے بھتیجے کو کہہ رہے تھے جو مقام وھط سے آرہا تھا (وھط طائف کے قریب ایک بڑی جگہ ہے جہاں کھیتی باڑی اور باغات وغیرہ ہیں) انہوں نے اپنے بھتیجے سے پوچھا کہ تمہارے کارندے کام میں لگے ہوئے ہیں؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ مجھے پتہ نہیں، اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تو ثقفی ہوتا (یعنی قبیلۂ ثقیف سے تعلق رکھنے والا ہوتا) تو تمہارے کارندے جو کام کر رہے ہیں ان کا تمہیں پتہ ہوتا (یعنی ایسی چیزوں سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے، ایک آدمی فیکٹری کا، کھیتی باڑی کا یا کسی بڑی دکان کا مالک ہے تو اسے اپنے یہاں کام کرنے والے لوگوں سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان پر اس کی نگاہ ہونی چاہیے) اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا آدمی اپنی زمین میں، اپنے کام میں اپنے کارندوں کے ساتھ خود بھی جب کام کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے کارندوں میں سے ایک کارندہ ہوتا ہے۔

تشریح: آدمی کو اپنے کارندوں کے ساتھ خود بھی کام میں لگنا چاہیے، ایک آدمی فیکٹری کا مالک ہے، فیکٹری میں جہاں اس کے مزدور کام کرتے ہیں، کوئی کام کبھی خود بھی کر لیا کرے، ایک آدمی کھیتی باڑی والا ہے کھیتی باڑی میں اس کے مزدور کام کرتے ہیں تو پہلے تو یہ کہ اس کو اس کام سے واقفیت بھی رکھنی چاہیے، یعنی اس کو اس کام سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ کبھی کبھار اس کام میں حصہ بھی لے لینا چاہیے۔ یعنی اگرچہ وہ تو آپ کے مزدور ہیں مگر تم اللہ تعالیٰ کے مزدور ہو۔ تو گویا اللہ تعالیٰ جو روزی دے رہا ہے ہمیں بھی اللہ کی طرف سے دی جانے والی اس روزی کو حاصل کرنے کے لیے تھوڑا بہت کام کرنے کی ضرورت ہے، یوں سمجھے کہ یہ میرے مزدور ہیں اور میں اللہ کا مزدور ہوں، خود بھی کچھ نہ کچھ کام میں حصہ لینا چاہیے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کام سے واقفیت ہوتی ہے اور جو آدمی اپنے کام کی نوعیت سے واقف ہوتا ہے تو پھر عام طور اسے گھاٹا اٹھانے کی نوبت نہیں آتی۔

بَابُ التَّطَاوُلِ فِي الْبُنْيَانِ

٤٥٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَطَاوَلَ النَّاسُ فِي الْبُنْيَانِ".

تعمیرات کے اندر آپس میں مقابلہ کرنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ تعمیرات میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے۔

تشریح: تعمیرات میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں نے ایسا مکان بنایا ہے میں اس سے بڑھیا مکان بناؤں، گویا مکانوں کو بنانے کے معاملے میں ایک دوسرے سے مقابلہ ہوگا۔ ہاں ضرورت کے لیے جو مکان بنایا جاتا ہے اس کی ممانعت نہیں ہے۔ جو مکان دکھلاوا، نمائش اور فخر ومباحات کے طور پر بنایا جاتا ہے اس کی ممانعت ہے۔

اس زمانے کے لحاظ سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک ملفوظ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساجد میں بھی اس طرح تعمیر میں زیادہ غلو کرنے سے منع فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

(نَهىٰ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ زُخْرَفَةِ الْمَسَاجِدِ) مساجد کو اس طرح بنانا کہ وہ مزین ہوں اس سے منع کیا ہے۔تو پھر اپنے گھروں کے بارے میں تو کیا حکم ہوگا؟ اور ساتھ ہی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بہرحال زمانے کے حالات کے پیش نظر جیسے لوگ اپنے گھروں کو تعمیر کرتے ہیں مساجد کے معاملے میں بھی اس کا لحاظ رکھا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے ورنہ ظاہر ہے اگر مسجدیں اس طرح بالکل معمولی سی ہوں گی اور گھر تو بہت بڑھیا ہوں گے تو کسی کا جی مسجد میں نہیں لگے گا۔ حضرت شاہ صاحب آگے فرماتے ہیں کہ بھائی! ہم جس ملک میں رہتے ہیں اگر ہمارے یہاں بھی اسی طرح گھاس پھونس اور چھپر کی مسجدیں ہوتیں جیسے قدیم زمانے میں تھیں تو ساری مسجدیں ختم کردی جاتیں اگر مسجدیں مضبوط ہوں گی تو ان کو ختم نہیں کرسکیں گے۔

٤٥١ - اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُرَيْثُ بْنُ السَّائِبِ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ: كُنْتُ أَدْخُلُ بُيُوتَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَأَتَنَاوَلُ سُقُفَهَا بِيَدِي .

ترجمہ: حضرت حریث بن سائب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنے بچپن میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجروں میں جاتا تھا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں تو میں ان کی چھتوں کو اپنے ہاتھوں سے چھولیا کرتا تھا۔

تشریح: ازواج مطہرات کے مکانات کتنے معمولی اور سادہ ہوں گے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تو بچے تھے اور ان مکانات کی چھت کتنی نیچی ہوگی کہ ایک بچہ اپنے چھوٹے قد کے

باوجود اپنا ہاتھ اونچا کر کے اس کو چھوسکتا تھا۔

۴۵۲ - وَبِالسَّنَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ: رَأَيْتُ الْحُجُرَاتِ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ مَغْشِيًّا مِنْ خَارِجٍ بِمُسُوحِ الشَّعْرِ، وَأَظُنُّ عَرْضَ الْبَيْتِ مِنْ بَابِ الْحُجْرَةِ إِلَى بَابِ الْبَيْتِ نَحْوًا مِنْ سِتِّ أَوْ سَبْعِ أَذْرُعٍ، وَأَحْزِرُ الْبَيْتَ الدَّاخِلَ عَشْرَ أَذْرُعٍ، وَأَظُنُّ سُمْكَهُ بَيْنَ الثَّمَانِ وَالسَّبْعِ نَحْوَ ذَلِكَ، وَوَقَفْتُ عِنْدَ بَابِ عَائِشَةَ فَإِذَا هُوَ مُسْتَقْبِلُ الْمَغْرِبَ.

ترجمہ وتشریح: حضرت عبداللہ رحمہ اللہ حضرت داؤد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے مکانوں کے بیرونی آنگنوں کو دیکھا ان کی جو دیواریں تھیں وہ کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی تھیں ان کے اوپر بال کے بنے ہوئے ٹاٹ ڈال دیئے گئے تھے (تاکہ اندر کے سوراخ بند ہوجائیں اور اندر کی چیزیں نظر نہ آئیں) اور میرا خیال ہے کہ گھر کی چوڑائی اور جو صحن کا دروازہ تھا وہاں سے لیکر مکان کے دروازے تک (آنگن کے اوپر بھی چھوٹی چھوٹی دیوار ہوتی تھی) وہ تقریباً چھ یا سات ہاتھ کے برابر تھی (ڈیڑھ فٹ کا ایک ہاتھ شمار کیا جائے تو گویا نو دس فٹ) اور اندر کا جو کمرہ تھا (جس میں رہائش ہوتی تھی وہ تقریباً دس ہاتھ یعنی پندرہ فٹ) اور ان کی اونچائی یعنی ان کی چھت سات یا آٹھ ہاتھ کے برابر تھی (بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ان کی چوڑائی کے متعلق بتلاتے ہیں یعنی لمبائی دس ہاتھ تھی اور چوڑائی سات سے لیکر آٹھ ہاتھ) اور فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے دروازے کے پاس کھڑا رہا تو وہ مغرب کی طرف تھا۔

تشریح ازواج مطہرات کے مکانات کھجور کی ٹہنیاں کھڑی کر کے دیواریں بنائی گئیں تھیں، اب ظاہر ہے کہ جب صرف ٹہنیاں کھڑی کر دی گئی تھیں تو اس میں جو دراڑیں یا سوراخ ہوں گے جن سے اندر کی چیزیں نظر آسکتی ہیں۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کا دروازہ مسجد نبوی کی طرف کھلتا تھا، جو لوگ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ریاض الجنۃ والے حصے میں اگر آدمی نماز پڑھے تو بائیں ہاتھ کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کا دروازہ ہے، مسجد نبوی میں قبلہ کی سمت جنوب کی طرف ہے اور حجرے کا دروازہ مغرب کی طرف کھلتا ہے۔

٤٥٣ - وَبِالسَّنَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مَسْعَدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ الرُّومِيِّ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ طَلْقٍ فَقُلْتُ: مَا أَقْصَرَ سَقْفَ بَيْتِكِ هَذَا؟ قَالَتْ: يَا بُنَيَّ إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ: أَنْ لَا تُطِيلُوا بِنَاءَكُمْ، فَإِنَّهُ مِنْ شَرِّ أَيَّامِكُمْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ام طلق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں داخل ہوا تو میں نے کہا کہ تمہارے گھر کی چھت کتنی نیچی ہے، تو فرمایا کہ: اے بیٹے! امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کارندوں کو لکھا ہے کہ اپنے گھر کی عمارتوں کو اونچا مت بناؤ، اس لیے کہ عمارت کا اونچا بننا تمہارے لیے بہت برے زمانے کی علامت ہے (گویا عمارتوں کا بڑا بنانا یہ برے دن کی علامت شمار ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی کچے مکانات بنانے کا بڑا اہتمام تھا)۔

بَابُ مَنْ بَنَى

٤٥٤ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ،

عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَلَّامِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، عَنْ حَبَّةَ بْنِ خَالِدٍ، وَسَوَاءَ بْنِ خَالِدٍ رضی الله تعالیٰ عنهما، أَنَّهُمَا أَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُعَالِجُ حَائِطًا أَوْ بِنَاءً لَهُ، فَأَعَانَاهُ.

اپنی ضرورت کے لیے عمارت بنانا

ترجمہ: حضرت سلام بن شرحبیل رحمہ اللہ تعالیٰ (تابعی ہیں) نے حضرت حبہ بن خالد اور سواء بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا کہ یہ دونوں حضرات نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس وقت آپ خود اپنے مکان کی دیوار ٹھیک کر رہے تھے، ان حضرات نے اس کام میں حضور ﷺ کی مدد کی (یعنی آپ ﷺ کا تعاون کیا، اب ظاہر ہے جو دیوار اپنے ہاتھ سے درست کی جائے وہ کتنی اونچی ہوگی، آدمی کے قد سے زیادہ اونچی تو نہیں ہو سکتی)۔

تشریح: تعمیرات کو آپس میں مقابلہ، تفاخر، دکھلاوا اور نمائش کے لیے بڑھانے کی شریعت مطہرہ میں ممانعت ہے، اگر کوئی آدمی بقدر ضرورت عمارت بنائے تو اس کی اجازت ہے، اس کو بتلانے کے لیے یہ حدیث لائے ہیں۔

٤٥٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى خَبَّابٍ نَعُودُهُ، وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعَ كَيَّاتٍ، فَقَالَ: إِنَّ أَصْحَابَنَا الَّذِينَ سَلَفُوا مَضَوْا وَلَمْ تُنْقِصْهُمُ الدُّنْيَا، وَإِنَّا أَصَبْنَا مَا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ، وَلَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ.

٤٥٦ - ثُمَّ أَتَيْنَاهُ مَرَّةً أُخْرَى، وَهُوَ يَبْنِي حَائِطًا لَهُ، فَقَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ يُؤْجَرُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يُنْفِقُهُ إِلَّا فِي شَيْءٍ يَجْعَلُهُ فِي التُّرَابِ.

ترجمہ: حضرت قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے (وہ بیمار تھے ان کو ناسور کی شکایت تھی) انہوں نے اپنی بیماری کے علاج کے لیے سات داغ لگوائے، وہ کہنے لگے کہ ہمارے ساتھی دنیا سے رخصت ہوئے وہ ایسی حالت میں دنیا سے گئے کہ دنیا نے ان کے آخرت کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں کی، اور ہمارے پاس اتنا مال ہوگیا کہ اس کو رکھنے کے لیے سوائے مٹی کے اور کوئی جگہ نہیں تھی (روایتوں میں ہے کہ اس زمانے میں وہ کچھ مکانات تعمیر کر رہے تھے، مکان کی تعمیر کو انہوں نے مٹی سے تعبیر کیا، گویا وہ پیسہ مٹی میں ڈال رہے ہیں) اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں موت کی دعا کرتا (اس بیماری کی وجہ سے بڑی تکلیف میں تھے، اس لیے انہوں نے فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی دعا سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا) راوی کہتے ہیں کہ ہم دوبارہ ان کی (یعنی حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی) خدمت میں حاضر ہوئے وہ اپنے مکان کی دیوار تعمیر کر رہے تھے اور فرمایا کہ مسلمان اپنی ضرورتوں کے لیے جو خرچ کرے گا اس پر اجر وثواب ملتا ہے سوائے اس رقم کے جو مٹی میں ڈالتا ہے (یعنی مکان کی تعمیر میں)۔

تشریح: اس روایت میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، یہ ان کے آخری زمانے کا قصہ ہے، اس وقت ان کے پاس فتوحات کی وجہ سے مال کی کثرت تھی، اس پر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا اور آج ہم دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اس وقت انہوں نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد کیا کہ وہ غزوۂ احد میں ایسی حالت میں شہید ہوئے کہ ان کے کفن کے لیے جو

چادر تھی وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر ان کے سر کو چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے، پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔

تین چیزیں

(۱) نیک عمل کا بدلہ ضرور ملتا ہے اگر دنیوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع بالکل نہیں ملا ہے تو اس نیک عمل کا بدلہ آخرت کی نعمتوں کی شکل میں دیا جائے گا، اور اگر دنیا میں بھی کچھ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا ہے تو گویا دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے اس عمل نے اس کو آخرت میں ملنے والے اجر میں کمی کر دی۔ بعض بزرگوں کے حالات میں آتا ہے کہ ایک بزرگ فقر و فاقہ کی وجہ سے پریشان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ فقر و فاقہ دور ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی اور فقر و فاقہ دور ہو گیا، ایک دن خواب دیکھا کہ موتیوں کا بنا ہوا ایک محل ہے صرف ایک موتی کی کمی ہے بتایا گیا کہ یہ آپ کا محل ہے، تو پوچھا کہ اس میں ایک موتی کی کمی کیوں ہے؟ جواب ملا کہ آپ نے دعا کی تھی فقر و فاقہ دور ہو جائے، وہ دعا قبول ہو گئی تھی تو موتی کا عوض دنیا میں مل گیا۔ تو کہا کہ مجھے نہیں چاہیے اسی کو باقی رکھا جائے۔

(۲) بدرجۂ مجبوری لوہے کو گرم کر کے علاج کے طور پر داغ لگا کر استعمال کرنے کی گنجائش ہے، ہاں نبیٔ کریم ﷺ نے بلا ضرورت شدیدہ اس علاج کے اختیار کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔

(۳) اپنی ضرورتوں کے لیے مال خرچ کرتے وقت اس کے دل میں اگر احتساب کی کیفیت ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے مال خرچ

کرر ہا ہے۔اس غرض سے اگر وہ خرچ کر رہا ہے تو اس پر اس کو ثواب ملے گا۔

٤٥٧ - حَدَّثَنَا عُمَرُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو السَّفَرِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا أُصْلِحُ خُصًّا لَنَا، فَقَالَ: "مَا هٰذَا؟" قُلْتُ: أُصْلِحُ خُصَّنَا يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ: "الْأَمْرُ أَسْرَعُ مِنْ ذٰلِكَ".

ترجمہ وتشریح: حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے پاس سے گذرے اور میں اپنا جھونپڑا (کھجور کی ٹہنیوں کو کھڑا کر کے اس پر مٹی لیپ کر دیوار بنائی جاتی ہے اس کو خص کہتے ہیں یعنی جھونپڑا) ٹھیک کر رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنا جھونپڑا درست کر رہا ہوں تو اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا معاملہ اس سے بھی زیادہ تیز ہے (مطلب یہ ہے کہ موت تو اس سے بھی پہلے آسکتی ہے تم تو یہ جھونپڑا اس لیے درست کر رہے ہو کہ اس سے فائدہ اٹھاؤ ہوسکتا ہے کہ اس درستگی کے بعد اس سے فائدہ اٹھانے سے پہلے ہی موت آجائے اس لیے ضرورت تو یہ ہے کہ اس سے پہلے اس کی تیاری آدمی کو کرنی چاہیے)۔

بَابُ الْمَسْكَنِ الْوَاسِعِ

٤٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ وَقَبِيصَةُ قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ خَمِيلٍ، عَنْ نَافِعِ بْنِ عَبْدِ الْحَارِثِ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ الْمَسْكَنُ

الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيءُ .

کشادہ مکان کی فضیلت

ترجمہ: حضرت نافع بن عبدالحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کی خوش بختی کی علامتوں میں سے ایک علامت کشادہ مکان ہے اور نیک پڑوسی اور اچھی سواری۔

تین چیزیں خوش بختی کی علامت ہیں

تشریح: (۱) کشادہ مکان جس سے اس کی ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہوں یعنی ضرورتوں کے پورے ہونے کے معاملے میں کوئی تنگی نہ ہو، مکان کی وسعت پسندیدہ ہے اور اس کو حدیث میں سراہا گیا ہے۔

(۲) اچھا پڑوسی جو آدمی کو راحت پہنچاتا ہو اور ایذاء رسانی سے بچاتا ہو یعنی اس کے ذریعے اس کے پڑوس والوں کو راحت پہنچتی ہو ایسا پڑوسی بھی آدمی کی خوش بختی کی علامت ہے۔

(۳) سواری کا جانور بڑھیا ہو جس کی وجہ سے سوار ہونے کی حالت میں کسی مشقت اور تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے، کسی کے پاس ایسی موٹر ہے کہ سوار ہوئے اور خراب ہوگئی بار بار بگڑتی جارہی ہے تو پوچھو جن کی سواریاں بگڑتی ہیں ان کا کیا حال ہوتا ہے؟ بہر حال اچھی سواری بھی آدمی کی خوش بختی کی علامت ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کشادہ مکان بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے، اوپر کی روایتوں کی وجہ سے کسی کو خیال آسکتا ہے کہ مطلقاً اچھے مکان کو آپ ﷺ نے

پسند نہیں فرمایا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اس باب کو قائم کر کے اس خیال کو دور فرمارہے ہیں کہ حدیث شریف میں کشادہ مکان کو آدمی کی خوش بختی میں سے شمار کیا گیا ہے۔

بَابُ مَنِ اتَّخَذَ الْغُرَفَ

٤٥٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ نِبْرَاسٍ أَبُو الْحَسَنِ، عَنْ ثَابِتٍ، أَنَّهُ كَانَ مَعَ أَنَسٍ بِالزَّاوِيَةِ فَوْقَ غُرْفَةٍ لَهُ، فَسَمِعَ الْأَذَانَ، فَنَزَلَ وَنَزَلْتُ، فَقَارَبَ فِي الْخُطَا فَقَالَ: كُنْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَمَشَى بِي هٰذِهِ الْمِشْيَةَ وَقَالَ: أَتَدْرِي لِمَ فَعَلْتُ بِكَ؟ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَشَى بِي هَذِهِ الْمِشْيَةَ وَقَالَ: "أَتَدْرِي لِمَ مَشَيْتُ بِكَ؟" قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "لِيَكْثُرَ عَدَدُ خُطَانَا فِي طَلَبِ الصَّلَاةِ.

بالاخانہ بنانے کی اجازت

ترجمہ: حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ (یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی شاگرد اور خادم ہیں) فرماتے ہیں کہ: میں مقام زاویہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے ایک بالاخانے پر تھا (اس سے معلوم ہوا کہ بالاخانہ بھی استعمال کے لیے بنایا جاسکتا ہے) اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کی آواز سنی وہ مسجد جانے کے لیے اترے اور ان کے ساتھ میں بھی اترا، وہ چلنے میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھارہے تھے، انہوں نے حضرت ثابت رحمہ اللہ سے کہا کہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ بھی ایک جلیل القدر صحابی ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھوانے کا کام ان سے لیا کرتے تھے اور علم فرائض میں صحابہ میں ان کو خصوصی اور امتیازی حیثیت حاصل تھی، فقہاء اور قراء صحابہ میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے) کے ساتھ ایک مرتبہ

جارہا تھا وہ بھی اسی طرح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر مسجد کی طرف جارہے تھے، مجھے کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے میں یہ چھوٹے چھوٹے قدم کیوں اٹھا رہا ہوں؟ اور اس کی وجہ بتلائی کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد کی طرف جارہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ معلوم ہے میں یہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر تمہیں کیوں لے جارہا ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے، کہا کہ نماز کے لیے ہم جارہے ہیں تو نماز کے لیے جاتے وقت ہمارے قدموں کی تعداد بڑھ جائے (اس لیے کہ جتنے قدم اٹھائیں گے اسی حساب سے اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب ملے گا)۔

تشریح: غُرَفٌ یہ غُرْفَةٌ کی جمع ہے بالاخانہ، منزل کو کہتے ہیں یعنی ایسا مکان جو ذرا اونچائی پر بنا ہوا ہو، قدیم زمانے میں ایسے مکانات ہوتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں دوسری منزل کی نوبت بہت کم آتی تھی۔

واقعتاً کسی کا مکان دور ہے تو اس کے لیے تو مسجد جانے پر زیادہ ثواب ہے ہی، لیکن اگر کسی کا مکان قریب ہے تو اس کے لیے ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ وہ مسجد جانے کے لیے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے تاکہ قدموں کی تعداد کے مطابق اس کو اجر و ثواب ملے۔

حدیث شریف سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دو منزلہ مکان بنانے کی اجازت ہے۔

بَابُ نَقْشِ الْبُنْيَانِ

٤٦٠- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي يَحْيَى، عَنِ ابْنِ أَبِي هِنْدَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :

"لَاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَبْنِيَ النَّاسُ بُيُوتًا، يُشَبِّهُونَهَا بِالْمَرَاحِلِ" . قَالَ إِبْرَاهِيمُ: يَعْنِي الثِّيَابَ الْمُخَطَّطَةَ .

عمارتوں پر نقش ونگار کرنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ نقش ونگار اور بیل بوٹے والے کپڑوں کے مشابہ مکانات تعمیر کریں گے۔

تشریح: عمارت کا مقصد رہائش ہوتا ہے، عمارتوں کے اوپر نقش ونگار یہ زائد چیز ہے اور اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے یعنی قیامت کے نزدیک لوگ اپنی عمارتوں پر نقش ونگار کا اہتمام کریں گے گویا یہ چیز پسندیدہ نہیں ہے اسی لیے اس کو یہاں پر ذکر کیا گیا ہے۔

٤٦١ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم: اكْتُبْ إِلَيَّ مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ: إِنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ"، وَكَتَبَ إِلَيْهِ: إِنَّهُ كَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ. وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدِ الْبَنَاتِ، وَمَنْعٍ وَهَاتِ .

ترجمہ وتشریح: حضرت ورادرحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتب تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ نے کوئی بات سنی ہوتو وہ مجھے لکھ کر بھیجیں، چنانچہ ان کی اس فرمائش پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو یہ بات لکھ کر بھیجی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے (لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنِ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور سارے اختیارات اور حکومت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اے اللہ! تو جو عطا کرے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے تو روک دے اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور کسی نصیب والے کو اس کا نصیب تجھ سے ہٹ کر فائدہ نہیں دے سکتا (یعنی کوئی کتنا ہی صاحب حیثیت ہو وہ حیثیت اور مرتبہ اللہ کے مقابلے میں اس کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیل وقال سے منع فرمایا کرتے تھے (یعنی فضول گفتگو اور بحث ومباحثہ جس میں آدمی اپنے وقت کو ضائع اور برباد کرے اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا) اور کثرت سوال سے منع فرمایا (یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی لوگوں سے مانگتا پھرے اس سے منع فرمایا) اور مال کو ضائع کرنے سے منع کیا اور ماؤں کی نافرمانی سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے تھے (ویسے تو ماں ہو یا باپ کسی کی بھی نافرمانی کی شریعت اجازت نہیں دیتی لیکن عام طور پر آدمی باپ کے مقابلے

میں ماں کی نافرمانی پر زیادہ جری ہوا کرتا ہے، باپ کی سزا، سختی اور گرفت کا ڈر ہوتا ہے جبکہ ماں کی طرف سے یہ خطرہ نہیں ہوتا اس لیے خاص طور پر ماں کا تذکرہ کیا) اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرمایا کرتے تھے (زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو اپنے لیے عار سمجھا جاتا تھا جب لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں تو زندہ ہی دفن کر دیا کرتے تھے اسلام نے اس سے منع فرمایا) اور دوسروں کے حقوق روکنے سے اور ناحق اپنے حق کے مطالبے سے منع کیا۔

تشریح: بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بلاضرورت سوالات کرتے رہتے ہیں، قرآن میں باری تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡيَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَـكُمۡ تَسُؤۡكُمۡ﴾ اے ایمان والو! ایسے سوالات نہ کیا کرو کہ تمہارے سامنے اگر وہ ظاہر کیا جائے تو تمہیں ناگوار ہو۔

اگر کسی آدمی کے ذمہ دوسروں کے حقوق ہیں ان کو روکے یعنی انہیں ادا نہ کرے اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، اس لیے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیے اور جس چیز پر اپنا حق نہیں ہے اس کے مطالبے سے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

یہاں اس روایت کو اسی لیے لائے ہیں کہ عمارتوں پر نقش ونگار کرنا گویا اپنے مال کو ضائع کرنا ہے اور اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

٤٦٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَنْ يُنَجِّي أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلٌ“، قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ

قَالَ: "وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَاغْدُوا وَرُوحُوا، وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ، وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا (یعنی نجات تو اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہوگی، عمل تو ایک علامت اور ذریعہ ہے ورنہ حقیقت میں نجات دینے والی چیز تو اللہ کا فضل ہے) صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی آپ کا عمل نجات نہیں دلائے گا؟ کہا کہ نہیں مجھے بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے (عمل جب نجات کے معاملے میں مؤثر نہیں ہے بلکہ مؤثر تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے) اس لیے عمل کے معاملے میں میانہ روی اختیار کرو (اور میانہ روی کامل طور پر تو اختیار نہیں کرسکتے) کم ازکم اس کے قریب ہونے کی کوشش کرو، صبح کے وقت کچھ چلو، شام کے وقت چلو، اندھیرے کے کچھ حصے میں اور میانہ روی اختیار کرو تو تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔

نشاط کے اوقات میں اعمال کا اہتمام کریں

تشریح: آخرت کے لیے عمل کرنے والوں کو نبیٔ کریم ﷺ نے ایک مسافر کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو اپنی منزل پر پہنچنا چاہتا ہے، جیسے وہ مسافر نشاط کے اوقات میں اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے اور باقی اوقات میں کچھ آرام کرلیتا ہے مسلسل سفر کو جاری نہیں رکھتا، اس لیے کہ اگر وہ مسلسل سواری کو چلاتا رہے تو مسافر اور اس کی سواری دونوں تھک جائیں گے اور منزل تک پہنچنے میں تاخیر ہوگی، اُس زمانہ میں عام طور پر نشاط کے اوقات میں اونٹوں پر سفر کیا جاتا تھا، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جیسے ایک مسافر دن کے شروع حصے میں سورج کی گرمی بڑھنے سے پہلے سفر کرتا ہے اور جب

سورج چڑھ جاتا ہے اور اس کی تپش بڑھ جاتی ہے تو وہ ٹھہر جاتا ہے اور آرام کر لیتا ہے پھر جب زوال کے بعد کا وقت شروع ہوتا ہے اور گرمی کم ہوتی ہے تو پھر وہ دوبارہ سفر شروع کر دیتا ہے اور غروب سے کچھ دیر پہلے ٹھہر جاتا ہے، پھر رات کے ابتدائی حصے میں سفر کرتا ہے، جیسے ایک مسافر سفر کے جاری رکھنے کے معاملے میں اپنے نشاط کے اوقات کو استعمال کرتا ہے اسی طرح اعمال کے سلسلے میں گویا نبیٔ کریم ﷺ تاکید فرماتے ہیں کہ آپ اپنے نشاط کے اوقات میں اعمال کا اہتمام کریں یہ نہیں کہ چوبیس گھنٹے آدمی عبادت میں لگا ہوا ہے، یا یہ کہ مختلف عبادتوں کے ذریعے سے اپنی طبیعت کو نشاط میں لاتا رہے، اس لیے کہ ایک ہی طرح کی عبادت کرنے سے طبیعت میں نشاط اور فرحت ختم ہو کر اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر عبادت کی جنس اور نوع بدل دی جائے تو پھر دوبارہ نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جب آخرت کے اعمال کے معاملے میں غلو اور حد سے آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ہے تو اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے معاملے میں بھی غلو نہیں کرنا چاہیے یعنی اپنی عمارتوں اور مکانوں کو سادہ رکھا جائے اور بے جا نقش و نگار اور اسراف سے پرہیز کرنا چاہیے۔

بَابُ الرِّفْقِ

٤٦٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رضى الله تعالىٰ عنها زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ

عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ: عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَدْ قُلْتُ: وَعَلَيْكُمْ".

نرمی کا بیان

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نبئ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے (السلام علیکم کے بجائے) السام علیکم کہا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ان کی شرارت کو سمجھ گئی اور میں نے ان کے جواب میں کہا کہ تم پر موت ہو اور تم پر اللہ کی لعنت ہو (یہودی کی حرکت پر ان کو غصہ آ گیا اور ان الفاظ سے ناراضگی ظاہر کی جیسے اینٹ کا جواب پتھر) اس پر نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! ذرا ٹھہرو (یعنی سکون اور صبر سے کام لو) اللہ تعالیٰ ہر چیز میں نرمی کو پسند کرتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! انہوں نے کیا کہا آپ نے نہیں سنا؟ (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ یہ سمجھیں کہ شاید حضور ﷺ نے ان کی بات صحیح طور پر نہیں سنی اس لیے مجھے ٹوک رہے ہیں، اگر حضور ﷺ بھی اس کا مطلب سمجھ جاتے تو میرے اس جواب کو شاید ناگوار نہ سمجھتے) تو نبئ کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بھی تو جواب میں انہیں علیکم کہا (یعنی جو بات تم نے مجھے کہی وہ تم پر ہو) اسی لیے ان کی طرف سے اس قسم کے الفاظ اگر سلام میں کہے جائیں تو اس کے جواب میں علیکم کہنا چاہیے۔

تشریح: سلام کا معنی ہے سلامتی اور سام عربی زبان میں موت کو کہتے ہیں السام علیکم یعنی تم کو موت ہو نعوذ باللہ، یہ بددعا کے معنیٰ میں آتا ہے لیکن السلام علیکم اور السام علیکم دونوں جملوں کے الفاظ چونکہ سننے میں ایک جیسے ہیں اس لیے کبھی سننے والے کو مغالطہ ہو جاتا ہے اور بولنے والا السام بول رہا ہوتا ہے اور سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ اسے سلام کیا گیا ہے۔ یہودی اس طرح کی حرکتیں اور شرارتیں کرتے رہتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی جب وہ پہنچے تو بجائے السلام علیکم کہنے کے السام علیکم کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کی شرارت کو میں سمجھ گئی کہ وہ سلام نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ السام علیکم کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بددعا دے رہے ہیں، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس سے زیادہ سخت الفاظ یہودیوں کو کہے جیسا کہ مشہور کہاوت ہے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا۔

حدیث سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ نرم خوئی، یعنی لوگوں کے ساتھ سختی کی بجائے نرمی سے پیش آنا شریعت کی نگاہ میں زیادہ پسندیدہ ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہے۔ دیکھئے یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہود بددعا کے ساتھ مخاطب کر رہے ہیں اس پر جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سخت رویہ اپنایا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرما کر نرمی اختیار کرنے کی تاکید فرمائی۔

٤٦٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ تَمِيمِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنہم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو نرم خوئی سے محروم رکھا گیا (یعنی جس کے مزاج میں نرمی نہیں ہے) گویا وہ ہر طرح کی خیر سے محروم ہے (یہ نرم خوئی یعنی اس کے مزاج میں نرمی کا ہونا یہ بہت پسندیدہ چیز ہے اوراس کی وجہ سے آدمی بہت ساری خیر وبرکات سے مالا مال ہوا کرتا ہے)۔

٤٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ، فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، أَثْقَلُ شَيْءٍ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَإِنَّ اللهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ.

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی کو نرمی کا حصہ ملا (یعنی نرم خوئی اس کے مزاج میں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چیز اس کو ملی ہے) گویا اس کو بڑا حصہ بھلائی کا ملا، اور جس کو نرم خوئی سے محروم رکھا گیا (یعنی جس کو نرم خوئی کا حصہ نہیں ملا) گویا بہت بڑی خیر سے وہ محروم رہا (اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے مزاج میں نرمی پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے) قیامت کے روز مؤمن کے ترازوئے اعمال کے اندر جو چیز سب سے زیادہ وزنی ہوگی وہ حسن اخلاق ہے اس کی وجہ سے نامۂ اعمال میں وزن پیدا ہوگا اور اللہ تبارک وتعالیٰ فحش گو اور منہ پھٹ انسان کو ناپسند کرتے ہیں، (اللہ تعالیٰ نے بدکلامی کو بھی ناپسند فرمایا ہے)۔

٤٦٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ وَاسْمُهُ أَبُو بَكْرٍ مَوْلَى زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ

أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَتْ عَمْرَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ تعالیٰ عنها وعنهم: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا جو باوقار اور بامروت لوگ ہیں ان کی غلطیوں سے درگذر کرو۔

تشریح: آپ ﷺ اس حدیث سے عام لوگوں کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ ایسے لوگ جن کا معاشرے میں کچھ مقام ہے، لوگوں کی نگاہوں میں باعزت سمجھے جاتے ہیں، اگر کبھی ان کی طرف سے کوئی ایسی بات پیش آجائے جس کو برا سمجھا جاتا ہے تو پھر اس کو اچھالنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس سے درگذر کرنا چاہیے۔ یا پھر نبیٔ کریم ﷺ حکام کو کہہ رہے ہیں کہ آپ کے پاس ایسے لوگوں کا کوئی معاملہ آئے جو سماج اور معاشرے میں اچھے سمجھے جاتے ہوں یعنی صاحب حیثیت، باوقار، با اثر اور بارسوخ ہوں تو حکام کو چاہیے کہ ان کی غلطی سے درگذر کریں، درگذر کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی ایسی سزا جو دوسرے کے لیے بھی ہے تجویز نہ کریں۔ لیکن یہ درگذر کرنے کا حکم صرف ان سزاؤں میں ہے جن میں حاکم کو اختیار رہوتا ہے۔ ہاں جن جرائم میں خود شریعت کی طرف سے کوئی سزا مقرر ہے اس میں کسی کی کوئی رعایت نہیں کی جانی چاہیے۔ مثلاً کسی نے زنا کا ارتکاب کیا اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سزا مقرر ہے، چوری کا ارتکاب کیا اس پر ایک سزا مقرر ہے تو اس میں تو کسی کی رعایت نہیں کی جائیگی، بلکہ سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے گا۔

قبیلۂ بنومخزوم کی عورت کا واقعہ

اس بارے میں حدیث شریف میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ ایک مرتبہ قبیلۂ بنومخزوم کی ایک عورت جس کا نام فاطمہ مخزومیہ تھا چوری کے معاملے میں پکڑی گئی اور اس پر حد جاری کرنے کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا، یہ چیز لوگوں کے لیے بہت زیادہ اہمیت کی باعث بنی اس لیے کہ قبیلۂ بنومخزوم قریش کا بہت باعزت قبیلہ سمجھا جاتا تھا، اس قبیلے سے تعلق رکھنے والی کسی عورت کا ہاتھ کاٹا جانا پورے قبیلے کے لیے ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتا، تو لوگوں میں مشورہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سفارش کی جائے اور اس سزا کو رکوایا جائے، اس کے لیے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لاڈلے، جن کا لقب [حِب الرسول] تھا ان کو اس کے لیے تیار کیا گیا اور لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس عورت کی سزا رکوانے کی سفارش کریں، چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ناراض ہوئے، آپ کا چہرۂ انور غصے کی زیادتی کی وجہ سے سرخ ہو گیا اور پھر ان سے کہا: (اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ) اے اسامہ! کیا تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزاؤں میں سے ایک سزا میں کمی کرنے کی سفارش لیکر آئے ہو؟ پھر آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ سَرِقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا) اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اَعَاذَهَا اللهُ مِنْهَا) چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلی امتیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ ان میں اگر کوئی کم حیثیت شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزاؤں والے گناہوں میں

سے کسی گناہ کا ارتکاب کرتا تو اسے شریعت کی طرف سے اس گناہ کے لیے مقرر کردہ سزا دی جاتی اور کوئی بڑا آدمی ایسی حرکت کرتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا۔

حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب فیصلہ

ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تعزیر کے متعلق ایک واقعہ سناتے تھے کہ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تین آدمی لائے گئے جن کا ایک ہی طرح کا جرم تھا، ایک کو تو انہوں نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھ لیا اور دوسرے کو کہا: اچھا اور تیسرے کو ذرا پٹوایا بھی، لوگوں نے کہا کہ آپ نے ایک ہی قسم کے جرم پر الگ الگ سزائیں کیوں دیں؟ کہا کہ جاؤ ان کی حالت معلوم کرو، جس کو حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا تھا معلوم ہوا کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے، یعنی اس کے لیے یہ چیز بھی بہت بھاری تھی اور جس کو ذرا ڈانٹا تھا اس کے متعلق معلوم ہوا کہ اس کی حالت خراب ہے اور وہ تیسرا جس کی پٹائی کروائی تھی وہ گھوم پھر رہا ہے۔ بہر حال حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ تعزیر یعنی حاکم کو جن سزاؤں کے معاملے میں اختیار دیا جاتا ہے انہیں جاری کرتے وقت اس گناہ کے مرتکب شخص یعنی مجرم کے حالات کو مدنظر رکھے۔

٤٦٧ - حَدَّثَنَا الْغُدَانِيُّ أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَكُونُ الْخُرْقُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ، وَإِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سختی (مزاج کا اکھڑپن کسی چیز میں نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کو عیب لگاتا ہے (کسی معاملہ میں آدمی سخت رویہ اپناتا ہے جس کی وجہ سے اس میں عیب پڑ جاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نرم ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے (اس لیے آدمی کو ہر چیز میں نرم خوئی کا رویہ اپنانا چاہیے)۔

٤٦٨ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي عُتْبَةَ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم قَالَ: كَانَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا، وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ ایک کنواری لڑکی جو اپنے پردے کے اندر ہو اس سے بھی زیادہ باحیاء تھے اور جب آپ کسی چیز کو ناپسند سمجھتے تھے تو ہم اس کو آپ کے چہرۂ انور پر محسوس کرتے تھے۔

تشریح: پرانے زمانہ میں کنواری لڑکیوں کے لیے گھر میں ایک الگ سے کمرہ پورے گھر کے مقابلے میں زیادہ محفوظ بنایا جاتا تھا اس کو خدر کہتے ہیں، ایسی لڑکی جب اپنے کمرے میں ہوتی ہے تو اس پر حیاء کا غلبہ اور زیادہ ہوتا ہے۔

جب کسی کا کوئی رویہ، کوئی بات یا عمل نبیٔ کریم ﷺ کو ناپسند ہوتا تھا اس کا اثر آپ کے چہرۂ انور پر ظاہر ہوتا تھا۔

اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے زبانی طور پر تو کوئی اظہار نہیں کیا یہ گویا آپ کے نرم رویہ اور نرم خوئی کا نتیجہ تھا لیکن اس کے باوجود اس غلط حرکت کا اثر آپ کے چہرۂ انور پر محسوس کیا گیا۔

٤٦٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ قَابُوسَ، أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْهَدْيُ الصَّالِحُ، وَالسَّمْتُ، وَالِاقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہترین طریقہ، اچھا طور طریق اور میانہ روی نبوت کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

تشریح: زندگی گذارنے کے لیے ایک اچھا انداز، اچھی روش اپنانا اس کو ھدْیٌ کہتے ہیں اور سَمْتٌ کا مطلب بھی اچھا طریقہ اور اچھی روش ہے اور الاِقْتِصادُ کا معنی میانہ روی کے ہے، یعنی زندگی کے ہر شعبے میں چاہے وہ عبادت کا ہو یا معاشرت کا آدمی ایسا طریقہ اپنائے کہ نہ اس میں افراط ہو اور نہ ہی تفریط بلکہ میانہ روی ہو، آدمی کسی کے سامنے جو غصے کا اظہار کرتا ہے اس میں بھی افراط سے کام نہیں لینا چاہیے۔

٤٧٠ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمِقْدَامِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ الله عَنْهَا وعنهم قَالَتْ: كُنْتُ عَلَى بَعِيرٍ فِيهِ صُعُوبَةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک اونٹ پر سوار تھی جس کے مزاج میں اڑیل پن تھا (یعنی وہ زیادہ اچھی طرح نہیں چلتا تھا، جب سواری کا جانور اچھی طرح نہ چلتا ہو تو سوار کو اس کی بار بار پٹائی کرنی پڑتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس کو چلانے کے لیے اس کے ساتھ ذرا سختی کا معاملہ کر رہی تھیں) اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ٹو کا اور فرمایا: نرمی سے کام لو (یعنی اس جانور کو پیٹنے کی بجائے ذرا چمکار کر چلانے کی کوشش کرو) اس لیے کہ نرمی جہاں بھی کسی چیز میں آئے گی اس کی وجہ سے اس کی رونق بڑھ جائے گی (اس میں خوبی پیدا ہو جائے گی) اور جس چیز میں سے نرمی نکال لی جائے گی اس میں عیب پیدا ہو جائے گا۔

تشریح: کوئی بھی رویہ، کوئی طور طریق، کوئی انداز ہو اگر اس میں نرمی ہے تو وہ اس کے لیے خوبی کا ذریعہ بنتا ہے اور سخت رویہ اس کے لیے عیب کا ذریعہ بنتا ہے۔

٤٧١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ، وَقَطَعُوا أَرْحَامَهُمْ، وَالظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ وتشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم شح سے بچو (شح بخل اور حرص کے مجموعے کو کہتے ہیں کہ آدمی کو کسی چیز کی لالچ ہو اور لالچ کے ساتھ بخل بھی ہو کہ اس کو حاصل کرنے کی اس کے اندر طلب ہے لیکن اس کے حصول کے لیے جو قربانی دینی چاہیے وہ اس کے لیے تیار نہیں ہے تو گویا ایسے حرص اور لالچ کے مجموعے سے نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے) ایسی برائی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا تھا انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کے خون بہائے اور رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کیا (اس لیے کہ آدمی کسی چیز کا حق ادا کیے بغیر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو آپس میں ٹکراؤ ہوگا جس کے نتیجے

میں خون بہانے کی نوبت آئے گی اور آپس کے تعلقات اس سے متاثر ہوں گے) اور ظلم قیامت کے روز اندھیریوں کی شکل میں نمودار ہوگا (گویا دنیا میں کوئی آدمی ظلم اور زیادتی سے کام لے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے اس عمل کو قیامت کے روز اندھیریوں کی شکل میں اس کے سامنے ظاہر فرمائیں گے)۔

بَابُ الرِّفْقِ فِي الْمَعِيشَةِ

٤٧٢ - حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ كَثِيرِ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَقَالَتْ: أَمْسِكْ حَتَّى أَخِيطَ نَقْبَتِي فَأَمْسَكْتُ فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، لَوْ خَرَجْتُ فَأَخْبَرْتُهُمْ لَعَدُّوهُ مِنْكِ بُخْلًا، قَالَتْ: أَبْصِرْ شَأْنَكَ، إِنَّهُ لَا جَدِيدَ لِمَنْ لَا يَلْبَسُ الْخَلَقَ .

گذر بسر میں آدمی اپنے لیے سہولت کا راستہ اختیار کرے

ترجمہ: حضرت کثیر بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی تو انہوں نے کہا کہ ٹھہر جاؤ میرا پائجامہ پھٹا ہوا ہے میں اس کو ذرا درست کرلوں اس کے بعد تم کو آنے کی اجازت دوں گی (ویسے آپ پردے کی آڑ میں رہتی تھیں لیکن وہ ایک کام میں مشغول تھیں اس مشغولی کی وجہ سے گویا اس وقت ان کو روکا) میں ٹھہر گیا اس کے بعد جب اجازت ملنے پر حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ اگر میں باہر جا کر لوگوں کو بیان کروں کہ ام المؤمنین پھٹے ہوئے پائجامے کو سی کر استعمال کرتی ہیں تو لوگ آپ کے حق میں بخل شمار کریں گے، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا نے فرمایا کہ دیکھ لو (یعنی تم جو سوچ رہے تھے کو لوگوں کو کہوں گا تو دیکھ لو سوچ لو) جو آدمی پرانا کپڑا نہیں پہنتا اس کو نئے کپڑے پہننے کی لذت حاصل نہیں ہوتی (جو روزانہ نئے کپڑے پہنتا رہتا ہے اس کو نئے کپڑے کی وجہ سے جو ایک مسرت اور خوشی ہونی چاہیے وہ نہیں ہوتی، خوشی تو اس کو ہوگی جو کپڑے کو استعمال کر کے پرانا کردے اور اس کے اندر پیوند لگائے)۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کپڑے کو سی کر استعمال کرنا یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ فتوحات کی وسعت ہو چکی تھی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے لوگ کثرت سے بڑی بڑی رقمیں ہدیے میں بھیجتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی عادت کے مطابق آنے والی ساری رقوم لوگوں میں تقسیم کردیا کرتی تھیں، اپنی ضروریات کا بھی خیال نہیں کرتی تھیں، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بہت بڑی رقم آئی سب تقسیم کردی، خادمہ نے کہا کہ آج تو آپ کا روزہ تھا، شام کو افطار کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، گھر میں دو چار پیسے رہنے دیے ہوتے، تو کہا کہ پہلے سے بتلایا ہوتا۔ ان کو تو یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ گھر میں ضرورت ہے۔ بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تاکید فرمائی کہ کسی کپڑے کو پرانا سمجھ کر مت چھوڑو جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگ جائے یعنی پیوند لگانے کے بعد اس کا استعمال چھوڑ دیں۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر ایسی پابندیاں عائد نہ کرے کہ جس کی وجہ سے خود ہی تنگی میں پڑ جائے مثلاً استری شدہ کپڑے ہوں گے تبھی پہنوں گا ورنہ نہیں پہنوں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ حالات کی مناسبت سے جیسا نصیب فرمائیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کو استعمال کیا جائے گویا ایسا اہتمام کرنا کہ

وہ اہتمام طبیعت کے لیے مشقت کا ذریعہ بن جائے پسندیدہ نہیں۔

بَابُ مَا يُعْطَى الْعَبْدُ عَلَى الرِّفْقِ

٤٧٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الله رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَيْهِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ" وَعَنْ يُونُسَ، عَنْ حُمَيْدٍ مِثْلَهُ.

نرم خو بندے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نرم خو ہیں اور نرم خوئی (یعنی مزاج کی نرمی) کو پسند کرتے ہیں اور مزاج کی سختی پر اللہ تعالیٰ وہ نہیں دیتے جو نرم خوئی پر دیتے ہیں۔

تشریح: نبی کریم ﷺ اپنے ارشاد کے ذریعے امت کو تاکید فرمارہے ہیں، تعلیم وتربیت فرمارہے ہیں کہ اپنے مزاج میں نرمی پیدا کرو اور نرم خوئی کی عادت ڈالو، مزاج کی سختی اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

بَابُ التَّسْكِينِ

٤٧٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا.

لوگوں کو سکون اور اطمینان دلانا

ترجمہ وتشریح: حضرت ابو التیاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے لیے آسانی کرو، ان کو مشقت اور دشواری میں مت ڈالو (خاص کر جو لوگ ارباب اقتدار ہیں یعنی جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کے معاملات حوالے کئے ہیں انہیں تاکید ہے کہ لوگوں کے ساتھ نرم رویہ اپنائیں اور سختی نہ کریں) اور لوگوں کو سکون اور اطمینان دلاؤ (یعنی ایسی بات مت کرو جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو، آپس میں شقاق ونفاق اور اختلاف وافتراق کی نوبت آئے)۔

٤٧٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم قَالَ: نَزَلَ ضَيْفٌ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، وَفِي الدَّارِ كَلْبَةٌ لَهُمْ، فَقَالُوا: يَا كَلْبَةُ، لَا تَنْبَحِي عَلَى ضَيْفِنَا فَصِحْنَ الْجِرَاءُ فِي بَطْنِهَا، فَذَكَرُوا لِنَبِيٍّ لَهُمْ فَقَالَ: إِنَّ مَثَلَ هَذَا كَمَثَلِ أُمَّةٍ تَكُونُ بَعْدَكُمْ، يَغْلِبُ سُفَهَاؤُهَا عُلَمَاءَهَا .

ترجمہ وتشریح: حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل کے ایک گھرانے میں مہمان آئے ان کے محلے میں ایک کتیا رہتی تھی جو رات کو بھونکتی تھی، میزبان نے کتیا سے کہا کہ اے کتیا! آج بھونکنا مت (مہمان آئے ہیں ان کی نیند میں خلل پڑے گا اس لیے ذرا سکون سے رہنا رات کو شور مت کرنا) کتیا تو نہیں بھونکی اس کے پیٹ میں بچے تھے انہوں نے شور مچایا (اور

مہمان کی نیند میں خلل ڈالا) تو اس زمانے میں جو نبی تھے ان کے سامنے اس گھرانے والوں نے اس واقعے کا تذکرہ کیا اس پر ان نبی نے کہا یہ تو ایسا ہی ہے جیسا ایک امت تمہارے بعد آنے والی ہے (یعنی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس میں ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ اس کے کم عقل یعنی جاہل اس کے علماء پر یعنی عقلمندوں پر غالب آئیں گے (جیسا یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا کہ کم عمری کی وجہ سے چونکہ سمجھ بھی کم ہوتی ہے، بچوں کی ماں تو مہمانوں کے احترام میں خاموش رہی لیکن ان بچوں نے اس کا کوئی خیال نہیں کیا)۔

بَابُ الْخُرْقِ

٤٧٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضى الله تعالىٰ عنها تَقُولُ: كُنْتُ عَلَى بَعِيرٍ فِيهِ صُعُوبَةٌ، فَجَعَلْتُ أَضْرِبُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، فَإِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ.

مزاج کی سختی

ترجمہ وتشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک سفر میں ایک اونٹ پر سوار تھی اور اس کے مزاج میں اکھڑ پن تھا (وہ اونٹ سوار کے کہنے کے مطابق چلتا نہیں تھا، اس کے مزاج میں اڑیل پن تھا تو اس کو چلانے کے لیے میں اس کی کوڑے کے ذریعے پٹائی کرتی تھی) اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تاکید فرمائی کہ نرمی سے کام لو (یعنی اونٹ کو مت مارو، چمکار کر اس کو

چلانے کی کوشش کرو) اس لیے کہ نرم خوئی اور نرمی جہاں کسی چیز میں آتی ہے اس کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور جس میں سے نرمی نکال دی جائے اس کو عیب لگ جاتا ہے (گویا نرمی ہر چیز میں خوبی کا ذریعہ بنتی ہے)۔

٤٧٧ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ: قَالَ رَجُلٌ مِنَّا يُقَالُ لَهُ: جَابِرٌ أَوْ جُوَيْبِرٌ: طَلَبْتُ حَاجَةً إِلَى عُمَرَ فِي خِلَافَتِهِ، فَانْتَهَيْتُ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيْلًا، فَغَدَوْتُ عَلَيْهِ، وَقَدْ أُعْطِيتُ فِطْنَةً وَلِسَانًا - أَوْ قَالَ: مِنْطَقًا - فَأَخَذْتُ فِي الدُّنْيَا فَصَغَّرْتُهَا، فَتَرَكْتُهَا لَا تَسْوَى شَيْئًا، وَإِلَى جَنْبِهِ رَجُلٌ أَبْيَضُ الشَّعْرِ أَبْيَضُ الثِّيَابِ، فَقَالَ لَمَّا فَرَغْتُ: كُلُّ قَوْلِكَ كَانَ مُقَارِبًا، إِلَّا وَقُوعَكَ فِي الدُّنْيَا، وَهَلْ تَدْرِي مَا الدُّنْيَا؟ إِنَّ الدُّنْيَا فِيهَا بَلَاغُنَا - أَوْ قَالَ: زَادُنَا - إِلَى الْآخِرَةِ، وَفِيهَا أَعْمَالُنَا الَّتِي نُجْزَى بِهَا فِي الْآخِرَةِ، قَالَ: فَأَخَذَ فِي الدُّنْيَا رَجُلٌ هُوَ أَعْلَمُ بِهَا مِنِّي، فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، مَنْ هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي إِلَى جَنْبِكَ؟ قَالَ: سَيِّدُ الْمُسْلِمِينَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ.

ترجمہ: حضرت ابونضرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان ایک آدمی تھے جن کا نام جابر یا جویبر تھا انہوں نے یہ بات بیان کی کہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اپنی ایک ضرورت لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے گیا اور رات کے وقت مدینہ منورہ پہنچا (چونکہ رات کے وقت ملاقات کرنا مناسب نہ سمجھا اس لیے ٹھہر گیا) صبح کے وقت امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے بڑی سوجھ بوجھ اور چرب زبانی یا گفتگو کا انداز عطا ہوا تھا (یعنی میں بڑا زیرک ہوشیار اور بولنے میں بہت تیز وطرار تھا) اور اپنی حاجت پیش کرنے کے دوران دنیا کی اتنی برائی کی کہ

اس کو ایک دم بے حیثیت بنا دیا (گویا اپنی گفتگو سے دنیا کا بے حیثیت ہونا ثابت کیا) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر میں ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، ان کے بال بھی سفید تھے اور انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، جب میں اپنی بات پوری کر چکا تو وہ بزرگ بولے کہ تیری سب باتیں ٹھیک تھیں لیکن تو نے دنیا کی اتنی برائی کی اتنی برائی کہ بالکل اس کو بے وقعت بنا ڈالا یہ بات ٹھیک نہیں ہے، جانتے ہو دنیا کیا ہے؟ (دنیا ہی سے تو ہماری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اس کو تم اس طرح حقیر بتلاؤ گے تو کیسے بات بنے گی، دنیا کا کچھ نہ کچھ تو لحاظ کرنا ہی پڑے گا) دنیا ہی کے ذریعے ہم آخرت کے لیے توشہ تیار کرتے ہیں (دنیا نہ ہو تو آخرت کا توشہ کیسے تیار ہوگا) اور دنیا ہی میں رہ کر اپنے ان اعمال کو انجام دیتے ہیں جن کا بدلہ ہمیں قیامت میں ملے گا (جنت کی شکل میں، تو گویا جنت کا حصول بھی دنیا پر موقوف ہے، دنیا نہ ہوتی تو جنت کیسے ملتی) راوی کہتے ہیں گویا دنیا کی بات ایک ایسے شخص بیان کرنے لگے جو دنیا کی حقیقت کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ جب میں ان کی بات سن چکا تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! یہ شخص جو آپ کے برابر میں بیٹھے ہیں جنہوں نے یہ ساری باتیں کہیں یہ کون ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ مسلمانوں کے سردار حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختصر حالات

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہت احترام کرتے تھے، آپ انصار میں سے ہیں، آپ کا لقب بھی سید الانصار تھا، اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سید المسلمین کا لقب دیا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آپ کو اقرأهم أُبَیٌ کا لقب دیا گیا تھا، فنِ قرآت کو صحابۂ کرام رضوان

اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے، آپ کا علم بہت اونچا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آپ کی خدمت میں علم حاصل کرنے کے لیے برابر حاضری دیا کرتے تھے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انتقال ہوا اس وقت میری عمر بارہ تیرہ سال کی تھی، یعنی آپ بہت چھوٹے تھے، آپ فرماتے تھے کہ کم عمری کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جیسا فائدہ اٹھانا چاہیے ایسا موقع ہمیں نہیں ملا، اس لیے ہم نے سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تو انتقال ہو گیا لیکن آپ کے بڑے بڑے صحابہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فیض اٹھایا ہے وہ ابھی بھی موجود ہیں، ہمارے لیے موقع ہے کہ ہم ان سے فائدہ حاصل کریں، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما علم حاصل کرنے کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اور وہ بھی بڑے ادب واحترام کے ساتھ جاتے تھے، حالانکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، آپ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کی تھی: اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْكِتَابَ وَفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ کہ اے اللہ! ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتاب اللہ کا علم دے اور دین کی سمجھ دے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے تو ان کے گھر آکر دروازہ کھٹکھٹاتے نہیں تھے بلکہ دروازے کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکلنے کا انتظار کرتے تھے، اس میں کبھی گھنٹہ، دو گھنٹہ اور تین گھنٹے بھی لگ جاتے تھے، جب وہ نکلتے تھے اور دیکھتے تھے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہر ہیں، آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچازاد

بھائی ہیں اور حضور ﷺ کے ساتھ رشتہ داری کی وجہ سے ان کا حق بھی زیادہ ہے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ ان سے کہتے تھے کہ آپ نے دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا؟ مجھے بلا نہیں لیا؟ میں خود آجاتا اور آپ کے سوال کا جواب دے دیتا، اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرض کرتے کہ نہیں، ایک عالم کی حیثیت امت میں ایسی ہے جیسے قوم میں نبی کی حیثیت، نبی کی جو عزت و مقام اور جو آداب مقرر کئے گئے ہیں وہ ان کے بھی ہیں، نبی کے لیے باری تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَّرَآءِ الحُجُرٰتِ اَكثَرُهُم لَا يَعقِلُونَ وَلَو اَنَّهُم صَبَرُوا حَتّٰى تَخرُجَ اِلَيهِم لَكَانَ خَيرًا لَّهُم وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ترجمہ: اے نبی! جو لوگ آپ کو باہر سے آوازیں دے کر بلاتے ہیں اور باہر آنے پر مجبور کرتے ہیں ان میں سے اکثر وہ ہیں جن میں سمجھ نہیں ہے، آپ کے آداب سے واقف نہیں ہیں، اگر وہ انتظار کرتے، آپ کو آواز دے کر باہر نہ بلاتے بلکہ آپ کے از خود باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے یہ ان کے لیے بہتر تھا۔

قبیلۂ بنو تمیم کا ایک وفد نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں عین دوپہر کے وقت حاضر ہوا تھا جو نبیٔ کریم ﷺ کا آرام کا وقت تھا وہ آئے اور باہر سے چلانا شروع کر دیا: يَا مُحَمَّدُ ! اُخْرُجْ اے محمد باہر آیئے ہم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں اور حضور ﷺ آرام میں تھے ان کی یہ بات حضور ﷺ کو بڑی گراں گذری، بہر حال جب انہوں نے آوازیں دیں تو حضور ﷺ باہر تشریف لے آئے اور اسی پر سورۂ حجرات کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کریمہ کو پڑھ کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کرتے کہ ایک عالم کا مقام لوگوں میں ایسا ہے جیسا

ایک نبی کا مقام امت میں اور نبی کا یہ ادب اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے، لہٰذا مجھ پر لازم ہے کہ میں آپ کے ساتھ بھی اسی ادب سے پیش آؤں، چنانچہ یہ ادب ہی تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں علم میں یہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا۔ بہر حال صحابۂ کرام کے درمیان حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بڑا اونچا مقام تھا، بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک موقع پر نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کہ اے ابی! مجھے باری تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ میں تم کو سورۂ لم یکن الذین کفروا الخ پڑھ کر سناؤں، تو حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیکر فرمایا؟ یہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ جب حضور ﷺ فرمارہے ہیں تو دوبارہ پوچھنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو مطلق کہا گیا ہو کہ آپ اپنے صحابۂ کرام میں سے کسی کو یہ سورت سنائیں اور آپ نے اپنے طور پر تجویز کیا ہو۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اگر چہ اللہ تعالیٰ نے نہیں لیا ہوتا پھر بھی حضرت ابی کے لیے بڑی سعادت کی بات تھی کہ حضور ﷺ اپنی طرف سے ان کا نام تجویز فرمارہے ہیں لیکن بہر حال حضور ﷺ نے جس انداز سے فرمایا تھا اس سے وہ یہ سمجھے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے نام نہ لیا ہو اس لیے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیکر کہا؟ تو کہا کہ ہاں اللہ تعالیٰ نے نام لیکر کہا، یہ سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ اللہ تعالیٰ میرا نام لے رہے ہیں۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

بہر حال اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام کتنا بلند ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر و بیشتر مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو آپ کو بلا کر پوچھتے تھے کہ اس مسئلے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

٤٧٨ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا قِنَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النَّهْمِيُّ قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْسَجَةَ ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْأَشَرَةُ شَرٌّ.

ترجمہ: حضرت براء ابن عاذب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خود پسندی بہت بری چیز ہے۔

تشریح: خود پسندی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا، یہ بہت ساری برائیوں کی جڑ ہے، کبھی بھی آدمی اپنے کو دوسرے سے اچھا نہ سمجھے، اپنے کو کمتر ہی سمجھے، اور ہر ایک کے بارے میں یہ سوچے کہ اس میں فلاں فلاں خوبیاں ہیں اور ان خوبیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا مقام و مرتبہ کتنا بلند ہوگا اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اشعار ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس کو آپ بیتی میں بھی نقل کیا ہے۔

مُرا پیر دانائے روشن شہاب	دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش	دوم آنکہ برغیر بد بیں مباش

کہ ہمارے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ دریا کے کنارے پر مجھے دو باتیں نصیحت کے طور پر فرمائیں، ایک یہ کہ خود بینی مت کرو یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا نہ سمجھو اور دوسروں کے متعلق بد بینی مت کرو یعنی

دوسروں کو برا نہ سمجھو یہ چیز آدمی کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنتی ہے۔

بَابُ اصْطِنَاعِ الْمَالِ

٤٧٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَنَشُ بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا تُنْتَجُ فَرَسُهُ فَيَنْحَرُهَا فَيَقُولُ: أَنَا أَعِيشُ حَتَّى أَرْكَبَ هٰذَا؟ فَجَاءَنَا كِتَابُ عُمَرَ: أَنْ أَصْلِحُوا مَا رَزَقَكُمُ اللهُ فَإِنَّ فِي الْأَمْرِ تَنَفُّسًا.

مال کی حفاظت کرنا

ترجمہ: حضرت حنش بن حارث رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ جس علاقے میں ہم رہتے تھے وہاں ایک آدمی تھا جب اس کی گھوڑی کو بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس بچے کو ذبح کر دیتا اور یوں کہا کرتا کہ کہاں میں اتنا زندہ رہنے والا ہوں کہ اس بچے پر سواری کی مجھے ضرورت پیش آئے گی؟ (کب بچہ بڑا ہوگا؟ کب سواری کے قابل ہوگا؟ ابھی تو میری عمر پچاس، ساٹھ، ستر سال کی ہوگئی ہے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حکم آیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو روزی دی ہے اس کو ٹھیک طریقے سے اور سنبھال کے رکھو اس لیے کہ ہوسکتا ہے زندگی لمبی ہو جائے اور ضرورت پیش آئے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس کو ضائع نہ کیا جائے اس لیے کہ اگر آپ انتقال کر گئے تب بھی وہ چیز تو محفوظ رہے گی اور دوسروں کے کام آئے گی، لیکن اس کو ضائع کر دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کو باقی رکھا جائے، آپ اس کو استعمال نہیں کر رہے ہیں تو کسی استعمال کرنے والے قدردان کو دے دیا جائے۔ ہم لوگ سفر میں

ہوتے ہیں اور کھانا بچ جاتا ہے تو پھینک دیتے ہیں، پھینکو مت بلکہ جو ضرورت مند ہے اسے دے دو۔

اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس کا صحیح استعمال کریں

اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا چاہیے، ایسی کوئی شکل اختیار نہ کی جائے جس سے وہ مال ضائع ہو، چاہے وہ معمولی چیز ہو۔ اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں وہ مال کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطیہ سمجھ کر اس کے ساتھ قدردانی کا معاملہ کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اگر کوئی گلاس بھر کر پانی لیتا اور آدھا پی کر باقی ضائع کر دیتا جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہوتی ہے تو اس پر حضرت بہت ناراض ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ پھینکا کیوں؟

پانی اور کاغذ وغیرہ کو معمولی نہ سمجھیں

پانی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جہاں پانی میسر نہیں ہے وہاں جا کر پوچھو کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہاں پر (سورت میں) سیلاب کے زمانے میں لوگوں نے دیکھ لیا تھا کہ پانی کے نہ ہونے سے ان کا کیا حال ہوا تھا۔ گذشتہ سال ہی کا واقعہ ہے کہ لوگ ایک پاؤچ پانی کے لیے لاکھوں روپیے دینے کو تیار تھے، جب نعمت چلی جاتی ہے تو اس کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی خط ایسا آتا کہ لکھنے والے نے آدھا لکھا اور آدھا خالی رکھا ہے تو حضرت اس کو باقاعدہ قینچی سے کٹوا کر پرچی رکھوا دیا کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے

ایک مرتبہ دیکھا کہ کھجور کا ایک دانا پڑا ہوا ہے تو آپ نے یہ سمجھ کر کہ کہیں ضائع نہ ہو آپ نے اسے اٹھا کر کھالیا یہ واقعہ حکایات صحابہ میں موجود ہے۔رات کے وقت یہ خیال آیا کہ وہ دانہ صدقہ کے مال سے نہ ہو یہ سوچ کر آپ کی نیند اڑ گئی ،جن ام المؤمنین کے یہاں شب باشی تھی انہوں نے پوچھا کیا بات ہے کروٹیں بدل رہے ہیں اور نیند نہیں آتی ؟ فرمایا کہ گھر میں کھجور کا دانہ پڑا ہوا تھا وہ ضائع نہ ہو اس نیت سے اٹھالیا اور کھالیا لیکن اب یہ خیال آرہا ہے کہ وہ صدقہ کے مال کا نہ ہو اس خیال سے میری نینداڑ گئی ہے۔اس واقعہ سے یہ بتلانا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نیت سے اٹھایا تھا کہ ضائع اور برباد نہ ہو اس لیے اٹھا کر کھالیا لیکن اب یہ خیال آگیا کہ کہیں وہ صدقہ کا نہ ہو۔ ہمارے پاس جب فراوانی سے کوئی چیز ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی چھوٹی چھوٹی نعمتوں کی ہم قدر نہیں کرتے ،ان کو ضائع کر دیتے ہیں اور پھینک دیتے ہیں ، بھائی ! آپ استعمال نہ کریں تو کسی اور کو دے دیں تا کہ وہ باقی حصے کو استعمال کر لے۔ یہاں یہ باب قائم کر کے اسی کو بتلانا چاہتے ہیں۔

٤٨٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَفِي يَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيلَةٌ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا تَقُومَ حَتَّى يَغْرِسَهَا فَلْيَغْرِسْهَا .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اگر قیامت قائم ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہے اور وہ اس کو گاڑھ سکتا ہے (یعنی بو سکتا ہے) تو بوئے بغیر وہاں سے نہ اٹھے۔

تشریح: کھجور کا جو پودا ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ بونے کے لیے لیا جاتا ہے اس کو فسیلہ کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر قیامت قائم ہو جائے تب بھی اس کو ضرور بوئیں۔ کسی کو یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اب تو قیامت قائم ہوگئی اب تو اس سے آگے فائدہ اٹھانے کی کوئی توقع نہیں رہی تو اب بونے سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لیے فرما رہے ہیں کہ آپ اپنے ہاتھ سے اس کو ضائع نہ کریں اس لیے کہ آپ اس کو چھوڑ دیں گے تو وہ بیکار ہو جائیگا، کوئی بھی چیز اس طرح مفت میں ضائع کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

٤٨١ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ الْبَجَلِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ حِبَّانَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ: قَالَ لِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم: إِنْ سَمِعْتَ بِالدَّجَّالِ قَدْ خَرَجَ، وَأَنْتَ عَلَى وَدِيَّةٍ تَغْرِسُهَا، فَلَا تَعْجَلْ أَنْ تُصْلِحَهَا، فَإِنَّ لِلنَّاسِ بَعْدَ ذَلِكَ عَيْشًا.

ترجمہ: حضرت داود بن ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (آپ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، یہودیوں کے بڑے عالم تھے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا) نے مجھ سے کہا کہ تم نے سنا کہ دجال کا ظہور ہو گیا (اس لیے کہ دجال کے ظہور کے بعد قیامت قائم ہونے میں کوئی زیادہ زمانہ نہیں رہے گا) اس وقت تمہارے ہاتھ میں کوئی پودا ہے جس کو تم بونے جا رہے ہو تو گویا اس کو بونے سے پہلے جلد بازی مت کرنا (یعنی یہ مت کرنا کہ دجال کا ظہور ہو گیا اس لیے آپ نے اس کو چھوڑ دیا) اس لیے کہ لوگوں کی اس کے بعد

بھی زندگی ہے (مطلب یہ ہے کہ تم نہیں تو کوئی دوسرا اس سے فائدہ اٹھائے گا)۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو ضائع نہ کیا جائے۔ایک مرتبہ ہارون رشید اپنے وزیر کے ساتھ جا رہے تھے ایک بوڑھا شخص کھجور کا پودا لگا رہا تھا، ہارون رشید نے بوڑھے سے کہا کہ تم یہ کھجور کا پودا لگا رہے ہو کیا تمہیں یہ امید ہے کہ اس کا پھل کھاؤ گے؟ (ہارون رشید نے یہ اس لیے کہا کہ کھجور کا درخت ذرا تاخیر سے پھل لاتا ہے) اس پر بوڑھے نے کہا کہ ہر بونے والا اگر یہی سوچ کر بوتا تو ہمیں کھجور کا ایک دانا بھی کھانے کو نہیں ملتا، اس پر ہارون رشید نے وزیر سے کہا کہ اسے پانچسو درہم انعام دو، پانچسو درہم انعام ملنے پر بوڑھے نے کہا کہ میرا پودا تو ابھی پھل لے آیا، تو کہا کہ دوسرا پانچسو دو، اس نے کہا کہ میرا پودا تو سال میں دو مرتبہ پھل لاتا ہے، کہا کہ تیسرے پانچسو دو۔

بَابُ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ

۴۸۲ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٍ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ“.

مظلوم کی بددعا کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں، ایک مظلوم کی، دوسری مسافر کی اور تیسری باپ کی بددعا اپنے بیٹے کے لیے۔

تشریح: مظلوم کی بددعا ضائع نہیں جاتی جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے

[إِيَّاكَ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُومِ فَإِنَّه لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ]،حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو نصیحتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ مظلوم کی بد دعا سے بچنا اس لیے کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

فارسی میں شاعر نے کہا ہے کہ:

بترس از آہِ مظلومان کہ ہنگام دعا کردن	اجابت از درحق بحر استقبال می آید

یعنی مظلوم کی بد دعا سے ڈرتے رہنا کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت سامنے سے اس کا استقبال کرتی ہے۔ اور مسافر کی دعا اس لیے قبول ہوتی ہے کہ حالت سفر میں ایک شکستگی کی سی کیفیت ہوتی ہے، آدمی پراگندہ حال ہوتا ہے تو اس حالت میں اس کا دل ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق ہوجاتا ہے اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتے ہیں۔ اور باپ کی دعا اس لیے قبول ہوتی ہے کہ عموماً باپ اپنے بیٹے کے لیے بد دعا نہیں کرسکتا، لیکن جب کررہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ حالات بڑے سنگین ہیں، بیٹے کی طرف سے باپ کو بہت سخت ستایا گیا ہے تب ہی اس کی زبان سے بد دعا نکل رہی ہے۔

بَابُ سُؤَالِ الْعَبْدِ الرِّزْقَ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لِقَوْلِهِ: ارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ

٤٨٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ،

عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ رضی الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ نَظَرَ نَحْوَ الْيَمَنِ فَقَالَ: "اللهُمَّ أَقْبِلْ بِقُلُوبِهِمْ"، وَنَظَرَ نَحْوَ الْعِرَاقِ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ، وَنَظَرَ نَحْوَ كُلِّ أُفُقٍ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ، وَقَالَ: "اللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ تُرَاثِ الْأَرْضِ، وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا وَصَاعِنَا.

بندہ کا اللہ تبارک وتعالیٰ سے رزق طلب کرنا

اور دعا کرنا کہ اے باری تعالیٰ تو ہمیں روزی دے، تو بہترین روزی دینے والا ہے۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیٔ کریم ﷺ کو منبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ آپ ﷺ نے یمن کی سمت دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ! یمن والوں کے دلوں کو متوجہ فرما (یعنی ایمان اور اسلام کی طرف متوجہ فرمادے تاکہ وہ ایمان اور اسلام کو قبول کرلیں) اسی طریقے سے عراق کی سمت آپ نے چہرا پھیرا اور ان کے لیے بھی اسی طرح دعا کی کہ اے اللہ! ان کے دلوں کو متوجہ فرما (اسلام کی طرف ایمان کی طرف مائل فرمادے) اسی طرح دنیا کے اور دوسرے کنارے اور سمتوں کی طرف آپ نے نظر کر کے اسی طرح دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ اس سمت کے رہنے والوں کے دلوں کو ایمان اور اسلام کی طرف مائل فرما، اس کے بعد آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! زمین کی وراثت سے ہمیں روزی عطا فرما اور ہمارے مُد اور صاع میں برکت دے۔

صاع اور مد کی تشریح

تشریح: صاع ایک پیمانہ ہے جس سے غلہ ناپا جاتا ہے جو تقریباً ساڑھے تین کیلو کے وزن کے برابر ہوتا ہے، یہ ناپنے کا آلہ ہے، وزن کا نہیں اور مُد صاع کے

چوتھائی حصہ کو کہتے ہیں، آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ہمارے مد اور صاع میں برکت دے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں مُد اور صاع کے ذریعے سے ناپی جاتی ہیں ان میں برکت دے۔ اس زمانے میں عام طور پر گیہوں، چاول اور دوسری چیزیں جو کھانے پینے اور غلے کے قبیل سے ہوا کرتی تھیں ان کو ناپنے کا رواج تھا۔

دنیا ہمیشہ کسی ایک ہاتھ میں نہیں رہتی

جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا ہے وہ کسی ایک آدمی کے ہاتھ میں نہیں رہتی، جو جاتا ہے وہ دوسرے کے لیے چھوڑ کر جاتا ہے، اسی لیے اس کو میراث سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا پہلے جس کے ہاتھ میں تھی اس کے پاس سے نکل کر بعد میں آنے والے کی میراث بن گئی۔ زمین کی وراثت سے مراد زمین میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمتیں اور جو خزانے رکھے ہیں وہ مراد ہیں، آپ ﷺ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! تو نے اگلی قوموں، امتوں اور اگلے لوگوں کو جو نعمتیں دی تھں اب ہمیں بھی وہ عطا فرما۔

روزی مانگنا بھی سنت ہے

بہر حال یہاں یہ روایت اس لیے لائے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے روزی کا سوال کیا، معلوم ہوا روزی مانگنا بھی سنت ہے اور اگر سنت کی نیت سے مانگے گا تو ہم خرما وہم ثواب یعنی ثواب بھی ہے اور فائدہ بھی ہے۔ روزی کا سوال کرنا، روزی کے لیے دعا کرنا یہ بھی گویا ایک سنت طریقہ ہے، سنت سمجھ کر کریں گے تو اس میں روزی تو ملے گی ہی لیکن اس کے ساتھ اس سنت پر عمل کرنے کا ثواب بھی ملے گا۔

بَابُ الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ

٤٨٤ - حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مِقْسَمٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَحَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ، وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ.

ظلم قیامت کے روز تاریکیوں کی شکل اختیار کرے گا

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم سے بچو، اس لیے کہ ظلم قیامت کے روز اندھریوں کی شکل اختیار کرے گا اور حرص کے ساتھ ملے ہوئے بخل سے بچو کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، ان لوگوں کو اس بیماری نے آمادہ کیا اس بات پر کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں اور اس بات پر آمادہ کیا کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کریں۔

تشریح: جانی ہو یا مالی دونوں اعتبار سے کسی پر ظلم مت کرو، کسی کا حق مت مارو، کسی پر زیادتی مت کرو، یہ بڑی خطرناک چیز ہے، جس آدمی نے دنیا میں ظلم کا ارتکاب کیا ہے، لوگوں کی حق تلفی کی ہے، لوگوں کے ساتھ زیادتی کی ہے کل قیامت میں اس کے لیے اندھریاں ہوں گی یعنی صحیح راستہ اس کو نہیں سوجھے گا، یہ چیز اس کی ہلاکت کا باعث ہوگی۔

شح عربی میں ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں بخیل ہے اور جو اپنا حق نہیں ہے اس کو بھی لینے کے لیے وہ تیار ہے،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے کام سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ جس کے اندر یہ مرض رذیلہ ہے یہ روحانی اور دل کی بیماری ہے، اسی بیماری کے نتیجے میں بہت ساری برائیاں وجود میں آتی ہیں، اسی کی وجہ سے آپس میں ٹکراؤ کی نوبت آتی ہے۔ اسی کی وجہ سے اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کریگا۔ اس بیماری کے نتیجے میں ایک دوسرے پر تہمتیں لگائے گا، ایک دوسرے کو تکلیفیں پہنچائے گا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصاً اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

٤٨٥ - حدثناحَاتِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُنْكَدِرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي مَسْخٌ، وَقَذْفٌ، وَخَسْفٌ، وَيُبْدَأُ بِأَهْلِ الْمَظَالِمِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے آخری زمانے میں تین چیزیں ہوں گی، چہرے بدل دئے جائیں گے، اور آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے اور زمین میں دھسا زئے جائیں گے اور ان عذابوں کی ابتداء ان لوگوں سے ہوگی جو لوگوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔

تشریح: آخری زمانہ میں اس امت پر چند عذاب واقع ہوں گے کہیں چہرے بدل جائیں گے یعنی انسان کا چہرا بدل کر کسی جانور کا چہرا مثلاً بندر، سور وغیرہ کا چہرا بنادیا جائے گا یا اور کسی طرح چہرے کی ہیئت بدل دی جائے گی۔

عام عذاب سے حفاظت کا وعدہ

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ جس طرح پچھلی قومیں عام عذاب سے

پوری کی پوری ہلاک کردی گئیں، قوم لوط پر آسمان سے پتھر برسے اور پوری قوم کو الٹ کر ہلاک کر دیا گیا، قوم نوح پر بارش کا پانی برسایا گیا اور پوری قوم کوڈبوکر ہلاک کر دیا گیا، بعض قوموں پر آگ برسائی گئی اور وہ ہلاک کر دئے گئے تو کیا امت محمد یہ ﷺ پر بھی اس طرح عام عذاب آئیگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! جس طرح اگلی امتوں پر آسمان سے عذاب آیا، اور زمین کی طرف سے عذاب کی جو شکلیں ہوئیں میری امت کو اس طرح عذاب سے ہلاک نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اس لیے پوری امت تو نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے ہلاک نہیں ہوگی، لیکن جزوی طور پر کہیں کہیں ایسی شکلیں ہوں گی جیسا کہ دنیا کے مختلف حصوں اور علاقوں میں کہیں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے چہرے مسخ کر دئے گئے، ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے، آگ برسائی گئی، زمین میں ان کو دھسا کا یا گیا۔ اور یہ خاص عذاب کی ابتداء ان لوگوں سے ہوگی جو ظلم کرنے والے ہیں یعنی بندوں کے حقوق کو ضائع اور برباد کرتے ہیں۔

٤٨٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمَاجِشُونِ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت لائے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم قیامت کے روز اندھیریوں کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

تشریح: جیسے جیسے آدمی گناہ کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز گناہ کو

اس کے مناسب شکل عطا فرمائیں گے، ظلم یعنی لوگوں کے حقوق مارنا، لوگوں کے ساتھ زیادتی کرنا یہ جو گناہ اس سے صادر ہوا ہے قیامت کے روز اس کو اندھیریوں کی شکل دی جائے گی اور یہ اس کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنے گا۔

٤٨٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَإِسْحَاقُ قَالَا: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوا بِقَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيَتَقَاصُّونَ مَظَالِمَ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتَّى إِذَا نُقُّوا وَهُذِّبُوا، أُذِنَ لَهُمْ بِدُخُولِ الْجَنَّةِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَأَحَدُهُمْ بِمَنْزِلِهِ أَدَلُّ مِنْهُ فِي الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والے جب جہنم سے نجات پا جائیں گے اس کے بعد جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل ہے اس پر ایمان والوں کو روک دیا جائے گا۔ دنیا میں ایمان والوں میں جو آپس کی حق تلفیاں ہوئیں تھیں اس کا برابر بدلہ دلوایا جائے گا، یہاں تک کہ بالکل پاک صاف اور مہذب بنا دئے جائیں گے تو اب جنت میں داخلہ کی اجازت ملے گی، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ جنتیوں میں سے ہر ایک اپنے مکان کو اس سے زیادہ اچھا پہچانے گا جیسے دنیا میں اپنے مکان کو پہچانتا ہے۔

پل صراط کا مختصر تذکرہ

تشریح: جہنم پر ایک پل ہے جس کو پل صراط کہتے ہیں اس پر سے ہر شخص کو گذرنا ہے، جس کا جہنم میں جانا مقدر ہے وہ تو کٹ کر اسی میں گر جائے گا اور جس کے

لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے نجات پانا مقدر فرمایا ہے وہ اس کو پار کر جائیگا اور پار کرنے والے بھی اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوں گے، بعض اللہ کے بندے وہ ہوں گے جو بجلی کی طرح پار کرلیں گے، بعض ہوا کی طرح، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض دوڑتے ہوئے، بعض پیدل اور بعض گرتے پڑتے، بہر حال پار کرلیں گے، جن لوگوں کا جہنم میں جانا مقدر ہوگا وہ لوگ کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے۔

جنت میں داخلہ سے پہلے ایک اور پل

جو لوگ پل صراط پار کرلیں گے وہ لوگ اس کے بعد فوراً جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ اس کے بعد بیچ میں ایک پل جیسی شکل ہوگی (جیسے اسٹیشنوں پر پل ہوتے ہیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی کے اندر اس کو واضح کیا ہے) وہاں روک لیے جائیں گے اور دنیا میں ایک دوسرے پر جو ظلم کیا تھا اس کا بدلہ دلوایا جائیگا، بلکہ اگر کسی پر بدگمانی تک کی ہے اس کے بارے میں بھی پوچھا جائیگا، روایتوں میں آتا ہے کہ اس سے پوچھا جائیگا کہ تو نے تیرے فلاں بھائی کے متعلق بدگمانی کی تھی کیا دلیل ہے تیرے پاس؟ اس کے بعد جنت میں داخلے کی اجازت ملے گی۔ اور وہ لوگ جنت میں جب داخل ہوں گے تو سیدھے اپنے مکان پر اس طرح پہنچ جائیں گے جیسا ہم اپنے مکان پر بغیر کسی راہنمائی کے پہنچ جاتے ہیں جیسا ایک سورت کا رہنے والا جب سورت کے باہر گیا ہو اور واپس آئے گا تو اپنے مکان کو بتلانے کے لیے کسی راہنما کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح جنت میں جانے کے بعد بھی اس کے لیے جو جگہ اور مکان تجویز ہوا ہے وہاں پہنچانے کے لیے کوئی راہنما نہیں ہوگا بلکہ خود پہنچ جائے گا۔ علماء نے اس پر

ایک نکتہ لکھا ہے کہ جو کچھ جنت میں ملے گا جنت کے مکان اور جنت کی نعمتیں یہ سب اس کے اعمال کے بدلے میں ملا ہے اور ہر شخص اپنے نیک اعمال کو خوب جانتا ہے اسی طرح ان اعمال کی جو شکلیں ہوں گی ان کو بھی خوب جانے گا۔

٤٨٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفُحْشَ، فَإِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ، وَإِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ، فَإِنَّهُ دَعَا مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَقَطَعُوا أَرْحَامَهُمْ، وَدَعَاهُمْ فَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ظلم سے بچو (یعنی کسی کی حق تلفی مت کرو، کسی پر جانی یا مالی اعتبار سے، یا عزت وآبرو کے اعتبار سے زیادتی مت کرو) اس لیے کہ یہ ظلم قیامت کے روز اندھیریوں کی شکل میں ظاہر ہوگا اور اپنے آپ کو بے حیائی سے بھی بچاؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے ارتکاب کرنے والے کو اور بہ تکلف بے حیاء بننے والے کو پسند نہیں کرتا، اپنے آپ کو ایسا بخل جو لالچ کے ساتھ ملا ہوا ہو اس سے بھی بچاؤ اس لیے کہ اس برائی نے تم سے پہلے والے لوگوں کو رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے پر آمادہ کیا اور ان کو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنے پر آمادہ کیا۔

تشریح: بعض لوگوں کے مزاج ہی میں بے حیائی ہوتی ہے، ان کے ہر لفظ سے بے حیائی ٹپکتی ہے جب وہ بولتے ہیں تو بے حیائی والے الفاظ بولتے ہیں، کوئی حرکت کر رہے ہیں تو بے حیائی ظاہر ہوتی ہے ایسے لوگوں کو عربی میں فاحش کہتے ہیں اور

بعض وہ ہیں جن کے مزاج میں بے حیائی نہیں ہے لیکن کبھی وہ لوگ بھی مجلس کے رنگ کی رعایت کرتے ہوئے بے حیاء بننے لگتے ہیں مثلاً مجلس بے حیائی والی ہے تو وہ بھی بے حیاء بن جاتے ہیں ان کو عربی زبان میں متفحش کہتے ہیں۔

بخل جس کے ساتھ لالچ بھی ملی ہو اس کو عربی زبان میں ''شح'' کہتے ہیں، یہ دل کی بیماری ہے یعنی وہ بیماری جو دل میں ہو۔ یہ ایسی شدید لالچ ہے جس کے نتیجے میں اگلے لوگوں میں دو برائیاں آئیں، ایک تو اس کی وجہ سے رشتہ داری کے حقوق ضائع کئے اس لیے کہ بخل ہوگا تو وہ حقوق ادا نہیں کرے گا، یعنی ایک دوسرے کی چیز پر ہاتھ ڈالنا، تکالیف پہنچانا یہ سب اسی کے نتیجے میں ہوتا ہے دوسری برائی اس بخل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کیا۔

٤٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مِقْسَمٍ، عَنْ جَابِرٍ رضى الله تعالى عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَحَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ، وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا کہ ظلم اور حق تلفی یعنی لوگوں کے حقوق کو ضائع کرنے سے بچو اس لیے کہ یہ ظلم قیامت کے دن اندھیریوں کی شکل میں نمودار ہوگا اور وہ لالچ جو بخل کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس سے بھی بچو اس لیے کہ اس نے اگلے لوگوں کو ہلاک کیا اور ان کو آپس میں ایک دوسرے کے خون کو بہانے اور اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرنے پر آمادہ کیا۔

٤٩٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى قَالَ: اجْتَمَعَ مَسْرُوقٌ وَشُتَيْرُ بْنُ شَكَلٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَتَقَوَّضَ إِلَيْهِمَا حِلَقُ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ مَسْرُوقٌ: لَا أَرَى هٰؤُلَاءِ يَجْتَمِعُونَ إِلَيْنَا إِلَّا لِيَسْتَمِعُوا مِنَّا خَيْرًا، فَإِمَّا أَنْ تُحَدِّثَ عَنْ عَبْدِ اللهِ فَأُصَدِّقَكَ أَنَا، وَإِمَّا أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ عَبْدِ اللهِ فَتُصَدِّقَنِي؟ فَقَالَ: حَدِّثْ يَا أَبَا عَائِشَةَ، قَالَ: هَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ: الْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ، وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ، وَالرِّجْلَانِ تَزْنِيَانِ، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا سَمِعْتُهُ.

قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَجْمَعَ لِحَلَالٍ وَحَرَامٍ وَأَمْرٍ وَنَهْيٍ، مِنْ هَذِهِ الْآيَةِ: ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى﴾ [النحل] قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا قَدْ سَمِعْتُهُ قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَسْرَعَ فَرَجًا مِنْ قَوْلِهِ: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ [الطلاق] قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا قَدْ سَمِعْتُهُ.

قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَشَدَّ تَفْوِيضًا مِنْ قَوْلِهِ: ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ﴾ [الزمر] قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا سَمِعْتُهُ.

ترجمہ: حضرت ابوالضحیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد میں حضرت مسروق اور شتیر ابن شکل رحمہما اللہ جمع ہوئے (دونوں تابعین میں سے ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں) ان کو دیکھ کر سب اپنے حلقے چھوڑ کر (مسجد میں مختلف حلقے لگئے ہوئے تھے اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری تھا، کوئی قرآن سیکھ رہا تھا، کوئی

حدیث پڑھ رہا تھا، کوئی مسائل سیکھ رہا تھا) ان کے پاس جمع ہو گئے (جب کوئی بڑا آدمی آتا ہے تو لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر بڑے آدمی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں) یہ منظر دیکھ کر حضرت مسروق رحمہ اللہ نے اپنے ساتھی شتیر ابن شکل رحمہ اللہ سے کہا کہ میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ لوگ ہمارے پاس اس لیے جمع ہوئے کہ کوئی اچھی بات سنیں (خود حلقوں میں بیٹھے ہوئے تھے اپنے حلقوں کو چھوڑ کر ہمارے پاس جمع ہو گئے وہ اس لیے کہ وہ ہم سے کوئی اچھی بات سننا چاہتے ہیں) حضرت مسروق رحمہ اللہ نے اپنے ساتھی شتیر رحمہ اللہ سے کہا: یا تو تم حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے کوئی بات بیان کرو اور میں تمہاری تصدیق کروں گا (یعنی میں نے سنی ہوگی تو میں کہوں گا کہ انہوں نے ایسا کہا ہے، اس لیے کہ جب ایک استاذ کے دو شاگرد ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک شاگرد جب بیان کرتا ہے تو دوسرا شاگرد کہتا ہے کہ ہاں استاذ نے اسی طرح فرمایا تھا) یا میں بیان کروں اور تم میری تصدیق کرنا، تو اس پر شتیر ابن شکل رحمہ اللہ نے حضرت مسروق رحمہ اللہ سے فرمایا کہ آپ بیان کرو، حضرت مسروق رحمہ اللہ نے بیان کرنا شروع کیا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں، دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں، دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرم گاہ ان کے افعال کو یا تو جھٹلاتی ہے یا ان کی تصدیق کرتی ہے۔ تم نے یہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہتے ہوئے سنا؟ اور کہا کہ میں نے بھی سنا؟ تو کہا کہ جی ہاں میں نے سنا تھا اور حضرت مسروق رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے بھی سنا اور مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے پھر ان کو پوچھا کہ کیا تم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ قرآن میں کوئی ایسی آیت جو حلال اور حرام اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو جامع ہو اس سے بڑھ کر نہیں ہے؟ ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى﴾ (سورۃ النحل کی آیت ہے بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم کرتے ہیں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اور بھلائی اور حسن سلوک کرنے کا

اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا اور بے حیائی کی باتوں سے اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رکنے کا، کہا کہ کیا یہ سنا؟ تو کہا کہ جی ہاں تو مسروق کہتے ہیں میں نے بھی سنا، کیا تم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ قرآن کے اندر اس سے زیادہ کشادگی والی آیت نہیں جس میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشادگی اور چھٹکارے کا راستہ نکالے گا، کہا کہ کیا یہ سنا؟ تو کہا کہ جی ہاں میں نے بھی سنا۔ کیا تم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن میں اس سے زیادہ اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے والی کوئی آیت نہیں، باری تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے وہ بندو! جنھوں نے میری نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔

تشریح: زنا کا گناہ جو انجام دیا جاتا ہے اس میں آدمی کا پورا بدن حصہ لیتا ہے، ہر ہر عضو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس سے لذت اٹھاتا ہے، آنکھیں اس مزنیہ عورت کو دیکھ کر اس کے حسن و جمال سے لطف اندوز ہوتی ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے (اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا اَلنَّظْرُ) آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا کسی پرائی عورت کو شہوت کے ساتھ دیکھنا ہے، کان باتیں سن کر لطف اندوز ہوتے ہیں، (وَالْيَدَانِ يَزْنِيَانِ) ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ہاتھ کا زنا اس کو پکڑنا، اس کو خط لکھنا، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہاتھ سے جو بھی کام کیا جائیگا سب اس میں آجاتا ہے، اس سے بات کرنے کے واسطے موبائل استعمال کرنا یہ بھی ہاتھ کا زنا شمار ہوگا۔ (وَالرِّجْلَانِ يَزْنِيَانِ) اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں، پاؤں کا زنا اس کی طرف چل کر

جانا ہے، گاڑی چلا رہا ہے تو گاڑی چلاتے وقت اس کا پاؤں استعمال ہوگا وہ بھی اسی میں داخل ہے، گویا ہر ہر عضو جو زنا کا ارتکاب کرنے کے لیے اپنی طرف سے جو حصہ دیتا ہے اس کے حصے کو زنا سے تعبیر کیا گیا۔ اور شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یعنی آخری اور حتمی نتیجہ اسی سے ظاہر ہوگا یعنی آگے وہ کام وجود میں آگیا تو گویا سب پر مہر لگ گئی، اگر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائی، احساس ہوگیا، ساری حرکتیں کرکے پہنچا تو سہی لیکن عین وقت پر حقیقتاً اس کام کو انجام دینے سے رکا تو یہ سارے گناہ معاف ہوجائیں گے اور اگر کرلیا تو سارے گناہوں پر مہر لگ جائیگی اسی کو تصدیق سے تعبیر کیا ہے۔

نافرمانی سے بچنے کی خود کوشش کرو اللہ تعالیٰ راستہ نکالے گا

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لیجانے والے بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں کہ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اب ہمارے لیے رہائی، چھٹکارہ اور اس گناہ سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں لیکن اگر وہ استقامت کا مظاہرہ کرکے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خود کو بچائے گا تو اللہ تعالیٰ راستہ نکالے گا، بھائی تجارت میں ایسا موقع آگیا کہ سب ایسا کہتے ہیں کہ اب تو آپ کو سودی قرض لیے بغیر کوئی چارہ نہیں، لیکن آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرے کہ نہیں یہ تو گناہ کا کام ہے کچھ بھی ہوجائے چاہے میری تجارت ختم ہوجائے لیکن میں ایسا نہیں کرسکتا، آپ جمے رہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچایا تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے راستہ نکالیں گے، اور اگر کسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگئی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاؤ اور رو دھو کر توبہ کرلو، اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کا

دروازہ کھلا ہوا ہے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا ہی رہتا ہے آؤ! اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ	گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست	صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

تم جو کچھ بھی ہو کیا ہو آؤ اللہ تعالیٰ کے دروازے کی طرف لوٹو جو بھی ہو کافر ہو، بت پرست ہو، آتش پرست ہو باز آ جاؤ یہ ہمارا دربار ہے یہ نا امیدی کی جگہ نہیں ہے، سو بار بھی اگر تمہاری توبہ ٹوٹے پھر بھی آ جاؤ۔

٤٩١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ مُسْهِرٍ - أَوْ بَلَغَنِي عَنْهُ - قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ: "يَا عِبَادِي، إِنِّي قَدْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ مُحَرَّمًا بَيْنَكُمْ فَلَا تَظَالَمُوا. يَا عِبَادِي، إِنَّكُمُ الَّذِينَ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ، وَلَا أُبَالِي، فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْ لَكُمْ. يَا عِبَادِي، كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ، فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ. يَا عِبَادِي، كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مِنْ كَسَوْتُهُ، فَاسْتَكْسُونِي أَكْسُكُمْ. يَا عِبَادِي، لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْكُمْ، لَمْ يَزِدْ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، وَلَوْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ، لَمْ يَنْقُصْ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا، وَلَوِ اجْتَمَعُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ مَا سَأَلَ، لَمْ يَنْقُصْ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا،

إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْبَحْرُ أَنْ يُغْمَسَ فِيهِ الْخَيْطُ غَمْسَةً وَاحِدَةً. يَاعِبَادِي، إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أَجْعَلُهَا عَلَيْكُمْ، فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَلِكَ فَلَا يَلُومُ إِلَّا نَفْسَهُ" كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ جَثَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ باری تعالیٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے۔ اور تمہارے آپس میں بھی میں نے اس کو حرام قرار دیا اس لیے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو (کسی کی حق تلفی مت کرو، کسی کے ساتھ زیادتی مت کرو) اے میرے بندو! تم وہ لوگ ہو جو رات کو اور دن کو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہو اور میں گناہوں کو معاف کرتا ہوں مجھے کوئی پروا نہیں (چاہے کتنے ہی گناہ کیوں نہ ہوں) اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو مگر وہ جس کو میں کھانا دوں اس لیے مجھ سے کھانا مانگو میں تم کو کھانا دوں گا۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک ننگا ہے مگر وہ جس کو میں کپڑا دوں اس لیے تم مجھ سے کپڑا مانگو میں تم کو کپڑا دوں گا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، تمہارے انسان اور جنات تم میں جو سب سے زیادہ نیک ہے اس جیسے دل والے ہو جائیں (یعنی سب نیک بن جائیں) تو ان کی یہ نیکی میری عزت اور بڑائی میں کوئی زیادتی اور اضافہ نہیں کرے گی اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے جنات اور انسان تم میں جو سب سے بدکار آدمی ہے ویسے بن جائیں (یعنی سب میرے نافرمان بن جائیں) تو اس سے میری عظمت اور بڑائی میں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے جنات و انسان سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور سب مجھ سے اپنی ساری حاجتیں مانگیں اور جو جو وہ مانگ رہے ہیں میں وہ سب دے دوں تو ان کی مانگوں کو پورا کرنے سے میرے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی مگر اتنا جیسا کسی نے سمندر کے اندر سوئی کو جلدی سے ڈبویا اور نکالا (اس سوئی پر جتنا

پانی آئے گا اتنی کمی آئے گی) اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو میں تمہاری طرف لوٹاتا ہوں (یعنی تم کو جو حالات پیش آتے ہیں تمہارے اعمال کا نتیجہ ہیں) تم سے کوئی بھلائی اور اچھی چیز دیکھیں تو اللہ کا شکر ادا کریں اس کی حمد و ثناء کریں اور جو کچھ دوسری شکل نظر آئے اس میں اپنے علاوہ کسی اور پر ملامت نہ کرے (وہ اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے) ابو ادریس خولانی اس روایت کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں جب وہ بیان کرتے تھے تو (اس کی عظمت کی وجہ سے) بالکل گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے تھے۔

تشریح: جس حدیث میں آپ ﷺ یہ فرمائیں کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ایسی حدیث کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں خود انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوں یعنی میں ظلم نہیں کرتا جیسے کوئی آدمی کسی کام کو انجام دینے کا پابند بنایا گیا ہو اسی طرح میں نے بھی اپنے آپ کو ظلم نہ کرنے والے کام کا پابند بنایا ہے اس لیے میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

آدمی جب توبہ کرتا ہے تو چاہے زمین کی سطح سے لیکر آسمان تک پوری فضا گناہوں سے بھری ہوئی ہو تو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، ہم بندوں کا حال تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی کو معاف کیا، دو مرتبہ معاف کیا، تین مرتبہ معاف کیا، پھر کہے گا کہ کتنی مرتبہ معاف کروں تجھے تو معافی مانگنے کی عادت ہو گئی ہے، باپ بھی بیٹے کو کہے گا کہ کتنی مرتبہ معاف کروں یا کتنی نافرمانیاں معاف کروں تیری تو نافرمانیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے، تو نے تو شرارتوں کا ڈھیر لگا دیا، اللہ تعالیٰ تو ارحم الراحمین ہے، ماں باپ سے کئی گنا زیادہ مہربان ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بندو!

گناہوں کی مجھ سے معافی مانگو میں تمہارے گناہوں کو معاف کروں گا۔ اسی طرح دنیا میں کوئی کتنا ہی بڑا سخی ہو اگر مانگنے والوں کا جھمگٹا ہو جائے اور سب کئی کئی چیزیں مانگ رہے ہوں تو وہ بھی تنگ آجاتا ہے اور گھبرا جاتا ہے، باری باری ہو تو ٹھیک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ آدمی کو اپنی ہر چیز اور اپنی ہر چھوٹی بڑی حاجت اللہ ہی سے طلب کرنی چاہیے۔ ہمارے بعض اکابر ایسے گذرے ہیں کہ دعا میں نمک بھی اللہ ہی سے مانگتے تھے، اپنے جوتے کا تسمہ اور چپل کی پٹی ٹوٹ جاتی ہے تو اسے بھی اللہ ہی سے مانگتے ہیں۔

فتح الله الأحد

بتوضیح

الأدب المفرد

لمحمد بن إسماعيل الإمام البخاريؒ ۲۵۶ھ

از افادات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل

مکتبۂ محمودیہ محمود نگر، ڈابھیل، گجرات